نادر شاہ افشار

اسلم راہی ایم اے

پیش لفظ

نادر شاہ افشار جس کا شمار ایران کے عظیم سنی حکمرانوں میں ہوتا ہے خراسان کے ایک قصبہ ابیورد میں پیدا ہوا۔ وہیں پرورش پائی۔ اس کا اصل نام نادر قلی تھا۔ باپ کا نام امام قلی تھا جو ایک معمولی قبیلے قرقلو سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ چونکہ کمزور تھا لہٰذا اس نے ایک طاقتور قبیلے افشار سے اتحاد کر لیا تھا۔

نادر کے باپ نے بھیڑیں پال رکھی تھیں اور پوستین بنا کر بیچتا تھا۔ نادر قلی کا بچپن ریوڑ چرانے میں گزرا۔ وہ ذات کا ترک تھا۔ باپ کی وفات پر گدھے اور اونٹ پر ایندھن لاد کر بیچا کرتا تھا۔

ازبکوں کے ایک چھاپہ مار گروہ نے نادر قلی اور اس کی ماں کو گرفتار کر کے اور غلام بنا کر خوارزم لے جا کر فروخت کر دیا۔ چار سال تک غلامی کی زندگی بسر کی۔ اسی غلامی میں اس کی ماں مر گئی۔ آخر ابیورد کے حاکم احمد لو افشار کے ہاں اسے ملازمت مل گئی۔ بعد میں ابیورد کا حاکم بھی بن گیا۔

لیکن جلد ہی یہ منصب چھن گیا۔ پھر اس نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ دولت جمع کی اور ان گنت جنگجوؤں کو اپنا ساتھی بنا لیا۔ آخر ترقی کرتے کرتے وہ نادر قلی سے ایران کا بادشاہ بن کر نادر شاہ بن گیا اور اپنی دلیری سے دنیا کے ایک خطے کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ ناول اسی نادر شاہ اور اس کے سالاروں کی داستانِ حیات ہے۔ امید ہے آپ اسے پسند کریں گے۔

اسلم راہی ایم۔اے

***

بے انت طوفانی اندھیروں کو گلے لگائے رات لمحہ بہ لمحہ، لحظہ بہ لحظہ موت کی ترائی میں اُترتی چلی جا رہی تھی۔ چاروں طرف نزع کے عکس ہیولوں، ویران ویران کوہستانی اشجار اور دھواں دھواں غبار کی سی چپ اور خاموشی طاری تھی۔ ایسے میں ایک نوعمر لڑکا اپنے توانا اور سرکش گھوڑے کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا رہا تھا جو بحیرہ خزر کے کنارے کنارے ویلم، گیلان اور طبرستان سے ہوتی ہوئی مازندان کی طرف جاتی تھی۔ وہ بار بار اس چوپان کی طرح گھوڑے کو ایڑ لگاتا تھا جس کے ریوڑ میں بھیڑیے گھس آئے ہوں اور وہ ان کے تعاقب میں لگ جانا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہ طغیانی پر آئے ہوئے اندھیرے میں اس نوعمر سوار نے جب دیکھا کہ رات ختم ہو رہی ہے اور سامنے مشرق سے سورج طلوع ہونے والا ہے، تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے خاک و خاکستر کر دینے والی بجلیوں کی سی کڑک، سمندر کے سینے پر موجزن ہو جانے والے زلزلوں کی دھمک کی طرح کئی بار اللہ اکبر کی تکبیریں بلند کیں۔ اس کی آواز، اس کے جذبے سے لگتا تھا جیسے وہ دشت کے ذرّے ذرّے، بحر کے قطرے قطرے، زمین کی رگ رگ میں شعلہ وخوں سامان لہروں اور جوہرِ لاتخف کی طرح گھستا چلا جائے گا۔ سورج طلوع ہونے کے بعد اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار مزید تیز کر دی تھی یہاں تک کہ سورج جب کافی چڑھ آیا، وہ مازندان کے نواحی کوہستانی سلسلوں میں پہنچ گیا تھا۔

اچانک ایک جگہ اس نے کوہستانی سلسلوں کے اندر اپنے گھوڑے کو روک دیا۔ گھوڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار اس نوعمر لڑکے نے پہلے گھوڑے کے دونوں کانوں کے درمیان گھوڑے کے سر پر کئی بار ہاتھ پھیرا، پھر اس کی گردن تھپتھپائی۔ اس پر گھوڑا بھی اوپر نیچے اپنی گردن کو ہلاتے ہوئے اپنائیت اور اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

جس جگہ اس لڑکے نے گھوڑے کو روکا تھا اس کے بائیں جانب ایک بلند ٹیلے پر ایک چرواہا کھڑا تھا جس نے ایک عصا پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے ہوئے سہارا لیا ہوا تھا اور اس کے سامنے کوہستانی سلسلوں کی ڈھلانوں پر ان گنت بکریاں چر رہی تھیں۔ شاید وہ چرواہا تھوڑی دیر پہلے وہاں بیٹھا ہوا ہوگا۔ لیکن کوہستانی سلسلے کے اندر گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہاں کھڑے ہی کھڑے اس لڑکے نے کچھ سوچا، پھر اس نے اپنے گھوڑے کے منہ سے دھانہ اتار دیا۔ زین کے ساتھ لٹکتی ہوئی خرجین کے اندر سے اس نے ایک رسا نکالا، اس سے گھوڑے کا ایک اگلا اور ایک پچھلا پاؤں باندھ دیا، پھر گھوڑے کو اس نے چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ شاید چند دن پہلے اس علاقے میں بارش ہوئی تھی اس لئے کہ کوہستانی سلسلے کے نیچے جو ڈھلان تھی وہاں کچھ گڑھوں کے اندر پانی کھڑا تھا۔

گھوڑا دیکھتے ہی دیکھتے پہلے پانی کی طرف لپکا، پانی پیا، اس کے بعد جوہڑ کے آس پاس جو ہری گھاس تھی، وہ بڑی رغبت سے چرنے لگا تھا۔

لڑکے نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اپنے گھاس چرتے ہوئے گھوڑے پر ڈالی پھر وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس ٹیلے پر چڑھنے لگا جس پر چرواہا اپنے عصا کا سہارا لئے کھڑا تھا۔ وہ چرواہا ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص تھا۔ لڑکا جب اس کے قریب گیا تو چرواہے نے جس وقت اسے مخاطب کرنا چاہا اس سے پہلے ہی وہ لڑکا بول اٹھا۔

''میرا نام کریم خان ہے۔ ترکوں کے قبیلے زند سے تعلق رکھتا ہوں۔ ان علاقوں، ان سرزمینوں میں اجنبی ہوں۔ آپ کے پاس اس لئے رکا ہوں کہ آپ سے رہنمائی حاصل کروں۔ کیا آپ اپنا تعارف کرائیں گے؟''

اس لڑکے کے ان الفاظ پر بوڑھا چرواہا خوش ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں پکڑا ہوا عصا اس نے زمین پر رکھ دیا، ایک چٹان کی طرف اشارہ کیا، پھر وہ کریم خان نام کے اس لڑکے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ لمبے سفر سے آ رہے ہو..... یہاں بیٹھو، پھر میں تفصیل سے تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ چرواہا بھی اس چٹان پر بیٹھ گیا تھا۔

لڑکا جس کا نام کریم خان تھا، چرواہے کے قریب ہو بیٹھا۔ یہاں تک کہ چرواہا

بول اٹھا۔

''بیٹے! میں ذات کا ترک ہوں۔ میرا نام رکن الدین ہے۔ مازندان کی ایک نواحی بستی کا رہنے والا ہوں۔ روز اس کوہستانی سلسلے پر اپنا ریوڑ چراتا ہوں۔ میرے خیال میں میرا اتنا تعارف ہی کافی ہے۔ اب تم کہو۔ اگر تم ان سرزمینوں میں اجنبی ہو تو کہاں سے آئے ہو؟ اگر میں غلطی پر نہیں تو تمہارا حلیہ دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ تم پوری رات سفر کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہو۔''

چرواہے رکن الدین کے ان الفاظ پر کریم خان اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ لمحہ بھر کے لئے اس کی گردن جھک گئی۔ پھر بکھرتی ہوئی آواز میں وہ کہہ رہا تھا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر پوری رات سفر کرتا رہا ہوں۔ میرا قبیلہ اس وقت موغان اور ویلم کے درمیانی علاقے میں قیام کئے ہوئے ہے۔ میں اس وقت موغان سے ہی آ رہا ہوں۔ میرا باپ جس کا نام معصوم خان تھا، وہ زند قبیلے کا سردار تھا۔ ہماری رہائش موغان شہر میں تھی۔ ہم تین بھائی، ایک بہن، ماں اور بابا تھے۔ قاچار قبیلے کے لوگ ہم پر حملہ آور ہوئے۔ میرے باپ، میری ماں، میری بہن کو انہوں نے قتل کر دیا۔ میں اور میرا بڑے بھائی صادق خان اور زکی خان ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ اب پتہ نہیں وہ کہاں ہوں گے۔ میں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر قاچار حملہ آوروں سے بچ نکلا۔ انہوں نے میرے قبیلے کو بھی بے پناہ نقصان پہنچایا۔ میرے قبیلے کے جوانوں کو انہوں نے بے دریغ قتل کیا۔ عورتوں میں سے اکثر کو لونڈیاں بنا کر ساتھ لے گئے ہیں۔ مازندان کی طرف اس لئے آیا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ نادر قلی افشار نے ان علاقوں کے اندر ایک مرتبہ اور درجہ حاصل کر لیا ہے۔ نادر قلی افشار میرے باپ کا دوست ہی نہیں، اس کا بھائی بنا ہوا تھا۔ اس لئے کہ میرے باپ کے نادر قلی افشار پر ہی نہیں، اس کے آباؤ اجداد پر بھی کچھ احسانات ہیں۔ یہ ساری باتیں مجھے میرے باپ نے کہی تھیں۔ چنانچہ قاچاریوں کے ہاتھوں اپنی تباہی اور بربادی کے بعد میں نے مازندان کا رخ کیا۔ اس لئے کہ مجھے خبر ہوئی کہ نادر قلی افشار نے ان دنوں مازندان میں قیام کیا ہوا ہے۔ لہٰذا میں قاچار قبیلے کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لئے نادر قلی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب رکن الدین حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اس دوران کریم خان بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے رکن الدین کو مخاطب کیا۔

''کیا میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے آپ کی دل شکنی ہوئی ہے؟ مجھ سے تفصیل سننے کے بعد میں دیکھتا ہوں آپ کچھ سنجیدہ بلکہ غم زدہ سے ہو گئے ہیں۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر رکن الدین نے اپنی گردن سیدھی کی، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بچے! کیا تجھے ایران کے موجودہ حالات کی خبر ہے کہ وہ کس رخ پر جا رہے ہیں؟ ایران میں کس کس کی حکومت ہے؟ کون کون بغاوت اور سرکشی پر اُترا ہوا ہے۔''

اس پر کریم خان نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''میں اپنے کچھ ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ درس گاہ اور اس کے ساتھ ہی ایک حربی مکتب میں زیر تربیت تھا کہ ہمارے ساتھ یہ حادثہ پیش آ گیا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ نادر قلی افشار نے مازندان میں کس سلسلے میں قیام کر رکھا ہے۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ نادر قلی کے حالات کیا ہیں؟ اس کا قبیلہ کہاں آباد ہے؟ وہ موجودہ مرتبے پر کیسے پہنچا؟ اور قاچار قبیلے کے خلاف وہ میری مدد بھی کر سکتا ہے کہ نہیں؟''

اس پر رکن الدین نے ایک لمبا سانس لیا، پھر کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر تم پسند کرو تو ایران کے علاوہ میں تمہیں نادر قلی افشار کے بھی پورے حالات سناتا ہوں۔ اتنی دیر تک تمہارا گھوڑا بھی چر کر پیٹ بھر لے گا۔ پورے حالات سننے کے بعد پھر تم بہتر انداز میں فیصلہ کر سکو گے کہ نادر قلی افشار کے پاس تمہیں اپنے قبیلے کی بربادی اور تباہی کے خلاف مدد لینے کے لئے جانا چاہئے یا نہیں۔''

رکن الدین کے ان الفاظ پر کریم خان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔ ''اگر آپ ایسا کریں تو یہ آپ کی مہربانی ہو گی۔ اس طرح مجھے نہ صرف ایران کے اصل حالات بلکہ اس کی سیاست سے بھی آگاہی ہو گی۔ میں نادر قلی افشار کے متعلق تفصیل جاننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی اندازہ لگا سکوں گا کہ مجھے مدد کے لئے اس کے پاس جانا چاہئے کہ نہیں۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب رکن الدین شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تمہیں بھوک لگی ہوئی ہے۔ پتہ نہیں تم نے شام کا کھانا بھی کھایا ہو گا کہ نہیں۔ دیکھو میں اپنے ساتھ دوپہر کا کھانا لے کر آتا ہوں۔ میرے پاس مشکیزے میں پانی بھی ہے۔ پہلے کھانا کھاؤ، پانی پیو، اس کے بعد تمہیں مقامی حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔''

جواب میں کریم خان نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''نہیں، پہلے آپ مجھے پورے حالات بتائیں۔ کھانے کا آپ فکر نہ کریں۔ راستے میں رات کا کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ میں نے ایک سرائے سے زادِ راہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ آپ میری بھوک سے متعلق فکرمند نہ ہوں۔ اس وقت مجھے جو سب سے بڑی فکر لاحق ہے وہ یہ کہ مجھے قاچاریوں کے خلاف اپنے قبیلے کی مدد کے لئے کسی کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔ آپ سے پورے حالات جاننے کے بعد پھر میں فیصلہ کروں گا مجھے مدد کے لئے کس کے پاس جانا چاہئے۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب چرواہا رکن الدین جو پڑھا لکھا اور صاحبِ علم لگتا تھا، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سن بچے! ایران پر کبھی صفوی خاندان کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ اسمٰعیل، دوسرا طہماسپ، تیسرا محمد خدا بندہ، چوتھا شاہ عباس، پانچواں شاہ صفی، چھٹا عباس دوم، ساتواں شاہ سلیمان۔ شاہ سلیمان کی وفات پر ایرانی امراء اور دولت مندوں اور خواجہ سراؤں نے شاہ سلیمان کے ضعیف النفس اور توہم پرست شہزادے حسین کو تخت نشین کر دیا۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کا کاروبار وہ خود چلائیں گے۔ جبکہ شاہ حسین کی حیثیت شطرنج کے مہرے سے زیادہ نہ ہو گی۔

سلطان حسین نیک دل تو ضرور تھا لیکن بادشاہ کے اوصاف سے محروم تھا۔ اس کے زمانے میں بد دیانت امراء کی بن آئی۔ عالم نما ریا کاروں نے راہنمائی اور پیشوائی کا کام سنبھال لیا۔ مدرسوں اور مکتبوں کے اندر مجرم پرورش پانے لگے۔ علماء مختلف مذاہب کے پیروؤں کو آزار پہنچانے لگے۔ شیعہ، سنی جھگڑے اپنے عروج پر آ گئے۔ صوفی ترک وطن کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مکتب مدرسے ویران ہو گئے۔ اراکینِ سلطنت اور افسردہ خاطر اور نیک دل امراء بد دل ہو گئے۔ ریا کار امراء اور خواجہ سراؤں کو بڑے بڑے منصب عطا ہوئے۔ اس طرح ملک و ملت کے خلل کے اسباب جمع ہو گئے۔ کیونکہ ان

دنوں ایران پر کسی کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ چنانچہ لشکری بھی بے فکر اور تن پرور ہو گئے جس کی وجہ سے ایران کے حکمران جنگجوئی سے گریزاں ہونے لگے۔

انہی ایام میں روس کے حکمران پیٹر اعظم کی طرف سے ایران کے مرکزی شہر اصفہان میں ایک وفد پہنچا۔ اس روسی وفد کا سربراہ ایک ارمنی یہودی تھا جس کا نام اوری تھا اور وفد کے ارکان کی تعداد لگ بھگ سات سو تھی۔ سفارت کے اراکین کی کثرت اور کچھ روس کے حکمران پیٹر اعظم کی جارحیت پسندی کے خیال سے اہلِ اصفہان میں خوف و ہراس پیدا ہوا اور اس قسم کی خبریں پھیلنا شروع ہوئیں کہ روس کی نیت ایران کے معاملے میں خراب ہے اور وہ ایران کے علاقوں گرجستان اور آرمینیا پر قبضہ کرنے کا خواہاں ہے۔

اس خوف اور شک کی بناء پر سفیر نما تاجروں کا بادل ناخواستہ خیر مقدم کیا گیا۔ سلطان حسین میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ روسی سفیروں کے ساتھ برابری کی گفتگو کرتا حالانکہ اس سے پہلے شاہ عباس کے دور میں بھی روسی سفیر آئے تھے۔ لیکن اس کے سامنے روسی سفیروں کو اونچا بولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ اس طرح اس روسی وفد نے ایران کے شاہ حسین سے تجارت سے متعلق گفتگو کی تھی اور روسیوں کو تجارتی محصول سے بری رکھنے کی سفارش بھی پیش کی گئی تھی۔ روسی حکمران لالچ اور لوبھ کی نظر سے ایران کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہی دنوں قندھار سے ایک آتش فشانی طوفان اٹھا۔

قندھار میں ان دنوں غلزئی ترکوں کے قبیلے کا غلبہ تھا۔ یہ قبیلہ بڑا طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ اس موقع پر ایران کے بادشاہ سے غلطی ہوئی۔ قندھار میں غلزئیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت پر اس نے بے اعتمادی کا اظہار کیا۔ لہٰذا اس نے گرجستان کے شہزادے گرگین کو جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا، قندھار کا حکمران بنا کر بھیجا۔

گرگین ایرانی لشکر لے کر قندھار پہنچا۔ خلافِ توقع غلزئیوں نے کوئی مدافعت نہ کی۔ قندھار کے جن جن امراء پر گرگین کو شک گزرا، اس نے انہیں سزائیں دیں تاکہ قندھار کے اندر ایران کے خلاف کوئی بغاوت نہ اٹھے۔ چنانچہ گرگین کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصے میں قندھار میں ایرانی حکومت مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔ گرگین نے اپنی حکومت کو مستحکم پا کر اہلِ قندھار سے مزید سخت سلوک کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اہلِ شہر نے ایران کے بادشاہ کے دربار میں شکایت پہنچائی لیکن اس شکایت کی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

آخر وہی ہوا جس کی توقع کی جانی چاہئے تھی۔ گرگین کی سختیوں اور مظالم کے خلاف غلزئی قبیلے کے سردار میرویس نے آواز اٹھانی شروع کی۔ چنانچہ ردِعمل کے طور پر گرگین نے میرویس کو گرفتار کر کے اصفہان پہنچا دیا اور کہلا بھیجا کہ یہ سازش کرنے والوں کا سرغنہ ہے، اسے قید میں رکھا جائے۔

میرویس ایک دانش مند اور باہوش شخص تھا۔ اس نے اپنی دولت اور دانش مندی کے ذریعے ایران کے دربار کے اراکین کو متاثر کیا۔ آخر کچھ عرصے بعد وہی میرویس زندان سے نکل کر ایران کے بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔

میرویس نے سب سے پہلے ایران کے بادشاہ کو گرگین خان سے بدظن کرنا چاہا اور اسے بتایا کہ روسیوں کا ارادہ آرمینیا اور گرجستان کو مسخر کرنے کا ہے اور گرگین ان کا آلہ کار بنے گا۔

میرویس کی اس گفتگو سے آخر کار ایران کا حکمران شاہ حسین، گرگین سے بدظن ہو گیا اور قندھار کی حکمرانی اس نے میرویس کے سپرد کر دی لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی احتیاط رکھی کہ قندھار کے لشکروں کا انتظام اور انصرام اس نے گرگین ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیا۔

قندھار پہنچ کر اسی میرویس نے وہاں کے امراء سے گٹھ جوڑ کیا اور انہیں حکومت ایران کے خلاف اُکسایا۔ اس نے بظاہر گرگین سے دوستی میں فرق نہ آنے دیا لیکن اندر ہی اندر یہ کام کرتا رہا۔ آخر ایک مرتبہ اس نے گرگین کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ گرگین خوشی خوشی اس کی دعوت میں شریک ہوا اور اسی دعوت میں میرویس نے گرگین کو اس کے ساتھیوں اور رفقاء کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد میرویس اپنے قبیلے کے لشکر کے علاوہ قندھار کے افغان لشکریوں کے ساتھ حرکت میں آیا اور گرجستانی اور ایرانی لشکر کے تمام افراد کو جو حدودِ قندھار میں تھے، تباہ و برباد کر دیا۔

چنانچہ سلطان حسین کو جب میرویس کی اس عہد شکنی کا علم ہوا تو غیض و غضب میں اپنے ایک سالار محمد جامی اور ہرات کے حاکم محمد خان کو قندھار بھیجا اور انہیں تاکید کی۔ وہ میرویس کو سمجھا بجھا کر اور فہمائش کر کے راہِ راست پر لانے کی کوششیں کریں لیکن نہ صرف یہ کہ ان کی فہمائش کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ میرویس نے انہیں گرفتار کر لیا۔

اب ایران کے حکمران سلطان حسین کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ

قندھار پر لشکر کشی کی جائے۔ چنانچہ سلطان حسین نے گرگین کے بھتیجے خسرو خان کو اس مہم پر مقرر کیا۔ خسرو خان نے قندھار کا محاصرہ کیا لیکن نہ صرف اسے محاصرہ اٹھانا پڑا بلکہ اس کے ساتھ جو لشکر روانہ کیا تھا وہ مغلوب ہوا۔ اسے بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور خود خسرو خان اس معرکے میں مارا گیا۔

اس کے بعد ایک دوسرے ایرانی لشکر نے ایک سالار محمد رستم کی سرکردگی میں قندھار پر حملہ کیا لیکن اس بار بھی میرویس کے ترک لشکریوں کے ہاتھوں ایرانیوں کو بدترین شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان فتوحات سے ترک سردار میرویس کا اقتدار بہت بڑھ گیا۔ لیکن اس کی زندگی نے زیادہ عرصہ وفا نہ کی اور وہ فوت ہو گیا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو وہ قندھار سے نکل کر یقیناً ایران کے مرکزی شہر اصفہان کا رخ کرتا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد چرواہا رکن الدین لمحہ بھر کے لئے رکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"میرویس کی وفات کے بعد اس کا بھائی میر عبداللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس نے حکومتِ ایران سے مصالحت کرنا چاہی لیکن میرویس کے بیٹے محمود خان نے اس کی مخالفت کی بلکہ اسے اسیر کر کے قتل کر دیا۔ اس طرح گویا میرویس کے بیٹے محمود خان نے اپنے سگے چچا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اس وقت ایران کے حالات خلل پذیر تھے۔ اس لئے کہ انہی دنوں کردوں نے اصفہان کے قرب و جوار میں اودھم مچا رکھا تھا۔ ایک اور سردار آزاد خان ابدالی نے ہرات میں علمِ آزادی بلند کر رکھا تھا اور اس آزاد خان ابدالی نے ایران کے ایک سالار صفی قلی خان کو بدترین شکست دی تھی جو اس کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ ابدالیوں کی اس فتح سے ایران کی مشرقی سرحد پر ابدالیوں کی خود مختار ریاست قائم ہو گئی تھی۔

ادھر اومان کے عربوں نے خلیج فارس کے جزائر میں لوٹ مار کر رکھی تھی۔ میرویس کا بیٹا میر محمود خان اس صورتِ حال کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔ آخر اس نے ارادہ کیا کہ ایران پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لینی چاہئے۔ اس ارادے سے وہ قندھار سے نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ سیستان پہنچا اور صحرائے لوط کو عبور کر کے کرمان شہر پہنچا۔

کرمان میں اس وقت زیادہ تر زردشت کے پیروکار زردشتی آباد تھے۔ چنانچہ ان

زردشتیوں نے حکومت ایران کے خلاف محمود خان کا ساتھ دیا اور ان کی مدد سے محمود خان نے کرمان فتح کر لیا۔

اسی دوران ایران کی حکومت نے محمود خان کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ ایک جرار لشکر تیار کیا گیا اور ایرانیوں نے اپنے سالار لطف علی خان کو کمانداری سونپی اور میر محمود خان کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ لطف علی کے ہاتھوں محمود خان کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ قندھار جانے پر مجبور ہوا۔ لطف علی خان اپنی اس پہلی فتح مندی کے بعد شیراز پہنچا اور اس خیال سے کہ افغانوں پر پھر حملے کا حوصلہ نہ پڑے گا، قندھار پر یلغار کرنے کے لئے لشکر تیار کرنے لگا۔

لیکن ان دنوں ایران کے شاہی دربار میں سازشوں کا زور تھا۔ کسی نمایاں خدمت بجا لانے والے کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کسی امیر نے لطف علی خان کے نسبتی بھائی فتح علی خان جو وزیر مملکت تھا، کے متعلق یہ خبر اُڑا دی کہ وہ بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ اس پر اسے وزارت سے معزول کر کے اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں اور لطف علی خان کو اس کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے شاہی ملازمت سے الگ کر دیا گیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا، گلا صاف کیا، دوبارہ وہ کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بچے! یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ سلطان حسین کے دور میں کسی نے بھی ملک کی حفاظت کے لئے کوئی اقدام کرنا چاہا، اسے کوئی نہ کوئی حیلہ کر کے بادشاہ کی نظروں میں گرا دیا گیا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ان دنوں گرجستان کے والی نے کچھ شورش پسندوں کی سرکوبی کرنا چاہی تو امراء کے اشارے پر سلطان حسین نے حکم بھیجا کہ وہ شورش پسندوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ والی گرجستان نے قسم کھائی کہ جب تک شاہ حسین حکومت کرتا رہے گا وہ مملکت کی حفاظت کے لئے کبھی تلوار نہیں اٹھائے گا۔ چنانچہ شورش پسند حرکت میں آئے اور انہوں نے گرجستان پر ایک طرح سے قبضہ کر لیا۔ یوں ایران کی مملکت میں ان دنوں طرح طرح کے حادثات پیش آ رہے تھے۔ اس کے سد باب کے لئے بجائے اس کے کہ عسکری تدابیر کی جاتیں، ایران کے مذہبی رہنماؤں کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے توبہ استغفار پر زور دیا تاکہ خدا ان کے گناہ معاف کرے۔ ملکی بلاؤں کو ٹالنے کے لئے

شراب خانے بند کرا دینے کا مشورہ دیا گیا اور اخلاق بہتر بنانے کی تلقین کی گئی لیکن ان تدبیروں سے ایران پر ہونے والے حملے رک نہ سکے۔

لطف علی خان سے شکست کھانے کے بعد قندھار کے حکمران محمود خان کے حوصلے پھر جوان ہو گئے۔ اس نے پچیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ پہلے کی طرح اس نے سیستان کا رخ کیا اور حملہ آور ہو کر سیستان کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد محمود خان یزد پر حملہ آور ہوا اور یزد کو فتح تو نہ کر سکا لیکن ایک طرف سے گزرتا ہوا ایران کے دارالحکومت اصفہان کی طرف بڑھا۔

جس وقت محمود خان غلزئی اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کے قریب پہنچا۔ ایران کے بادشاہ حسین کے پاؤں تلے سے زمین سرکنا شروع ہو گئی۔ وہ کوئی جنگجو حکمران نہیں تھا۔ لرزنے کانپنے لگا اور جنگ سے بچنے کے لئے اس نے محمود خان کو تیس ہزار پاؤنڈ کی رقم کا نذرانہ پیش کیا تا کہ وہ اصفہان پر حملہ آور ہونے کی بجائے واپس چلا جائے۔

محمود خان غلزئی نے ایران کے بادشاہ کی اس پیشکش کو حقارت سے مسترد کر دیا۔ اس پیش کش سے محمود خان کو ایران کی حکومت کی کمزوری کا بھی پتہ چل گیا۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ محمود خان نے اصفہان سے گیارہ میل کے فاصلے پر گلنا آباد میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔

ان حالات میں ایران کے بادشاہ شاہ حسین دارالسلطنت میں جنگ کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے مجلسِ مشاورت طلب کی۔ اکثر امراء کی یہ رائے تھی کہ صرف دفاعی تدابیر اختیار کرنا مناسب ہو گا۔ ایک عرب سردار جو ایرانی لشکر میں بڑے سالاروں میں شمار ہوتا تھا، جارحانہ حملے کرنے کا زور دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اصفہان سے نکل کر محمود خان پر حملہ آور ہو کر اسے اصفہان کے نواح سے مار بھگایا جائے۔

کافی بحث و تمحیص کے بعد سلطان حسین نے اس عرب سردار کی رائے سے اتفاق کیا اور پچاس ہزار لشکر اور چوبیس توپیں دے کر اسے محمود خان کے مقابلے میں بھیجا۔

ایرانی لشکر اس شان و شوکت سے روانہ ہوا کہ سوار لباسِ فاخرہ میں ملبوس تھے۔ گھوڑوں کی لگامیں زریں تھیں۔ راحت، آرام کے تمام اسباب انہیں مہیا تھے۔ ان کے مقابلے میں محمود غلزئی کے لشکریوں کے لباس پھٹے ہوئے اور ان کے گھوڑے لاغر تھے۔ گو عرب سالار جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا تھا لیکن اس کے تحت کام کرنے والے ایرانی

جنگ سے روگردانی کرنے والے تھے۔

ایرانیوں اور غلزئیوں کی یہ پہلی جنگ تھی جس نے ایران کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ غلزئی لشکر کی تعداد بیس ہزار سے کچھ زائد بتائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ زردشتوں نے جو ایران کے عالم نما ملاؤں کے ظلم و جبر سے تنگ آئے ہوئے تھے، غلزئیوں کا ساتھ دیا۔

دوسری طرف ایرانی لشکر کے امراء میں اختلاف اور لشکر میں بدنظمی تھی۔ آخر کار گلناباد کے وسیع میدانوں میں ایرانیوں اور غلزئیوں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں غلزئیوں کو فتح ہوئی۔ ایرانی لشکر دو ہزار جوانوں کی قربانی دے کر افراتفری کے عالم میں اصفہان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ چنانچہ ایران کی اس شکست نے ثابت کر دیا کہ اہلِ ایران اب ملکی مدافعت کے قابل نہیں رہے۔

ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد محمود خان کے حوصلے بڑھ گئے۔ چنانچہ گلناباد میں ایرانیوں کو مار بھگانے کے بعد وہ حرکت میں آیا اور فرح آباد کو بلا مقابلہ مسخر کر لیا۔ وہاں سے نکل کر وہ عیسائیوں کے شہر جلفا پہنچا جو زندہ رود کے دائیں کنارے واقع تھا۔ وہاں کے آرمینیوں نے غلزئیوں کا جم کر مقابلہ کیا۔ آخر غلزئیوں نے ان پر بھی غلبہ پایا اور انہوں نے غلزئیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہاں کے لوگوں سے محمود خان غلزئی نے ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ بطور تاوان وصول کئے۔

ان پے در پے فتوحات سے محمود خان کا حوصلہ مزید بڑھ گیا۔ اب اس کا ہدف ایرانی دارالحکومت اصفہان تھا۔ چنانچہ زندہ رود کے پلوں کے سامنے محمود خان نے اپنے لشکر کے ساتھ ڈیرے ڈال دیئے جہاں سے وہ ایرانی بادشاہ کے عالیشان محلات اور باغات پر جو اصفہان سے باہر تھے، قابض ہو گیا۔ اب اصفہان شہر اور محمود خان غلزئی کے درمیان ایک پل حائل تھا۔

محمود خان نے اس پل پر سے گزرنے کی کوشش کی لیکن ایک اور ایرانی سالار احمد آغا نے نئے ایرانی لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک دی۔ چنانچہ پہلی بار محمود پل کو پار نہ کر سکا۔ زندہ رود کے پل کے پاس روکے جانے کے بعد محمود خان کو یہ احساس ہوا کہ وہ اصفہان کو فتح نہیں کر سکے گا۔ اس لئے اس نے صلح کی پیشکش کرتے ہوئے کچھ شرائط ایران کے بادشاہ کو پیش کیں۔ جو شرائط اس نے پیش کیں وہ یہ تھیں کہ

حکومتِ ایران قندھار، خراسان اور کرمان کے علاقوں میں محمود خان کی خود مختار حکومت کو تسلیم کرے۔ اس کے علاوہ تاوان کے طور پر ایرانی مملکت محمود خان کو ایک لاکھ پونڈ کے برابر رقم ادا کرے۔

ایران کے صفوی تاجدار سلطان حسین کے حوصلے اگرچہ بہت پست ہو چکے تھے لیکن اس نے محمود خان کی یہ شرطیں ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ جب محمود خان کے سفیر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے شرائط کو مسترد کرتے ہوئے محمود خان کے سفیروں کو واپس کر دیا جس کے ردِ عمل میں محمود نے اصفہان پر براہِ راست حملہ آور ہونے کا ارادہ کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا اور آس پاس کے علاقوں میں اس نے لوٹ مار کرنے اور رسد فراہم کرنے کی طرف توجہ مبذول کر دی۔

چنانچہ اصفہان کے اردگرد کے علاقوں سے رسد اور ضروریات کا دوسرا سامان حاصل کرنے کے بعد محمود خان کی عسکری حالت پھر اپنے عروج پر آ گئی۔ چنانچہ ایک بار پھر اصفہان پر حملہ آور ہونے کے لئے اس نے اسی پل کا رخ کیا جس پر اس سے پہلے اسے روک دیا گیا تھا۔

اس بار محمود خان پورے جوش و خروش سے یلغار کرتے ہوئے ایرانی لشکریوں پر ٹوٹ پڑا۔ ایرانیوں کے لشکر کو اس نے بدترین شکست دی۔ پل کو عبور کر گیا اور آگے بڑھ کر اس نے دارالحکومت اصفہان کو محاصرے میں لے لیا۔

چنانچہ محاصرے نے جب طول پکڑا تو اس عرصے میں اصفہان کے آس پاس دیہات تباہ ہو گئے۔ سب باغوں میں خاک اُڑنے لگی۔ شہر میں رسد ختم ہو گئی جس سے شہر کے اندر سخت قحط پڑ گیا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ گھوڑوں اور خچروں تک کا گوشت اہلِ شہر کو کھانے کے لئے میسر نہ تھا۔ درختوں کے پتے کھا کر کچھ عرصہ گزارہ کرتے رہے۔ اب وہ بھی ناپید تھے۔ بھوک سے مرنے والوں کے جنازوں پر جنازے نکلنے لگے تھے۔ گلی کوچوں میں شور اور واویلا برپا ہو گیا تھا۔

محمود خان کا خیال تھا کہ گلناباد کی طرح یہاں بھی اسے با آسانی فتح ہو جائے گی لیکن ایک تو محاصرہ طویل ہوا، دوسرا اصفہان کے قریب ایک قصبہ اصفہانت سے ایک جمعیت اس کے لشکر پر ٹوٹ پڑی اور بہت سے محمود خان کے لشکریوں کو تہہ تیغ کر دیا اور اس ٹکراؤ میں حملہ آوروں نے محمود خان کے چچا اور چچا کے دو بیٹوں کو اسیر کر کے ہلاک

کر دیا۔ اس نئی صورتِ حال کی وجہ سے محمود خان بیم و امید کے عالم میں پھنس گیا تھا۔

اسی دوران حالات میں ایک اور تبدیلی ہوئی۔ سیستان کا حکمران ان دنوں ایک شخص محمود سیستانی تھا۔ اب تاریخ کے اسٹیج پر دو محمود نمودار ہوئے۔ ایک محمود خان تھا جو قندھار سے نکل کر اصفہان پر حملہ آور ہوا تھا۔ دوسرا جسے محمود سیستانی کہتے تھے، وہ سیستان کا حکمران تھا۔ ایران کے صفوی حکمرانوں کا جانثار تھا۔ چنانچہ جب اسے خبر ہوئی کہ صفوی دارالحکومت اصفہان کو قندھار کے حکمران محمود خان نے محاصرے میں لے لیا ہے تو وہ دس ہزار کا ایک لشکر لے کر حرکت میں آیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ محمود خان کے خلاف ایران کے حکمرانوں کی مدد کرے گا۔ محمود سیستانی جب اصفہان کے قریب آیا۔ تب قندھار کے محمود خان نے ایک چال چلی۔ اس نے محمود سیستانی کو مقابلے سے باز رکھنے کے لئے یہ لالچ دیا کہ اصفہان فتح کرنے کے بعد خراسان کی حکومت اسے دے دی جائے گی۔ اس کے علاوہ گراں قدر تحفے تحائف بھی اسے دیئے جائیں گے۔

چنانچہ محمود خان کا یہ حربہ خاصا کامیاب ہوا اور محمود سیستانی نے اصفہان کی مدافعت کا ارادہ ترک کر دیا۔

دوسری طرف اصفہان میں قحط شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اہلِ شہر بادشاہِ وقت کو جنگ پر آمادہ کرتے تھے۔ ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ان حالات میں ایران کے سلطان حسین نے محمود کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کی پیشکش کی۔ لیکن محمود قندھاری نے کہلا بھیجا کہ اب وقت گزر چکا ہے، حالات بدل گئے ہیں۔ اب غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد چرواہا رکن الدین رکا، دم لیا، ایک غائر نگاہ اپنے سامنے بیٹھے کریم خان پر ڈالی جو اس کی گفتگو بڑے انہماک اور توجہ سے سن رہا تھا۔ اس کے بعد رکن الدین نے دوبارہ کہنا شروع کیا تھا۔

''ایران کے بادشاہ حسین کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ صفوی تاج اپنے حریف کی نظر کر دے۔ آخر بصد حسرت و یاس تخت و تاج سے دستبردار ہو گیا اور ماتمی لباس پہن کر امراء کی معیت میں شہر سے باہر نکلا اور محمود خان کے لشکر میں پہنچ کر محمود خان سے ملا اور اسے بطور فرزند خطاب کرتے ہوئے صفوی تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ اس طرح سلطان حسین نے ایران کی حکومت محمود خان قندھاری کے حوالے کر

دی۔ یوں محمود خان دارالحکومت اصفہان میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ اس طرح اصفہان کا سات ماہ کا محاصرہ ختم ہوا اور ایران کا حکمران سلطان حسین کی بجائے محمود خان بن گیا۔

صفوی خاندان کا اختتام نہایت ندامت خیز طور پر ہوا۔ یہ وہی صفوی تھے جنہوں نے ایران کے اندر ایل خانیوں کی حکومت کو ختم کر کے ایک عظیم عہد کی بنیاد رکھی تھی۔ اس عہد کا بانی اسمٰعیل صفوی ایک عظیم حکمران تھا جس نے پوری قوم کو ایک مرکز پر مجتمع کیا تھا۔

محمود خان نے اصفہان پر غیر معمولی فتح پانے کے بعد چاہا کہ عوام کی ہر ممکن طریقے سے دل جوئی کرے چنانچہ امن و سکون بحال کرنے کے لئے اس نے کوششیں شروع کیں۔ ایک دیانت دار افغان کو قاضی القضاء کا منصب سونپا، امورِ سلطنت میں اس نے ترکوں، افغانوں کے ساتھ ایرانیوں کو بھی شریک کیا تاکہ ایرانی دانشوروں سے استفادہ حاصل کیا جا سکے۔ اس نے لوگوں سے فیاضانہ سلوک کیا۔ شروع شروع میں اس کے رویے سے امید بندھی کہ ایران پُرسکون اور خوشحالی کی نعمت سے ہمکنار ہو سکے گا۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایران کے حالات پھر خراب ہونا شروع ہو گئے تھے۔

محمود قندھاری کا ایران کے اندر پائیدار حکومت قائم کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ محمود کو متعدد دشواریوں کا سامنا ہوا۔ اسے خبر ملی کہ تین لاکھ پونڈ کا خزانہ جو اس نے لشکر بھرتی کرنے کے لئے قندھار بھیجا تھا، ایک سیستانی سردار نے راستے میں لوٹ لیا ہے۔ محمود قندھاری کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔ خزانے کی لوٹ مار سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ ایرانیوں نے اس کی حکومت کو دل سے قبول نہیں کیا، اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے درپردہ کوششیں کرنے لگے ہیں۔

ان حالات میں باہر سے بھی ایرانیوں کے لئے خطرات اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ ترک اور روسی ایران کی پریشان حالی کی وجہ سے اس فکر میں تھے کہ اپنی سرحدوں سے ملتے ہوئے علاقوں پر قبضہ کر لیں چنانچہ روس کے بادشاہ پیٹر اعظم نے پیادہ اور سوار فوج داغستان کے علاقے میں بھیجی۔ ظاہر یہ کیا کہ یہ لشکر ایران کے معزول بادشاہ شاہ حسین کے بیٹے طہماسپ کو جس نے مازندران کے شہر فرح آباد میں قیام کر کے اپنی

جلا وطن حکومت کا اعلان کر دیا تھا، اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اور اسے محمود خان کے لشکریوں سے بچانا چاہتا ہے۔

لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی۔ روسیوں نے داغستانی لشکر کو شکست دے کر دربند پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سال روس نے دشت اور باکو پر بھی تسلط جما لیا۔ ادھر اہلِ قزوین محمود خان کے افغان لشکریوں پر ٹوٹ پڑے اور دو ہزار افغانوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ محمود خان کے چچا کا بیٹا اشرف بھی محمود خان کے خلاف ہو گیا اس لئے کہ وہ ایران کے حکمران محمود خان کے لئے اپنے دل میں یہ کینہ رکھتا تھا کہ محمود خان نے اس کے باپ امیر عبداللہ کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ اشرف جو ان دنوں محمود خان کے ساتھ کام کر رہا تھا، اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے محمود خان کا ساتھ چھوڑ کر قندھار روانہ ہوا اور محمود خان کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے وہاں افغانوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔

ان دنوں محمود خان کے لئے ایک اور مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا اور وہ یہ کہ قزوین میں اس کے خلاف بغاوت کھڑی ہوئی۔ قزوین کی بغاوت سے محمود سخت برافروختہ ہوا اور اصفہان پر اپنی گرفت مضبوط کرنی چاہی مبادا اہلِ اصفہان بھی شورش برپا نہ کر دیں۔ اس لئے خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے اس نے اہلِ اصفہان پر دستِ ستم دراز کرنا شروع کر دیا تھا۔

چنانچہ محمود خان نے اب اسے اپنا رویہ اور عادت بنا لیا کہ ایرانی امراء کو اپنے پاس بلا کر قتل کر دیتا اور جن ایرانی امراء پر شک ہوتا تھا ان کے بچوں کو شہر سے باہر نکال کر خاک و خون میں لوٹا دیتا۔ شہر کے اندر جو تین ہزار افراد پر مشتمل ایرانیوں کا لشکر تھا، اسے تہہ تیغ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ہر اس ایرانی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جو اس سے پہلے ایران کے شہنشاہ سلطان حسین کی ملازمت سے وابستہ تھا۔

یہ قتل عام پندرہ دن تک جاری رہا۔ اس قتل عام کے بعد وہ مطمئن ہو گیا کہ اس کی حکومت کے خلاف آواز اٹھانے کا ایرانیوں کو حوصلہ نہ ہو سکے گا۔

اصفہان سے فارغ ہو کر محمود نے جلفا کے آرمینیوں کی طرف رجوع کیا اور ان سے تاوان وصول کیا۔ اس عرصے میں محمود خان نے ولندیزی اور انگریز تاجروں کے ساتھ بھی انتہائی سخت سلوک کیا اور جبراً ان سے دولت اُگلوائی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین پھر دم لینے کے لئے رکا۔ کچھ سوچا، پھر اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''کریم خان! میرے بیٹے! اس بربریت سے فارغ ہو کر محمود خان نے اپنے ایک سالار کو شیراز پر لشکر کشی کرنے کے لئے بھیجا۔ شیراز فتح ہوا تو محمود خان کے حکم سے اہلِ شیراز کا بھی خوب قتل عام کیا گیا۔

اس کے بعد محمود خان نے اپنے لشکر کو یزد شہر پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا۔ یزد شہر کے نواح میں ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں محمود خان کے بہت سے لشکری مارے گئے اور اس نقصان کی وجہ سے محمود خان کے کچھ سالار اور لشکری اس سے دلبرداشتہ بھی ہو گئے۔ کچھ علی الاعلان محمود خان کے خلاف چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ چنانچہ انہی دنوں محمود خان کے خلاف ایک سازش تیار کی گئی۔ اس کے اکثر سالاروں اور لشکریوں نے یہ فیصلہ کیا کہ محمود خان اب حکمرانی کے قابل نہیں رہا لہٰذا اس کی جگہ اشرف خان کو ایران کا بادشاہ بنانا چاہئے۔ اشرف خان، محمود خان کا چچا زاد تھا اور اشرف خان کے باپ ہی کو محمود خان نے قتل کروایا تھا لہٰذا کچھ سالاروں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اشرف خان جو ان دنوں قندھار میں قیام کئے ہوئے تھا۔ اسے ایران میں بلایا جائے۔

محمود نے کیونکہ اشرف کے باپ امیر عبداللہ کو قتل کیا تھا۔ اس لئے اشرف خود بھی در پردہ محمود خان کے خلاف کام کر رہا تھا اور اس سے نفرت کرتا تھا۔ دوسری طرف محمود خود بھی اس سے خوف زدہ تھا چنانچہ ایران پر اپنی حکومت کو بچانے کے لئے پہلے محمود خان کے سالاروں نے محمود خان پر زور ڈالا کہ اشرف اس سے ناراض ہو کر قندھار چلا گیا ہے لہٰذا اسے واپس اصفہان بلا کر اس کی دلجوئی کرنی چاہئے۔

محمود خان پر چونکہ اس کے سالاروں کا دباؤ تھا لہٰذا اشرف کو مجبوراً امراء کے مطالبے پر اس نے قندھار سے اصفہان بلا لیا۔ اس موقع پر وہ سخت پیچ و تاب میں بھی تھا۔

اشرف جب قندھار سے اصفہان پہنچا اور محمود خان نے دیکھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی بجائے اشرف خان کی طرف زیادہ ہے تو وہ مزید بے چین ہوا۔ اسی اضطراب اور سراسیمگی کی کیفیت کو ہلکا کرنے کے لئے اس نے چودہ دن تک گوشہ نشینی اختیار کر لی،

غذا کم کر دی اور اکثر وقت ریاضت میں گزارنے لگا۔ لیکن اس سے اس کی وحشت میں اور اضافہ ہوا اور شاہی خاندان کو ہدف بنانا چاہا جو اب تک محفوظ تھا۔

کسی غلط افواہ پر کہ شاہ حسین کا بیٹا صفی مرزا اصفہان سے نکل بھاگا ہے، اس نے شاہی خاندان کے افراد کو بے دریغ قتل کروایا۔ چنانچہ اکتیس افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ صرف بدنصیب شاہ حسین کو لواحقین کے بے گناہ خون پر آنسو بہانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا گیا۔ اس بربریت سے محمود خان کی تسکین نہ ہوئی۔ اس کے جنون میں اور شدت آئی تو امراء نے اشرف کو اس کا جانشین بنا دیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد اس غم میں محمود خان فوت ہو گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے اشرف خان کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

اب ایران میں ایک بار پھر بد امنی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ اس بد امنی سے ترکوں نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ ان حالات میں روسی بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ بھی ایران کے خلاف ہاتھ پاؤں پھیلانے کی تیاری کرنے لگے۔ یہاں مسلمانوں کی پرانی بدبختی ان کے سامنے آئی۔ یعنی سنی اور شیعہ تنازع پر ترکی اور ایران کے تعلقات بگڑے۔ اس کی تفصیل کچھ یہ ہے کہ شروان کے علاقے میں اہلِ سنت تعداد میں زیادہ تھے۔ ایران کے بادشاہ شاہ حسین نے اپنے دورِ حکومت میں وہاں کے لوگوں کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا تھا چنانچہ شاہ حسین کے اس برے اور بدترین سلوک کی وجہ سے عثمانی ترکوں نے شیروان کے علاقے کو اپنی مملکت میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان حالات میں ترکوں کا ایک لشکر شروان کی طرف بڑھا، شروان پر حملہ آور ہوا۔ اس طرح ترکوں نے شروان کو مسخر کر کے اپنا حاکم مقرر کر دیا۔ شروان پر قبضہ کرنے کے بعد ترک بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھے اور ان کے لشکر گرجستان میں داخل ہو گئے۔ دوسری طرف روسیوں نے بھی پیش قدمی کی اور بحیرہ خزر کے کچھ ایرانی علاقوں میں انہوں نے مہم جوئی شروع کر دی تھی۔

ان حالات میں روس اور ترکوں کی حکومت کے درمیان مذاکرہ ہوا جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ بحیرہ خزر کے تمام ساحلی علاقے روس اپنے تصرف میں لے لے اور ایران اور ترکی کی نئی سرحد کے علاقے یعنی تبریز، ہمدان، کرمان شاہ اور اردبیل پر ترکی کی حکومت کا تسلط تسلیم کر لیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ایران کے معزول

حکمران شاہ حسین کا بیٹا طہماسپ جو ان دنوں مازندان میں جلا وطن حکومت قائم کئے ہوئے تھا وہ اگر روسیوں اور ترکیوں کے اس فیصلے کو قبول کرے تو طہماسپ کو اشرف خان کے خلاف اس کے باپ کا جو تاج وتخت حاصل کرنے میں مدد دی جائے گی ورنہ کسی اور مناسب حق دار کے لئے ایران کے تاج وتخت کے لئے کوشش کی جائے گی۔

جب طہماسپ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تب اس کا ردِعمل ظاہر ہوا۔ وہ یہ کہ ترکوں اور روسیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا، اس کے تحت روس کے مجوزہ علاقے تو پہلے اس کے تسلط میں چلے گئے تھے، اب ترکوں نے تقسیم کے مطابق اپنے علاقے لینے تھے۔

چنانچہ ترکوں نے ہمدان سے اپنی مہم کا آغاز کیا جسے مختصر سے محاصرے کے بعد انہوں نے مسخر کرلیا۔ پھر ایروان شہر کا رخ کیا۔ اس قلعے کو فتح کرنے کے بعد ترکوں کا لشکر آخر کار تبریز کی طرف بڑھا۔ تبریز کا محاصرہ کرلیا۔ زوردار حملے کئے گئے۔ تبریز کو بچانے کے لئے تیس ہزار تبریزیوں نے اپنی عزیز جانیں نثار کیں لیکن ترکوں نے اسے بھی فتح کرلیا اور یہ طے پایا کہ تبریز کے لوگ اپنے ساز وسامان اور اعزاء واقارب سمیت تبریز سے صحیح سلامت نکل جائیں اور شہر ترکوں کے حوالے کردیں۔

اس طرح روسیوں اور ترکوں نے اپنے معاہدے کے تحت اپنے علاقوں پر اپنی گرفت کرلی۔

جہاں تک ایران کے نئے حکمران اشرف خان کا تعلق تھا تو اشرف کے زیر تسلط اصفہان، شیراز اور جنوبی ایران تو ضرور تھا لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ پورے ملک پر اس کی حکومت تھی۔ اپنے جس لشکر پر اشرف خان بھروسہ کرسکتا تھا، وہ اسے ایران سے مہیا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے ہمنوا، اس کے جانثار صرف قندھار میں تھے۔ لہٰذا اس کی حمایت کرنے والا لشکر اسے قندھار سے مل سکتا تھا۔ لیکن محمود خان کی بدقسمتی کی طرح اشرف خان کی بھی بدقسمتی کہ جس طرح محمود خان کے دور میں قندھار پر اشرف خان کی گرفت تھی اور وہ محمود خان سے ناراض تھا، اسی طرح اشرف خان کے دورِ حکومت میں قندھار پر اس کے بھائی حسین کی حکمرانی تھی اور وہ اشرف سے ناراض اور نالاں تھا۔ دونوں کے درمیان کوئی تعلق، کوئی اتفاق نہیں تھا۔ چنانچہ ان حالات میں اشرف خان کو ترکوں یا روسیوں کے خلاف قندھار سے بھی کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ اس لئے اب اس

کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی سپاہ کو منظم کرکے حکومت کو مستحکم کرلے اور صرف دفاعی تدابیر پر اکتفا کرے۔

ان حالات میں اصفہان کے حکمران اشرف خان کے لئے یہ بھی بڑی پریشانی تھی کہ معزول بادشاہ شاہ حسین کا بیٹا طہماسپ جس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا، مازندان کے شہر فرح آباد میں مقیم تھا۔ اس کی حیثیت اگرچہ محض نمائشی تھی لیکن اسے ان دنوں طاقتور قبیلے قاچار کے سردار فتح علی خان کی حمایت حاصل ہوگئی تھی اور دونوں نے مل کر ایک لشکر بھی منظم کرلیا تھا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد چرواہا رکن الدین رکا، دم لیا، پھر دوبارہ وہ کریم خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بیٹے! ایران کے غلزئی حکمران اشرف کو معلوم تھا کہ روسی اور ترک اسے اور اس کے لشکر کو ایران سے نکالنے پر متفق ہو چکے ہیں اور ممکن ہے وہ طہماسپ کو ایران کا بادشاہ بنادیں اس لئے اس نے ترکوں کی طرف رجوع کیا اور استنبول میں اپنا سفیر بھیج کر ترکی کی سلطنت کو کہلا بھیجا کہ ایران سے اہلِ تشیع کی حکومت کا ہم نے خاتمہ کیا ہے۔ اب اگر عثمانی ترکوں کی حکومت ہمسایہ سنی حکومت پر حملہ کرنے کے لئے غیر اسلامی ملک یعنی روس سے اتحاد کرے تو یہ صریحاً خلافِ شریعت ہوگا۔ لیکن ترکی کی حکومت نے اشرف کا کہا ماننے سے انکار کردیا اور سفیر کو ناکام لوٹانے کے بعد ترکوں کا لشکر ایران پر حملہ آور ہوا۔ مراغہ اور قزوین کو فتح کرتے ہوئے اصفہان کی طرف بڑھا۔ اب اشرف کو اپنی اور اپنے لشکر کی جان کے لالے پڑ گئے چنانچہ اس نے ایک اور سیاسی حربہ استعمال کیا۔ اس نے کچھ علماء کو بیچ میں ڈالا اور انہیں ترک لشکر کے سالار احمد پاشا کی طرف روانہ کیا۔ ان علماء نے احمد پاشا کو غیرت دلائی کہ تم مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ احمد پاشا کے لشکر کے اندر بھی انتشار پھیل گیا۔ اس کے لشکر میں جو کرد تھے انہوں نے حملہ آور ہونے سے انکار کردیا۔ اس طرح احمد پاشا ایران پر حملہ آور ہونے سے باز رہا۔ یوں اشرف غلزئی کی یہ سیاسی چال کامیاب رہی اور ترکوں کے حملے سے وہ بچ نکلا۔

اشرف غلزئی کے اس سیاسی تدبر کا حکومتِ ترکیہ پر بھی خاطر خواہ اثر ہوا۔ آخر دونوں حکومتوں کے مابین ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے اشرف غلزئی نے سلطانِ

ترکی کو خلیفہ المسلمین تسلیم کر لیا۔ جواب میں سلطان نے خیر سگالی کے طور پر اشرف کی حکومت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور ایران کے وہ علاقے جن پر حملہ آور ہو کر ترکی کی حکومت نے قبضہ کر کے اپنے ساتھ الحاق کر لیا تھا، وہ سارے کے سارے علاقے اشرف کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد ترکیوں کی حکومت نے اشرف کے ساتھ مل کر دونوں حکومتوں یعنی ایران اور ترکی کے مابین مشترکہ سرحدوں کی حد بندی بھی قائم کر لی تھی۔ اس طرح اشرف غلزئی روسیوں اور ترکیوں کی یلغار سے اپنا آپ بچانے میں کامیاب رہا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین چرواہے کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں کریم خان بولتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب تک جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں، وہ سارے حالات تو غلزئی ترکوں اور ایران کی مملکت کے درمیان ٹکراؤ کے ہیں۔ ان واقعات میں کہیں بھی نادر قلی کا ذکر نہیں آیا۔"

جواب میں رکن الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

"ابھی میں نے پورے حالات تمہیں نہیں سنائے۔ تم بیچ میں بولے ہو۔ بس نادر قلی خان کے حالات اب آگے آئیں گے۔ سنتے جاؤ۔ ہوا یوں کہ ترکی کی حکومت کے ساتھ اپنے مسائل خوش اسلوبی سے طے کر کے اب اشرف غلزئی کو یقین تھا کہ وہ اب امن و امان سے حکومت کرے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس دوران اشرف کے لئے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ مصیبت نادر قلی افشار ہی ہے۔

کریم خان! میرے بیٹے! جہاں تک نادر قلی کا تعلق ہے تو یہ خراسان کے ایک قصبے ابیورد میں پیدا ہوا اور یہیں پرورش پائی۔ اس کا نام نادر قلی ہے۔ اس کا باپ امام قلی تھا جو ایک معمولی قبیلے قرقلو سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ چونکہ بہت کمزور تھا اس لئے اس نے ایک طاقتور قبیلے افشار سے الحاق کر لیا۔ امام قلی نے بھیڑیں پال رکھی تھیں اور پوستین بنا کر بیچا کرتا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں اپنے گاؤں میں رہتا اور سردیوں میں کم سرد علاقوں کی طرف نکل جاتا۔ ایک مرتبہ امام قلی کوہستانِ اللہ اکبر کی طرف گیا۔ وہاں جب امام قلی خیمہ زن ہوا تو وہاں اس کا بیٹا نادر قلی پیدا ہوا۔ اس نادر قلی کا بچپن ریوڑ چراتے گزرا۔ باپ کی وفات پر وہ گدھے اور اونٹ پر ایندھن بھی لاد کر بیچا کرتا تھا۔ اٹھارہ

سال کا ہوا تھا کہ ازبکوں کا ایک چھاپہ مار گروہ نادر اور اس کی والدہ کو اسیر کر کے خوارزم لے گیا اور وہاں کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

چار سال تک دونوں ماں بیٹے نے غلامی کی زندگی بسر کی۔ نادر کی والدہ نے غلامی کی حالت میں وفات پائی۔ اس کے بعد نادر قلی وہاں سے نکل بھاگا اور جوں توں کر کے خراسان پہنچ گیا۔ یہاں اسے ابیورد کے حاکم بابا علی بیگ احمد لو افشار کے دربار میں ملازمت مل گئی اور اس طرح اسے ترقی کے پہلے زینے پر قدم رکھنے کا موقع مل گیا۔

کریم خان بیٹے! اس سے پہلے میں نے تمہارے سامنے ایک شخص محمود سیستانی کا ذکر کیا تھا جسے محمود خان غلزئی نے اصفہان فتح کرنے کے سلسلے میں محمود سیستانی کو کچھ مراعات دینے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ محمود سیستانی اصفہان سے نکل کر مشہد کو فتح کرنے کے لئے نکلا اور مشہد پر اس نے قبضہ کر لیا۔ مشہد کو فتح کرنے کے بعد وہ وہاں کا خود مختار حکمران بن بیٹھا۔ سوار اور پیادہ لشکری منظم کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے لئے توپ خانہ بھی مہیا کر لیا۔

ابیورد کا حاکم بابا علی بیگ مشہد کے حکمران محمود سیستانی ہی کے تحت ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بابا علی بیگ کی عدم موجودگی میں محمود سیستانی کا ایک کارندہ ابیورد آیا اور بابا علی بیگ کے خاندان سے ناروا سلوک کیا۔

نادر قلی چونکہ بابا علی بیگ کے ہاں ملازم تھا چنانچہ علی بیگ کے گھرانے کی بے حرمتی کو نادر قلی نے برداشت نہ کیا اور محمود سیستانی کے کارندے کو اس نے ہلاک کر دیا۔

بابا علی بیگ ان دنوں کہیں گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس آیا اور اسے صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ سخت مضطرب ہوا۔ اسے خطرہ تھا کہ محمود سیستانی اس پر حملہ آور ہو کر نہ صرف۔ اس کا قلع قمع کر دے گا بلکہ اس کے علاقے کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دے گا۔"

اس موقع پر نادر قلی نے بابا علی بیگ کو مخاطب کر کے کہا۔

"مجھے محمود سیستانی کے پاس مشہد بھیج دیا جائے۔ میں خود جواب دہی کر لوں گا۔"

چنانچہ نادر قلی خود ہی مشہد پہنچ گیا اور محمود سیستانی کے دربار میں حاضر ہو کر محمود سیستانی کے کارندے کو قتل کرنے کا اعتراف کیا اور کہا کہ ایک وفادار ملازم کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا کہ کارندے کی گستاخی کی سزا اسے دی جاتی۔ سو میں نے اسے سزا

دی۔ میں اپنے قصور کا خود ذمہ دار ہوں۔

محمود سیستانی کو نادر قلی کی جرأت اور فرض شناسی کا بیان سن کر خوشی ہوئی اور نہ صرف اس کی خطا سے درگزر کیا بلکہ خلعت دے کر اسے سرفراز کیا۔ اس کے فوراً بعد بابا علی نے اپنی بیٹی نادر قلی کے عقد میں دے دی۔ اسی بابا علی بیگ کی بیٹی سے نادر قلی کا بیٹا رضا قلی پیدا ہوا جو اب جوان ہو چکا ہے۔ اب بابا علی بیگ فوت ہوا تو ابیورد کی حکومت نادر قلی کو سونپ دی گئی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد دم لینے کے لئے وہ چرواہا پھر رکا اور پورے حالات کریم خان کو سناتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

"بیٹے! ملک کے حالات ابتر ہوں تو ایک ذہین اور خوبے باک شخص کے لئے ترقی کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان دنوں ازبک آئے دن حملہ آور ہو کر خراسان کے علاقوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے محمود سیستانی کی نگاہ نادر قلی پر پڑی۔ اس نے ازبکوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے نادر قلی کا انتخاب کیا۔ اسے ایک لشکر دیا اور شمال کی طرف سے وارد ہونے والے ازبکوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کیا۔

نادر قلی جو اصل ترک نژاد تھا، وہ لشکر لے کر روانہ ہوا، ازبکوں پر حملہ آور ہوا اور ان کے خلاف اس نے شاندار کامیابی حاصل کی۔

محمود سیستانی اس کی کامیابی سے بہت خوش ہوا۔ لیکن جب صلے کا وقت آیا اور نادر شاہ افشار نے خواہش ظاہر کی کہ اسے خراسان کا حکمران بنایا جائے تو محمود سیستانی کو غصہ آ گیا اور اسے زدوکوب کر کے اپنے دربار سے نکال باہر کیا۔

حکومت کا اقتدار چھن جانے پر نادر قلی افشار اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ آخر بدقسمتی نے اسے راہزن بنا دیا۔ شاہراہوں پر آنے جانے والوں کو لوٹنا اور کاروانوں پر ڈاکے ڈالنا اس کا مشغلہ بن گیا۔ راہزنی کے دوران نادر قلی افشار نے کافی دولت جمع کر لی تھی اور اسی دولت کے بل بوتے پر اس نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر بھی تیار کر لیا تھا۔

رفتہ رفتہ نادر قلی افشار جمع کی ہوئی دولت خرچ کرتے ہوئے اپنے لشکریوں اور ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے لشکر میں لگ بھگ تین ہزار جنگجو شامل ہو گئے۔

یہ طاقت اور قوت حاصل کرنے کے بعد نادر قلی افشار نے خراسان کے لوگوں سے جبراً محصول وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ آخر کار بڑھتے بڑھتے اس نے کلات نام کے ایک قلعے پر بھی بزور قبضہ کر لیا جو اس کے نام کی مناسبت سے قلعہ کلاتِ نادری کہلانے لگا۔

نادر قلی افشار اب محض ڈاکوؤں کا سردار نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک حکمران کی سی ہو گئی تھی اور خراسان کے اطراف میں اس کا خوب چرچا بھی ہو گیا تھا چنانچہ کلات نام کے قلعے کو فتح کرنے کے بعد نادر قلی کے حوصلے خوب بلند ہوئے۔ جو لشکر اس نے جمع کیا تھا اس میں اُس نے مزید اضافہ کیا اور نیشا پور شہر پر حملہ آور ہوا جو محمود سیستانی کے ماتحت تھا۔

چنانچہ نیشا پور کو نادر قلی نے فتح کر لیا اور نیشا پور میں جو محمود سیستانی کے محافظ لشکری تھے ان سب کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح نیشا پور شہر کے علاوہ قلعے کے دروازے بھی اس پر کھل گئے۔ یہاں نادر شاہ نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا اور یہ اس کا سیاسی اقدام تھا۔ نادر قلی گو ترک تھا لیکن آگے بڑھنے کے لئے اس نے ایران کے معزول بادشاہ سلطان حسین کے بیٹے طہماسپ کا سہارا لینے کا تہیہ کر لیا جس نے ان دنوں مازندان کے علاقے میں ایک جلا وطن حکومت قائم کر رکھی تھی اور قاچار قبائل کا سردار فتح خان اس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ نیشا پور کو فتح کرنے کے بعد نادر شاہ افشار نے طہماسپ صفوی کے نام پر ہی وہاں حکومت کی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا، پھر دوبارہ کہنے لگا۔

"کریم خان! میرے بیٹے! اب صورتِ حال یہ ہے کہ جلاوطن بادشاہ طہماسپ ان دنوں مازندان میں قیام کئے ہوئے ہے۔ قاچار قبیلے کا سردار فتح علی خان قاچار پوری طرح اس کے ساتھ ہے۔ طہماسپ اور فتح علی قاچار کے پاس صرف تین ہزار کا لشکر تھا، اب نادر قلی بھی اپنے پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ نیشا پور سے نکل کر طہماسپ اور قاچار قبیلے کے سردار فتح علی خان کے پاس مازندان پہنچ چکا ہے۔ اس طرح نادر شاہ نے بھی ان دنوں مازندان ہی میں ایران کے معزول بادشاہ شاہ حسین کے بیٹے طہماسپ اور قاچار قبیلے کے سردار فتح علی کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔

بیٹے! میں نے تیرے سامنے پوری صورتِ حال واضح کر دی ہے۔ اصفہان اور

بہت سے علاقوں پر اس وقت اشرف غلزئی کی حکومت ہے۔ مشہد اور آس پاس کے علاقوں کا حکمران محمود سیستانی ہے جبکہ تین اہم شخصیتیں یعنی معزول بادشاہ حسین کا بیٹا طہماسپ، نادر قلی اور فتح علی قاچار تینوں مازندان کے علاقے میں قیام کئے ہوئے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا، پھر سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا۔

''بیٹے! وہ سامنے فرح آباد شہر دکھائی دے رہا ہے۔ اسی شہر کے نواح میں میری چھوٹی سی بستی ہے جہاں میرا قیام ہے۔ اب تُو خود ہی فیصلہ کر کہ فرح آباد میں داخل ہونے کے بعد تُو کیا قدم اٹھائے گا؟ اس لئے کہ تُو قاچار قبیلے کے خلاف شکایت لے کر جا رہا ہے اس لئے کہ قاچاریوں نے تمہارے زند نام کے قبیلے پر حملہ آور ہو کر تم لوگوں کا قتل عام کیا ہے۔ اس قتل عام میں تیرے ماں باپ بھی مارے جا چکے ہیں۔ تیرا کیا خیال ہے، ان حالات میں تُو اپنی نالش لے کر نادر قلی کے پاس جاتا ہے تو کیا وہ فتح علی قاچار کے ساتھ اپنی رفاقت کو ترک کر کے تمہاری مدد کرتے ہوئے فتح علی قاچار اور اس کے قبیلے کے خلاف حرکت میں آئے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین خاموش ہو گیا۔ جواب میں کریم خان کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''میرے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں لہٰذا میں آپ کو بابا کہہ کر مخاطب کروں گا۔ آپ کی حیثیت میرے دل میں ایک باپ کی سی ہے۔ میں آپ سے گزارش کروں کہ میں اس بات کی پرواہ نہیں کروں گا کہ قاچاریوں کے سردار فتح علی خان نے بھی ان دنوں مازندان کے شہر فرح آباد میں قیام کر رکھا ہے۔ اس کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر میں نادر قلی سے ملوں گا اور اس کے سامنے اپنی شکایت بیان کروں گا۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر رکن الدین نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

''تُو مجھے دلیر، جرأت مند اور شجاع لگتا ہے۔ اگر تُو فرح آباد پہنچ کر فتح علی قاچار کے خلاف نادر قلی سے شکایت کرنے کا ارادہ کر ہی چکا ہے تو بیٹے! میں تجھے ایک پیشکش کرتا ہوں، فرح آباد شہر کے نواح میں جنوب مغرب کے رخ پر ناصریہ نام کی میری بستی ہے۔ اگر فرح آباد میں نادر قلی کے ہاں تیری شنوائی نہ ہو اور تُو اپنے لئے فتح علی قاچار کی وجہ سے خطرہ محسوس کرے اور تجھے ان علاقوں میں کسی پناہ کی ضرورت پڑے تو

سیدھا ناصریہ نام کی بستی میں میرے ہاں آنا۔ تُو مجھے اپنے باپ کا درجہ دے چکا ہے لہٰذا میں ایک بیٹے کی طرح تیری مہمانداری اور تیری حفاظت کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رکن الدین رکا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب تُو آ۔ میں دوپہر کا کھانا اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں۔ وہ کھا لے۔ پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جانا۔''

اس پر کریم خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کو زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا کھانا جو آپ کو دوپہر کو کھانا ہے وہ میں کیسے کھا سکتا ہوں؟ کیا میں آپ کو دوپہر کے لئے بھوکا رہنے دوں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ میرے پاس خرجین میں کھانا ہے۔ یہ راستے میں، میں نے لے لیا تھا، وہ میں کھاتا ہوں اور اپنی منزل کی طرف جاتا ہوں۔''

جواب میں رکن الدین مسکرا کر رہ گیا تھا۔ وہاں بیٹھے ہی بیٹھے کریم خان نے اپنی خرجین کھولی، کھانا کھایا، رکن الدین کے مشکیزے سے پانی پیا، رکن الدین سے اجازت لی اور اس سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ ٹیلے سے نیچے اترا۔ اتنی دیر تک اس کا گھوڑا بھی گھاس چر کر پیٹ بھر چکا تھا۔ کریم خان نے اسے دھانہ چڑھایا، اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اسے ایڑ لگا کر سرپٹ دوڑاتا ہوا فرح آباد شہر کا رخ کر رہا تھا۔

❋❋❋

فرح آباد کے مستقر میں نادر قلی افشار اپنے دو بیٹوں رضا قلی اور نصر اللہ کے علاوہ اپنے دو بھتیجوں علی قلی خان اور ابراہیم کے ساتھ بیٹھا اپنی آئندہ کے لئے منصوبہ بندی کر رہا تھا کہ جس کمرے میں وہ اپنے لواحقین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس کمرے کے دروازے پر ایک لشکری نمودار ہوا۔ نادر قلی افشار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ایک لڑکا آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے اس کے گھوڑے کے چارے پانی کا اہتمام کر دیا ہے۔ وہ اس وقت یہاں قریب ہی کھڑا ہے اور فی الفور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے تفصیل نہیں بتائی۔ بس اتنا بتایا ہے کہ وہ موغان سے آیا ہے۔ کیا کام ہے، کس سے اس کا تعلق ہے، کچھ نہیں بتاتا۔''

لفظ موغان پر نادر قلی افشار ہی نہیں اس کے دونوں بیٹے رضا قلی، نصر اللہ اور بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم بھی چونکے تھے۔ سب نے جستجو بھرے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر نادر قلی اپنے دونوں بیٹوں اور دونوں بھتیجوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر کوئی موغان سے آیا ہے تو یقیناً اس کا تعلق زند قبیلے سے ہو سکتا ہے۔ وہاں سے کون آ سکتا ہے؟'' پھر آنے والے لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو بھی آیا ہے اسے اندر بھیجو۔''

وہ لشکری پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں کریم خان داخل ہوا۔ آگے بڑھ کر اس نے نادر قلی افشار کے علاوہ اس کے دونوں بیٹوں اور بھتیجوں سے بھی مصافحہ کیا۔ نادر قلی کے علاوہ شاید اس کے بیٹے اور بھتیجے بھی کریم خان کو نہیں جانتے تھے اور نادر قلی نے بھی اس سے پہلے کریم خان کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔ پہلے تو نادر شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ کریم خان جب بیٹھ گیا تب نادر قلی افشار

اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم موغان کی طرف سے آئے ہو۔ کون ہو؟ کس سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟'' ساتھ ہی نادر افشار نے اپنے علاوہ اپنے دونوں بیٹوں اور بھتیجوں کا تعارف بھی اس سے کروا دیا تھا۔ اس پر کریم خان غور سے نادر افشار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا آپ زند قبیلے کے سردار معصوم خان کو جانتے ہیں؟''

معصوم خان کا نام سن کر نادر افشار ہی نہیں اس کے دونوں بیٹے اور بھتیجے بھی چونکے تھے۔ یہاں تک کہ نادر قلی بول اٹھا۔

''معصوم خان میرے محسنوں میں سے ہے۔ جس وقت میں کسمپرسی کی حالت میں دھکے کھاتا پھرتا تھا، مجھے ایبورد کی حکمرانی سے ہٹا دیا گیا تھا اس وقت میرے علاوہ میرے عزیز و اقارب سب کی حفاظت اور دیکھ بھال زند قبیلے کے سردار معصوم خان نے ہی کی تھی۔ معصوم خان ایک ایسا شخص ہے جسے میں اپنا محسن، اپنا مربی کہہ سکتا ہوں اور اس کے لئے تو میری زندگی کا ہر لمحہ قربان کیا جا سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر افشار رکا۔ اس بار غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''بچے! جو کچھ تُو نے پوچھا، میں نے بتا دیا۔ اب بتا، تُو کون ہے؟''

جواب میں کریم خان گھگھیائی ہوئی آواز میں بول اٹھا۔

''میں زند قبیلے کے سردار معصوم خان کا چھوٹا بیٹا کریم خان ہوں۔''

یہ الفاظ سن کر نادر شاہ چونک سا اٹھا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھا، کریم خان کا بازو پکڑ کر اٹھایا، اسے گلے لگایا، اس کی پیشانی چومی، اس کے بعد اسی کی طرح اس کے دونوں بیٹے اور بھتیجے بھی کریم خان کو گلے لگا کر ملے۔ اس کے بعد بڑی شفقت اور پیار میں نادر افشار نے کریم خان کو اپنے سامنے بٹھایا، پھر پوچھا۔

''بچے! کیا تُو اکیلا آیا ہے یا تیرے ساتھ تیرا باپ بھی ہے؟ اور بتا تیرا اس طرف اس حال میں آنے سے کیا مقصد ہے؟ میں دیکھتا ہوں تیرے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار اور آنکھوں میں دور دور تک شکایتیں ہی شکایتیں ہیں۔''

نادر شاہ سے یہ الفاظ سن کر کریم خان ہونٹ کاٹنے لگا تھا۔ آنکھوں میں آنسو امڈ

آئے تھے۔ اس کی یہ حالت نادر شاہ کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کا کندھا تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ کھل کر بتاؤ۔ تمہارا باپ کہاں ہے؟''

اس موقع پر کریم خان نے پہلے سر پر بندھے رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں، پھر نادر قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے باپ، میری ماں، میری بہنوں اور دوسرے بہت سے قبیلے کے لوگوں کو قاچاریوں نے قاچاریوں کے سردار فتح خان قاچار کے کہنے پر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاچاری اچانک ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارا قتل عام کیا۔ میرے دو بھائی صادق خان اور ذکی خان جو ماں سے سگے اور باپ سے سوتیلے ہیں، وہ بھی کہیں بچھڑ چکے ہیں۔ ان کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ مرتے وقت جب میرا باپ آخری سانسیں لے رہا تھا تو اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کے پاس آؤں۔ قاچاریوں کے سردار فتح خان نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔''

اس سے آگے کریم خان کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے اور آواز بیٹھ گئی تھی۔

اس موقع پر نادر قلی افشار نے اپنا دایاں ہاتھ کریم خان کے سر پر رکھا۔ ساتھ ہی اس کی گردن جھکی اور وہ گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے کریم خان پھر بول اٹھا۔

''یہاں پہنچنے کے بعد مجھے خبر ہوئی کہ ان دنوں قاچاریوں کا سردار فتح خان یہاں فرح آباد میں ہی قیام کئے ہوئے ہے۔ اس کے ساتھ تین ہزار کا ایک لشکر ہے۔ جلا وطن بادشاہ طہماسپ بھی یہیں ہے اور آپ فتح خان اور طہماسپ سے مل کر مشہد کی مہم کے لئے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں ان حالات میں فتح خان کے خلاف.....''

کریم خان اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ نادر قلی افشار نے تڑپ کر اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور کہنے لگا۔

اس فتح خان قاچار کی ایسی تیسی۔ اب تُو یہ بتا کہ کیا تُو فتح خان قاچار کے ساتھ قاچاریوں کا بھی قتل عام چاہتا ہے؟''

کریم خان نے نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔

''میں قاچاریوں کا قتل عام نہیں چاہتا۔ یہ کام قاچاریوں نے اپنے سردار فتح خان کے کہنے پر کیا ہے۔ لہٰذا اس کی سزا صرف فتح خان کو ملنی چاہئے۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب نادر قلی افشار کی چھاتی تن گئی۔ کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بیٹے! اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دنوں میں قاچاریوں کے سردار فتح خان اور ایران کے معزول بادشاہ سلطان حسین کے بیٹے طہماسپ کے ساتھ مل کر اپنا مستقبل سنوارنے کے لئے نئی مہم کی ابتداء کرنے والا ہوں۔ لیکن فتح خان نے چونکہ میرے محسن، میرے مربی معصوم خان اور اس کے قبیلے پر ظلم کیا ہے لہٰذا مطمئن رہو۔ فتح خان میرے انتقام سے بچ نہیں سکے گا۔ کریم خان! اس وقت میرے، طہماسپ اور فتح خان کے پاس آٹھ ہزار کا لشکر ہے۔ آٹھ ہزار کے اس لشکر میں تین ہزار کا لشکر فتح خان قاچار کا اور پانچ ہزار کا لشکر میرا اپنا ہے۔ بس چند دن صبر کرو، پھر دیکھنا میں اس فتح خان قاچار کی گردن کیسے کاٹتا ہوں۔ اب یہ بتا کہ تیرا اپنے مستقبل کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا تُو کسی مکتب میں زیرِ تعلیم و تربیت بھی رہا ہے؟''

جواب میں چھاتی تانتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''میں موغان کے علمی مکتب کے علاوہ حرب وضرب کے مکتب میں بھی کئی سال زیرِ تربیت رہ چکا ہوں.....''

کریم خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نادر شاہ بول اٹھا۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر یہاں بھی تمہاری تربیت کے ساتھ ساتھ تمہیں میں اپنے لشکر میں رکھوں گا تاکہ کوئی قاچار تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ ہوسکتا ہے تمہارا سن کر تمہارے بچھڑ جانے والے بھائی صادق خان اور ذکی خان بھی کبھی تم سے آن ملیں۔ میرے لشکر میں رہتے ہوئے جہاں تمہیں عسکری تربیت کے بہترین مواقع ملیں گے وہاں تمہیں مختلف مہموں میں حصہ لیتے ہوئے جنگوں کا خوب تجربہ بھی حاصل ہوگا جو آنے والے دور میں یقیناً تمہارے کام آئے گا۔''

کریم خان نے جب نادر قلی افشار کی اس تجویز سے اتفاق کیا، تب نادر قلی نے پھر کریم خان کو مخاطب کیا۔

''کریم خان! تم میرے دونوں بیٹوں اور بھتیجوں سے کافی چھوٹے ہو۔ یہ چاروں بھی تمہاری تربیت کا کام سرانجام دیں گے۔ آج کے بعد میں تمہیں اپنے لشکر میں شامل کرتا ہوں۔ تمہاری حیثیت اب میرے گھر کے ایک فرد کی سی ہو گی۔''

کریم خان اس پر خوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد نادر قلی کے کہنے پر اس کے بیٹے اور بھتیجے، کریم خان کو مستقر کے اندر اپنے سکونتی حصے کی طرف لے گئے تھے۔

***

نادر قلی افشار کو مشہد کے حکمران محمود سیستانی سے دلی رنجش تھی۔ اس لئے کہ ماضی میں محمود خان سیستانی نے نادر افشار کے ساتھ زیادتیاں کی تھیں اور اسے ابیورد کی حکمرانی سے علیحدہ کر کے دربدر دھکے کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ مازندان کے شہر فرح آباد میں قیام کے دوران نادر شاہ نے جلا وطن بادشاہ طہماسپ اور قاچار قبیلے کے سردار فتح خان کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ ایران میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ابتداء مشہد شہر سے کرنی چاہئے۔ جلا وطن بادشاہ طہماسپ کے علاوہ قاچار قبیلے کے سردار فتح خان نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا جلا وطن بادشاہ طہماسپ، نادر قلی افشار اور قاچار قبیلے کے سردار فتح خان اپنے آٹھ ہزار کے لشکر کو لے کر مازندان کے شہر فرح آباد سے مشہد کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

فرح آباد سے نکل کر شمال مشرق کی طرف سفر کرتے ہوئے جس وقت یہ لشکر راستے میں ایک کوہستانی سلسلے کے اندر پڑاؤ کر گیا تھا تب نادر شاہ افشار، طہماسپ کے خیمے میں داخل ہوا۔ طہماسپ جو ایک طرح سے صرف جلا وطن ہی نہیں بلکہ نام ہی کا شہنشاہ تھا، جب نادر شاہ افشار اس کے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس لئے کہ نادر قلی کی لشکریوں پر ہی نہیں، طہماسپ پر بھی بڑی دہشت تھی۔

نادر قلی مسکراتا ہوا خیمے میں داخل ہوا۔ جب ایک نشست پر بیٹھ گیا تب طہماسپ بھی جہاں سے اٹھا تھا وہاں ہو بیٹھا۔ کچھ دیر تک خیمے میں خاموشی رہی۔ اس دوران نادر قلی گردن جھکائے کچھ سوچتا رہا، فیصلہ کرتا رہا، اس کے بعد اس نے طہماسپ کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ذرا فتح خان قاچار کو تو بلاؤ تاکہ مشہد پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کو آخری

شکل دی جائے۔''

چنانچہ طہماسپ نے اپنے محافظوں میں سے ایک کو آواز دی۔ جب وہ خیمے کے دروازے پر آیا، طہماسپ نے اسے فتح خان قاچار کو بلانے کے لئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فتح خان قاچار جو ڈھلی ہوئی عمر کا تھا، خیمے میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کا بیٹا محمد حسین قاچار اور حسن محمد قاچار بھی تھے۔ حسن محمد قاچار، محمد حسین قاچار کا بیٹا اور فتح خان قاچار کا پوتا تھا۔ آگے پیچھے جب تینوں خیمے میں داخل ہوئے تب نادر شاہ نے فتح خان قاچار کے بیٹے محمد حسین قاچار اور اس کے فرزند حسن محمد قاچار کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''میں اور یہ دونوں صاحب حیثیت شخصیات چند انتہائی اہم امور پر گفتگو کرنے لگے ہیں جو مشہد کی مہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہٰذا تم دونوں باپ بیٹا اس وقت جاؤ۔ جو منصوبہ بندی ہم نے کرنی ہے اسے ہوا تک نہیں لگنی چاہئے۔''

سارے لشکری نادر قلی افشار کے مزاج سے چونکہ واقف تھے لہٰذا محمد حسین اور حسن محمد قاچار دونوں وہاں سے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد فتح محمد قاچار طہماسپ کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خیمے میں خاموشی رہی۔ اس دوران نادر شاہ نجانے کیا سوچتا رہا، اس کے بعد جب اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس کی آنکھوں میں غصے اور غضب کی سرخی تھی۔ پھر وہ فتح محمد قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''فتح محمد! زند قبیلے کے قتل عام کا حکم دینے سے پہلے تم نے کسی سے مشورہ کیا ہوتا، کسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ اس لئے کہ.....''

نادر شاہ کے ان الفاظ کو فتح خان قاچار نے ناپسند کیا تھا۔ اس کا چہرہ بھی غصے میں سرخ ہو گیا۔ لہٰذا نادر قلی افشار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ایسے معاملات میں نہ کسی کا ماتحت ہوں نہ ہی دبیل۔ کیا زند قبیلے سے نمٹنے کے لئے مجھے تم سے مشورہ کرنا چاہئے تھا؟''

''ہاں..... مجھ سے مشورہ کرنا چاہئے تھا۔'' غصے بھری آواز میں نادر قلی نے کہنا شروع کیا تھا۔ ''زند قبیلے کا قتل عام کوئی معمولی بات نہیں جسے تم باتوں میں الجھا کر ختم کر دو گے۔''

نادر قلی کی اس گفتگو سے فتح محمد قاچار کا پارہ اپنے عروج پر چڑھ گیا تھا۔ انتہائی غصے اور غضب ناکی میں کہنے لگا۔

''نادر قلی! اپنے آپ میں رہو، اپنی اوقات کو مت بھولو۔ میرے آباؤ اجداد شروع سے قاچار قبیلے کے سردار چلے آئے ہیں۔ تم ذرا اپنی حیثیت پر بھی نگاہ دوڑاؤ۔ ایک معمولی گڈریئے تھے۔ تمہارا قبیلہ جس کا نام قرقلو تھا، اس قابل ہی نہیں تھا کہ انفرادی طور پر کہیں جم کر بیٹھ سکتا یا اپنا دفاع کر سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ تمہارے باپ نے طاقتور قبیلے افشار سے الحاق کر لیا جس کی بناء پر تم قرقلو سے افشار کہلانے لگے۔

نادر قلی! یہ بھی مت بھولو کہ میرا باپ قاچار قبیلے کا سردار تھا۔ ذرا اپنے باپ پر بھی نگاہ دوڑاؤ، تمہارا باپ امام قلی معمولی آدمی تھا۔ بھیڑ بکریاں پالتا تھا اور انہی بھیڑوں کی اون سے پوستینیں بنا کر جگہ جگہ دھکے کھاتے ہوئے بیچا کرتا تھا۔ لہٰذا جب مجھ سے مخاطب ہونے لگو تو اپنی حیثیت کو اپنی نگاہ میں رکھ کر مجھ سے گفتگو کیا کرو۔''

فتح خان قاچار کی اس گفتگو سے طہماسپ کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ فتح خان تو نہیں، طہماسپ نادر قلی کے مزاج سے خوب واقف تھا۔ فتح خان جب خاموش ہوا تب نادر شاہ افشار پہلے کی نسبت زیادہ غضب اور غصے میں فتح خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''فتح خان! تمہارے یہ کرودھ بھرے قیامت خیز الفاظ، اذیت اور ظلم بھری تمہاری یہ آواز، نیستی اور بربادی کی درندگی جیسے تمہارے یہ جملے، سوچوں کی سونی سونی لکیروں، موت و مرگ کے قہر جیسے تمہارے یہ الفاظ برق شمشیر کا بھیانک رقص بھی کھڑے کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا فتح خان! کئی چہرے شکن شکن، کئی تن لخت لخت ہو جائیں گے۔ کئی ذہنوں میں قہرمانیت کی بارش ہو گی۔ برے ایام کی ویرانیاں، بھیانک لمحوں کے غم رقص کرنے لگیں گے۔ یاد رکھنا، تمہارے الفاظ موت کی اترائی اور ہلاکتوں کا پیش خیمہ بھی بن سکتے ہیں۔''

نادر افشار کے یہ الفاظ فتح خان قاچار نے بری طرح محسوس کئے تھے لہٰذا کھا جانے والے انداز میں اس نے نادر افشار کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''اپنی مصنوعی اور عارضی برتری اور اپنی سرداری کو اپنے پاس رکھو۔ میرے سامنے نفرت بھری امارت کے فرعون بننے کی کوشش مت کرو۔ مجھ سے گفتگو کرنے سے پہلے یہ سوچو کہ اس وقت میرے ساتھ میرے تین ہزار دلاور اور شہ سوار ہیں۔ اگر میرے ساتھ

گستاخانہ رویہ اختیار کرو گے تو اپنے اور اپنے لواحقین کے لئے مرگ کے سلسلوں کو آواز دو گے۔ اگر ایسا ہو گا تو تمہاری زندگی بے ثمر ہو جائے گی۔ نادر قلی! اپنے سکھ کو دکھ میں بدلنے کی کوشش مت کرو ورنہ یاد رکھنا زمانے بھر کے غموں کی دھول میں اُڑتے پھرو گے۔ مجھ سے ٹکراؤ گے تو یاد رکھنا تباہی کی بے روک آندھیوں، بربادی کے کوہستانی جھکڑوں، قضا کھڑی کرتی لہروں، کھولتے بکھرتے لاووں کی کتھا برباد کرتے اندھیاؤ کے علاوہ تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے فتح خان کو رُک جانا پڑا۔ اس لئے کہ نادر قلی اچانک اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر لے گیا۔ پھر وہ بے پردہ وحشتوں، بے روک بنجر پیاس، کرب خیزی کے رقص اور شوریدہ سر تلاطم کی طرح اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی غصے اور انتہائی غضبناکی میں وہ فتح خان قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تیری ایسی تیسی کہ تُو میرے ساتھ ایسے انداز میں گفتگو کرو۔ تُو نے ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھ سے یہ کہا کہ میں تجھ سے گفتگو کرتے وقت اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا کر رکھوں کہ تیرے ساتھ تیرے تین ہزار دلاور اور شہ سوار ہیں۔ کیا تُو نے یہ نہیں سوچا کہ اس وقت ہمارے لشکر کی تعداد آٹھ ہزار ہے جس میں تیرے صرف تین ہزار ہیں۔ باقی پانچ ہزار میرے جانثار ہیں جو لمحوں کے اندر تیرے ساتھیوں کو پکی ہوئی فصل کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے۔ تُو کیا سمجھتا ہے کہ زند قبیلے کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا؟ اور تُو ان سے اپنے مفاد کی خاطر جیسا چاہے سلوک کرے۔ تُو نے ان کے قتل عام کا حکم دے کر اپنی موت کے پروانے پر اپنا انگوٹھا ثبت کیا ہے۔ اگر تُو یہ سمجھتا ہے کہ زند قبیلے کی تباہی کا حکم دے کر تُو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے، کوئی تجھ سے انتقام نہیں لے سکتا، کوئی تجھ سے اس قتل عام کی باز پرس نہیں کر سکتا تو یہ تیرا وہم ہے۔''

اس کے ساتھ ہی نادر قلی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے چوڑے پھل کی تلوار کھینچ لی تھی۔ اس کے اس عمل پر سامنے بیٹھا ہوا طہماسپ پیلا ہلدی ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ فتح خان قاچار پہلے ہی اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ پھر انتہائی درندگی اور غضب ناکی میں نادر قلی، فتح خان قاچار کو مخاطب کر کے کہنے گا۔

''ذرا اپنی تلوار نیام سے نکالو۔ میں تمہیں نہتا رکھ کر تم پر حملہ آور نہیں ہونا چاہتا۔ میری ایک بات اپنے ذہن میں بٹھا کر رکھنا کہ تم نے زند قبیلے کے سردار معصوم خان

اوراس کے لواحقین کے علاوہ اس کے قبیلے کے لوگوں کے قتل عام کا حکم دیا ہے۔معصوم خان، اس کے بیوی بچے مارے جا چکے ہیں لیکن اس کا ایک بیٹا نام جس کا کریم خان ہے، میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس نے مجھ سے تمہارے ظلم کی شکایت کی ہے۔تم سے بدلہ اور انتقام لینے کی استدعا کی ہے۔معصوم خان کے ساتھ میرے ایسے تعلقات تھے کہ اس کے لئے تو میں اپنی جان کا ہر لحہ قربان کر سکتا ہوں۔ لہٰذا فتح خان قاچار! زند قبیلے کے قتل عام کے بعد تم محفوظ تو نہیں رہ سکتے۔ فتح خان! یہ کوئی معمولی معاملہ نہیں ہے۔معصوم خان کے بیٹے کو میں اپنے لشکر میں شامل کر چکا ہوں۔ سن فتح خان! جس وقت کریم خان نام کا وہ لڑکا میرے پاس آیا تھا اور اس نے اپنی کتھا کہی تھی اس وقت اس کے چہرے پر جو اداسیوں کے اثرات، اس کی آنکھوں میں جو آنسو تھے انہوں نے میری ذات کے اندر موت کی ہلچل برپا کر دی تھی اور جس وقت اس نے اپنی کتھا کہی تھی، تمہاری ظلم بھری داستان مجھ سے بیان کی تھی، اسی وقت ہی میں نے اپنے دل میں قسم کھا لی تھی کہ تجھے قتل ضرور کروں گا۔ اب جبکہ اس خیمے میں، میں ہوں، تم ہو، طہماسپ ہے۔ اگر تم اپنی مدد کے لئے کسی کو پکارنا چاہتے ہو تو پکارو۔ میں دیکھتا ہوں تمہاری پکار پر کون یہاں آتا ہے۔''

نادر قلی کے ان الفاظ پر فتح خان قاچار پیلا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے کچھ لوگوں کا نام لے کر انہیں پکارا بھی۔ اس کی پکار کے جواب میں کچھ لوگ طہماسپ کے خیمے کے گرد جمع ہوئے اور جمع ہونے والے نادر قلی کے اپنے آدمی اور سالار تھے۔ شاید نادر قلی نے فتح خان قاچار سے نمٹنے کا پہلے ہی منصوبہ بنا رکھا تھا۔

اس موقع پر نادر قلی نے پھر فتح خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''طہماسپ کے خیمے کے دونوں دروازوں پر جو لوگ تھے، تمہاری پکار کے جواب میں آ کر جمع ہوئے ہیں۔ انہیں غور سے دیکھو۔ کیا یہ تمہارے آدمی ہیں؟ دیکھو، میں نے کسی کو پکارا نہیں ہے لیکن خیمے کے دروازے پر آنے والے سارے میرے آدمی ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ نادر قلی نے اپنی تلوار بلند کر کے فتح خان قاچار پر گرائی۔ فتح خان قاچار، نادر قلی کے اس وار کو روک نہ سکا اور نادر قلی نے طہماسپ کے خیمے میں فتح خان قاچار کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

فتح خان قاچار کی لاش اپنے خیمے میں دیکھ کر طہماسپ لرزنے لگا تھا۔ اس کی نگاہیں

اس موقع پر نادر قلی کی خون آلود تلوار پر جم گئی تھیں۔ پھر نادر قلی نے خیمے کے دروازے پر آ کر جمع ہونے والے اپنے کچھ آدمیوں کو مخصوص اشارہ کیا جس پر وہ فتح خان کی لاش اٹھا کر خیمے سے باہر لے گئے اور خیمے کے اندر جو فتح خان قاچار کا خون گرا تھا، وہ انہوں نے صاف کر دیا تھا۔ اس موقع پر نادر قلی نے اپنی تلوار صاف کی، اس کے بعد طہماسپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''فتح خان قاچار اپنی حدود کو پھلانگ گیا تھا۔ اس نے اپنے زمانے کا فرعون بننے کی کوشش کی تھی۔ زند قبیلے کا قتل عام کرنے کے بعد یہ خیال کرنے لگا تھا کہ اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ بس اس کے گناہوں کے جرم میں، میں نے اس کی گردن کاٹ دی ہے۔ ہمارے اندر یہ ایک فتنہ تھا اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بدتر ہوتا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی اپنی تلوار کو نیام میں کرتے ہوئے نادر قلی، طہماسپ کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

دوسری طرف لشکر کے اندر فتح خان قاچار کے بیٹے، پوتے اور دوسرے رشتہ دار تھے، وہ اسی وقت اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگ گئے تھے۔ اگلے روز لشکر نے ایک بار پھر مشہد کی طرف پیش قدمی کی تھی۔

❀❀❀❀❀

❋❋❋

مشہد کے حاکم محمود سیستانی کو جب خبر ہوئی کہ اس کا دشمن نادر قلی ایک لشکر لے کر جلا وطن بادشاہ طہماسپ کے ساتھ مشہد پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب اس نے نادر قلی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ ساتھ ہی محمود سیستانی کو یہ خبر ہو چکی تھی کہ راستے میں چونکہ نادر قلی نے قاچار قبیلے کے سردار فتح خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لہٰذا نادر قلی کے لشکر میں جو قاچاری ہیں وہ دلجمعی سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ اس کے ساتھ ہی محمود سیستانی کو یہ بھی خبر ہو گئی تھی کہ نادر قلی صرف آٹھ ہزار کا لشکر لے کر مشہد پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے۔

چنانچہ ان دونوں صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے محمود سیستانی نے فیصلہ کیا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر نادر قلی کا مقابلہ کرے گا اور اسے شکست دے کر مار بھگائے گا۔

چنانچہ نادر قلی اور طہماسپ کے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے محمود سیستانی شہر سے نکلا اور اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا۔

جس روز شام کے وقت نادر قلی اور طہماسپ بھی اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے تب آنے والی شب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کئے رہے۔ اگلے روز دونوں نے جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے اپنے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

محمود سیستانی کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا وہ فی الفور جنگ کی ابتداء کر کے نادر قلی کو مار بھگانا چاہتا تھا۔ دونوں لشکریوں کی صفیں جب درست ہو گئیں تب محمود سیستانی سرسراتی ہواؤں کے اندر ریزہ ریزہ کرتی جراثیم کی روشنی کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ پھر وہ وقت کی بدترین گھات سے نکل کر جسموں کی فصیلوں کو شکستہ کرتی کرب کی ہولناک ژالہ باری، زندگی کے دشت میں غم کے منشور کھڑے کرتی کھولتی

کثرتِ آلام کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

محمود سیستانی کے حملہ آور ہونے کے بعد نادر قلی نے پہلے تو اس کے حملوں کو روک دکھایا، اس کے بعد اس نے جارحیت اختیار کی۔ چنانچہ وہ بھی سمندر کی خاموشیوں، قہر آلود فضاؤں میں روحوں کو لخت لخت کرتے سریع التاثیر زہر، قلب کو دریدہ کرتی برہم مزاج آندھیوں اور جسموں کو ریزہ ریزہ کر دینے والے موت کے ہولناک کاروانوں، اذیت آشنا کرتی کرب خیز خونی رقابتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے مشہد کے نواح میں زندگی کی دشواریوں میں زور مارتی شعلہ فشانی، دل کی ویران فضاؤں کے اندر جہاں سوز کراہیں کھڑی کرتی قضا اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ موت کرب کے بال کھولے تیز و تند ہنگامہ خیز بگولوں کی طرح ہر شے کو خون میں نہلاتی چلی جا رہی تھی۔

محمود سیستانی نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح نادر قلی کو شکست دے کر مار بھگائے لیکن اس نے دیکھا کہ نادر قلی تو اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ اس کے لشکر پر غالب آتا جا رہا تھا اور میدان میں اب محمود سیستانی کے لشکریوں کی لاشیں زیادہ دکھائی دینے لگی تھیں۔ پھر ایسا موقع بھی آیا کہ محمود سیستانی نے اپنی شکست کو قبول کرتے ہوئے پلٹ کر اور بھاگ کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اس کی اس کوشش کو نادر قلی نے ناکام بنا دیا۔ اس کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ شہر کے پھاٹک کے قریب ایک بار پھر خوفناک ٹکراؤ ہوا۔ اس ٹکراؤ میں جہاں محمود سیستانی کے ان گنت لشکری مارے گئے، وہاں محمود سیستانی کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس موقع پر جب محمود سیستانی کو نادر قلی کے سامنے پیش کیا گیا تب نادر قلی کچھ دیر تک اسے کھا جانے والے انداز میں دیکھتا رہا، پھر پوچھا۔

”کیا تُو نے مجھے پہچانا؟ میں قرقلو قبیلے کا نادر قلی ہوں۔ اب میں نادر افشار ہوں اور میں تمہیں بتا دوں کہ مشہد کے نواح میں تمہیں بدترین شکست دے کر میں اپنے کام کی ابتداء کر چکا ہوں۔ اب میری فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اب جبکہ میں تمہیں شکست دے چکا ہوں، تمہارے لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں، اس موقع پر نہ مجھ سے کوئی سوال کرنا اور نہ مجھ سے معافی مانگنا۔ اس لئے کہ تُو وہ شخص ہے جس نے مجھے ابیورد سے نکال کر در بدر دھکے کھانے اور پھر لٹیرا

بننے کی حد تک پہنچا دیا۔ لہٰذا کوئی بھی تیری سفارش کے لئے آ جائے، میں تجھے معاف نہیں کروں گا۔"

اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے سے نادر قلی نے اپنی تلوار بے نیام کی اور محمود سیستانی کی گردن کاٹتے ہوئے نادر قلی نے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

فتح خان قاچار کے خاتمے اور اس کے بعد مشہد شہر سے باہر محمود سیستانی کو بدترین شکست دینے اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد نادر قلی نے جب مشہد پر قبضہ کر لیا تب اس کی اہمیت لوگوں ہی میں نہیں، طہماسپ کی نگاہوں میں بھی بڑھ گئی تھی۔ طہماسپ جو اس وقت برائے نام اور جلا وطن بادشاہ کہلاتا تھا، نادر قلی کے ساتھ ساتھ تھا۔ طہماسپ کی بیوی اور اس کا بیٹا عباس اور دوسری اولاد کے علاوہ طہماسپ کی ایک بہن بھی اس وقت اس کے ساتھ تھی۔ جبکہ طہماسپ کا باپ معزول بادشاہ سلطان حسین طہماسپ کی ماں اور اس کی ایک کمسن اور چھوٹی بہن کے علاوہ کچھ دوسرے عزیز و اقارب بھی اس وقت اصفہان میں مقیم تھے۔

جہاں تک معزول بادشاہ سلطان حسین کا تعلق تھا تو وہ ایک طرح سے نظر بندی کی زندگی اصفہان میں گزار رہا تھا۔ جبکہ اس کی بیوی، اس کی چھوٹی لڑکی اور دیگر لواحقین اپنے جاننے والوں کے ہاں ایک طرح کی گوشہ نشینی اور تہہ خانوں کی زندگی گزار رہے تھے۔

اس موقع پر نادر قلی نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا۔ طہماسپ سے اس کی اس بہن کا رشتہ مانگا جو اس وقت طہماسپ کے ساتھ تھی۔ یہ رشتہ نادر قلی نے اپنے بیٹے رضا قلی کے لئے مانگا تھا۔ طہماسپ جانتا تھا کہ نادر قلی طاقت حاصل کر چکا ہے اور اس کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا اس نے اس رشتے کو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ طہماسپ کی بہن اور ایران کے معزول بادشاہ سلطان حسین کی بیٹی کی شادی نادر قلی کے بیٹے رضا قلی کے ساتھ کر دی گئی تھی۔

مشہد کو فتح کرنے اور یہ اہم فریضہ ادا کرنے کے بعد خراسان کے اندر اب نادر قلی کی بڑی اہمیت ہو گئی تھی۔ دوسری طرف اشرف خان کو جو ان دنوں اصفہان اور کچھ علاقوں کا حاکم تھا، خبر ہوئی کہ نادر قلی نے تو مشہد کو فتح کر کے اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر لیا ہے اور آنے والے دور میں وہ اصفہان کے حاکم اشرف خان کے لئے

خطرے کا باعث بھی بن سکتا ہے لہٰذا اشرف خان نے بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ نادر قلی پر حملہ آور ہو گا اور اس کا کام تمام کر کے ایران کے اندر ہر شورش کا قلع قمع کر کے رکھ دے گا۔

چنانچہ اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد اشرف ایک جرار لشکر لے کر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری طرف نادر قلی اور طہماسپ کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ اشرف ایک بہت بڑا لشکر لے کر آ رہا ہے اور اس کے لشکر میں بہت زیادہ تعداد افغانوں کی ہے۔ تب نادر قلی، دامغان کے قریب کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ یہیں وہ اشرف خان کے لشکر کو روکے گا اور اس سے ٹکرائے گا۔

دوسری طرف اصفہان کا حکمران اشرف خان بھی مار دھاڑ اور شکست و ریخت کرتا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح پہنچا۔ اس کے آتے ہی دونوں لشکریوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ تعداد کے لحاظ سے اشرف خان کا لشکر بڑا تھا اور اسے نادر قلی پر عددی فوقیت حاصل تھی۔ چنانچہ جنگ میں پہل بھی اشرف خان نے ہی کی۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد اشرف خان رگوں میں زہر گھولتے تشنگی کے لا انتہا ساگر، جسم میں زنگ آلود روحانی کرب کھڑا کر دینے والے درد کی گہری کسک اور ذہن میں تجسس، روح میں تحیر پیدا کر دینے والے ریت کے سرخ طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف نادر قلی نے بھی بڑی ہمت، بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود اس نے خوش کن انداز میں جوابی کارروائی کی ابتداء کی تھی اور وہ بھی اشرف خان کے لشکر پر دل کی شکنوں پر موت کے طوفان کھڑے کرتے، گہرے گمنامی کے سایوں، ہر ذی نفس میں مرگ کا زہر ڈال کر شکست ذات کی طرح کیفیت طاری کرتی ہجر کی اندھی کالی راتوں اور وقت کے زیاں خانے میں قرارِ دل، سکونِ جاں اور چہروں کی آسودگی تک کو لوٹتے، بربادی کے بھٹکتے بھنور کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دامغان میں کھلے میدانوں کے اندر دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے کئی لشکریوں کا مصافِ زندگی تمام ہونے لگا تھا۔ سازِ حیات بڑی تیزی سے خاموش ہونے لگے تھے۔ زندگی کی منزلیں بوجھل، ویران ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ موت چاروں طرف رقص کرتے ہوئے آگ و خون کا پیغام دینے لگی تھی۔ رزم گاہ میں ہر سُو ہر ذی روح کی دل آشوبی،

جذبوں کی محرومیاں اور شکست و انہدام کے باب کھلنا شروع ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک داغمان کے وسیع میدانوں میں ہولناک ٹکراؤ جاری رہا۔ شروع میں اشرف خان نے دیکھا اس کے لشکر کا پلہ بھاری تھا لیکن بعد میں مختلف مواقع پر نادر شاہ نے اپنے لشکر میں کچھ تبدیلیاں کیں، حملہ آور ہونے کا انداز بھی اس نے بدلا جس کے نتیجے میں اب کامیابی کا پلڑا نادر قلی کی طرف، ناکامی اور شکست کا رخ اشرف خان کی طرف ہو گیا تھا۔ اس صورتِ حال کو جب نادر شاہ کے لشکریوں نے بھانپا تو انہوں نے اپنے حملوں میں پہلے کی نسبت مزید تیزی پیدا کر دی۔ ان کے ایسا کرنے سے اشرف خان نے دیکھا کہ رزم گاہ کی کیفیت اب اس کے لشکریوں کے لئے سہمی سہمی فضاؤں میں موت کی منڈی اور قضا کے میلے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اس کے لشکر میں اب ہر سُو برباد ہوتی کتھاؤں، اُداس غموں کی کہانیوں، زیست کے سیاہ قصوں کی سی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی تھی۔

اشرف نے جب دیکھا کہ اگر داغمان کے ان میدانوں میں جنگ جاری رہی تو جس قدر وہ لشکر لے کر آیا ہے اس کا قصہ پاک ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے شکست قبول کر کے بھاگنے کا فیصلہ کیا۔ یہ پیغام اپنے چھوٹے سالاروں تک پہنچایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اشرف کے لشکر میں زیادہ تعداد افغانوں کی تھی اور اس جنگ میں افغانوں ہی کا نقصان زیادہ ہوا۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ شکست اٹھانے کے بعد اشرف اس قدر تیزی سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا کہ دامغان سے اصفہان تک دو سو میل کا فاصلہ صرف دو دن میں طے کر کے اشرف خان اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان پہنچ گیا۔

اب صورتِ حال اصفہان کے حکمران اشرف خان کے لئے بڑی پیچیدہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ دامغان میں نادر قلی کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد اشرف خان نے اصفہان پہنچ کر اپنے سارے لشکر اور تمام کنبوں کو مع ساز و سامان پہلے قلعے میں جمع کر لیا۔ اسی دوران اسے خبر ملی کہ نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے اصفہان کا رخ کئے ہوئے ہے۔ اس صورت حال نے اشرف کو مزید پریشان کر دیا تھا۔ چنانچہ اپنی ہر شے کو اصفہان کے قلعے میں محفوظ کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنے لشکر کو استوار کر کے اصفہان سے نکلا اور اصفہان سے لگ بھگ چھتیس میل کے فاصلے پر خرت کے مقام پر

اس نے اپنا پڑاؤ قائم کر لیا تھا اور وہیں اس نے ایک بار پھر نادر قلی سے ٹکرانے کا عزم کیا تھا۔

دوسری طرف نادر قلی بھی اپنا قدم اٹھا چکا تھا۔ اس نے طہماسپ کو کچھ دستے دے کر دامغان ہی میں چھوڑا، خود اصفہان کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس موقع پر اہلِ ایران جلا وطن صفوی حکمران طہماسپ کو بھول کر نادر قلی ہی کو اپنا نجات دہندہ سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ نادر قلی جدھر سے بھی گزرتا، راستے کے قصبوں، شہروں اور دیہات کے نوجوان اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے اس کے لشکر میں شامل ہونے لگے تھے۔ صورت حال ایران میں بڑی پیچیدہ ہو گئی تھی۔ صفویوں کے لئے اب غیرت اور نسلی وقار کا سوال اٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ اشرف خان کے تحت کام کرنے والے افغانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ اٹھا تھا۔

اصفہان کی طرف بڑھتے ہوئے نادر قلی کو خبر ملی کہ اشرف خان کے تحت افغانوں کا ایک لشکر خرت میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہے تو اصفہان کی طرف جانے کی بجائے اس نے اصفہان شہر سے چھتیس میل کے فاصلے پر مقام خرت کا رخ کیا جہاں اشرف خان اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

یہاں ایک بار پھر اشرف خان اور نادر شاہ کے درمیان ہولناک ٹکراؤ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں افغان بڑی بے جگری سے لڑے لیکن بدقسمتی سے انہیں پھر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مؤرخین کے مطابق اس جنگ میں چار ہزار افغان مارے گئے جو اشرف خان کے بہترین لشکری خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ اپنے چار ہزار جانوں کے کٹ مرنے کی وجہ سے اشرف کو ایک بار پھر شکست اٹھا کر اصفہان کی طرف پسپا ہونا پڑا۔

خرت کے مقام سے شکست اٹھانے کے بعد اس نے اصفہان کی راہ لی تو اصفہان پہنچتے ہی اشرف خان نے اپنے لشکر اور بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ اصفہان سے بھی نکلنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

جیسے تیسے کر کے رات انہوں نے وہاں بسر کی۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو سارے افغان کنبوں سمیت کاروان کی صورت میں اشرف خان نے شیراز کا رخ کیا۔ اصفہان سے رخصت ہوتے وقت اشرف خان نے ایک اور بڑا کام کیا اور وہ یہ کہ اصفہان سے چلتے وقت اس نے ایران کے سابق بادشاہ سلطان حسین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا

جو ایک طرح سے نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ تاہم شاہ حسین کی بیوی، اس کی ایک بیٹی اور دوسرے اہلِ خانہ اصفہان شہر کے اندر ہی گمنام تہہ خانوں کے اندر زندگی گزار رہے تھے جو سلطان حسین کے ساتھ قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔

دراصل اشرف خان نے اصفہان سے نکلتے وقت شاہ حسین کو اس لئے قتل کر دیا تھا تاکہ وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا تخت و تاج چھیننے والے موت سے بچنے کے لئے کس طرح پناہ گاہ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔

خرت کی فتح کے تین دن بعد نادر شاہ فاتحانہ اصفہان میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس نے اشرف خان کے چچا محمود خان کے مقبرے کو نیست و نابود کیا تاکہ افغانوں کی فتح کا کوئی نشان وہاں باقی نہ رہے۔

نادر قلی خرت کے میدانوں سے اصفہان کی طرف روانہ ہوا تو اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اس نے طہماسپ کو وہیں چھوڑا۔ نادر قلی کی غیر موجودگی میں طہماسپ نے اپنے لشکر کے ساتھ تہران کا رخ کیا لیکن جب اسے خبر پہنچی کہ اصفہان سے چھتیس میل دور خرت کے میدان میں نادر قلی نے اشرف خان کو بدترین شکست دی ہے اور یہ کہ نادر قلی فاتح کی حیثیت سے اصفہان میں داخل ہو گیا ہے تب طہماسپ نے بھی تہران کی طرف جانے کی بجائے اصفہان کا رخ کیا۔ چنانچہ نادر قلی کے پیچھے پیچھے وہ بھی اصفہان میں داخل ہوا۔

ایرانی مؤرخین کا بیان ہے کہ اصفہان میں داخل ہونے کے بعد طہماسپ نے جب اپنے آباؤ اجداد کے بنائے ہوئے محلات کو شکستہ حالت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس کا باپ سلطان حسین تو مارا جا چکا تھا لیکن اس کی خوش قسمتی کہ اس کی ماں، اس کی ایک بہن اور کنبے کے دیگر افراد چونکہ اصفہان کے گمنام تہہ خانوں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ چنانچہ جب نادر شاہ اور طہماسپ اصفہان میں داخل ہوئے تو طہماسپ کی ماں، بہن اور دوسرے اہلِ خانہ بھی تہہ خانوں سے نکل آئے۔ اس طرح ایک عرصے بعد طہماسپ کی اپنی ماں، بہن اور دوسرے اہلِ خانہ سے ملاقات ہوئی۔

اصفہان سے نکلنے کے بعد اشرف خان افغان لشکر کے ساتھ ایک کاروان کی صورت میں فرسنگ با فرسنگ بڑھتا ہوا شیراز پہنچا۔ وہاں اپنے افغان لشکر کے ساتھ اشرف خان نے قیام کیا اور وہاں اس نے اپنے لشکر کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ نادر

قلی اور طہماسپ دونوں نے اصفہان میں قیام کیا ہوا تھا لہٰذا اشرف خان کو موقع مل گیا کہ نئے سرے سے اپنے لشکر کی تنظیم درست کرے۔

دوسری طرف طہماسپ کو بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ افغانوں کا لشکر اشرف خان کی سرکردگی میں شیراز پہنچ چکا ہے اور شیراز میں اشرف خان اپنے لشکر کی پھر نوک پلک درست کر رہا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر طہماسپ نے نادر قلی کو مشورہ دیا کہ ہمیں اصفہان سے نکل کر شیراز کا رخ کرنا چاہئے اور اشرف خان سے ٹکرانا چاہئے۔

لیکن نادر قلی نے طہماسپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ نادر قلی چاہتا تھا کہ تعاقب کرنے سے پہلے ملک میں محصولات عائد کرنے کا اختیار اسے حاصل ہونا چاہئے۔ یہ اختیار گویا دوسرے لفظوں میں حکومت کا مکمل اختیار نادر قلی کے حوالے کرنے کے مترادف تھا۔ طہماسپ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ اس وقت طہماسپ کی حالت نادر قلی کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ ساری طاقت اور قوت نادر قلی کی مٹھی میں تھی۔ لشکری اسی پر جان نچھاور کرتے تھے اور اسی کا کہا مانتے تھے۔ چنانچہ ان مجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے طہماسپ کے پاس نادر کا یہ مطالبہ ماننے کے سوا اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

چنانچہ طہماسپ نے محصولات عائد کرنے کے اختیارات نادر قلی کے حوالے کر دیئے۔ یہ اختیارات ملنے کے بعد نادر قلی نے اپنے لشکر کے ساتھ شیراز کی طرف کوچ کیا۔ اس طرح وہ نقارے بجاتا ہوا شیراز کی طرف بڑھا تھا۔

فتح کے نشے میں سرشار نادر قلی کا یہ لشکر شیراز کے قرب و جوار میں پہنچا۔ اشرف خان نے شیراز سے بیس میل دور استخر کے مشہور مقام کے قریب افغان لشکر کے ساتھ نادر قلی کا مقابلہ کیا۔ اشرف خان کی بدقسمتی اور نادر شاہ کی خوش قسمتی کہ استخر کے مقام پر بھی نادر شاہ نے اشرف کے لشکر کو بدترین شکست دی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس ٹکراؤ میں بیس ہزار افغان مارے گئے جو اشرف خان کے تحت نادر قلی کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ بیس ہزار افغانوں کے مارے جانے کی وجہ سے اشرف خان کو ایک بار پھر نادر قلی کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی۔ میدانِ جنگ سے بھاگنے سے قبل افغانوں نے اپنے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو خود ہی موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ وہ دشمن کے ہاتھوں میں نہ پڑ جائیں۔ یوں اشرف خان کے لشکر کے بیشتر افغان لشکری قتل ہوئے۔

متعدد صحرا کی نظر ہوئے۔ جو باقی بچے انہوں نے قندھار کی راہ لی تھی۔

جس وقت اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ اشرف خان قندھار کی طرف جاتے ہوئے صحرائے لوط میں تھا، کچھ مسلح بلوچوں کا ان سے ٹکراؤ ہو گیا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں اشرف خان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ان بلوچوں کو جب خبر ہوئی کہ ان سے ٹکرانے والا ایران کا سابق حکمران اشرف خان ہے تو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور اشرف کا سر کاٹ کر انہوں نے اصفہان کا رخ کیا اور اشرف کا کٹا ہوا سر طہماسپ کے سامنے پیش کیا۔ طہماسپ نے انہیں انعام دے کر فارغ کیا۔ اس طرح ایران پر افغانوں کی آٹھ سالہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

افغانوں کی حکومت کو ختم کرنا اور ان کے ایک ایک فرد کو ایران بدر کرنا صفوی دور کا یا دوسرے لفظوں میں نادر قلی کا عظیم کارنامہ تھا۔ نادر قلی کے اس کارنامے کا صلہ دینا نئے بادشاہ طہماسپ کے لئے آسان نہ تھا۔ بہر حال اسے کسی نہ کسی طرح نادر شاہ کو مطمئن تو کرنا تھا چنانچہ طہماسپ نے ایک حکم نامے کے تحت خراسان، سیستان، کرمان اور مازندان کے علاقوں کی حکومت نادر شاہ کو دے دی اور اسے سلطان کے خطاب سے بھی نوازا۔

یہ خطاب اور ان علاقوں کی حکمرانی ملنے کے بعد نادر قلی نے اپنے علاقوں میں اپنے نام کے سکے بھی چلائے۔ اپنے علاقوں کے لشکریوں کو تنخواہیں بھی وہ خود تقسیم کرتا تھا اور ایسا ایک خود مختار حکمران ہی کر سکتا تھا۔

یوں اشرف خان اور محمود سیستانی کے خاتمے کے بعد ایران میں ایک بار پھر دو سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں۔ ایک نادر قلی کی جو خراسان، سیستان، کرمان اور مازندان کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ اور ایران کے باقی علاقوں پر اب طہماسپ بادشاہ بن گیا تھا۔ اس طرح وقت تیزی سے گزرنے لگا تھا۔

خراسان، کرمان، مازندان اور سیستان کے علاقوں کا خود مختار حکمران بننے کے بعد نادر قلی کو اپنی تیاریوں کا خوب موقع ملا یہاں حکمرانی کرتے ہوئے اس نے نہ صرف اپنے لشکریوں کی تعداد بڑھائی بلکہ اس نے پرانے سالار جو اب عمر رسیدہ ہو گئے تھے ان کی جگہ نئے سالاروں کا تقرر کیا۔ اس کے لشکر میں پہلے ہی اس کے بیٹوں میں سے رضا قلی اور نصر اللہ، بھتیجوں میں سے علی قلی خان اور ابراہیم خان سالار تھے۔ اب مزید چند عمدہ اور بہترین سالاروں کا اضافہ کیا گیا۔

اس وقت تک کریم خان زند بھی اپنے بچپن سے نکل کر نوجوانی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ لہٰذا نادر قلی نے اسے بھی اپنے لشکر کے اچھے، عمدہ اور چوٹی کے سالاروں میں شامل کیا۔ اس لئے کہ اب تک نادر قلی کے ساتھ رہتے ہوئے وہ ایک طرح سے سارے جنگی امور میں تاک ہو چکا تھا۔

کریم خان زند کے علاوہ نادر قلی نے اپنے لشکر میں آزاد خان افغان، علی مردان خان کو بھی عمدہ سالاروں میں شامل کیا۔ علی مردان خان کا تعلق بختیاری قبیلے سے تھا اور جن دنوں نادر قلی خراسان، سیستان، مازندان اور کرمان کے علاقوں پر ایک خود مختار حکمران کی حیثیت سے حکمرانی کر رہا تھا، ان دنوں کریم خان زند کی خوش قسمتی کہ اس کے بھائی صادق اور ذکی خان بھی مل گئے تھے اور انہیں بھی نادر شاہ نے اپنے لشکر میں شامل کر لیا تھا۔

ایران کے نئے بادشاہ طہماسپ نے جن علاقوں کا حاکم نادر قلی کو بنایا تھا ان علاقوں کی ترقی اور ان کی فلاح و بہبود پر نادر قلی نے خوب توجہ دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے لوگ نادر قلی کو پسند کرنے لگے تھے اور گزشتہ حکومتوں نے ان علاقوں کی ترقی

کے لئے جو کوتاہیاں کی تھیں، ان کی وجہ سے نادر قلی پہلے سارے حکمرانوں کی نسبت وہاں ہر دل عزیز قرار دے دیا گیا تھا۔

نادر قلی نے جب دیکھا کہ وہ علاقے اب پوری طرح اس کی گرفت میں ہیں اور لوگ اسے پسند بھی کرتے ہیں تب اس نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اور اپنے سارے سالاروں کا اس نے اجلاس طلب کر لیا۔ ان سالاروں میں اس کے دونوں بیٹے رضا قلی اور نصر اللہ خان، دونوں بھتیجے علی خان اور ابراہیم خان، کریم خان اور اس کے دونوں بھائی صادق خان اور ذکی خان کے علاوہ علی مردان خان، آزاد خان افغان اور کچھ دیگر سالاروں کے علاوہ امراء نے بھی شرکت کی۔

جب سب لوگ نادر قلی کے پاس جمع ہو گئے تب اس نے وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کا بغور جائزہ لیا، اس کے بعد سب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! وقتی طور پر میں نے ضرور طہماسپ کو ایران کا بادشاہ بنا دیا ہے۔ وہ اس وقت اصفہان میں حکومت کر رہا ہے اور مجھے خراسان، سیستان اور مازندران کا علاقہ دے کر وہ سمجھتا ہے کہ اس نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ اصفہان کی مرکزی حکومت اس کے حوالے کر کے میں نے اس پر احسان کیا ہے۔

طہماسپ اس باپ کا بیٹا ہے جس پر محمود خان نے حملہ آور ہو کر اس سے مملکت چھین لی تھی۔ اس کے باپ سلطان حسین کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا اور محمود خان غلزئی کی وجہ سے یہی طہماسپ ان علاقوں میں آ کر پناہ لینے پر مجبور ہوا اور ایک طرح سے اپنی جلاوطن حکومت کا اعلان کر دیا جس کی ان دنوں کوئی حیثیت نہ تھی۔

محمود غلزئی کے بعد اشرف غلزئی ایران کا حکمران بن گیا۔ اگر میں بیچ میں نہ پڑتا تو طہماسپ ساری عمر بھی کوشش کرتا رہتا تو وہ اشرف غلزئی کو ایران کی مملکت سے محروم نہیں کر سکتا تھا۔ اشرف کے علاوہ طہماسپ کا ایک دوسرا دشمن محمود سیستانی بھی تھا جس نے ان صفویوں کی ایران سے حکومت ختم کرانے میں ایک طرح سے حمایت بھی کر دی تھی۔ یہ میں تھا جس نے اشرف کو یہاں سے نکالا اور پھر قدرت نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ جن علاقوں میں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں یہاں حالات یہ نہ تھے جو اس وقت ہیں۔ یہاں کے علاقوں کی ترقی اور فلاح کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ طہماسپ ان علاقوں میں بس ایک بت کی طرح پڑا رہا۔ اس کی نہ کوئی حیثیت تھی نہ

اس کا کوئی کردار تھا جس کی وجہ سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے ایران کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر قلی رکا، کچھ سوچا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! میں آج تم سے اپنے باطن، اپنے شعور اور لاشعور کی کوئی چیز چھپاؤں گا نہیں۔ میں کسی بھی صورت زیادہ عرصہ پسند نہیں کروں گا کہ یہ طہماسپ ایران پر حکمرانی کرتا رہے۔ طہماسپ ایران کا حکمران بننے کا حقدار ہی نہیں ہے۔ اسے میں نے اپنے ہاتھوں سے ایران کا بادشاہ اس لئے بنا دیا ہے کہ اس کا خاندان جسے ہم صفوی خاندان کہتے ہیں، پہلے چند حکمرانوں کی وجہ سے یہ خاندان ایرانیوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس موقع پر اگر میں طہماسپ کو ایک طرف کر کے خود ایران کا حکمران بن جاتا تو میرے لئے مشکلات اور دشواریاں اٹھ کھڑی ہو سکتی تھیں۔ اس لئے کہ طہماسپ ایرانی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں ترک ہوں۔ اس بناء پر طہماسپ کے مقابلے میں میری ان دنوں کوئی حیثیت نہ ہوتی۔ لیکن میں نے اپنی حیثیت بنانے اور لوگوں کی نگاہوں میں طہماسپ کی نسبت زیادہ عزت، وقار اور ہر دل عزیز ہونے کا ایک طریقہ کار بھی طے کر لیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر قلی رکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہاں جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! اب میرے سامنے میری زندگی کا جو سب سے بڑا ہدف اور مدعا ہے وہ یہ کہ طہماسپ کو ایک طرف کر کے میں خود ایران کے سیاہ و سفید کا مالک بنوں۔ جس طرح اس سے پہلے صفویوں کے بڑے بڑے ہر دل عزیز حکمران حکومت کرتے رہے ہیں، اسی طرح میں بھی ایران کا حکمران بن کر دکھاؤں۔ لیکن یہ کام اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک میں ترک ہونے کے باوجود ایران کی سرزمین میں ہر دل عزیزی حاصل نہیں کر سکتا اور ہر دل عزیزی، عزت اور وقار حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ میں ماضی میں وہ علاقے جو کبھی ایران کے تھے اور ایران کے بدترین حالات کی وجہ سے ان پر روسیوں اور ترکوں نے قبضہ کر لیا تھا، میں چاہتا ہوں پہلے ان علاقوں کو واپس لیا جائے۔ جہاں بات چیت سے کام چلے، وہاں بات چیت

سے کام لیا جائے اور جہاں جنگ کی ابتداء کر کے ضرب لگانی پڑے وہاں یہ بھی کام کر گزرنا چاہئے۔ اس وقت ہمارے پاس ایک جرار لشکر ہے۔ تربیت یافتہ سالاروں کی بھی میرے پاس کمی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ علاقے حاصل کرنے کے لئے اگر مجھے ترکوں اور روسیوں سے ٹکرانا پڑتا ہے تو میں یہ خطرہ مول لوں گا۔ اس لئے کہ ایران کا واحد اور ہردلعزیز حکمران بننے کے لئے بس یہی ایک طریقہ ہے جس کی وجہ سے میں اپنا ہدف اور مدعا حاصل کر سکتا ہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر قلی رکا، پھر دوبارہ اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"ماضی میں ہمدان، آذر بائیجان اور اِیروان کے علاقے ترکوں کے ہاتھوں میں چلے گئے تھے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر کو حرکت میں لایا جائے۔ پہلے ہمدان کا رخ کیا جائے۔ ہمدان میں ترکوں کا کوئی بڑا لشکر نہیں۔ وہاں ایک حفاظتی لشکر ہے جسے ہم بڑی آسانی سے زیر کر کے ہمدان پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ ہمدان کے معاملے سے نمٹنے کے بعد میں چاہوں گا کہ آذر بائیجان کا رخ کیا جائے۔ وہاں بھی ترکوں کی بڑی قوت نہیں ہے۔ وہاں بھی ایک حفاظتی لشکر ہے۔ وہ بھی زیادہ دن ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اس طرح ہمدان کے بعد آذر بائیجان پر بھی آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

ہمدان اور آذر بائیجان کے بعد میں اِیروان کا رخ کرنا پسند کروں گا۔ ہمدان اور آذر بائیجان کی نسبت اِیروان میں ترکوں کا بڑا لشکر ہے۔ اس بناء پر میں اس پر سب سے بعد میں ضرب لگانا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر ہمدان اور آذر بائیجان پر حملہ آور ہو کر ہم ترکوں کو وہاں سے نکال باہر کریں، ہمدان اور آذر بائیجان پر قبضہ کر لیں تو ہمارے اس قبضے اور ترکوں کی وہاں سے پسپائی کی وجہ سے اِیروان میں جو ترکوں کا لشکر ہے اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ان کے حوصلوں کی پستی ہمارے لئے سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔

میرے عزیز ساتھیو! اگر اپنی سوچوں، اپنے ارادوں کے مطابق ہم آذر بائیجان اور اِیروان پر قبضہ کرنے کے بعد اسے ایران کی حدود میں شامل کرتے ہیں تو یاد رکھنا، طہماسپ کی نسبت ایران کی سرزمینوں میں میری عزت، میرا وقار زیادہ ہو جائے گا۔ اور جس روز ایسا ہوا اسی روز میں طہماسپ کو اٹھا کر چلتا کروں گا۔ اسے زندگی سے محروم

نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح غلزئیوں کو میں نے ایران سے نکالا ہے اور طہماسپ نے اپنی ہردلعزیزی کی وجہ سے اصفہان کی حکومت مجھے دینے کی بجائے خود اس پر قبضہ کر کے مجھے شمال کے ان دور افتادہ علاقوں کی طرف بھیج دیا ہے، جب میں ہردلعزیزی اختیار کروں گا تب میں بھی وہی طریقہ اپناؤں گا۔ ایران کی بادشاہت میرے پاس ہو گی اور طہماسپ کو زندگی کے باقی دن گزارنے کے لئے میں شمال کے ان علاقوں کی طرف بھیج دوں گا۔ ان علاقوں کا اسے حاکم مقرر نہیں کروں گا۔ یہ علاقے بھی میرے ماتحت رہیں گے۔ لیکن اسے ان علاقوں میں صرف باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے بھیجا جائے گا۔ اب تم میں سے کوئی بھی اگر میرے ان ارادوں کے خلاف ہو، میری اس تجویز سے اتفاق نہ کرتا ہو تو بولے۔ میں جو بھی کام کرنا چاہتا ہوں یا جو بھی قدم اٹھاؤں گا تم سب کی مرضی اور رضامندی سے ہو گا تاکہ جو مقصد، جو مدعا ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اسے حاصل کرنے کے لئے ہمارے اندر ایک اتفاق اور یکجہتی ہو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب اس کے سالاروں، امراء، بیٹوں اور بھتیجوں میں سے کوئی بھی نہ بولا۔ اس پر نادر شاہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"جس وقت میں یہاں سے ہمدان پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوں گا، میرے ساتھ کریم خان، اس کے دونوں بھائی، علی مردان بختیاری اور آزاد خان رہیں گے۔ میرے دونوں بیٹے رضا قلی، نصر اللہ اور دونوں بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم خان یہیں قیام کریں گے اور ان کے ذمے ان علاقوں کی دیکھ بھال کے علاوہ ان کی حفاظت بھی ہو گی۔"

جب اس فیصلے سے بھی سب نے اتفاق کیا تب نادر قلی نے وہ مجلس ختم کر دی۔ دو دن بعد اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے کے بعد نادر قلی نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کیا تھا۔

***

اپنی قسمت کا ستارہ چمکانے اور ایران کا بادشاہ بننے کے لئے نادر قلی نے جو پہلا قدم اٹھایا، وہ یہ کہ خراسان کی سرزمینوں سے نکل کر اس نے ہمدان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ بڑی برق رفتاری سے ہمدان کی طرف بڑھا تھا جہاں

ان دنوں ترکوں کا ایک چھوٹا سا حفاظتی لشکر تھا۔ ہمدان کوہستانِ الوند کی مشرقی سمت ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ہمدان کے قریب ہی مسلح نام کا ایک کوہستانی سلسلہ ہے اور اس کوہستانی سلسلے کے اوپر پرانے ہمدان شہر کے آثار بھی ملتے ہیں۔

ہمدان کے نواح میں دریائے کراسو کے ذریعے آب پاشی ہوا کرتی تھی۔ قدیم دور میں یہ شہر بڑی اہمیت رکھتا تھا اور یہاں سلطنت کا خزانہ رکھا جاتا تھا۔ ان دنوں ہمدان شہر میں تین شاہراہیں آ کر ملتی تھیں۔ ایک شاہراہ بابل سے ہمدان کی طرف آتی تھی اور دوسری قدیم قومِ عیلام کے مرکزی شہر شوش سے ہمدان کی طرف آتی تھی اور تیسری آشوری عربوں کے تباہ شدہ شہر نینوا سے ہمدان کا رخ کرتی تھی۔

بہرحال نادر قلی نے بڑی برق رفتاری سے ہمدان شہر کا رخ کیا تھا۔ ہمدان میں اسے کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ وہاں چھوٹا سا جو ترکوں کا حفاظتی لشکر تھا، نادر شاہ کی آمد پر وہ لشکر وہاں سے نکل گیا۔ اس طرح بغیر کسی مزاحمت کے ہمدان نادر شاہ کے قبضے میں چلا گیا۔

ہمدان پر اپنی گرفت کرنے کے بعد نادر شاہ نے اب آذر بائیجان کا رخ کیا۔ ہمدان کی طرح آذر بائیجان پر بھی نادر شاہ نے قبضہ کر لیا۔ اس طرح نادر شاہ نے اپنے تین اہداف میں سے دو پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب اپنے لشکر کے ساتھ وہ تیسرے ہدف اِیروان کا رخ کرنا چاہتا تھا کہ اسی دوران اس کے کچھ مخبر اس کے پاس پہنچے اور اسے یہ بری خبر سنائی کہ قندھار کی طرف سے افغانوں کا ایک لشکر نکل کر خراسان پر حملہ آور ہوا ہے۔ چنانچہ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے نادر قلی اِیروان کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے خراسان کی طرف لپکا تھا۔

جس وقت نادر قلی اِیروان کو ترک کر کے خراسان کی طرف گیا تھا اس وقت اصفہان میں بھی ایک انقلاب برپا ہوا۔ ایران کا بادشاہ طہماسپ جو اصفہان میں بیٹھا ہوا تھا، اسے نادر شاہ کی مہموں کی ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسے اس کے مخبروں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ نادر شاہ نے بڑی آسانی سے ہمدان اور آذر بائیجان کو فتح کر لیا ہے اور اس کے بعد وہ اِیروان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتا تھا کہ خراسان میں کچھ افغان لشکری گھس آئے اور وہ ان کی سرکوبی کے لئے اِیروان کی مہم کو ترک کر کے واپس خراسان کی طرف چلا گیا ہے۔ چنانچہ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر طہماسپ نے اپنی

مقبولیت اور اپنی ہر دلعزیزی میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ارادہ کیا کیونکہ ہمدان اور آذر بائیجان پر نادر قلی نے بڑی آسانی کے ساتھ قبضہ کر لیا ہے لہٰذا نادر قلی خراسان کی طرف جانے کے بعد اگر وہ قسمت آزمائے، اصفہان سے نکل کر اِیروان پر حملہ کر دے تو ہمدان اور آذر بائیجان کی طرح وہ بھی اِیروان پر بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کرے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو ایران کے علاقوں میں اس کی شہرت کا خوب چرچا ہو گا۔

لہٰذا اپنے انہی ارادوں کے تحت ایک لشکر لے کر طہماسپ نکلا۔ اپنے ساتھ وہ اپنے اہلِ خانہ کے علاوہ اپنی ماں اور بہن کو بھی لیتا چلا گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ یہ گمان کئے ہوئے تھا کہ جس طرح آسانی کے ساتھ نادر قلی نے ہمدان اور آذر بائیجان پر قبضہ کر لیا ہے اسی طرح وہ بھی اِیروان پر چھا جائے گا اور اس کے ایسا کرنے سے جہاں اس کے خاندان والوں کو ایک خوشی کا موقع ملے گا، وہاں لوگوں میں وہ پسندیدہ شخصیت بھی بن جائے گا۔

جہاں نادر شاہ بڑی برق رفتاری سے خراسان کا رخ کر رہا تھا، وہاں طہماسپ اسی طرح اِیروان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ طہماسپ شاید اپنی قسمت، اپنے مقدر کو آزماتے ہوئے نادر شاہ جیسی شہرت حاصل کرنے کے درپے ہو گیا تھا چنانچہ جب وہ اِیروان پہنچا تو اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اِیروان شہر میں جو ترکوں کا لشکر تھا وہ شہر سے باہر نکل کر طہماسپ سے ٹکرانے کے لئے صف آراء ہو گیا تھا۔

طہماسپ نے اس صورتِ حال کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس لئے کہ جو لشکر وہ لے کر گیا تھا وہ اس لشکر سے کہیں زیادہ تھا جو ترکوں نے اِیروان شہر سے باہر کھڑا کیا تھا۔ بہرحال دونوں لشکروں نے اپنی صفیں درست کیں، اس کے بعد ترکوں کا لشکر طہماسپ کے لشکر پر زمین کا جگر چیر کر نکلتے وحشتوں کے سیلِ بے اماں، بربادی سے آشنا کرتے صحرا سے اُٹھتے سرگرداں بگولوں، زیست کی منزلوں میں بیابانوں کی وحشتیں، ریگستانوں کی اندھی ویرانیاں بھرتی وحشت اور بربریت کی ستم آرائیوں اور قہرمانیت کی تاریک گہرائیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں دونوں لشکر اِیروان شہر سے باہر ٹکرائے تھے اور دونوں لشکروں کے ٹکرانے کے نتیجے میں میدانِ جنگ کے اندر رنج و غم کی ابتداء کرتا ابلیسی لشکر ناچ اٹھا تھا۔ شکم گرسنہ

پریشان آوازیں چاروں طرف پھیلنے بکھرنے لگی تھیں۔ موت کی اندھی بھوک بڑھاتی کھولتی آتشِ سیال کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

گو جوابی کارروائی کرتے ہوئے طہماسپ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ترکوں کے لشکر پر شکستہ کواڑوں پر دستک دیتی، برہم مزاج آندھیوں، ہر قدم پر خوف اور وحشت، ہر نفس میں لرزش، ہر قلب میں تشنگی کی دھوپ کھڑی کرتی، کھولتے وقت کی ہولناک ویرانیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن اس کے حملے میں ترکوں کے حملوں جیسی شدت اور سختی نہ تھی۔

کچھ دیر تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے، اس کے بعد دیکھنے والی ہر آنکھ نے دیکھا، ترکوں کے لشکر کے مقابلے میں طہماسپ کے لشکر کی حالت ذلت کے مہیب طوفانوں، رنج و غم کے دہکتے کھلیانوں، لامحدود کرب، لہولہو زیست اور دکھ کی تپتی تنہائیوں جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد طہماسپ نے اندازہ لگا لیا کہ اس کے لشکر کا بڑی تیزی سے قتل عام شروع ہو گیا ہے اور اس کے لشکر کی تعداد بھی بڑی تیزی سے کم کی جا رہی ہے چنانچہ اس نے اپنی شکست کو قبول کر لیا۔ طہماسپ جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ بس یونہی اپنی انا کی رفعت کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے قسمت آزمائی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مقدر نے اس کے دامن میں کالک کے سوا کچھ نہ رہنے دیا۔ چنانچہ اپنے لشکر کی تباہی اور بربادی کو دیکھتے ہوئے طہماسپ نے قاصدوں کے ذریعے ترکوں سے صلح کی درخواست کی۔ ترکوں نے اس کی اس درخواست کو قبول کر لیا۔ چنانچہ ترکوں کا لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ طہماسپ پیچھے ہٹ گیا اور طے یہ پایا کہ دونوں لشکریوں کے درمیان ایک اور معاہدہ ہو گا اور اس کے لئے چند دن کی مہلت مقرر کی گئی تھی جس کے بعد معاہدے پر دستخط کئے جانے تھے۔

ادھر نادر شاہ کو جب خبر ہوئی کہ طہماسپ اصفہان سے نکل کر اِیروان پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہا ہے تو اسے طہماسپ کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ چنانچہ خراسان کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے جہاں وہ پہنچا تھا، وہی رک گیا اور اپنے سارے سالاروں کا اس نے اجلاس طلب کر لیا۔ جب سالار اس کے پاس جمع ہو گئے تب نادر شاہ کو اس کے مخبروں نے طہماسپ کے متعلق جو تفصیل بتائی وہ ساری اس نے اپنے سالاروں سے کہہ دی تھی۔ سارے سالاروں نے متفقہ طور پر

طہماسپ کی اس حرکت کو ناپسند کیا تھا اور نادر شاہ نے دیکھا کہ اس کے سارے سالار اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ تب اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد کریم خان زند کی طرف دیکھتے ہوئے نادر شاہ کہنے لگا۔

''کریم خان! اب موقع آ گیا ہے کہ میں تمہیں آزماؤں۔ تم اپنے باپ کے ہاں سے بھی تربیت کا کچھ حصہ لے کر آئے تھے، یہاں بھی میں نے تمہاری تربیت کا بہترین اہتمام کیا۔ اب تم جوان ہو گئے ہو بیٹے! اب تمہاری ہنرمندی کو آزمانے کا وقت آ گیا ہے۔ میں لشکر کا ایک حصہ تمہارے سپرد کرتا ہوں، اسے لے کر تم جس قدر تیزی سے سفر کر سکتے ہو، کرو اور اِیروان کا رخ کرو۔ وہاں اگر جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تو تم طہماسپ کے ساتھ مل کر اِیروان کو فتح کرنے کی کوشش کرنا اور اگر طہماسپ قسمت آزمائی کی یہ بازی ہار جاتا ہے تو اسے تنبیہہ کرنا کہ شکست کی صورت میں ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کرے ورنہ اس کے اور میرے تعلقات کے درمیان نفرت کی ایسی خلیج حائل ہو گی جسے زندگی بھر طہماسپ پاٹ نہ پائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''میں تمہارے ساتھ تمہارے نائب کی حیثیت سے دو عرب سالار کر رہا ہوں۔ ایک شیخ علی خان اور دوسرا عالم خان۔''

(یہ دونوں سالار بنیادی طور پر عرب تھے اور ایران کی سرزمینوں کے اندر آباد تھے اور ان کے ماتحت عربوں کا ایک خاصا بڑا لشکر تھا اور یہ دونوں عرب سالار عربوں کے اس لشکر کے ساتھ نادر شاہ سے مل چکے تھے)

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''کریم خان! میں تمہارے ماتحت عربوں اور تمہارے زند قبیلے پر مشتمل ایک لشکر کر رہا ہوں۔ اس لشکر کو لے کر تم شیخ علی خان اور عالم خان کے ساتھ جس قدر تیزی سے سفر کر سکتے ہو، اِیروان کی طرف جاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔''

کریم خان نے جب نادر شاہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا، تب اسی روز عربوں اور

زند قبیلے پر مشتمل نادر شاہ نے ایک لشکر کریم خان کے حوالے کیا۔ کریم خان اس لشکر کے علاوہ اپنے دو عرب بھائیوں شیخ علی خان اور عالم خان کے ساتھ خراسان کی سرزمینوں سے اِیروان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

گو نادر شاہ کی پے در پے فتوحات اور کامیابیوں نے طہماسپ کے حوصلے بھی بلند کر دیئے تھے لیکن طہماسپ جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ ویسے بھی عقل کا وہ یونہی سا انسان تھا۔ اس نے اِیروان میں ترکوں کے خلاف تنہا مہم شروع کر کے اپنی حماقت کا ثبوت دیا تھا اور اسی حماقت کے نتیجے میں اسے ترکوں کے مقابلے میں بری طرح شکست کھانا پڑی۔ اس شکست کے چند دن بعد جبکہ طہماسپ نے اِیروان شہر سے باہر اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا تھا اور ترکوں کا لشکر حسب سابق اِیروان شہر کے اندر چلا گیا تھا، ترکوں اور طہماسپ کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کی رو سے دریائے ارس ایران اور ترکی کی مشترکہ حد قرار پایا۔ اس کے علاوہ طہماسپ نے اپنے کئی شہر ترکوں کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ ان شہروں میں زیادہ اہم گنجہ، تفلیس، اِیروان، نخجوان، شماخہ، داغستان، یردلان، کرمان، شاہ ہمدان اور لورستان کے شہر تھے۔ شکست کھانے کے بعد جو معاہدہ ترکوں اور طہماسپ کے درمیان قرار پایا، اس کی رو سے یہ سارے ایرانی شہر طہماسپ نے ترکوں کے حوالے کرنے کا معاہدہ کیا تھا۔ اس طرح نادر شاہ نے جو کچھ مہینوں کی جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا، طہماسپ نے سب ایک ہی دن کے جوئے میں وہ سب کچھ ترکوں کے حوالے کر دیا۔

اِیروان کے ترکوں کے ہاتھوں ہزیمت سے طہماسپ کو نہ صرف بدترین شکست کا نقصان اٹھانا پڑا بلکہ اس شکست کے نتیجے میں اسے ایک اور صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ اس شکست کی وجہ سے طہماسپ کی ماں فوت ہو گئی تھی۔ کیونکہ اہلِ خانہ کے دیگر افراد کی طرح اس کی ماں بھی لشکر میں شامل تھی۔ یہ دوہرا صدمہ طہماسپ کے لئے ہی اذیت کا باعث نہیں تھا بلکہ اس سے اس کے صفوی خاندان اور اس کی اپنی ذاتی شہرت کو بھی نقصان پہنچا تھا۔

ایک روز طہماسپ اپنے لشکر کے ساتھ اِیروان شہر کے نواح ہی میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا، اس کے اہل خانہ کے دیگر افراد دوسرے بڑے خیمے میں تھے جبکہ اس وقت خیمے میں اس کے ساتھ اس کی بہن روزبہ بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں بہن بھائی کسی اہم

موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

جہاں تک روزبہ کا تعلق تھا وہ بھی اپنے بچپنے سے نکل کر شباب کے شروع میں قدم رکھ رہی تھی۔ اس کے باوجود وہ خوشبو کے پیکر، نورِ جمال کی نکہت، شبنم کی لطافت جیسی خوبصورت، نغمہ اور سرور کے سنگم، آبشاروں کے ترنم اور دھنک خوش کن رنگوں جیسی پُر جمال تھی۔

اپنے بھائی سے باتیں کرتے کبھی وہ اپنی نشست سے اٹھ کر کمرے میں بے چینی کی حالت میں ٹہلنے بھی لگتی تھی۔ وہ خوبصورت بدن اور اعضاء رکھنے والے قد کاٹھ میں بھی خوب تھی۔ اس کا جاودانی شباب اس کے گلنار احمر لب، سیمیں عارض، اعضاء کی موزونیت، خدوخال کی رعنائی، لچکیلی خم کھاتی گردن، نازک سجیلے ہاتھ، تیکھی نوکیلی انگلیاں دیکھنے والے پر ایک دعوتِ وجد طاری کرتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ اپنے گلنار، احمر ہونٹوں کو حرکت میں لاتے ہوئے گفتگو کرتی تھی۔ لگتا تھا جیسے نغموں کی گنگناہٹ، جلترنگ کے تار حرکت میں آ گئے ہوں۔ اس کی خوبصورتی، اس کا حُسن، اس کے اعضاء و جوارح کی کشش، اس کا قد کاٹھ دیکھنے والوں کی نگاہوں کو زندگی کا سرور، ہونٹوں کو پھولوں کا تبسم اور خزاؤں کو بہاروں کے سمن زاروں کی رونق بخشنے کے لئے کافی تھا۔

جس وقت طہماسپ اور اس کی بہن روزبہ، دونوں خیمے میں بیٹھے کسی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے، طہماسپ کا چوبدار خیمے کے دروازے پر حاضر ہوا اور طہماسپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نادر شاہ کی طرف سے اس کا ایک سالار کریم خان زند آیا ہے۔ اس کے ساتھ عربوں اور ترکوں پر مشتمل ایک لشکر ہے۔ لشکر کو تو اس نے اپنے دو نائب سالاروں شیخ علی خان اور عالم خان کے ساتھ ایک طرف ٹھہرا دیا ہے جبکہ وہ خود آپ کے خیمے کے قریب ہی کھڑا ہے اور فی الفور آپ سے ملاقات کا خواہاں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ چوبدار جب خاموش ہوا تب طہماسپ نے اپنی بہن روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ روزبہ شاید اس کے اس طرح دیکھنے کے مقصد کو سمجھ گئی تھی لہٰذا اپنے بھائی طہماسپ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی! اسے بلا لیں۔ دیکھیں وہ کیا کہتا ہے؟''

اس پر طہماسپ چوبدار کی طرف مڑا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اسے اندر لاؤ۔ میں دیکھتا ہوں وہ کیا کہتا ہے۔''

اس پر چوبدار پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ساتھ کریم خان تھا۔ کریم خان جب خیمے میں داخل ہوا تو پُرجوش انداز میں طہماسپ نے اسے خوش آمدید کہا۔ طہماسپ خود بھی بیٹھ گیا، اپنے سامنے کریم خان کو بھی بیٹھنے کے لئے کہا جبکہ اپنے بھائی کے قریب ہی حسین اور خوبصورت روزبہ بھی ہو بیٹھی تھی۔

آخر گفتگو کا آغاز کریم خان نے کیا اور طہماسپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے نادر قلی نے ایک لشکر دے کر اِیروان کے ترکوں کے خلاف آپ کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ میرے ساتھ میرے دو نائب سالار شیخ علی خان اور عالم خان بھی ہیں۔ لشکر عربوں اور ترکوں پر مشتمل ہے۔ میں نادر قلی کے ہاں سے روانہ ہوتے وقت بے حد مطمئن اور خوش تھا کہ مجھے ایک لشکر دے کر آپ کی مدد کے لئے روانہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے ٹھان رکھی تھی کہ آپ کے ساتھ مل کر ایران کو فتح کروں گا اور اس طرح ہمدان اور آذر بائیجان کی طرح اِیروان پر بھی ہمارا قبضہ ہو گا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد جو خبر مجھے ملی وہ انتہائی بری اور دلوں میں شکستگی طاری کرنے والی ہے۔ آپ کے پڑاؤ میں مجھے کچھ لشکریوں نے بتایا کہ اِیروان کے ترکوں کے ہاتھوں آپ کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس شکست کے نتیجے میں آپ نے اِیروان کے ترکوں سے ایک معاہدہ کیا ہے۔ اس معاہدے کے تحت آپ نے دریائے ارس کو ایران اور ترکی کے درمیان حد فاصل تسلیم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے شہروں میں سے گنجہ، تفلیس، اِیروان، نخجوان، شماخہ، داغستان، کرمان شاہ ہمدان اور سیستان کے سارے ہی علاقے ترکوں کی ملکیت تسلیم کر لئے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، اس کے بعد ناپسندیدگی کے انداز میں وہ طہماسپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ نے ایسا کر کے نادر قلی کی مہینوں کی کوششوں سے جو علاقے ہاتھ آئے تھے وہ آپ نے دنوں کے اندر بغیر کسی وجہ کے ترکوں کی گود میں ڈال دیئے ہیں۔ اس طرح آپ نے اِیروان کے ترکوں کے ساتھ ایک انتہائی مایوسانہ معاہدہ کیا ہے جس کو نادر قلی کسی بھی طور تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے طہماسپ کے مزاج میں انتہا درجہ کی برہمی آ گئی تھی۔

کریم خان جب خاموش ہوا تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے طہماسپ بول اٹھا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ میں نادر قلی کا ماتحت ہوں یا نادر قلی میری حکومت کا ایک کارندہ ہے؟ کیا مجھے نادر قلی کی بات ماننی چاہئے یا اس کو میرا حکم تسلیم کرنا چاہئے؟''

اس موقع پر کریم خان نے تیز نگاہوں سے طہماسپ کی طرف دیکھا، پھر اُکھڑے اُکھڑے سے لہجے میں کہنے لگا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے چند سوال کروں؟''

طہماسپ نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب پہلے کی نسبت کسی قدر سخت لہجے میں کریم خان بول اٹھا۔

''کیا آپ بتائیں گے کہ اصفہان کے تاج و تخت پر آپ کو کس نے بٹھایا؟ کیا آپ بتائیں گے کہ وہ علاقے جن پر اس وقت نادر قلی حکومت کر رہا ہے وہ محمود سیستانی کو شکست دے کر کس نے حاصل کئے؟ کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے پہلے ہمدان اور آذر بائیجان کے علاقوں کو کس نے حاصل کر کے ایران کی مملکت میں شامل کیا؟''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا۔ اس نے جب دیکھا کہ طہماسپ منہ سے کچھ نہیں بولا تب وہ خود ہی بول اٹھا۔

''یہ علاقے یقیناً نادر قلی نے فتح کئے ہیں۔ اگر ان سارے علاقوں کی فتوحات میں آپ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے تو پھر آپ یہ سمجھ لیں کہ ایران کا اصل حکمران نادر قلی ہے اور آپ اس کی طرف سے اصفہان پر حکومت کر رہے ہیں۔ کیا میں نے درست کہا ہے؟''

کریم خان کے ان الفاظ کا جواب طہماسپ دینا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی بہن خوبصورت اور حسین روزبہ انتہائی غضب ناک لہجے میں برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میرے بھائی کا چوبدار جس نے یہاں آ کر تمہاری آمد کی اطلاع دی تھی، اس نے تمہارا نام کریم خان بتایا تھا۔ میں نہیں جانتی تُو کون ہے؟ کن سرزمینوں سے تعلق رکھتا ہے؟ نادر شاہ کے ہاں تیری کیا حیثیت ہے؟ لیکن میں تجھ سے ایک بات کہوں کہ تُو انتہا درجہ کا احمق، انتہا قسم کا گستاخ انسان ہے۔ تجھے یہ خبر نہیں کہ کسی حکمران اور بادشاہ سے گفتگو کیسے کی جاتی ہے۔ طہماسپ میرا بھائی اس وقت ایران کا حکمران ہے۔ اگر اِیروان کے ترکوں کے ہاتھوں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو یہ کوئی بڑی بات

نہیں۔ حکمرانوں کو شکستیں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ گرتے پڑتے رہتے ہیں، پھر سنبھلتے ہیں اور اپنی عزت، اپنے ناموس کی بحالی کے لئے پھر کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ آج اگر ایروان کے ترکوں کے ہاتھوں ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو کل ہم ان پر زوردار حملے کرتے ہوئے اپنی اس شکست کے داغ بھی دھو سکتے ہیں۔''

خوبصورت روزبہ جب یہاں تک کہنے کے بعد خاموش ہوئی تب کریم خان نے ایک غائر نگاہ اس پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''تم نے خود ہی انکشاف کر دیا ہے کہ تم طہماسپ کی بہن ہو۔ سنو! جو کچھ میں نے کہا ہے غلط نہیں کہا۔ میں نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں یہ الفاظ نادر قلی کے ہیں۔ بی بی! میری حیثیت کچھ بھی نہ سہی لیکن نادر قلی کی کوئی حیثیت تو ہے۔ اس لئے کہ اپنے جس بھائی کی عزت اور وقار کی خاطر تم نے مجھ سے برہمی کا اظہار کیا ہے اس سے تم خود ہی پوچھو، کیا یہ چند برس پہلے مازندان کی سرزمینوں میں غلزئی ترکوں سے چھپتا نہ پھر رہا تھا؟ اس وقت یہ کہاں تھا جب محمود غلزئی نے اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد تم دونوں کے باپ کو نظر بند کر دیا تھا۔ بی بی! تم خود بھی وہاں رہی ہو اور تہہ خانے میں زندگی کے دن گزارتی رہی ہو۔ جبکہ طہماسپ وہاں سے بھاگ کر مازندان چلا آیا۔ یہاں کسی نے بھی اس کی پذیرائی نہیں کی بلکہ یہ گمنامی کی حالت میں زندگی کے دن گزارتا رہا۔ اسے گمنامی سے نیک نامی اور شہرت کی طرف لانے والا کیا نادر قلی نہیں ہے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان نے اپنی نگاہیں خوبصورت روزبہ سے ہٹائیں، پھر طہماسپ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اپنے لشکر کا ایک حصہ لے کر آپ کی مدد کے لئے آیا تھا لیکن میری آمد سے پہلے ہی آپ نے اپنا سب کچھ گنوا دیا ہے۔ اب میں آپ کے پاس قیام نہیں کروں گا۔ آپ کے پاس سے اٹھ کر میں واپس خراسان کی طرف کوچ کروں گا۔ جانے سے پہلے میں ایک بات کا آپ پر انکشاف کروں کہ آپ نے ایروان کے ترکوں سے معاہدہ کر کے اور اپنے شہران کے حوالے کر کے ایک طرح سے ایران کے مفادات کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے والی بات کی ہے اور آپ کے اس معاہدے کو نادر قلی کسی بھی طور تسلیم نہیں کرے گا۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب بے پرواہی کا اظہار کرتے ہوئے طہماسپ

کہنے لگا۔

''نادر قلی اس معاہدے کو تسلیم کرے یا نہ کرے، اب تو یہ معاہدہ ہو چکا ہے اور اسے ماننا پڑے گا۔''

اس پر کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کسی قدر دھمکی آمیز لہجے میں کہنے لگا۔

''محترم طہماسپ! آپ کسی غلط فہمی اور فریب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یاد رکھئے گا، میں ابھی، اسی وقت واپسی کا سفر شروع کر رہا ہوں۔ جو ساری گفتگو یہاں ہوئی ہے، وہ جا کے میں نادر قلی سے کہہ دوں گا۔ اور یہ بھی یاد رکھئے گا کہ نادر قلی نہ صرف ترکوں کے ساتھ آپ کے اس معاہدے کو نا منظور کر سکتا ہے بلکہ وہ آپ کو ایران کا بادشاہ تسلیم کرنے سے بھی انکار کر سکتا ہے۔''

اس موقع پر گھورنے کے انداز میں حسین روزبہ نے کریم خان سے کچھ کہنا چاہا لیکن کریم خان اٹھ کھڑا ہوا۔ غصے میں پاؤں پٹختا ہوا خیمے سے نکل گیا تھا۔ پھر جو لشکر لے کر وہ طہماسپ کی مدد کے لئے آیا تھا اس لشکر کے ساتھ وہ واپس خراسان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

⁂

خراسان پہنچ کر کریم خان زند نے طہماسپ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کی تفصیل نادر قلی سے کہی تو یہ گفتگو سن کر وہ طہماسپ کے خلاف سخت برہم ہوا۔ برافروختگی کا اظہار کیا۔ یہیں سے نادر قلی نے تہیہ اور ارادہ کر لیا کہ ہر صورت میں طہماسپ کو تخت و تاج سے محروم کر کے خود تخت کا مالک بننے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایران کے جتنے صوبے تھے، وہاں کے حاکموں کے نام اس نے مراسلے بھیج کر انہیں طہماسپ کے خلاف برافروختہ کیا کہ اس نے ترکوں کے ساتھ ایک ذلت آمیز معاہدہ کیا ہے۔

یہ پہلا قدم اٹھانے کے بعد دوسرا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ اپنے کچھ تیز رفتار قاصد اس نے ترکوں کے حکمران محمد فامس کی طرف قسطنطنیہ بھجوائے اور اسے یہ پیغام بھیجا کہ اس معاہدے کو باطل قرار دیا جائے اور وہ علاقے چھوڑ دیئے جائیں جو اس معاہدے کی رو سے ترکوں کے ہاتھوں میں چلے گئے ہیں ورنہ ایران کی حکومت ان کے خلاف جنگ کرے گی۔

یہ دو قدم اٹھانے کے بعد نادر قلی نے کچھ دن انتظار کیا۔ جب اسے خبر ملی کہ مراسلات کے جواب میں مختلف صوبوں کے حاکم ہطماسب کے خلاف ہو گئے ہیں تب وہ حرکت میں آیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اس نے اصفہان کا رخ کیا۔ اصفہان پہنچ کر اس نے طہماسپ کو گرفتار کیا۔ اس کے اہل خانہ، بہن بھائیوں، عزیز و اقارب کو اصفہان ہی میں رہنے دیا جبکہ طہماسپ کو اس نے خراسان بھجوا دیا تھا۔

نادر قلی بڑا عقل مند اور بڑا ہوشیار انسان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس موقع پر وہ اپنی بادشاہت کا اعلان کرے گا تو ایرانی اسے پسند نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ وہ ذات کا

ترک تھا۔ لہٰذا ایک ترک کو ایرانی اپنا حکمران تسلیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ اور بتدریج ایرانیوں کو اس نہج پر لانا چاہتا تھا جہاں پہنچ کر ایرانی خود اپنی زبان سے اسے اپنا حکمران تسلیم کریں۔ چنانچہ طہماسپ کو گرفتار کرنے اور خراسان کی طرف روانہ کرنے کے بعد نادر قلی نے طہماسپ کے بیٹے کو اصفہان میں روک لیا اور اسے عباس سوئم کے نام سے ایران کا بادشاہ بنا دیا۔ لیکن اس کا اتالیق اور نگران خود بن بیٹھا۔ اس طرح عباس سوئم ایران کا برائے نام بادشاہ تھا۔ سارے اختیارات نادر قلی کے ہاتھ میں تھے۔

ان سارے امور سے فارغ ہونے کے بعد نادر قلی نے ترکوں سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا۔ اس لئے کہ ترکوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ جن دنوں نادر قلی ترکوں سے ٹکرانے کا منصوبہ بنا رہا تھا، اس کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ پہلے بغداد پر حملہ آور ہو کر بغداد پر قبضہ کرے گا۔ اس کے بعد دوسرے علاقوں کی طرف توجہ دے گا۔ انہی دنوں خراسان کی طرف سے یہ خبریں آنا شروع ہوئیں کہ اِدھر اُدھر بھٹکتے ہوئے افغان لشکریوں کو یہ خبر پہنچ گئی ہے کہ نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ خراسان سے نکل کر اصفہان کی طرف چلا گیا ہے اور طہماسپ کو اس نے خراسان میں مقرر کر دیا ہے۔ تب یہ بھی خبریں آنا شروع ہو گئیں کہ اِدھر اُدھر سرگرداں افغان لشکر متحد ہونا شروع ہو گئے ہیں اور کسی بھی وقت خراسان پر حملہ آور ہو کر ایران کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرنے کے درپے ہو سکتے ہیں۔

نادر قلی کے پاس اب ایک بہت بڑا اور جرار لشکر تھا۔ لہٰذا ان خبروں سے وہ بالکل پریشان نہیں ہوا۔ بغداد پر حملہ آور ہونے کا اس نے پختہ اور آخری فیصلہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کیا، اس حصے کو اس نے اپنے بیٹے رضا قلی کی کمانداری میں دیا۔ کریم خان اور عرب سالار شیخ علی خان کو اپنے بیٹے کے ساتھ کیا، ان کے ذمے یہ کام لگایا کہ اس لشکر کو لے کر وہ خراسان کا رخ کریں گے اور حملہ آور افغانیوں سے ٹکرا کر انہیں اپنی سرزمینوں سے مار بھگائیں گے اور لشکر کے بڑے حصے کو لے کر نادر قلی نے بغداد پر حملہ آور ہونے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس طرح اصفہان میں لشکر کے دونوں حصے کوچ کرنے کے لئے زور و شور سے اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

⁂

طہماسپ کی حسین اور خوبصورت بہن روزبہ ایک روز شام کے وقت نادر قلی کے بیٹے رضا قلی کی حویلی کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ جب دروازہ کھلا تو دروازہ کھولنے والی حویلی کی کوئی خادمہ تھی جس نے مسکراتے ہوئے روزبہ کا استقبال کیا تھا۔ روزبہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہوئی حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھی۔ چونکہ نادر قلی کے بیٹے رضا قلی کی بیوی روزبہ کی بڑی بہن تھی لہٰذا جس وقت روزبہ آگے بڑھی، حویلی کے اندر کام کرنے والے سارے ملازم اور ملازمائیں اسے تعظیم دیتے ہوئے ایک طرح سے اس کے سامنے جھکنے لگے تھے۔ روزبہ سب کے سلام کا جواب دیتی ہوئی اندر گئی۔ دیوان خانے کے سامنے ہی حویلی کے اندر سے نکل کر رضا قلی، اس کی بیوی اور روزبہ کی بہن علایہ نے بہترین انداز میں روزبہ کا استقبال کیا، پھر مسکراتے ہوئے رضا قلی کہنے لگا۔

''شکر ہے آج ہماری چھوٹی بہن ملنے کے لئے آ گئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم دونوں میاں بیوی ہی اس سے ملنے کے لئے جاتے تھے۔''

جواب میں حسین اور خوبصورت روزبہ زہد شکن انداز میں مسکرائی۔ اتنی دیر تک اس کی بڑی بہن علایہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی تھی، پھر لپٹائے ہی لپٹائے اسے دیوان خانے میں لے گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے رضا قلی بھی دیوان خانے میں داخل ہوا تھا۔

تینوں جب دیوان خانے کی نشستوں پر بیٹھ گئے تب علایہ اپنی چھوٹی بہن روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''روزبہ! میری چھوٹی بہن! آج تمہارا آنا کسی وجہ اور علت کے بغیر نہیں ہے۔''

روزبہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگی۔

''میری بہن! تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں واقعی ایک اہم کام کے سلسلے میں آئی ہوں۔ میں نے سنا ہے اس وقت ہمارے دو لشکر حرکت میں آنے والے ہیں۔ ایک محترم نادر قلی لے کر بغداد کا رخ کریں گے اور دوسرے لشکر کی کمانداری بھائی رضا قلی کے ہاتھ میں ہو گی اور یہ خراسان کا رخ کریں گے۔''

علایہ کے بولنے سے قبل ہی رضا قلی بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''میری بہن! جو کچھ تم نے سنا ہے، درست ہے۔ میں تین روز تک ایک لشکر کے ساتھ واقعی خراسان کا رخ کر رہا ہوں۔ کیا تمہیں اس سلسلے میں کوئی کام ہے؟''

رضا قلی کے اس استفسار پر پہلے روزبہ نے ایک گہری نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی بڑی بہن علایہ پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''میں نے سنا ہے اس مہم میں جہاں دوسرے سالاروں اور لشکریوں کی بیویاں شامل ہوں گی، وہاں علایہ بھی آپ کے ساتھ جائے گی؟''

''ہاں، یہ بھی تم نے درست سنا ہے۔'' رضا قلی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں ہلکا سا تبسم روزبہ کے خوبصورت ہونٹوں پر بھی نمودار ہوا تھا۔ پھر وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بھائی! بات یہ ہے کہ میں بھی اس لشکر میں شامل ہونا چاہتی ہوں جسے لے کر آپ خراسان کا رخ کریں گے۔ اس طرح لشکر میں رہتے ہوئے جہاں میں خراسان میں اپنے بھائی طہماسپ سے مل لوں گی، وہاں میں خراسان کی اس مہم سے بھی لطف اندوز ہوں گی۔ آپ کے اس لشکر میں جانے پر اور پھر علایہ کے یہاں نہ ہونے پر میں اصفہان میں بوریت محسوس کروں گی۔''

اس موقع پر رضا قلی نے گھورنے کے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''تم یہاں اصفہان میں کیوں بوریت محسوس کرو گی؟ تمہارا بھتیجا جو عمر میں تم سے بڑا ہے وہ اس وقت ایران کا حکمران ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں سمجھتا ہوں.....''

رضا قلی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے روزبہ بول اٹھی۔

''آپ نے کبھی مجھے دیکھا ہے کہ میں نے اپنا فالتو وقت عباس کے پاس بیٹھ کر گزارا ہو؟ میری اور اس کی طبیعت نہیں ملتی۔ وہ تلخ لہجے اور فالتو گفتگو کرنے والا آدمی ہے اور ایسے لوگ مجھے پسند نہیں ہیں۔ میں سنجیدہ لوگوں کو پسند کرتی ہوں جو مطلب کی گفتگو کریں۔ جبکہ عباس میں یہ صفات نہیں ہیں۔ اسی بناء پر میرا اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے۔ بہرحال جس خواہش کا میں نے اظہار کیا ہے اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟''

مسکراتی ہوئی ایک نگاہ اس موقع پر رضا قلی نے روزبہ پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''میری بہن! میں نے کیا کہنا ہے؟ اگر تم ہمارے ساتھ لشکر میں شامل ہو کر خراسان کا رخ کرنا چاہتی ہو تو ہم دونوں میاں بیوی کو کوئی اعتراض نہیں۔ ہم نے تو صرف اتنا ہی کرنا ہے، تمہارے لئے ایک عمدہ اور بہترین خیمے کا اہتمام کر دیں گے۔

جہاں تمہیں ضروریات کی ہر شے میسر ہو گی۔ اب بولو، تم کیا کہتی ہو؟''

جواب میں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

''بس، اس کے سوا میں کچھ نہیں چاہتی۔ میری یہی خواہش تھی کہ میں اپ لوگوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں۔ آپ نے میری بات مان کر مجھے خوش کر دیا ہے۔ بھائی! اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کے لشکر میں اور کون کون شامل ہو گا؟''

رضا قلی نے اس موقع پر کچھ سوچا اور کہنے لگا۔

''میرے ساتھ لشکر میں دو بڑے سالار میرے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے۔ ایک کریم خان زند اور دوسرا عرب سالار شیخ علی خان۔''

دونوں نام سن کر روزبہ نے پہلے کچھ تعجب کا اظہار کیا، پھر بیزاری ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''یہ شیخ علی خان کو تو میں نہیں جانتی، یہ کون ہے؟ لیکن کریم خان زند کو میں نے دیکھ بھی رکھا ہے، سن بھی رکھا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ بڑا اجڈ اور ناسمجھ قسم کا انسان ہے اور اسے بڑے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ میری اس سے گفتگو اور ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ خراسان سے نکل کر اِیروان شہر کے نواح میں میرے بھائی طہماسپ کے پاس ایک لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ جس وقت بھائی کے ساتھ اس کی گفتگو ہوئی اس وقت میں بھی بھائی کے خیمے میں موجود تھی۔ اس نے ہم دونوں بہن بھائی سے گفتگو کی۔ بھائی سے جس انداز میں اس نے گفتگو کی اس کا وہ انداز میں نے انتہا درجہ کا ناپسند کیا۔ میں اس سے مخاطب نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن جب میں نے دیکھا کہ بھائی کے ساتھ اس کی گفتگو درشت اور بھائی کے وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ گفتگو نہیں کر رہا تب میں نے دخل اندازی کی۔ اس موقع پر میری اس سے بحث بھی ہوئی اور دورانِ گفتگو میں نے اس کے خلاف تلخ رویہ بھی روا رکھا۔ اس نے وہاں جو گفتگو کی یا میرے اعتراض کے جواب میں جو کچھ وہ بولا سب کچھ میں نے ناپسند کیا۔ اس بناء پر میں اسے ایک ناقص اور ناپسندیدہ شخص خیال کرتی ہوں۔ اب تو میں یہ سوچتی ہوں کہ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی کی حیثیت سے وہ کیا کارہائے نمایاں سرانجام دے گا۔ میں یہ بھی سمجھتی ہوں کہ وہ کسی دور افتادہ، غیر ترقی یافتہ اور مجہول قسم کے علاقے سے نکل کر نجانے کس وجہ سے لشکر میں شامل ہو گیا ہے۔ اِیروان کے نواح میں بھائی سے گفتگو

کرنے کے بعد اسے چاہئے تھا کہ رخصت ہونے سے پہلے وہ رخصت کی اجازت لیتا اور جو تلخ رویہ اس نے روا رکھا تھا اس کی معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔''

یہاں تک کہتے کہتے روزبہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ رضا قلی تو اس کی یہ گفتگو سن کر مسکرا رہا تھا۔ لیکن علانیہ ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی اور گھورنے کے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ رضا قلی نے روزبہ کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

''روزبہ! میری بہن! تمہارے اندازے درست نہیں ہیں۔ کریم خان بہت اچھا انسان ہے۔ نہ وہ جاہل ہے نہ اجڈ۔ تعلیم یافتہ ہے۔ عام مکتب کی بجائے حرب وضرب کے مکتب کا بھی تعلیم یافتہ ہے۔ بہترین تیغ زن اور بے خطا نشانے کا تیر انداز ہے۔ مخلص، غم گسار اور ہمدرد انسان ہے۔ اور تم کہتی ہو کہ وہ جاہل اور اجڈ ہے۔ میری عزیز بہن! وہ کسی کم تر خاندان سے بھی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا باپ زند قبیلے کا سردار تھا جسے فتح خان قاچار کے کہنے پر اس کے قبائلیوں نے حملہ آور ہو کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے بعد یہ کریم خان ہی اب زند قبیلے کا سردار ہے۔ میرے باپ کے ساتھ کریم خان کے باپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ اور کریم خان کے باپ کے میرے باپ پر ان دنوں بڑے احسانات تھے جب میرے باپ کو محمود سیستانی نے ابیورد کی حکمرانی سے محروم کر دیا تھا۔ محرومی کے اس دور میں کریم خان زند کا باپ معصوم خان ہی میرے باپ کے کام آیا تھا اور میرے باپ کو اس نے مستقبل کے لئے اچھی خاصی رقم مہیا کی۔ ساتھ ہی اپنے ہاں رہنے کے لئے جگہ بھی دی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی رکا، پھر دوبارہ روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''روزبہ! میری بہن! تمہاری اس سے تھوڑی دیر کی ملاقات ہوئی ہو گی۔ پہلی اور تھوڑی سی ملاقات میں ہی کسی کے کردار، کسی کے رویے اور طبیعت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ میں تم پر انکشاف کروں کہ میں کریم خان زند کو اپنا چھوٹا بھائی خیال کرتا ہوں جبکہ میرا باپ کریم خان کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتا ہے۔ اس رشتے اور اس ناتے سے کریم خان زند کا میرے ہاں آنا جانا بھی ہے۔ شاید جن خیالات کا اظہار میں نے تمہارے سامنے کریم خان سے متعلق کیا ہے وہ الفاظ تم پسند نہ کرو لیکن میں کریم خان کا

معاملہ تمہاری بڑی بہن علایہ کے سپرد کرتا ہوں۔ کیا علایہ جو تاثرات کریم خان سے متعلق دے گی، تم انہیں تسلیم کرو گی؟"

رضا قلی کے ان الفاظ کا جواب روزبہ دینا ہی چاہتی تھی کہ علایہ جو اب تک بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ساری گفتگو سنتی رہی تھی اور ساتھ ہی گھورنے کے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھتی رہی تھی، بول اٹھی۔

"روزبہ! تُو میری چھوٹی بہن ہے، مجھے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن کریم خان زند سے متعلق تمہارے خیالات سے میں قطعی اتفاق نہیں کرتی۔ جس طرح رضا قلی، کریم خان کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں، اسی طرح میں بھی اسے اپنا چھوٹا بھائی خیال کرتی ہوں۔ وہ بڑا اچھا انسان ہے۔ گفتگو بھی بڑے بہترین انداز میں کرتا ہے۔ نجانے تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ اپنی گفتگو اور مزاج کے لحاظ سے وہ جاہل، اجڈ اور غیر تہذیب یافتہ ہے۔ وہ بہت اچھا انسان ہے اور اس کی انہی صفات کی وجہ سے اسے لشکر میں شامل کیا گیا ہے اور اب وہ ایک طرح سے ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا ایران کے چوٹی کے سالاروں میں شمار کیا جانے لگا ہے۔ میری بہن! تُو نے اس کی ذات، اس کی شخصیت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔"

علایہ جب خاموش ہوئی تب روزبہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا اندازہ غلط ہے یا درست، بہرحال مجھے اس کریم خان زند سے کیا لینا دینا۔ نہ میرا اس سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے۔ میں تو یہ استدعا لے کر آئی تھی کہ میں لشکر میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ کیونکہ بھائی رضا قلی نے میری بات مان لی ہے۔ لہٰذا میں مطمئن اور خوش ہوں اور اب میں جاتی ہوں۔"

جونہی جانے کے لئے روزبہ اٹھی، علایہ نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا، دوبارہ نشست پر بٹھا لیا، پھر کہنے لگی۔

"نہیں میری بہن! یوں نہیں۔ آج شام کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گی۔ پھر تمہیں رضا قلی خود چھوڑ آئیں گے۔"

روزبہ نے اس موقع پر جواب طلب سے انداز میں رضا قلی کی طرف دیکھا۔ رضا قلی نے جواب میں اثبات میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

"روزبہ! علایہ ٹھیک کہتی ہے۔ شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔ پھر میں تمہیں خود

چھوڑ آؤں گا۔"

چنانچہ روزبہ مطمئن ہو گئی۔ دوبارہ رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بھائی! آپ نے ایک دوسرے سالار کا بھی ذکر کیا تھا جو کریم خان زند کے علاوہ آپ کے ساتھ جائے گا۔"

جواب میں رضا قلی کہنے لگا۔

"ہاں...... اس کا نام شیخ علی خان ہے۔ عرب ہے۔ اس کے اہل خانہ ایک عرصے سے ایران میں آباد ہیں اور جو لشکر میں لے کر خراسان کا رخ کروں گا اس میں زند قبیلے کے لوگوں کے علاوہ شیخ علی خان کے تحت کام کرنے والے عرب جنگجو بھی شامل ہوں گے۔"

روزبہ مزید گفتگو کرنا چاہتی تھی کہ علایہ اپنی جگہ پر اُٹھی، روزبہ کا بازو پکڑ کر اس نے اٹھایا اور کہنے لگی۔

"چھوڑو ان باتوں کو۔ تمہارا ان سے کیا تعلق۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے ساتھ تم بھی لشکر میں شامل ہو گی۔ اب آؤ، دونوں بہنیں مطبخ کی طرف جاتی ہیں اور کھانا تیار کرتی ہیں۔ کھانا کھاؤ، پھر بھائی تمہیں چھوڑ آئیں گے۔"

روزبہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا علایہ اور روزبہ دونوں دیوان خانے سے نکل کر مطبخ کی طرف ہو لی تھیں۔

٭٭٭

ایک جرار اور بہت بڑا لشکر لے کر نادر قلی نے ترکوں پر ضرب لگانے کے لئے بغداد کا رخ کیا تھا۔ اس لئے کہ بغداد ان دنوں ترکوں کے تحت تھا۔ دراصل نادر قلی ایران کی مملکت کو اس کی پہلی سرحدوں پر قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس بناء پر وہ بغداد پر حملہ آور ہو کر ترکوں کو شکست دے کر اور پسپائی کو ان کا مقدر بنا کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

جن دنوں نادر قلی نے بغداد کی طرف پیش قدمی کی تھی ان دنوں بغداد کا حاکم ایک سالار احمد پاشا تھا۔ احمد پاشا کے پاس گو ایک چھوٹا سا لشکر تھا لیکن اس نے شہر سے باہر نکل کر نادر قلی سے ٹکرانے کا عہد کر لیا تھا۔ چنانچہ جب نادر قلی بغداد کے نواح میں پہنچا تو احمد پاشا اس کی راہ روک کر کھڑا ہوا۔ نادر قلی نے جب دیکھا کہ احمد پاشا اس کے مقابلے میں اس کی نسبت بہت چھوٹا سا لشکر لے کر آیا ہے تب اس نے اسی وقت جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ وقت ضائع کئے بغیر اپنے لئے فوائد حاصل کرے۔

چنانچہ فوراً اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا۔ دوسری طرف احمد پاشا بھی ترکوں کے لشکر کی صفیں درست کر رہا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نادر قلی، احمد پاشا کے لشکر پر جرائم کے سیاہ خانوں سے نکل کر زندگی کی ویرانیاں کھڑی کرتی جرم کی اندھی قوتوں، درد و کرب کے باب کھول کر زمین کو لرزہ بر اندام کرتی طلسماتی کہانیوں، وسوسات اور بدگمانیوں کے بھید کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

احمد پاشا نے بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بھی جنگ کا تجربہ رکھتا تھا چنانچہ ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے وہ بھی قدیم سوچوں کی مصاف سے نکل کر صحرا صحرا پھیلتی آگ، اندھے کردار کی خونخواری، بد اخلاقی کے ضابطوں کے آغاز اور انجام دونوں کو بے علت اور

بے نتیجہ کر دینے والے وقت کے اولوالعزمی کے سیلاب اور تہور کے ترانوں میں ناوک و تیغ کی ستم آرائیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

بغداد کے نواح میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے دلوں کے آنگن میں ہجر کے ماتم اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ روحوں کے ویران نگر میں درد کی جوئے رواں چل نکلی تھی۔ موت صداؤں کے خوفناک ارتعاش، جذبوں کی تلخیوں کے آسیب کی طرح بھٹکنے لگی تھی۔ نفرت وقت کے بدترین سیلاب، خون اور اشکوں میں نہلاتے بے چینی اور بے زاری، خوف اور وحشت کی طرح رقص کناں ہو گئی تھی۔ انجانے سرکش جذبے دل آشوب مناظر چاروں طرف ناچ اٹھے تھے۔

کچھ دیر تک احمد پاشا اور نادر قلی کے درمیان ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ دونوں طرف کے لشکریوں کا خوب نقصان ہوا۔ یہ نقصان احمد پاشا کے لئے زیادہ خطرناک تھا۔ اس لئے کہ نادر قلی کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد کم تھی۔ لہٰذا جنگ میں جب اس کے کچھ لشکری مارے گئے تو اس کے لشکر میں کمزوری کے آثار نمودار ہو گئے۔ لہٰذا اپنے لشکر کو سمیٹتا ہوا وہ بغداد شہر میں محصور ہو گیا تھا۔

احمد پاشا جب نادر قلی کے سامنے سے ہٹ کر بغداد شہر میں محصور ہو گیا تب اس کی اس حرکت کو نادر قلی نے اپنی شاندار فتح اور احمد پاشا کی شکست جانا۔ اس لئے اپنے انہی جذبوں کے تحت اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ ہر صورت میں بغداد شہر پر قبضہ کرے گا۔ نادر قلی کا خیال تھا کہ اگر وہ بغداد شہر کو فتح کر کے قبضہ کر لے تو پھر وہ ترکوں کے ساتھ سودے بازی کرے گا اور ایران کے وہ علاقے جو اس وقت ترکوں کے قبضے میں ہیں انہیں وہ خالی کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اپنے انہی ارادوں کے تحت نادر قلی نے بغداد شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

اب نادر قلی کو قوی امید ہو گئی تھی کہ وہ بغداد کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ترکوں کا سالار احمد پاشا اس سے پسپا ہونے کے بعد شہر کے اندر محصور ہو گیا تھا۔ نادر قلی چاہتا تھا کہ محاصرے میں تنگی اور سختی پیدا کرے گا۔ وہاں سے کوئی چیز بھی بغداد شہر کے اندر نہیں جانے دے گا۔ نہ ہی کسی کو شہر سے نکلنے دے گا۔ ایسا کر کے اسے امید تھی کہ ترکوں کا سالار احمد پاشا اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا اور وہ بغداد پر قبضہ کر لے گا۔

دوسری طرف احمد پاشا بڑی جانثاری اور بڑی بیداری کے ساتھ شہر کا دفاع کر رہا تھا۔ فصیل کے اوپر اس نے اپنے لشکریوں کو ہمہ وقت چوکس اور مستعد رہنے کا حکم دے دیا تھا۔ اس طرح جونہی نادر قلی کا کوئی لشکر بغداد کی فصیل کے قریب جانے کی کوشش کرتا، اوپر سے ایسی تیراندازی کی جاتی کہ نادر شاہ کے لشکریوں کو پیچھے ہٹنا پڑتا تھا۔

اسی دوران نادر شاہ کے لئے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ یہ کہ اس کے مخبروں نے اسے اطلاع کی کہ ترکوں کا ایک اور لشکر جو بغداد سے ذرا دور کچھ علاقوں کے اندر سرگرداں تھا اسے نادر قلی کے بغداد پر حملہ آور ہونے کی خبر ہوگئی ہے اور وہ لشکر اب بڑی برق رفتاری سے بغداد کا رخ کئے ہوئے ہے۔

بغداد کے اس لشکر کی کمانداری ایک ترک سالار توپال کر رہا تھا۔ ابھی وہ بغداد سے کافی دور ہی تھا کہ نادر قلی کو ان کی خبر ہوگئی تھی۔ لہٰذا نادر قلی نے فوراً اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا لشکر اس نے اپنے سالاروں کے سپرد کیا۔ ان کے لئے اس نے احکامات جاری کئے کہ وہ برابر بغداد شہر کا محاصرہ پوری شدت اور سختی کے ساتھ جاری رکھیں جبکہ لشکر کا ایک حصہ لے کر خود نادر قلی ترکوں کے دوسرے آنے والے سالار توپال کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ترکوں کا دوسرا لشکر ان کے سالار توپال کی سرکردگی میں کرکوک کے میدانوں میں پہنچا تھا کہ نادر قلی نے اسے جا لیا۔ نادر قلی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہ ترکوں کے اس لشکر پر کالی راتوں کے طول میں زخموں کی خراشوں، صدیوں کی خاموشی میں حادثوں اور آندھیوں کی طرح بدنوں کی دھجیاں اُڑاتی بجلیوں اور زلزلوں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

کرکوک کے میدانوں میں پہنچ کر نادر قلی نے جب جائزہ لیا تو اس نے دیکھا ترکوں کا دوسرا سالار جس کا نام توپال تھا، وہ جو لشکر لے کر آیا تھا، تعداد میں نادر قلی کے لشکر سے کم تھا۔ اسی بناء پر نادر قلی نے فی الفور اس پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

دراصل نادر قلی بغداد کے محاصرے پر زیادہ دن نہیں لگانا چاہتا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر محاصرے نے طول پکڑ لیا تو بغداد میں محصور ترک سالار احمد پاشا کو قسطنطنیہ یا قریب کے دوسرے شہروں سے کمک مل جائے گی۔ اور اگر ایسا ہوا تو نادر قلی کو نہ صرف

بغداد کا محاصرہ اٹھانا پڑے گا بلکہ ترکوں کا لشکر دور تک اس کا تعاقب بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا کرکوک کے میدانوں میں آتے ہی وہ توپال کے لشکر پر حملہ آور ہوگیا تھا۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ توپال کو فی الفور بھگانے کے بعد وہ واپس مڑے، پہلے کی نسبت زیادہ سختی سے بغداد کا محاصرہ کرے اور بغداد کو فتح کر کے اس پر قبضہ کرے۔

چنانچہ جب وہ توپال پر اپنی پوری طاقت اور قوت سے حملہ آور ہوا تب ترکوں کے سالار توپال نے بھی اپنے ردِعمل کا اظہار کیا۔ وہ بھی بڑا منجھا ہوا، بڑا ہنرمند اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والا تھا۔ لہٰذا جوابی کارروائی کے طور پر وہ بھی سکون زاروں میں آگ کے لاوے بھرتے آتشی طوفانوں، وقت کی حدت میں اعتماد کی گہرائی، اطمینان کے سایوں میں سلامتی کے گوشوں، احساسات کے فسوں، خیالات کے حسین زاروں اور لبوں کے تبسم کی جوت تک کو بے ثمر ریاضت، دل آشوب مناظر میں تبدیل کر دینے والے آگ اُگلتے صحرا اور دل خراش صداؤں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

نادر قلی اور توپال دونوں کے لشکر جب کرکوک کے میدانوں میں ٹکرائے تو کھلے اور وسیع میدانوں کے اندر تلخ حقائق اور آفاق گیر طوفان اور آگ کے ہیجان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بڑے بڑوں کی امیدیں اور ارادے آتش و آہن کے سیلاب اور افلاس کی اندھی یورش جیسے حملوں کے سامنے داستانوں کے بکھرتے اوراق اور فنا کی برہم پکار کی طرح اُڑنے اور فنا ہونے لگے تھے۔

جس وقت نادر قلی اور ترکوں کا سالار توپال کرکوک کے میدانوں میں ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے، اسی وقت بغداد میں محصور ترکوں کے لشکر کے سالار احمد پاشا نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ اچانک بغداد کی شہر پناہ کا ایک دروازہ کھول کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور نادر قلی کے لشکر پر وہ حسرتوں کے انبار سے دوچار کرتی، اُمڈتی طغیانیوں کے جوش، نفس نفس کی تمناؤں کو اضطراب اور بے تابی میں بدلتے دکھ کے کھولتے پاتال اور کوہستانوں سے نکل کر بہتے لاوے اور بے جہت یورش کرتے گرم آلود جذبوں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

احمد پاشا کا یہ حملہ ایسا جان لیوا، شدید اور بے روک تھا کہ نادر قلی کا لشکر اسے روک نہ سکا اور احمد پاشا نے اس پر حملہ آور ہو کر اسے بے پناہ نقصان پہنچایا۔ نادر قلی کے لشکر نے تھوڑی دیر تک احمد پاشا کے حملوں کا دفاع کیا۔ اس دوران ان کی حالت گرد

آلودجذبوں، جوش مارتی گرسنگی، یاس وقنوط کی زردی اور ریت کے نگر میں زخم خوردہ انداز سے بھی بدتر ہونا شروع ہوگئی تھی۔

آخراحمد پاشا کے ہاتھوں بغداد کے نواح میں نادر قلی کے لشکر کو شکست ہوئی اور نادر قلی کا وہ لشکر کرکوک کے میدانوں کی طرف بھاگا تاکہ نادر شاہ سے جا ملے۔

دوسری طرف کرکوک کے میدانوں میں ترک سالار توپال کے ہاتھوں نادر شاہ کو بھی شکست ہو چکی تھی اور توپال کے سامنے نادر شاہ کی اپنی حالت تار تار، دامن چاک گریبانوں، تخریبی پیاس اور اعضاء شکنی کے بخار سے بھی ہولناک ہوئی تھی جس کی بناء پر وہ شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوا۔ راستے میں اسے اس کا وہ لشکر بھی مل گیا جسے بغداد کے نواح میں شکست ہوئی تھی اور وہ کرکوک کے میدانوں کی طرف بھاگا تھا۔ چنانچہ نادر قلی نے دونوں شکست خوردہ لشکروں کو یکجا کیا، اس کے بعد وہ بڑی برق رفتاری سے واپسی کے سفر پر چل دیا تھا۔

کہتے ہیں ترک سالار احمد پاشا اور توپال کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانے کے بعد نادر قلی بغداد کے نواح سے بھاگ کر ہمدان کی طرف چلا گیا تھا۔

***

دوسری طرف نادر قلی کا بیٹا رضا قلی، کریم خان اور عرب سالار شیخ علی، خراسان کی طرف بڑھے تھے جہاں ہرات کی سمت سے افغان جنگجو خراسان میں داخل ہونا شروع ہوئے تھے۔ ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ چنانچہ وہ شاہراہ جو خراسان سے ہرات کی طرف جاتی تھی، وہاں ایک کوہستانی سلسلے کے دامن میں جس کے سامنے ہی نہیں، دائیں بائیں بھی بلند کوہستانی سلسلے تھے کریم خان کے کہنے پر رضا قلی نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ رضا قلی نے جب لشکر کو روک دیا تب کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے رضا قلی نے پوچھ لیا۔

''کریم خان! تم نے لشکر روکنے کے لئے کہا ہے۔ کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟''

جواب میں کریم خان، رضا قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہمارے سامنے نہیں، اب دائیں بائیں بھی کوہستانی سلسلہ ہے اور اس سے آگے بڑھنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے دشمن سے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔''

جواب میں بڑے غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے رضا قلی کہنے لگا۔

''کریم خان! تمہارا اندازہ درست ہے لیکن ہم نے جو مخبر اپنے آگے علاقوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجے تھے وہ تو ابھی تک لوٹے نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے سامنے اور دائیں بائیں کے کوہستانی سلسلوں کا جائزہ کیسے لے سکتے ہیں؟''

جواب میں کریم خان نے کچھ سوچا، پھر رضا قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اسی بناء پر تو میں نے آپ سے لشکر کو روکنے کے لئے کہا ہے۔ میں چاہتا ہوں لشکر کا یہاں پڑاؤ کر لیا جائے۔ اس کے بعد حالات کا انتظار کیا جائے۔ ہم نے جو مخبر اپنے آگے آگے بھجوائے تھے، وہ دیکھیں کیا خبر لاتے ہیں اور انہی خبروں کی روشنی میں ہم اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔''

کریم خان کی اس گفتگو کا جواب رضا قلی دینا ہی چاہتا تھا کہ دائیں جانب سے کچھ گھڑسوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے آئے۔ قریب آکر وہ رکے۔ رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان انہیں پہچان گئے تھے۔ وہ ان کے مخبر تھے۔ پھر ان میں سے ایک رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہم آپ کے لئے انتہائی اہم خبریں لے کر آئے ہیں۔ ہم نے دائیں پہلو کا جائزہ لیا ہے، اس طرف دشمن کا کوئی لشکر نہیں۔ اس سے پہلے ہم نے بازو کا بھی جائزہ لے لیا تھا۔ بائیں جانب بھی دشمن کا کوئی لشکر نہیں ہے۔ سامنے کوہستانی سلسلے کے اندر افغانوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے جو کسی بھی وقت اپنی گھات سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔''

وہ مخبر جب خاموش ہوا تو کچھ دیر تک توصیفی انداز میں رضا قلی، کریم خان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس موقع پر دوسرے سالار شیخ علی خان کی نگاہیں بھی کریم خان پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر رضا قلی، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تُو نے مجھے یہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اگر میں اس حالت میں آگے بڑھ کر کوہستانی سلسلے میں داخل ہو جاتا تو میں سمجھتا ہوں حملہ آور افغانی ہم میں سے کسی کو بھی زندہ بچ کر واپس جانے کا موقع نہیں دیتے۔ کریم خان! میرے بھائی! میں ایک بار پھر تمہاری اس تجویز پر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اب جبکہ ہمارے مخبر بھی آ چکے ہیں اور انہوں نے یہ انکشاف کر دیا ہے کہ سامنے افغانیوں کا ایک کافی بڑا لشکر ہے، اس موقع پر میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر آپ اسے مناسب سمجھیں تو اس پر عمل کر کے افغانوں کو نہ صرف ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا سکتا ہے بلکہ انہیں ان علاقوں سے بھاگ جانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ آپ کے پاس رہے اور آپ اپنے پڑاؤ ہی میں چوکس اور مستعد رہیں تاکہ افغانوں کا اگر کوئی بھولا بھٹکا لشکر کسی سمت سے نکل کر آپ پر یا پڑاؤ پر حملہ کرنے کی کوشش کرے تو آپ احسن انداز میں اس سے نمٹ سکیں۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں لشکر لے کر آگے بڑھوں گا۔ جو مخبر یہ خبریں لے کر آئے ہیں ان میں سے کچھ آپ اپنے پاس رکھ لیں، کچھ کو میں اپنی رہنمائی کے لئے اپنے ساتھ لے لوں گا۔ میرے یہی مخبر میری رہنمائی کرتے رہیں گے اور میں اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی درّوں میں داخل ہونے کے بعد افغانوں کا جو لشکر اس وقت گھات میں ہے اس کی پشت کی طرف سے کوہستانی سلسلے میں داخل ہوں گا۔ اس کے بعد میں جانوں اور افغانوں کا لشکر۔ آپ سنیں گے کہ میں نے اسے مار کر قندھار کی طرف بھگا دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، پھر کہنے لگا۔

''رضا قلی! میرے محترم! ہمارے لشکر میں عورتیں بھی ہیں۔ لہٰذا یہاں آپ پڑاؤ کر لیں۔ خیمہ زن ہو جائیں تاکہ لشکر میں شامل عورتیں بھی آرام کر لیں اور لشکر کے آدھے حصے کو چوکس کر دیں اور باقی کو آرام کرنے کا مشورہ دیجئے گا۔ اس کے بعد آرام کرنے والے اٹھ کر چوکس ہو کر پہرہ دیں گے اور جو پہلے سے پہرہ دینے والے ہوں گے وہ سو کر آرام کریں گے۔ یہ آپ کے لشکر کی کیفیت ہو گی۔ میں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر آگے بڑھوں گا۔ جس سمت مسلح افغانوں نے گھات لگا رکھی ہے، اس سمت نہیں جاؤں گا بلکہ میں ان کی پشت کی جانب سے کسی درے میں داخل ہوں گا۔ اس سلسلے میں مخبر میری رہنمائی کریں گے۔ اس طرف کوہستانی سلسلے کے اندر آگے بڑھتے ہوئے میں جنگجو افغانوں کی پشت کی طرف چلا جاؤں گا۔ ان کے قریب جا کر میں اچانک ان پر ہلہ

بولنے کا حکم دے دوں گا۔ چنانچہ افغانی تیاری میں نہیں ہوں گے جبکہ ہم پوری تیاری کر کے جائیں گے اور پشت کی طرف سے ان پر حملہ آور ہو کر نہ صرف افغانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے بلکہ ان کے بچے کھچے لشکریوں کو افغانستان میں دھکیل دیں گے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آنے والے دور میں کبھی بھی افغانی متحد اور منظم ہو کر ہمارے سامنے آنے کی جرأت اور جسارت نہیں کریں گے۔''

رضا قلی نے کریم خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ چنانچہ اس کے حکم پر تین اطراف پہاڑوں سے گھری اس وادی میں خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ لشکر کی عورتوں کو خیموں میں منتقل کرنے کے بعد آدھے لشکر کو لشکر میں چوکس رہنے کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا، باقی آدھا لشکر پڑاؤ میں آرام کرنے لگا تھا۔

جہاں تک کریم خان اور عرب سالار شیخ علی خان کا تعلق تھا تو وہ بائیں جانب کے دروں کے ذریعے کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے۔ دروں کے ذریعے جو راستے کوہستانی سلسلے کے اندر داخل ہوتے تھے، آگے جا کر وہ مختلف چھوٹی پگڈنڈیوں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ یہی وہ کوہستانی سلسلہ تھا جس کے اندر جنگجو افغانوں کے ایک جرار لشکر نے گھات لگا رکھی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جب نادر قلی کا بیٹا رضا قلی اپنے لشکر کے ساتھ ان دروں میں سے گزرے گا تو وہ اچانک اپنی گھات سے نکل کر ان پر حملہ آور ہوں گے، رضا قلی کے لشکریوں کا قتل عام کریں گے اور جو کچھ ان کے پاس ہے، اس پر قبضہ کر لیں گے۔ لیکن کریم خان کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے رضا قلی کے لشکر کی بچت ہو گئی تھی۔ اب کریم خان کا یہ ارادہ تھا کہ کوہستانی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد کچھ آگے بڑھے تو پھر اپنے مخبروں کی رہنمائی میں افغانوں کی گھات میں پڑے لشکر پر پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر انہیں ایسا نقصان پہنچائے کہ آنے والے دور میں انہیں کبھی ایرانیوں کے خلاف سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو۔

چنانچہ اپنے انہی ارادوں کے تحت کریم خان اور اس کا عرب ساتھی شیخ علی خان دونوں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر مخبروں کی رہنمائی میں کوہستانی سلسلے کے اندر داخل ہوئے تھے۔ گمنام راستوں سے ہوتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ مخبر برابر ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ افغانوں کا وہ لشکر جس نے کوہستانی سلسلے میں گھات لگا

رکھی تھی اور یہ گھات اس شاہراہ کے کنارے تھی جس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے رضا قلی اور کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھنا تھا لیکن کیونکہ انہوں نے اپنے لشکر کو ایک کھلی وادی کے اندر روک دیا تھا اور اب صرف کریم خان آگے بڑھا تھا لہٰذا اس وقت تک جنگجو افغان اسی شاہراہ کے کنارے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے جس شاہراہ پر وہ توقع رکھتے تھے کہ رضا قلی کا لشکر آئے گا۔

اتنی دیر تک کریم خان اور شیخ علی خان دونوں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ان افغانوں کی پشت پر پہنچ گئے۔ پھر پشت کی جانب سے تکبیریں بلند کرتے ہوئے کریم خان اور علی خان دونوں ان افغان لشکریوں پر گرم سرد موسموں کو فراموش کر کے ذرے ذرے کو خاک آلود کرتی پتھروں کی ہولناک بارش، وقت کے اندھے وہموں کو بخارات کے کھولتے لاوے میں تبدیل کر دینے والی اذیتوں اور زمین کی کوکھ میں ہیجان برپا کرتے گرسنہ جذبوں کی حرارت کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

افغان لشکری گو چوکس تھے لیکن حملہ ان کی پشت کی طرف سے ہوا تھا لہٰذا انہیں سنبھلنے میں کچھ وقت لگا اور اسی وقت کے دوران کریم خان اور علی خان دونوں نے ان کے لشکر کو بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ اس کے باوجود وہ افغان لشکر پلٹا۔ پھر وہ کریم خان اور علی خان کے لشکر پر اندھیروں کے نہاں خانوں میں دلوں کے داز امان کو قدیم کھنڈروں، دیمک زدہ دہلیزوں کی سی حالت کرنے والے صدیوں کے ٹھہرے اور رکے ہوئے اجل عذابوں اور زمین کی نا آشنا گہرائیوں میں تشنگی کے بیج تک ڈال دینے والے کھولتے بپھرتے جوالا مکھی کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

کوہستانی سلسلے کے اندر دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے مرگ کے تاریک ہیولے جنون بھرے انتقام، دکھوں کی بے انت کسک اور قہرمانیت کے سلسلے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ دیر تک کریم خان کا سامنا افغانوں سے ہوتا رہا۔ اس دوران افغانوں کے ان گنت لشکری کٹ مرے تھے اور ان کے لشکر کی تعداد آدھے سے بھی کم رہ گئی تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے اندازہ لگایا کہ اگر جنگ کو اسی طرح جاری رکھا گیا تو ان کے لشکر کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ شکست قبول کرتے ہوئے وہ افغان لشکری بھاگ کھڑے ہوئے اور کوہستانی سلسلے کے اندر کریم خان اور علی خان دونوں ان کے تعاقب میں لگ

گئے تھے۔

جس وقت کریم خان اور علی خان دونوں بھاگتے افغان لشکریوں کا تعاقب کر رہے تھے اس وقت نادر قلی کے بیٹے رضا قلی کے لئے ایک مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہوا یوں کہ جس شاہراہ کے کنارے اس لشکر نے گھات لگا رکھی تھی جس کا ٹکراؤ کریم خان سے ہوا تھا اور کریم خان نے اسے شکست دے کر اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا، اس شاہراہ کے بالکل سامنے شاہراہ کے دوسری جانب افغانوں کے ایک اور لشکر نے بھی گھات لگا رکھی تھی۔ چنانچہ اس لشکر کے کمانڈر کو جب خبر ہوئی کہ جس طرح انہوں نے اپنے لشکر کو تقسیم کر کے شاہراہ کے دونوں جانب گھات میں بٹھا رکھا ہے اسی طرح رضا قلی نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک حصہ کوہستانی سلسلے کے سامنے وادی کے اندر پڑاؤ کر چکا ہے اور دوسرا گمنام راستوں سے ہوتا ہوا ان کے لشکر کے دوسرے حصے کو ہدف بنانے کے لئے بڑھا ہے۔

قبل اس کے کہ وہ اپنے حصے کے دوسرے لشکر کو کریم خان اور علی خان کے حملوں سے متعلق آگاہ کرتے، دیر ہو چکی تھی اور کریم خان اور علی خان پہلے ہی حملہ آور ہو کر افغانوں کے اس لشکر کو شکست دے کر ان کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

یہ صورتِ حال جب افغانوں کے دوسرے لشکر پر واضح ہوئی اور انہیں خبریں پہنچیں کہ ان کے دوسرے لشکر کو کریم خان زند نے حملہ آور ہو کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے تب انہوں نے ایک انتہائی اہم اور مناسب قدم اٹھایا۔

اچانک وہ کوہستانی سلسلے سے نکلے، بڑی رازداری کے ساتھ آگے بڑھے، پھر وہ رضا قلی کے حصے کے لشکر پر زندگی کے تاریک اُفق پر سرکش اور خونی پرواز کرتی حلقہ در حلقہ پھیلتی بے کنار تباہی، سرابوں کے اندھے فریب، سازشوں کے بے انت شراروں، افلاس کی تشنہ یورش اور انتقام مزاج رُتوں کے خونی بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس موقع پر رضا قلی نے بھی دستِ کوزہ گر کی مشاقی کی طرح درد کے خواب کھڑے کرتے ہجرتوں کے عذابوں کی طرح حملہ آور افغانوں پر جوابی حملے کئے تھے لیکن اپنے پہلے ہی حملے میں افغانوں نے رضا قلی کے لشکریوں کو پامال کر کے رکھ دیا تھا۔ رضا قلی کے ان گنت لشکری حملہ آور افغانوں نے موت کے گھاٹ اتار دیئے تھے

جس کے نتیجے میں رضا قلی کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا۔ اس لئے کہ اس کے لشکر میں عورتیں بھی تھیں۔ انہیں بھی لشکر کے پیچھے رکھ کر پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے رضا قلی اپنے بچے کھچے لشکریوں کو لے کر کوہستانی سلسلے کے اندر چلا گیا تھا اور بچے ہوئے لشکریوں کو اس نے بڑی بڑی چٹانوں اور پتھروں کے نیچے گھات میں بٹھا دیا تھا تاکہ اگر کوہستانی سلسلے کے اندر بھی گھس کر افغان حملہ کریں تو ان سے نمٹا جا سکے۔

حملہ آور افغانوں نے رضا قلی کے لشکر کا تعاقب نہیں کیا اور رضا قلی اپنے لشکر میں شامل عورتوں کو با حفاظت لے کر کوہستانی سلسلے میں داخل ہو گیا بلکہ حملہ آور افغانوں نے رضا قلی کے پڑاؤ کو لوٹنا شروع کر دیا تھا۔

افغان جس طرح اپنے اطراف کی ہر شے کو بھول کر پڑاؤ کی لوٹ مار میں مشغول تھے، ان کے لئے بھی ایک مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت تک کریم خان اور علی خان دونوں اس لشکر کے تعاقب سے پلٹے تھے جسے انہوں نے کوہستانی سلسلے کے اندر بدترین شکست دی تھی اور جس وقت رضا قلی کو شکست دینے کے بعد افغانوں کا دوسرا لشکر وادی کے اندر پڑاؤ کی لوٹ مار میں مشغول تھا، کریم خان اور علی خان اچانک نمودار ہوئے اور لوٹ مار کرنے والے افغان لشکر پر وہ تمناؤں کی شیشہ گری کو کرچی کرچی، خواہشوں کے بے انت بگولوں کو ریزہ ریزہ کرتے عذاب کے ہولناک سلسلوں، ہر شے کی سماعت کی کشکول میں سسکیوں، آہوں، چیخوں کے سکے بھرتی رُتوں کی الم خیزیوں اور مرگ کی بے اماں یورش کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

یہ حملہ بڑا سخت، کڑا، شدید اور جاندار تھا۔ افغان چونکہ اس وقت پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتے ہوئے ایک طرح سے لوٹ مار میں مصروف تھے لہٰذا جس وقت کریم خان اور علی خان ان پر حملہ آور ہوئے، وہ بہتر انداز میں اپنا دفاع نہ کر سکے جس کے نتیجے میں ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بہت کم افغان ایسے بچے جو لوٹا ہوا سامان بھی پھینک کر بھاگ کر اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

کریم خان اور علی خان نے یہ کارروائی لمحوں کے اندر مکمل کر لی تھی۔ اس وقت رضا قلی اپنے بچے کھچے لشکریوں کے ساتھ کوہستانی سلسلوں کے اندر ہی گھات لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ جب کریم خان اور علی خان دونوں نے افغانوں کو بھگا کر اور ان میں سے اکثر

کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے پڑاؤ کو مضبوط کر لیا، تب رضا قلی اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے سے نکلا۔ اس موقع پر اس کی بیوی جو روزبہ کی بڑی بہن اور ایران کے شہنشاہ طہماسپ کی بہن علایہ تھی وہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ روزبہ بھی اس کے کندھے سے کندھا ملا کر چل رہی تھی اور ان کے پیچھے پیچھے ان کے لشکری اور لشکر میں شامل دوسری عورتیں تھیں۔ اس موقع پر رضا قلی نے اپنی بیوی الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اس کریم خان نے آج مجھ پر وہ احسان کیا ہے جسے میں زندگی بھر فراموش نہ کر سکوں گا۔ اگر حالات ایسے ہی رہتے اور افغان لشکر ہمارے پڑاؤ کو لوٹنے کے بعد کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتا تو اب تک وہ ہم سب کا قتلِ عام کر چکے ہوتے۔ یہ کریم خان اور علی خان کی بڑی جواں مردی، ہمت اور شجاعت ہے کہ اپنی مہم سے فارغ ہونے کے بعد یہ ہماری مدد کے لئے بھی پہنچ گئے۔ افغانوں کا جو لشکر ہم پر حملہ آور ہوا نجانے یہ کہاں سے اچانک نکل آیا اور ہمیں آ دبوچا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی جب خاموش ہوا تو اس کی بیوی الایہ اس کے ان الفاظ کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ الایہ کی چھوٹی بہن روزبہ اچانک بول اٹھی اور رضا قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی! جو اندازے آپ نے لگائے ہیں میں ان سے قطعی اتفاق نہیں کرتی۔ جس طرح کہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ اس کوہستانی سلسلے کے اندر افغانوں کا ایک ہی لشکر تھا، آپ کے سامنے ہمارے مخبروں نے ایسی ہی اطلاع دی تھی۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، کوہستانی سلسلے کے اندر کریم خان اور علی خان دونوں افغانوں کے لشکر کو تلاش ہی نہیں کر سکے اور افغانوں کا وہ لشکر جو ہم پر حملہ آور ہوا ہے اور ہماری لاچارگی اور بے چارگی میں اضافہ کیا، میرے اپنے اندازے کے مطابق یہ وہی لشکر ہے جس پر علی خان اور کریم خان حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوئے تھے اور افغانوں کا یہ لشکر میرے خیال میں کوہستانی سلسلے کے اندر ان دونوں کو جل دے کر اچانک نکلا اور ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہو گیا۔ شاید افغانوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ پڑاؤ میں جو ہمارا لشکر ہے اس کو اگر وہ زیر کر کے ہمارے پڑاؤ پر قبضہ کر لیتے ہیں تو پھر بعد میں وہ علی خان اور کریم خان کے حصے کے لشکر کو بھی شکست دے کر اپنی کامیابی کا اعلان کر سکتے ہیں۔

جہاں تک میرا خیال ہے، کوہستانی سلسلے کے اندر اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد یہ کریم خان اور علی خان اپنی مہم میں ناکامی کا سامنا کرتے ہوئے لوٹ رہے تھے کہ اچانک انہیں خبر ہوئی کہ جس لشکر کی انہیں تلاش تھی اس نے ہمارے پڑاؤ پر حملہ کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور ہمارے پڑاؤ کو لوٹنے والے افغانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اور اب دیکھتے ہیں کہ انہوں نے پڑاؤ پر حملہ آور ہونے والوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور جو باقی بچے، وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ جب خاموش ہوئی تب رضا قلی گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تمہارے خیال میں ہمارے پڑاؤ کو بچانے میں جو کریم خان اور علی خان نے کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے، اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔''

اس موقع پر روزبہ نے اپنے خوبصورت ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگی۔

''بھائی! میں نے ایسا نہیں کہا۔ کوہستانی سلسلے میں اپنی مہم میں ناکامی کے بعد انہوں نے پڑاؤ کو لوٹنے والے افغانوں پر حملہ آور ہو کر یقیناً اپنی بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے اور افغان لشکر کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لیکن ان کی نالائقی، ان کی ناکامی اور ان کی کمزوری کا بھی پہلو نکلتا ہے۔ اگر وہ کوہستانی سلسلے کے اندر اس لشکر کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو اس لشکر کو کوہستانی سلسلے سے نکل کر کم از کم ہم پر حملہ آور ہونے، ہمیں اذیت میں ڈالنے اور ہمارے حصے کے لشکر کے بہت سے لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع تو نہ ملتا۔''

جواب میں رضا قلی نے کچھ سوچا، کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کی بیوی اور روزبہ کی بڑی بہن الایہ، روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھی۔

''روزبہ! میری عزیز بہن! یہ بھی تو ممکن ہے کہ کریم خان نے کوہستانی سلسلوں کے اندر افغانوں کے اس لشکر کو شکست دے دی ہو جس کے پیچھے وہ اپنے مخبروں کی راہنمائی میں گیا تھا اور اس لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ پلٹا ہو اور جب اس نے دیکھا ہو کہ افغانوں کا ایک اور لشکر ہمارے پڑاؤ کی لوٹ مار کر رہا ہے تو وہ افغانوں کے دوسرے لشکر پر بھی حملہ آور ہو گیا ہو۔''

الایہ جب خاموش ہوئی تب روزبہ پھر بول اٹھی۔

''یہ ممکن نہیں۔ اور نہ ہی کسی کے ساتھ یہ معاملہ ہو سکتا ہے کہ کریم خان کوہستانی سلسلے کے اندر افغانوں کے ایک بڑے لشکر کو اتنی جلدی شکست دے کر پلٹے اور پھر افغانوں کے دوسرے لشکر کو جو پڑاؤ کی لوٹ مار کر رہا تھا، اس پر بھی حملہ آور ہو کر اس کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دے اور اپنے پڑاؤ کی حفاظت کرے۔''

الایہ اپنی بہن روزبہ کے ان الفاظ کا جواب دینا چاہتی تھی کہ اس موقع پر رضا قلی نے ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگا۔

''اس بحث پر لعنت بھیجو۔ اب ہمارے سامنے سب سے بڑا معاملہ یہ ہے کہ ہم کریم خان اور علی خان دونوں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پڑاؤ لوٹنے والے افغان لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اب ہم کوہستانی سلسلے سے نکل کر اپنے پڑاؤ کی طرف آنے کے قابل ہو سکے ہیں۔''

جواب میں روزبہ کسی قدر دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''ہاں بھائی! میں آپ کی یہ بات تسلیم کرتی ہوں کہ کریم خان اور علی خان کے اس طرح حملہ آور ہونے سے نہ صرف افغان لشکر کا خاتمہ ہوا بلکہ ہمیں کوہستانی سلسلے سے نکل کر اپنے پڑاؤ کی طرف آنا نصیب ہوا اور پھر........''

یہاں تک کہتے کہتے روزبہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے اس کی بڑی بہن الایہ بول اٹھی تھی۔

''روزبہ! میری بہن! صرف یہی نہیں، اس کریم خان کی وجہ سے ہماری جانیں بھی بچ گئیں۔ اگر ہمارے پڑاؤ کو لوٹنے والا افغان لشکر پڑاؤ کی لوٹ مار کے بعد اپنے آپ کو پھر استوار کر کے کوہستانی سلسلے میں داخل ہوتا تو ہم ان کا کیسے دفاع کر سکتے تھے؟ نہ ہمارے پاس تیر تھے، نہ کمانیں کہ کوہستانی سلسلے کے پتھروں اور چٹانوں کی گھات میں رہ کر ان پر تیر اندازی کرتے اور اپنے دفاع کا سامان کرتے۔ اس لحاظ سے میں سمجھتی ہوں کہ کریم خان ہمارے لئے ایک رحمت بن کر آیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف ہماری جانیں بچیں بلکہ ہمارا پڑاؤ اور اس کی ہر شے بھی محفوظ رہی۔''

رضا قلی کے ان الفاظ کا جواب الایہ یا روزبہ میں سے کسی نے نہ دیا تھا۔ اس لئے کہ اب وہ اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ پڑاؤ کے قریب آ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں کریم خان اور علی خان دونوں اپنے ان زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے

جنہیں رضا قلی کوہستانی سلسلے کی طرف بھاگتے ہوئے اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی کریم خان اور علی خان کے کچھ لشکری اس ٹکراؤ میں مارے جانے والے افغان لشکریوں کی لاشیں گڑھوں کے اندر دبانے کے کام میں مصروف تھے۔

رضا قلی نے سب سے پہلے ان لشکریوں کی طرف توجہ دی جو اس کے ساتھ پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے اور انہیں اس نے حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کے کام میں مدد کریں۔ اس طرح وہ لشکری بھی حملہ آور افغانیوں کی لاشوں کو ایک طرف ٹھکانے لگانے اور اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی کوشش کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر رضا قلی نے الایہ اور روزبہ دونوں کے ساتھ اس سمت کا رخ کیا جہاں کریم اور شیخ علی خان دونوں اپنے لشکر کے طبیبوں کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے۔

رضا قلی آگے بڑھ کر سب سے پہلے باری باری انتہائی پُرجوش انداز میں کریم خان اور شیخ علی خان سے گلے ملا۔ اس موقع پر انتہائی انکساری اور ارادت مندی میں رضا قلی، کریم خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کریم خان! یقیناً تم جیسے جوان ہی دشمنوں کے کھردرے کردار کی ترتیب درست کر کے اس کے قلب ونظر کی تطہیر کر دیتے ہیں۔ تم جیسے جوان ہی دشمن کے ارادے اور خواہش میں تمدن کی طوفانی کمند کی طرح وارد ہوتے ہوئے تشنہ خوابوں کی تعبیروں میں ظفر مندی، امیدوں اور خواہشوں کو ثمر آوری عطا کر دیتے ہیں۔

میرے بھائی! ان میدانوں میں تیری زیست کی تلاطم خیز تدبیروں جیسی سجاعت، نیلے بحر میں طوفانوں کی طرح اٹھتے طوفانوں جیسی تیری دلیری، رگوں میں اداسیاں، سناٹوں میں گونجیں، وقت کے گہرے ساغر کی اتھاہ خاموشیوں میں موت کے المناک مناظر بھر دینے والی تیری بہادری اور رگ رگ سے خون چوس لینے والے عذابوں کی دھاروں جیسی تیری جنگی ہنرمندی کو سلام پیش کرتا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی رکا، پھر وہ دوبارہ کریم خان کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''کریم خان! کاش میرے پاس اس سے بہتر الفاظ ہوتے تو وہ بھی میں پھول کلیوں کی طرح تم پر نچھاور کر دیتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی جب خاموش ہوا تو اس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے روزبہ بول اٹھی تھی۔

''بھائی رضا قلی! آپ اکیلے ہی بولتے جائیں گے یا کریم خان کو مخاطب کرنے کے لئے کسی اور کو بھی موقع دیں گے؟''

اس موقع پر نہ صرف رضا قلی بلکہ کریم خان نے بھی اچنبھے پن سے روزبہ کی طرف دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ رضا قلی بول اٹھا۔

''تو گویا تم بھی کریم خان کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ جبکہ میں نے سن رکھا ہے کہ کریم خان اور تم دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہو۔ دونوں کو ایک دوسرے کے مزاج اور ایک دوسرے کی طبیعت سے اختلاف ہے۔''

اس موقع پر روزبہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ کریم خان، رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''شاید آپ کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے۔ اس سے پہلے اس خاتون سے میری صرف ایک ملاقات ہو چکی ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ آپ کی بیوی الایہ کی چھوٹی بہن ہے۔ لیکن کبھی بھی میں نے اس کے مزاج، اس کی طبیعت سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کسی سے نہیں کیا۔ جہاں تک میرے مزاج سے متعلق اس خاتون کے اظہار کا تعلق ہے تو اس کا یہ حق رکھتی ہے۔ ہر انسان کے دوسرے کے متعلق مختلف خیالات ہیں۔ ہوسکتا ہے جو خیالات آپ کے میرے متعلق ہوں وہ میرے عرب ساتھی سالار شیخ علی خان کے نہ ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو ارادت مندی اور عقیدت شیخ علی خان مجھ سے رکھتا ہو ایسی عقیدت رکھنے کا کوئی روادار نہ ہو۔ یہ تو اپنے اپنے سلوک اور اپنے اپنے رویے کی بات ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب رضا قلی بول اٹھا۔

''کریم خان! میں تمہاری بات نہیں کرتا۔ نہ ہی میں نے روزبہ کے متعلق تمہارے خیالات کسی سے سنے ہیں۔ ہاں میں روزبہ کی بات ضرور کرتا ہوں کہ روزبہ یقیناً تمہارے خلاف ہے بلکہ ایک اچھے موقع پر روزبہ نے اعلانیہ اور صاف طور پر مجھ سے کہا تھا کہ یہ کریم خان کسی دور افتادہ، غیر تمدن یافتہ اور اجڈ علاقے سے تعلق رکھتا ہے اور اسے بڑے لوگوں سے گفتگو کرنے کی تمیز اور سلیقہ نہیں ہے۔''

رضا قلی کی اس بے باکانہ گفتگو سے روزبہ کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا اور وہ کھا جانے والے انداز میں رضا قلی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

اس موقع پر وہ رہ نہ سکی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے رضا قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی! لگتا ہے آپ میرے اور اپنے سالار کریم خان کے درمیان جھگڑا، دنگا اور فساد کرانا چاہتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رضا قلی نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا اور اس کی بات کو وہیں رہنے دیتے ہوئے وہ دوبارہ بول اٹھا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! پہلے یہ بتاؤ کہ جب تم اپنے مخبروں کی رہنمائی میں اپنے حصے کا لشکر لے کر کوہستانی سلسلے میں داخل ہوئے تو وہاں افغانوں کے کسی لشکر سے تمہارا ٹکراؤ ہوا تھا؟''

اس موقع پر حیرت سے رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان بول اٹھا۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں.....''

کریم خان بات مکمل نہ کر سکا۔ اس لئے کہ رضا قلی پھر بول اٹھا۔

''بھائی! پہلے یہ بتاؤ کہ کوہستانی سلسلے کے اندر کسی افغان دشمن سے تمہارا ٹکراؤ ہوا تھا؟''

اس پر ہلکی سی مسکراہٹ کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی، پھر وہ کہنے لگا۔

''رضا قلی! اگر آپ تفصیل ہی جاننا چاہتے ہیں تو سنیں۔ ہمارے مخبروں نے آدھا اور ادھورا کام کیا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ خبر دی گئی تھی کہ جو سامنے کوہستانی سلسلہ ہے اس سے اس پار کچھ وادیاں ہیں جہاں افغان لشکر گردش میں ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہتے تھے کہ اس کوہستانی سلسلے کو پار کر کے ان وادیوں میں داخل ہوں گے اور افغان لشکر سے ٹکرائیں گے لیکن اس میدان میں پہنچنے کے بعد میں نے از خود احتیاط سے کام لیتے ہوئے آپ سے لشکر کو روکنے کے لئے کہا تھا۔ لشکر جب رک گیا تب اس کے تھوڑی دیر بعد ہمارے مخبر بھی پہنچ گئے اور انہوں نے دوسری یہ اطلاع دی کہ سامنے جو شاہراہ ہے، جو کوہستانی سلسلے سے گزر کر آگے وادیوں میں نکلتی ہے، اس شاہراہ کے

بائیں کنارے افغانوں کا ایک لشکر گھات لگا چکا ہے۔

چنانچہ ان کی اسی اطلاع کے بعد کچھ مخبروں کی رہنمائی میں، میں کوہستانی سلسلے میں داخل ہوا۔ تھوڑا سا آگے جا کر مخبروں نے جب اطلاع دی تو میں نے دیکھا وہاں واقعی افغانوں کا ایک لشکر تھا۔ میں پشت کی طرف سے اس پر حملہ آور ہوا۔ کچھ دیر تک ہمارا ان سے ٹکراؤ ہوا۔ میں اس افغان لشکر کو شکست دینے میں کامیاب رہا اور جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو میں اور شیخ علی خان نے کچھ دور تک ان کا تعاقب کر کے ان کی تعداد کو مزید کم کر دیا تا کہ وہ پھر کبھی ہمارے لئے خطرے کا باعث نہ بنیں۔

یہاں بھی ہمارے مخبروں نے آدھا اور ادھورا کام کیا۔ اس لئے کہ جس شاہراہ سے کوہستانی سلسلے کو عبور کر کے ہم نے دوسری وادیوں کی طرف جانا تھا اس شاہراہ کے دائیں کنارے بھی افغانوں کا ایک لشکر گھات میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے مخبروں نے اس کی نشاندہی نہیں کی تھی۔ چنانچہ جب میں کوہستانی سلسلے میں داخل ہونے کے بعد بائیں جانب کے افغان لشکر پر حملہ آور ہوا تو دائیں جانب کا افغان لشکر گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ لشکر کوہستانی سلسلے سے نکل کر وادیوں میں تم لوگوں پر حملہ آور ہوا۔ شاید تم پر یہ حملہ اچانک تھا جس کی بناء پر تم مقابلہ نہ کر سکے اور پشت کے کوہستانی سلسلوں میں پناہ لینے میں مجبور ہوئے۔ بس یہ ہے وہ تفصیل جو میرے خیال میں آپ مجھ سے جاننا چاہتے ہیں۔ پر یہ تو کہیں آپ کو کیسے شک گزرا کہ میرا ٹکراؤ کوہستانی سلسلے کے اندر کسی افغان لشکر سے ہوا ہے کہ نہیں؟''

جواب میں رضا قلی نے کچھ سوچا۔ اس موقع پر روزبہ گھورنے کے انداز میں رضا قلی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رضا قلی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور بڑے بھولے پن سے کہنے لگا۔

''یہ اطلاع بھی مجھے روزبہ نے دی۔ جس وقت کریم خان میرے بھائی! تم نے افغانوں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اپنے پڑاؤ کی حفاظت کی، افغان لشکر کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بچے کھچے افغان لشکری بھاگ کھڑے ہوئے اس وقت ہم کوہستانی سلسلے سے نکلے تھے۔ اس موقع پر میں نے تمہاری تعریف کی تھی کہ تم کوہستانی سلسلے کے اندر بھی افغان دشمن سے نمٹنے کے بعد وادی میں ہماری مدد کے لئے پہنچ گئے ہو۔ لیکن روزبہ نے کہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ کریم خان کوہستانی سلسلے کے اندر

ایک افغان لشکر کو ٹھکانے لگانے کے بعد اتنی جلدی باہر نکلے پھر ہماری مدد کو بھی پہنچ جائے۔ اس کا خیال تھا کہ کریم خان اور شیخ علی یونہی کوہستانی سلسلے کے اندر سرگرداں رہے ہیں۔ انہیں کوئی افغان لشکر وہاں نہیں ملا۔ بلکہ جس افغان لشکر کی تلاش میں وہ گئے تھے وہ ان دونوں کو جُل دے کر کوہستانی سلسلے سے نکل کر ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہو گیا اور جب کوہستانی سلسلے کے اندر کوئی افغان لشکر نہ ملا تو تم اپنے لشکر کے ساتھ کہستانی سلسلے سے نکل کر ہمارے پڑاؤ کو لوٹنے والے افغان لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔

رضا قلی جب خاموش ہوا تب ایک غائر نگاہ لمحہ بھر کے لئے کریم خان نے حسین اور خوبصورت روزبہ پر ڈالی، پھر اپنا رخ پھیرتے ہوئے اور اپنی نگاہیں رضا قلی کے چہرے پر جماتے ہوئے کہنے لگا۔

''محترم رضا قلی! میں عورتوں کے معاملات میں کچھ زیادہ دخل اندازی نہیں کیا کرتا۔ اگر روزبہ کے یہ خیال ہیں تو مجھے ان سے کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ اگر روزبہ میری کارگزاریوں کی نفی کر کے میری کردار کشی کرنا چاہتی ہے تو میرے عزیز بھائی! اس سے فرق کوئی نہیں پڑتا۔ میرا خدا کسی کی کردار کشی نہ کرے۔ بندہ بندے کے خلاف کیا کرے گا۔ اگر کوئی کردار کشی کرتا بھی ہے تو میرے عزیز بھائی! دیکھنے والوں کی نگاہ تو کام کرتی ہے۔ لہٰذا میں جو کام کر رہا ہوں یا جس کارکردگی کا میں مظاہرہ کرتا ہوں وہ میں روزبہ کی خوشنودی کے لئے نہیں کرتا۔ یہ کام میرے فرائض میں شامل ہے جنہیں پورا کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ سو میرے عزیز اور محترم بھائی! روزبہ اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں آزاد ہے۔ میرے بھائی! یہ بھی تو سوچو، روزبہ نے میرے متعلق کہا تھا کہ میں غیر تمدن یافتہ، اجڈ، جاہل علاقے کا رہنے والا ہوں اور مجھے بڑے لوگوں سے گفتگو کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ تو یہ بھی اس نے کوئی غلط نہیں کہا تھا۔ میں نے اپنا بچپن بحیرہ خزر کے کناروں کے دور افتادہ علاقوں میں گزارا۔ ہمارا قبیلہ وہاں موغان اور ویلم کے درمیانی حصوں میں زیادہ عرصے تک خانہ بدوشانہ زندگی ہی بسر کرتا رہا تھا۔ اس لئے کوئی بھی کسی خانہ بدوش کو ترقی یافتہ اعلیٰ تمدن کا مالک اور گفتگو میں شائستہ تو نہیں کہنے لگا۔ میرے خیال میں ہمیں اب باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ یہ جو لشکری کام میں مصروف ہیں ان کے ساتھ مل کر ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔''

اس پر رضا قلی وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم قہر بھرے انداز میں روزبہ بول

اٹھی اور کہنے لگی۔

''نہیں، ابھی نہیں۔ میرے بھائی رضا قلی نے کچھ شبہات اور ابہام ڈال دیئے ہیں۔ کریم خان! جن خیالات کا اظہار رضا قلی نے کیا ہے یقیناً میں نے شروع میں یہ الفاظ آپ سے متعلق استعمال کئے تھے لیکن میں اب شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں۔ مجھے پہلے آپ کے حالات کا علم نہیں تھا۔ لیکن اصفہان سے خراسان کی طرف آنے سے پہلے میں اپنی بہن الایہ کے ہاں گئی تھی اور اس کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ وہاں الایہ نے مجھ پر انکشاف کیا کہ کیسے آپ کے قبیلے پر قاچاریوں نے حملہ کیا اور آپ کے ماں باپ کے علاوہ آپ کے دیگر لواحقین کا بھی قتل عام ہوا اور پھر آپ انتہائی بے بسی کے عالم میں.....''

یہاں تک کہتے کہتے روزبہ کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اپنا ہاتھ آگے کر کے ٹھاتے ہوئے روزبہ کو مخاطب کر کے کریم خان کہنے لگا۔

''بی بی! تمہیں اپنی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی میرے سامنے معذرت کرنے یا اپنے رویے پر افسوس کرنے کا اظہار کرنا چاہئے۔ سچائی، سچائی ہی ہوتی ہے۔ جو الفاظ تم نے میرے لئے استعمال کئے تھے تمہیں معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ میں کسی کے لئے کوئی محتسب تو نہیں لگا ہوا۔ لہٰذا جس طرح تم نے میری شخصیت کا جائزہ لے کر دوسرے کے سامنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، تم ایسا کرنے میں آزاد ہو۔ معذرت تو تم اس وقت طلب کرو جب میں نے تمہارے ان تاثرات پر کوئی اعتراض اور احتجاج کھڑا کیا ہو۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب روزبہ کہنے لگی۔

''نہیں، پہلے آپ میری پوری بات سنیں۔''

جواب میں کریم خان پلٹا اور رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے خیال میں ہمیں ایسی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔''

رضا قلی نے اس موقع پر کریم خان سے اتفاق کیا۔ وہ بھی وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا کہ اچانک ایک طرف سے دو سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں آئے۔ کریم خان اور رضا قلی کے پاس آ کر اُترے۔ رضا قلی انہیں پہچان گیا۔ وہ ان کے مخبر تھے۔ قریب آ کر وہ بڑے پُرجوش انداز میں سب سے ملے، پھر رضا قلی نے انہیں

مخاطب کیا۔

''میرے عزیز ساتھیو! کیا تم کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟''

اس پر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

''ہاں۔ ہم یقیناً ایک نئی خبر لے کر آئے ہیں۔ بغداد کے نواح میں آپ کے والد نادر قلی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور شکست خوردہ لشکر کے ساتھ وہ بغداد سے ہمدان کی طرف آئے ہیں۔ ہمیں انہوں نے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ اگر آپ اور کریم خان نے اپنی مہم کی تکمیل کر لی ہو تو وقت ضائع کئے بغیر نادر قلی سے جا ملیں۔ اور اگر ابھی تک آپ نے اپنی مہم کی تکمیل نہیں کی تو وقت ضائع کئے بغیر ان علاقوں میں سرگرداں افغانوں کا قلع قمع کر کے نادر قلی سے جا ملیں۔''

بغداد کے نواح میں نادر قلی کی شکست کا سن کر رضا قلی، کریم خان، شیخ علی خان اور دوسرے سالار افسردہ سے ہو گئے تھے۔ پھر سب وہاں سے ہٹے۔ سب زخمیوں کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔ آنے والی شب کو رضا قلی اور کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ وہیں قیام رکھا اور اگلے روز صبح ہی صبح وہ خراسان کی ان سرزمینوں سے جنوب کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔

بغداد میں ترک سالار توقل کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد گو نادر قلی ہمدان کی طرف چلا گیا تھا۔ نادر قلی کی بجائے کوئی اور ہوتا تو شاید اس کی ہمت جواب دے جاتی لیکن نادر قلی نے پہلے کی نسبت زیادہ سرگرمی سے اپنی تیاریاں شروع کیں اور اپنے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھانا شروع کی۔ لشکر کی تربیت کا کام بھی بڑے بہترین طریقے سے شروع کیا۔ چنانچہ اس شکست کا انتقام لینے کی غرض سے نادر قلی کو اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔

لشکر کی تربیت اور لشکر کی تعداد میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے جو سب سے پہلا اور اولین کام کیا وہ یہ کہ ان شکست خوردہ لشکر کی مذمت نہیں کی بلکہ یہ کہہ کر اس نے ان کی حوصلہ افزائی کی کہ آزمائش کے میدان میں کبھی کبھی جواں مردوں کو شکست کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ جواں مرد کہلانے کے وہی مستحق ہیں جو شکست کا بدلہ میدان میں چکائیں۔''

جنگی تیاریوں اور لشکریوں کا حوصلہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ اس نے مرنے والوں کے لواحقین کو مالی امداد بھی دی جن کو اس جنگ میں نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان کے نقصان کی اس نے تلافی بھی کی۔ زخمیوں کی دلداری کی اور جس طرح بھی ہوا اس نے اپنے لشکریوں اور سالاروں سے اس شکست اور ہزیمت کا انتقام لینے کا وعدہ بھی کیا۔

نادر قلی کے اس رویے نے اس کی شخصیت کو عظیم اور اس کی شجاعت اور ہمدردی کا شہرہ عام کر دیا۔ چنانچہ ایران کے جب مختلف صوبوں میں یہ خبریں پہنچیں کہ نادر قلی کو ترکوں کے سالار توقل کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اب نادر قلی اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے دن رات تیاریوں میں مصروف ہے تب ایران کے ہر ہر

صوبے سے نوجوان اٹھ کر نادر قلی کے لشکر میں شامل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس طرح صرف تین ماہ کے عرصے میں نادر قلی کے پاس ایک بہت بڑا اور جرار لشکر ہو گیا جسے اس نے پوری طرح مسلح اور خوب منظم کر لیا تھا۔

نادر قلی کے ذہن میں ابھی تک اپنی اس شکست کے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ چنانچہ جب اس نے اندازہ لگایا کہ اس کے لشکر کی تعداد ترکوں کے لشکر سے کہیں زیادہ ہو چکی ہے اور اب وہ بہتر اور نئے ساز و سامان کے ساتھ لیس بھی ہے۔ چنانچہ اس لشکر کے ساتھ وہ پھر دریائے دجلہ کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف ترکوں کا سالار توقل عثمان ابھی تک ان علاقوں ہی میں تھا۔ نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا لیلان کے میدانوں میں خیمہ زن ہو گیا۔ اس لئے کہ اسے خبریں پہنچ گئی تھیں کہ اس کی آمد کا سن کر عثمانی ترکوں کا سالار توقل عثمان بھی اپنے ایک لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے اس کا رخ کئے ہوئے ہے۔

توقل عثمان جب نادر قلی کے لشکر کے سامنے آیا تب نادر قلی نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کرنا شروع کر دی تھی۔ ترکوں کے سالار توقل عثمان نے بھی اندازہ لگایا تھا کہ اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی نادر قلی اس سے ٹکرانا چاہتا ہے لہٰذا وہ بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا تھا۔

حسب سابق نادر قلی نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ لشکر کے وسطی حصے میں وہ خود رہا۔ اس بار وہ اپنے بیٹے رضا قلی کو اپنے ساتھ نہیں لے کر آیا تھا چنانچہ لشکر کے وسطی حصے میں اس نے اپنے دونوں بھتیجوں علی قلی خان اور ابراہیم خان کو رکھا تھا۔ لشکر کے دائیں پہلو کی کمانداری کریم خان زند کے ہاتھ میں تھی اور عرب سالار شیخ علی خان اس کے معاون کی حیثیت سے اس کے ساتھ کام کر رہا تھا جبکہ لشکر کے بائیں پہلو کی سالاری علی مردان خان بختیاری کے ہاتھ میں تھی اور دوسرا عرب سردار عالم خان اس کی مدد کے لئے اس کے ساتھ تھا۔

صفیں درست کرنے کے ساتھ ساتھ نادر قلی نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ ترکوں کا سالار توقل خان جو لشکر لے کر آیا تھا اس کے لشکر سے نادر قلی کے لشکر کی تعداد کئی گناہ زیادہ تھی۔ توقل خان نے اپنے لشکر کی تقسیم نہیں کی۔ بس چھوٹے سالاروں کو اس نے کچھ ہدایتیں جاری کر دی تھیں۔ اس کے بعد وہ نادر قلی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو

گیا تھا۔

نادر قلی کے حوصلے بڑے بلند تھے۔ اس لئے کہ اس کے مقابلے میں اکیلا توقل خان تھا جبکہ نادر قلی کے ساتھ اس کے بہت سے سالار اور توقل سے بڑا لشکر تھا لہٰذا حملے کی ابتداء نادر قلی نے کی اور دلوں کو سکون سے خالی کرتی، کھولتی فضا کی پکار، تشنہ کامی کی فریاد سناتی اُمڈتی عقوبت خیزیوں اور دکھ کی میعاد بڑھاتے ہولناک اور بے باک عناصر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف ترکوں کے سالار توقل خان نے بھی تاخیر نہیں کی۔ وہ بھی شعور اور لاشعور پر ہیبت طاری کرتے سنسناتے تازیانوں، وصال وعدوں، ملن قصیدوں، خواہیوں کی سیخوں، چشم و نظر اور وارفتگی یادوں کی امربیل تک کو شوریدہ سری کی کسک کا شکار کرتی گرسنہ آندھیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے رگوں میں زنگ آلود خوف، لمحے لمحے میں اندیشے، ذرے ذرے میں خطرات، سنگ سنگ میں تباہی، حرف حرف میں بربادی کے قصے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دلوں میں طغیانیوں کے ولولے اور سینوں میں جوانی کے طوفان لئے بڑے بڑے تیغ زن، بڑے بڑے سورما رزم گاہ کی وارفتگی کا شکار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

جس وقت جنگ کی بھٹی اپنے عروج پر تھی اور وقت کی آنکھ یہ فیصلہ کرنے میں کامیاب نہ ہوئی تھی کہ کس لشکر کا پلہ بھاری ہو گا کہ نادر قلی کی خوش قسمتی اور ترکوں کے سالار اور ساتھ ہی ترک لشکریوں کی بدقسمتی کہ اس ٹکراؤ کے دوران سنسناتا ہوا ایک تیر ترکوں کے سالار توقل عثمان کو لگا۔ تیر زہریلا تھا۔ جس کی بناء پر توکل عثمان اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا۔

اپنے سالار کے مارے جانے سے ترک لشکری گو اپنے چھوٹے سالاروں کی کمانداری میں جنگ میں مصروف رہے لیکن لمحہ بہ لمحہ ان کی حالت اذیتوں میں رچی زرد رُتوں، پاؤں سے لپٹتی خونی مسافتوں، عقوبتوں کے سایوں، صدیوں کی تیرگی کے غبار اور اندھے غم آلود غاروں سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

چنانچہ نادر قلی نے ترکوں کے لشکر کی اسی حالت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے اپنے حملوں میں پہلے کی نسبت تیزی پیدا کر دی۔ اپنے لشکریوں کو بھی اس نے للکارتے

ہوئے پوری قوت سے حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ نادر قلی کی اس ترغیب پر اس کے لشکری بستی بستی اجاڑتی، گریہ گریہ ویران کرتی ہولناکی کے تلاطم کے رقصِ دمادم، رفاقت و وصال کو کچلتے اور پامال کرتے اذیتوں کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ترک لشکریوں کے اپنے سالار توقل عثمان کے مارے جانے کی وجہ سے پہلے ہی حوصلے پست ہو چکے تھے اور وہ شکستگی کا شکار تھے۔ چنانچہ جب نادر قلی نے اپنے حملوں میں پہلے کی نسبت مزید تیزی پیدا کی اور لشکر کو للکارتے ہوئے آگے بڑھنے کے لئے کہا، تب ترک لشکریوں نے اپنی عافیت اسی میں جانی کہ ان کا سالارِ اعلیٰ چونکہ جنگ میں کام آ چکا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ وہ میدانِ جنگ سے منہ پھیر کر اپنی جانیں بچائیں۔ چنانچہ ترکوں نے پسپائی کو قبول کیا اور میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

ترکوں کے میدانِ جنگ چھوڑنے سے نادر قلی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اس بات پر مطمئن اور خوش تھا کہ اس نے ترکوں کے ہاتھوں اپنی گزشتہ شکست کا بڑے احسن طریقے سے انتقام لیا ہے۔ لیلان کے میدانوں میں نادر قلی کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد شکست خوردہ ترک لشکری بغداد شہر کی طرف گئے تھے۔ اس لئے کہ بغداد شہر میں بھی ترکوں کا ایک چھوٹا سا لشکر موجود تھا جس کی کمانداری احمد پاشا کے ہاتھ میں تھی۔

اب نادر قلی کے حوصلے ایسے بلند ہو گئے تھے کہ اس نے تہیہ کر لیا کہ اب وہ بغداد شہر کی طرف بڑھے گا۔ وہ جانتا تھا کہ لیلان کے میدانوں سے نکل کر بغداد کی طرف جانے والے شکست خوردہ ترک لشکریوں کی وجہ سے بغداد شہر میں موجود ترکوں کا سالار احمد پاشا بغداد شہر سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ نادر قلی نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر بغداد شہر کا محاصرہ کرے گا اور محاصرے میں ایسی سختی، ایسی شدت پیدا کرے گا کہ بغداد میں جو ترکوں کا لشکر اور سالار احمد پاشا ہے وہ بغداد شہر نادر قلی کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

چنانچہ اپنے انہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے نادر قلی نے لیلان کے میدانوں سے کوچ کیا۔ اپنے لشکر کے ساتھ اب اس نے بڑی برق رفتاری سے بغداد شہر کا رخ کیا تھا۔

نادر قلی بغداد کی طرف جاتے ہوئے ابھی راستے ہی میں تھا کہ سامنے کی طرف

سے کچھ گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے۔ انہیں دیکھتے ہی نادر قلی کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ اس موقع پر نادر قلی کے دائیں بائیں اس کے سالاروں میں سے کریم خان، شیخ علی خان، عالم خان، علی مردان خان بختیاری، علی قلی خان، ابراہیم خان بھی موجود تھے۔ جب وہ سوار نزدیک آئے تب نادر قلی ان کو پہچان گیا۔ وہ اس کے مخبر تھے۔

نادر قلی پریشان ہو گیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ آنے والے بغداد سے نہیں بلکہ ایران کی طرف سے آئے ہیں۔ لہٰذا وہ ضرور اس کے لئے کوئی انتہائی اہم یا بری خبر ہی لے کر آئے ہوں گے۔ چنانچہ جونہی وہ مخبر قریب آ کر اپنے گھوڑوں سے اُترے اور نادر قلی کو انہوں نے تعظیم دی۔ تب نادر قلی نے انہیں مخاطب کیا۔

''عزیز ساتھیو! کیا تم کوئی زیادہ ہی اہم خبر لے کر آئے ہو؟''

جواب میں آنے والوں میں سے ایک نادر قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم واقعی آپ کے پاس ایک بری خبر لے کر آئے ہیں۔ فارس میں مرزا محمد تقی خان بلوچ بغاوت اور سرکشی اختیار کر چکا ہے۔ وہ اندر ہی اندر ایک لشکر تیار کرتا رہا تھا جس کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی تھی۔ اور جب آپ نے بغداد کا رخ کیا تب اس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اس نے سرِ عام بغاوت اور سرکشی اختیار کی۔ بہت سے علاقوں کو اس نے کچل کر پامال کر دیا ہے۔ آپ کے بیٹے رضا قلی نے ایک لشکر کے ساتھ اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ لیکن مرزا محمد تقی خان بلوچ نے آپ کے بیٹے رضا قلی کو شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر رکا، پھر دوبارہ وہ نادر قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اگر آپ نے ایران کی طرف جانے سے تاخیر سے کام لیا تو یاد رکھئے گا آپ کے بیٹے رضا قلی کو پسپا کرنے کے بعد اب باغی سردار مرزا محمد تقی خان کے حوصلے بلند ہو چکے ہیں اور وہ اصفہان کی طرف پیش قدمی کرے گا۔ اصفہان میں اس وقت عباس ہے۔ وہ نہ جنگ کا تجربہ رکھتا ہے اور نہ ہی اس نے آج تک کسی جنگ میں حصہ لیا ہے نہ اس میں ایسا کوئی تدبر ہے۔ لہٰذا اگر باغی سردار محمد تقی خان نے اصفہان کا رخ کر لیا تو اصفہان میں اس وقت کوئی طاقت نہیں جو محمد تقی خان کی راہ روکے۔ اس لئے کہ آپ کے بیٹے رضا قلی نے محمد تقی خان کے ہاتھوں پسپائی اختیار کرنے کے بعد گمنام علاقے

میں اپنے لشکر کو فی الحال محفوظ کر لیا ہے۔ شاید وہ بھی آپ ہی کی آمد کا منتظر ہو گا۔"

مخبروں کی ساری گفتگو سننے کے بعد نادر قلی کچھ دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ اس موقع پر کریم خان اپنے گھوڑے پر سوار نادر قلی کے دائیں جانب بڑے غور سے نادر قلی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نادر قلی نے گردن سیدھی کی۔ ایک گہری اور غائر نگاہ اس نے کریم خان پر ڈالی، بڑی شفقت میں اسے مخاطب کیا۔

"بچے! جو کچھ مخبروں نے کہا ہے تُو نے بھی سنا۔ تیرا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

ہلکا سا تبسم اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

"میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ اس موقع پر آپ کو کوئی مشورہ دوں۔ اس لئے کہ آپ کا فیصلہ ہی ہمارے لئے آخری ہوا کرتا ہے۔ پھر بھی جب آپ نے پوچھا ہے تو میں آپ سے گزارش کروں گا کہ ہم ترکوں سے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے ان علاقوں کی طرف آئے تھے۔ ہم اپنا یہ فریضہ پورا کر چکے ہیں۔ شکست کا انتقام لے چکے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اب بغداد کا رخ کرنے کی بجائے واپس جانا چاہئے اور باغی سردار محمد تقی خان سے نمٹنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بغداد کا محاصرہ کر کے یہیں الجھے رہیں اور ادھر باغی سردار محمد تقی اپنا کام کر جائے اور ایسی صورت میں ہم بغداد میں بھی ناکام رہیں اور اصفہان بھی ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہے۔"

کریم خان کے ان الفاظ پر نادر قلی نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے لشکر کا رخ موڑا۔ اب اپنے مخبروں کے ساتھ وہ بغداد کی طرف جانے کی بجائے بڑی برق رفتاری سے ایران کا رخ کر رہا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے بغداد کے حاکم احمد پاشا سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔

***

تقی خان نے فارس کے گرد و نواح میں علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اس نے نادر قلی کے لشکر سے بھی بڑا لشکر تیار کر لیا تھا۔ تقی خان ایران پر حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اسے یہ خبر ہو چکی تھی کہ نادر قلی اپنے لشکر کے بڑے حصے کو لے کر بغداد کا رخ کئے ہوئے ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ نادر قلی کے بعد کوئی اتنا بڑا سالار موجود نہیں جو اس کی راہ روکے گا۔ اور پھر اس نے نادر قلی کے بیٹے رضا قلی کو بھی اس ٹکراؤ کے نتیجے میں

شکست دے دی تھی۔ جس کی بناء پر تقی خان کے حوصلے مزید بڑھ گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ اب ایران کی حکومت حاصل کرنے میں کوئی قوت اس کے سامنے رکاوٹ نہیں بنے گی۔ اپنے انہی خیالوں کے تحت وہ اپنے لشکر میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ بڑی تیزی سے رسد اور دوسری ضروریات کا سامان بھی کرنے لگا تھا تاکہ اپنے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے وہ اصفہان کی طرف پیش قدمی کرے اور اصفہان میں برائے نام اور نام نہاد بادشاہ عباس کو شکست دے کر اس کا خاتمہ کر کے ایران کا بلا شرکت غیر بادشاہ بن بیٹھے۔

تقی خان ابھی اپنی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ نادر قلی بڑی برق رفتاری سے بغداد کے نواح سے حرکت میں آیا۔ منزل پر منزل مارتا ہوا وہ فارس اور شیراز شہر کے درمیان کھلے میدانوں میں پہنچا جہاں اس وقت تقی خان نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ قائم کر رکھا تھا۔

ان میدانوں کے اندر ایک چوراہا تھا جہاں مختلف شہروں کو شاہراہیں نکلتی تھیں۔ ایک شاہراہ شمال کی طرف یزد شہر کی طرف چلی گئی تھی۔ دوسری مشرق کی سمت کرمان شہر کا رخ کرتی تھی اور تیسری مغرب کے رخ پر بل کھاتی ہوئی بصرہ شہر کی طرف جاتی تھی اور چوتھی شاہراہ بالکل جنوب میں خلیج فارس کی طرف چلی گئی تھی۔

چنانچہ نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ فارس شہر اور شیراز کے درمیان اس جگہ پہنچا جہاں تقی خان اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ یہ ایک ایسا میدان تھا جس کے تین اطراف میں بڑے بڑے شہر تھے۔ شمال میں فارس شہر تھا۔ جنوب میں شیراز اور مشرق میں استخر پڑتا تھا۔ نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ جب تقی خان کے سامنے پہنچا تو ایک طرف سے اچانک برق رفتاری سے حرکت کرتا ہوا نادر قلی کا بیٹا رضا قلی بھی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ اپنے باپ نادر قلی کے پاس آن پہنچا تھا۔

اس طرح نادر قلی کو اپنے بیٹے کے آ جانے کی وجہ سے کچھ تقویت ملی تھی۔ رضا قلی کے ساتھ اس کی بیوی کے علاوہ دوسرے لشکریوں کی اور سالاروں کی بیویاں بھی تھیں اور رضا قلی کی بیوی الایہ کی بہن روزبہ بھی اس لشکر میں شامل تھی۔

جب رضا قلی اور نادر قلی دونوں باپ بیٹا ملے تب رضا قلی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے نادر قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اے میرے باپ! آپ کی غیر موجودگی میں، میں نے اس تقی خان کو روکنے اور اسے مار بھگانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس کے مقابلے میں میرے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی جس کے نتیجے میں یہ تقی خان مجھ پر غالب رہا اور میں اپنے بچے کھچے لشکر کو لے کر ایک طرف اسے تحفظ دینے کے لئے لے گیا۔''

اس سے پہلے کہ رضا قلی مزید کچھ کہتا، مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹتے ہوئے نادر قلی بول اٹھا۔

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میں یہاں آ کر تقی خان کے لشکر کا جائزہ لے چکا ہوں۔ اور اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنا یقیناً تمہارے بس کی بات نہیں تھی.....''

یہاں تک کہتے کہتے نادر قلی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ تقی خان اور اس کے سالار جہاں اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے، وہاں ان کے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل بھی بجنا شروع ہو گئے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے نادر قلی نے بھی اپنے لشکر کی صفیں استوار کرنا شروع کی تھیں۔

چونکہ نادر قلی اور اس کے بیٹے رضا قلی کے لشکر میں عورتیں بھی شامل تھیں لہٰذا لشکر کے پیچھے پڑاؤ قائم کیا گیا۔ لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر کے پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کیا گیا اور اس لشکر کا سالار عرب سالار عالم خان کو بنایا گیا اور کریم خان کے دونوں بھائی ذکی خان اور صادق خان کو اس کے ساتھ رکھا گیا۔ باقی لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ حسب سابق وسطی حصہ نادر قلی نے اپنے پاس رکھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کے علاوہ اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی اس نے قلب لشکر ہی میں رکھا لشکر کا دایاں حصہ کریم خان کی کمانداری میں دیا گیا اور حسب سابق شیخ علی خان کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ بائیں پہلو کی کمانداری اس بار ایک نامور سالار آزاد خان افغان کو سونپی گئی جبکہ علی مردان خان بختاری کو اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے ساتھ رکھا گیا تھا۔

جس وقت نادر قلی اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کی تقسیم کا کام مکمل کر کے صفوں کو استوار کر رہا تھا اس موقع پر اپنے لشکر کے سامنے گھوڑے پر سوار باغی سردار تقی خان اپنے منہ کے سامنے لکڑی کا ناشر الصوت رکھتے ہوئے بلند آواز میں نادر قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نادر قلی! تم ایران پر حکومت کرنے کے قابل نہیں تھے۔ لیکن تم نے زبردستی

حکمران بننے کی کوشش کی ہے۔ مملکت پر حکومت کرنے کا اصل حقدار طہماسپ تھا جسے تو نے حکومت سے معزول کر کے خراسان میں ایک طرح سے نظر بند کر رکھا ہے اور اس کے بیٹے کو برائے نام بادشاہ بنا کر مملکت کے سارے اختیارات تم نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے ہیں اور عباس کی حیثیت ایران میں شطرنج کے ایک بے فائدہ مہرے جیسی بھی نہیں ہے۔

نادر قلی! تم اپنی اوقات کو بھول گئے ہو۔ تم گڈریئے تھے، ریوڑ ہی چراتے رہتے تو اچھا تھا۔ اگر تمہیں یہ کام پسند نہیں تھا تو بعد میں تم راہزن اور لٹیرے بھی رہے۔ یہ پیشہ بھی تمہارے مزاج اور تمہاری طبیعت کے مطابق تھا لہٰذا تمہیں اسی پر جمے رہنا چاہئے تھا۔ اگر تمہیں وہ کام بھی ناپسند تھا تو پھر تمہارے باپ کا بھی ایک کام تھا۔ وہ پوستینیں بنا کر بیچا کرتا تھا۔ اگر تمہیں کسی کام میں بھی کامیابی نہ ہو رہی تھی تو ظالم! اپنے باپ کی طرح پوستینیں بنا کر ہی بیچنا شروع کر دیتا۔ یہ تم نے گڈریئے ہو کر ایران کا حکمران بننے کے خواب کیوں دیکھنا شروع کر دیئے؟

اب تک جو کچھ تُو حاصل کر چکا سو کر چکا۔ اب اس سے آگے مرغی کے پتلے شوربے کی طرح پھیلنے کی کوشش مت کرنا۔ اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھنا کاٹ دیئے جاؤ گے۔ جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے میرے لشکر کا بھی جائزہ لو۔ اپنے لشکر پر بھی نگاہ دوڑاؤ۔ جو لشکر تم لے کر آئے ہو، کیا تمہیں ان سارے لشکریوں کی جانیں عزیز نہیں ہیں؟ کیوں انہیں میرے لشکریوں کے ہاتھوں مروانے پر تلے ہوئے ہو؟ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ جو لشکر اس وقت تمہارے ساتھ ہے، اسے دے دلا کر منتشر کر دو۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو ان لشکریوں کو میرے لشکر میں شامل کر دو۔ میں ان کے روزینے انہیں خوب دوں گا۔ ایران کی حکومت میرے حوالے کر دو۔ موجودہ نام نہاد بادشاہ عباس کو اس کے باپ طہماسپ کے پاس خراسان بھیج دو۔ تم خود بھی ابیورد چلے جاؤ جہاں شروع میں چھوٹی سی ایک حکومت تمہیں ملی تھی۔ اور تم وہی چھوٹی سی حکومت چلانے کے قابل ہو۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر اس پر عمل نہیں کرو گے تو یاد رکھنا ان میدانوں میں تمہیں شکست دے کر تمہاری حالت وہ کروں گا جو زمانے بھر کے لئے عبرت خیزی کا سماں باندھ کر رکھے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد تقی خان خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے لشکر سے اس

کا ایک تیغ زن اور سورما اپنے سرکش گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے درمیان آیا تھا، پھر بلند آواز میں نادر شاہ کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے انفرادی مقابلے کے لئے اپنا مدمقابل مانگا تھا۔

اس پکار کے جواب میں نادر قلی کے سارے سالار انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے لپکے تھے اور نادر قلی سے اجازت طلب کرنے لگے تھے۔

نادر قلی نے سب کا جائزہ لیا۔ آخر میں اس کی نگاہیں کریم خان زند پر جم گئی تھیں۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بیٹے! اس انفرادی مقابلے کے لئے میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ تم انفرادی مقابلے کے لئے نکلنے والے تقی خان کے اس لشکری سے خوب نمٹو گے۔''

کریم خان نے مسکراتے ہوئے اپنے انتخاب پر نادر قلی کا شکریہ ادا کیا۔ پہلے چند بار اس نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ تھپتھپائی، پھر جب اس نے اپنی آہنی مہمیز گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کے قریب لگائی تب وحشیانہ انداز میں گھوڑا ہنہنایا۔ پھر میدان کے وسطی حصے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

تقی خان باغی کی طرف سے انفرادی مقابلے کے لئے نکلنے والے تیغ زن کے سامنے جا کر کریم خان نے اپنے گھوڑے کو روکا، اپنی تلوار اور ڈھال پہلے ہی اس نے سنبھال رکھی تھی۔ جب وہ اپنے مدمقابل کے سامنے گیا تب اس کا مدمقابل جو باغی تقی خان کے انتہائی قابل اعتماد سالاروں میں سے تھا، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرا نام یوطاش ہے۔ میں تقی خان کے لشکر میں اس کے سارے سالاروں میں سے سرِفہرست ہوں۔ دشتِ کویر کا رہنے والا ہوں۔ اب تم ذرا اپنے متعلق کچھ کہو۔ اس لئے کہ میں نے اپنے متعلق تمہیں تفصیل کہہ دی ہے۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

''میرا نام کریم خان ہے۔ زند قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا قبیلہ خانہ بدوش ہے۔ مستقل رہائش رکھنے کے ہم قابل نہیں ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب رکا تو اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر یوطاش طنزیہ سے انداز میں کہنے لگا۔

''اس گدڑیے نادر قلی نے آخر تمہیں انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے کیوں اتار دیا؟ کیا تمہاری اس سے کوئی دشمنی، کوئی عناد ہے کہ اس نے تمہیں قربانی کا بکرا بننے کے لئے میدان میں اتارا ہے؟''

یوطاش جب خاموش ہوا تب کسی قدر خفگی میں کریم خان اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا تُو کوئی آتش فشانی لاوے کا اُبلتا ہوا سمندر اور رنج و غم کی دہکتی آگ ہے کہ تیرے ساتھ مقابلے کے لئے کسی کو نہیں اتارا جا سکتا؟''

کریم خان یہیں تک کہنے پایا تھا کہ یوطاش نے ایک ہولناک قہقہہ لگایا، پھر قدرے بلند آواز میں کہنے لگا۔

''تُو نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ میں وہ جوالا مکھی، وہ زہر ہوں جو تخریب اور ویرانی کا عادی ہوتا ہے۔ اذیت کوشی کے دشت میں جب میں اپنے مدمقابل پر بے چین شراروں کے خروش، اذیت آشنا لہروں کے ہیجان کی طرح وار ہوتا ہوں تو اس کی راتوں کو سنسان، ویران بنا کر رکھ دیتا ہوں۔ بڑے بڑے پتھریلے ارادے رکھنے والے تیغ زنوں کے میں نے دفاع کے آخری بند توڑ دیئے ہیں۔ سن میرے مقابلے پر آنے والے! میں جب مقابلے کے دوران تیرے کندھے پر صدیوں کی خونی رکاوٹوں کا بوجھ ڈالوں گا تو یاد رکھنا تیری زندگی کے کشکول میں بدحالی اور رنجیدہ لمحوں کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ سن کریم خان! جب میں قہر جان خوف سے زیادہ ہولناک ماورائی عناصر کی نادیدہ یلغار سے زیادہ وحشت ناک اور زندگی کی آخری سرحدوں کو بھی نا آسودہ کر دینے والے ولولوں کے تلاطم کی طرح تجھ پر وارد ہوں گا تو تیرے سامنے صرف دو راستے رہ جائیں گے۔ اول یہ کہ تُو مجھ سے مقابلہ ترک کر کے اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہو۔ دوئم یہ کہ اپنی جان اور اپنے جسم کے تعلق اور ربط سے محروم ہو جائے۔''

یوطاش جب خاموش ہوا تب بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''تیری گفتگو سے لگتا ہے کہ آج تک تیری جاں افروز روشنی کو کسی نے صدیوں پرانی کھنڈروں کی تاریکی میں تبدیل نہیں کیا۔ تیرے کامیاب لمحوں کی خوفناک حدت کو کبھی ماتم اور آہوں بھری ناکامیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یوطاش! باتیں بنانا بڑا آسان

ہے۔ جب تیرا میرا ٹکراؤ ہو گا تو یاد رکھنا تیری جواں مردی کی ساری چمک، تیرے شوق کی ساری آنچ، نظر نظر فریب کھڑے کرتی تیری شجاعت کو میں جیون کے اندھے ساگر زندگی کی گراں مسافتوں میں گھسیٹتا چلا جاؤں گا۔ تیری سانسوں میں لرزاں درد کے نشتر بھر دوں گا۔ تیری ذات کو قضا کے گونجتے غاروں میں بے چہرگی کے المیوں سے دوچار کر دوں گا۔

یوطاش! آ، آپس میں ٹکرائیں، وقت ضائع نہ کریں۔ اس لئے کہ دونوں لشکر اب ہم دونوں کے انفرادی مقابلے کی ابتداء کے لئے بڑی بے چینی سے منتظر ہیں۔ اور جب ہم مقابلہ شروع کریں گے تو پھر دونوں ہی طرف کے لشکر اس مقابلے کے نتیجے کا بھی بڑی بے چینی سے انتظار کریں گے۔ لہٰذا دونوں لشکروں کو اس انتظار کوشی سے بچانے کے لئے ہمیں فی الفور مقابلے کی ابتداء کرنی چاہئے۔ تاکہ اس مقابلے کا انجام فی الفور لوگوں کے سامنے آ سکے۔"

یوطاش نے کریم خان کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے سامنے اس نے اپنی تلوار اور ڈھال لہرائی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ آگ میں کھیلتی، خون میں نہاتی قوتوں ہر موڑ پر وحشت کھڑی کرتی شوریدہ لہروں، دلوں کی دھڑکنوں کو بے ربط کرتی کھولتے وقت کی ہولناک ویرانیوں کی طرح کریم خان پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف کریم خان نے بھی ہر شے کو خمیدہ کرتے قانونِ فطرت کے تحت کام کرنے والے آفاق گیر محافظوں کی طرح اپنے کام کی ابتداء کی تھی۔ پھر وہ بھی موت کو لگام ڈالتی وقت کی بدترین اسیری، دلوں میں گرہیں لگاتے کرب، بے سنگِ میل خونی استوار کرتے خون آلود جذبوں کی خوف ناکی، خشمگیں عناصر کی طرح بھڑکتے آتش پنہاں کے شراروں اور آفتِ جاں بنتی کوہستانوں کی جھلستی برق اور مقدر کے بدترین اضطراب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک یوطاش اور کریم خان دونوں ایک دوسرے پر شور کرتے خونی لمحوں، وقت کی ان گنت اُلجھتی لہروں، کھولتی آتش زنی اور خون ریزی، بے قرار آرزوؤں کے سرسام، صحرا میں اٹھنے والی آندھیوں اور طوفانوں کے سوداگروں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے۔

کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا۔ پھر دیکھنے والوں کی آنکھ نے دیکھا یوطاش اب اُلٹے

پاؤں پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ جو اس بات کی نشاندہی تھی کہ کریم خان نے اسے مقابلے کے دوران تھکا دیا ہے۔ کریم خان یہ صورتِ حال بھانپ چکا تھا لہٰذا اس نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی۔ اور جب اس نے دیکھا کہ یوطاش نڈھال ہو رہا ہے تب اس نے ایک جھٹکا دے کر یوطاش کو پیچھے ہٹا دیا۔ ساتھ ہی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تیری تیغ زنی کی ہنرمندی دیکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تُو اب تک حسیناؤں کے گلابی بدن اور صندلی بانہوں میں زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ تجھے تیغ زنی اور تیراندازی سے کوئی رغبت نہیں رہی۔ تو مہ وشوں کی نگاہ خوش رو اور اندھے خمار میں اپنے ماہ و سال کاٹتا رہا ہے۔ سن یوطاش! وہ لوگ جو حُسن زاروں کے فیروزی رنگوں اور دودھیا چاندنی کے ایوانوں میں زندگی کے دن گزارتے ہیں، ان کے لئے تیغ زنی کا مقابلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

سن میرے عزیز! کسی کے حُسن کی جاذبیت، کسی کے جسم کے جمال، کسی کی مست رنگی، خوبصورتی کی دھنک میں زندگی بسر کرنا آسان ہے لیکن ریزہ ریزہ کرتی تلواروں، موت کے طوفان کھڑے کرتی ڈھالوں میں زندگی کے دن گزارنا بڑا مشکل اور گراں ہوتا ہے۔ میرے عزیز! تیغ زنی میں قضا کی ان گنت پستیوں کو کھنگالنا پڑتا ہے۔ مقابلے کے دوران بڑے بڑوں کی پختہ کاری، خام کاری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے خودسر اور ستم پروروں کی شجاعت اور مردانگی جواب دے جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں مقابلے کے دوران تم پر تھکاوٹ کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ دیکھ، میں کچھ دیر کے لئے اس مقابلے کو ٹالتا ہوں تاکہ اپنے شباب اور اپنی خواہشوں کے بگولوں کو تُو بحال کر سکے۔ سن یوطاش! مقابلہ شروع ہونے سے پہلے تُو آندھیوں پر سوار ہو کر گفتگو کرتا تھا جبکہ اب تو صدیوں کے قہر سا چپ اور اُداس ہے۔"

کچھ دیر تک ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر کریم خان چپ چاپ مسکراتے ہوئے یوطاش کی طرف دیکھتا رہا۔ ایسا اس نے اس لئے کیا تھا تاکہ دوبارہ مقابلہ شروع کرنے سے پہلے یوطاش کچھ سستا لے۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ یہاں تک کہ یوطاش کو مخاطب کرتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

"میرے عزیز! اب لگتا ہے تُو سستا چکا ہے۔ آ، دوبارہ مقابلے کی ابتداء کریں اور

دیکھیں کامیابی کا اونٹ کس کی کروٹ لیتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی کریم خان آگے بڑھا۔ یوطاش بھی چوکس ہو گیا تھا۔ اس طرح دونوں پھر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

کچھ دیر تک پھر ہولناک انداز میں وہ ایک دوسرے پر ضربیں لگاتے رہے، پھر اچانک کریم خان نے یوطاش کو ایک ایسا چکمہ دیا کہ کریم خان کی تلوار یوطاش کے شانے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فضاؤں کے اندر ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی۔ اس کے بعد یوطاش لاش کی صورت میں زمین پر گر گیا تھا۔

یوطاش کا خاتمہ کرنے کے بعد زمین کی مٹی سے کریم خان نے اپنی تلوار صاف کی، پھر دشمن کے لشکر کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں اس نے پکارتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

"میں زند قبیلے کا کریم خان بن معصوم خان ہوں۔ اس وقت میں نادر قلی کے لشکر کا ایک معمولی لشکری ہوں۔ تم میں سے اگر کوئی سالار، کوئی لشکری تیغ زنی کا میرے ساتھ مقابلہ کرنا چاہے تو وہ میدان میں اترے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان خاموش ہو گیا اور ردِ عمل کا انتظار کرنے لگا۔ جب تھوڑی دیر تک دشمن کے لشکر میں کوئی ہلچل نہ ہوئی تب کریم خان واپس اپنے پڑاؤ کی طرف چلا گیا تھا۔

کامیاب انفرادی مقابلے کے بعد نادر قلی نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ باغی تقی خان کے لشکر پر اپنے شانوں پر وحشتوں کے غبار لئے چیختی چلاتی ہواؤں، تحت الشعور تک میں موت کے طلاتم کی گونجیں کھڑی کرتے خوفناک مہروں کے کرب، بھنور بھنور خون آلود بانہیں پھیلاتے، جوش مارتے بحر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

باغی تقی خان نے بھی اسی کے انداز میں اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی ہر موڑ پر قہر کھڑے کرتی شعلوں کی بے تابی، فنا کے انجام کھڑے کرتے زہریلے طوفانی کرب اور دکھ کی مسافت سے دوچار کرتی ظلم کی اندھی اموات کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں بے سوز سینوں میں جلتے غم گدے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رزم گاہ میں تلواریں سیاہ بختی کے سائے پھیلانے لگی تھیں۔ سوچوں کے پت جھڑ میں طوفانوں کے شباب موجوں کے پیچ و تاب اٹھ کھڑے

ہوئے تھے۔ موت نے اپنے پَر پھیلاتے ہوئے چاروں طرف سوچ کی آنچ، زندان کی داستانیں، پُرآشوب تحریروں کا سا سماں برپا کر دیا تھا۔ دونوں طرف کے لشکری دستِ کوزہ گر کی سی مشاقی سے کام لیتے ہوئے تجسس کے سمندر میں ہواؤں کی شورش بھری موجوں کے خروش اور خوف کی طرح ایک دوسرے پر وارد ہوتے ہوئے اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

باغی تقی خان کا لشکر زیادہ دیر تک جم کر نادر قلی کے جان لیوا حملوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس لئے کہ تھوڑی ہی دیر بعد دیکھنے والوں کی چشمِ تیز تر نے دیکھا، باغی تقی خان کے لشکر کی حالت ماتمی سایوں میں ویران گھروں کی تیرگی، دکھ کی لہروں اور تباہی کے قاصدوں کا شکار ہوتے اُداس راستوں، شب کی آخری ساعتوں میں غم زدہ اشک بار جذبوں اور دل کے بیتے صحرا میں سرمنزل لٹ جانے والے قافلوں سے بھی زیادہ الم ناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد باغی تقی خان کے لشکر کو بدترین شکست دی گئی۔ تقی خان جب بھاگا تب نادر قلی نے اپنے سالاروں کے ساتھ پوری طاقت اور قوت کے ساتھ تعاقب کیا اور اس تعاقب کے نتیجے میں نہ صرف باغیوں کا کافی حد تک صفایا کر دیا گیا بلکہ باغیوں کے سردار تقی خان کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ باغی تقی خان کو شکست دینے کے بعد میدانِ جنگ میں نادر قلی نے تقی خان سے کوئی باز پرس نہ کی۔ نہ ہی اس کی بغاوت سے متعلق اس نے کوئی سوال کیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کی، اس کے بعد میدانِ جنگ سے نزدیک ترین شہر شیراز کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

⁂⁂⁂

شیراز پہنچ کر نادر قلی نے سب سے پہلے شہر کے نواح میں اپنے لشکر کا پڑاؤ قائم کیا۔ دور دور تک خیمے نصب کر کے خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے سارے سالاروں اور امراء کو جمع کیا اور شیراز شہر کے لوگوں کے سامنے اور ان کی موجودگی میں اس نے باغی تقی خان کو عبرت خیز سزا دی تا کہ آنے والے دور میں کوئی اس کے خلاف بغاوت یا سرکشی کرنے کی کوشش نہ کرے۔

باغی تقی خان کو سزا دینے کے لئے چونکہ نادر قلی نے اپنے سارے سالاروں اور امراء کو ایک جگہ جمع کیا تھا چنانچہ جب تقی خان کو سزا دی جا چکی اور کریم خان اپنے خیمے کی طرف گیا اور جب وہ اپنے خیمے میں داخل ہوا تو دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے دیکھا اس کے خیمے میں اس وقت ایران کے سابق بادشاہ کی بیٹی روزبہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کریم خان جب اپنے خیمے کے دروازے پر گیا تب روزبہ چونک کر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے کریم خان ٹھٹکا تھا۔ دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ اس صورتِ حال کو روزبہ نے بھی شاید محسوس کیا تھا لہٰذا آہستہ آہستہ آگے بڑھی، خیمے کے دروازے کے پاس آئی اور دھیمے لہجے میں کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''سب سے پہلے تو میں معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے خیمے میں آ گئی۔ آپ خیمے میں ہوتے تو میں کم از کم دروازے پر کھڑی ہو کر اجازت طلب کرتی، اس کے بعد آپ کے خیمے میں آتی۔ لیکن جس وقت میں ادھر آئی، آپ چونکہ خیمے میں نہیں تھے اور میں چونکہ ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی تھی لہٰذا میں آپ کے خیمے میں بیٹھ کر ہی آپ کا انتظار کرتی رہی۔ آپ برا محسوس نہ کیجئے گا، آپ ایک نگاہ اپنے خیمے پر ڈالئے۔ میں نے کسی چیز کو چھیڑا نہیں ہے۔ بس

ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا۔ خیمے میں داخل ہوا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور روزبہ کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگا۔

''خاتون! اس خیمے میں کوئی چیز ایسی ہے ہی نہیں جسے چھیڑا جائے۔ میرے پاس کچھ چھوٹی بڑی چرمی خرجینیں ہیں۔ انہی کے اندر میرا لباس اور ضرورت کا سامان رہتا ہے۔ اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور وہ چیزیں کسی دوسرے کے کام کی بھی نہیں ہیں۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے روزبہ بے حد متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ آگے بڑھ کر کریم خان خیمے کے وسط میں کھڑا ہوا، پھر روزبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''خاتون! کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

روزبہ نے اس موقع پر بڑے غور اور کسی قدر ہمدردانہ انداز میں دیکھا، پھر انتہائی عاجزی اور انکساری میں وہ کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''مجھے بیٹھنے کے لئے نہ کہیں گے؟''

کریم خان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''خاتون! تمہیں مجھ سے پوچھ کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹھو۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم خود ہی بیٹھ جاؤ گی۔ تمہارے نہ بیٹھنے کی وجہ سے میں بھی نہیں بیٹھا۔''

کریم خان کے ان الفاظ سے روزبہ خوش ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایک نشست پر وہ ہو بیٹھی۔ اس کے سامنے کریم خان بھی بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا۔

''اب کہو، تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ اور جو کچھ کہنا چاہتی ہو اس سے پہلے میری ایک بات سنو۔''

کریم خان کے بولنے سے پہلے ہی روزبہ بول اُٹھی۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ کیا کہیں گے۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں میں وہ بات بھی آپ سے سن لوں گی۔ پہلے میں جو کہنا چاہتی ہوں، وہ سن لیں۔''

کریم خان نے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''اچھا، تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو، کہو۔ میں سنتا ہوں۔''

روزبہ کچھ دیر تک گردن جھکا کر کچھ سوچتی رہی، پھر دھیمے لہجے میں وہ کریم خان کو

مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

''ایک بار جب آپ خراسان کی سرزمیوں سے اِیروان شہر کی طرف گئے تھے جہاں میرے بھائی طہماسب نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا، میں بھی بھائی کے ساتھ تھی آپ نے بھائی سے ملاقات کی اور میرے بھائی کو آپ نے نادر قلی کا ایک پیغام پہنچایا تھا۔ اس پیغام پہنچانے کے دوران میری بھی آپ سے گفتگو ہوئی تھی اور اس وقت غلطی سے میں نے آپ کے لئے کچھ دل شکنی والے الفاظ استعمال کئے تھے۔ بس اس وقت تو میں نہ پریشان تھی نہ ہی اپنے کہے پر پشیمان تھی لیکن بعد میں جب کچھ لوگوں سے مجھے آپ کے حالات کا علم ہوا تب میں بڑی فکر مند ہوئی۔ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر شرمندگی اور پشیمانی بھی ہوئی۔ پھر میں نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے ان الفاظ پر آپ سے معذرت ضرور طلب کروں گی۔ اس کے بعد مجھے ایک موقع بھی ملا۔ اس لئے کہ میں شمال کی مہم کے دوران لشکر میں شامل تھی جس میں آپ اور بھائی رضا قلی تھے۔ اس موقع پر بھی میں نے آپ سے گفتگو کر کے اپنی پریشانی اور معذرت کا اظہار کرنا چاہا لیکن بھائی رضا قلی نے بات کا رخ کچھ اس انداز میں دوسری طرف کر دیا تھا کہ میری پریشانیوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اس بات کو آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ شمال کی مہم کے دوران بھی آپ کے سلسلے میں مجھ سے ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی اور وہ یہ کہ میں نے جونہی بھائی رضا قلی کے سامنے اس شک و شبے کا اظہار کر دیا تھا کہ شاید آپ کوہستانی سلسلے کے اندر جس لشکر کے پیچھے گئے تھے اس لشکر کو تلاش نہیں کر پائے اور واپس مڑ کر اس لشکر پر حملہ آور ہو گئے ہیں جس نے ہمارے پڑاؤ پر حملہ کیا تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی۔ آپ کوہستانی سلسلے کے اندر دشمن کے ایک لشکر سے نمٹ کر باہر نکلے تھے۔ میں اپنی اس حماقت پر بھی پریشان تھی۔ بس میں اسی جستجو، اسی کوشش میں رہی کہ کبھی کہیں آپ سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کا موقع ملے تو میں آپ سے اپنے رویے کی معذرت کرنے کے ساتھ ساتھ.....''

یہاں تک کہتے کہتے روزبہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے کریم خان بول اُٹھا اور کہنے لگا۔

''دیکھ طہماسب کی بہن! جس وقت میں اِیروان کے نواح میں تمہارے بھائی طہماسب کے خیمے میں داخل ہوا تھا اور وہاں تم بھی موجود تھی اور جو گفتگو ہوئی تھی، میری

گفتگو کے جواب میں جو الفاظ تم نے میرے لئے استعمال کئے تھے، کیونکہ میں ہی نہیں میرا قبیلہ بھی خانہ بدوش تھا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اب میرے قبیلے کے اکثر جوان لشکر میں شامل ہو چکے ہیں لیکن اس وقت جو الفاظ تم نے میرے لئے استعمال کئے تھے وہ میری ذات پر پورے اُترتے تھے۔ اور میں نے ان کا برا نہیں مانا تھا۔ رہی بات شمال کی مہم میں کوہستانی سلسلے کے اندر دشمن کا تعاقب کرنے کی، اس سلسلے میں جو تم نے مجھ پر شک کیا تو وہ کوئی جرم تو نہیں تھا۔ ہاں، بات یہ ہے کہ کوہستانی سلسلے کے اندر مجھے دشمن پر حملہ آور ہونے کا ایک اچھا موقع مل گیا اور میں نے بڑی تیزی سے دشمن کا صفایا کر کے اس کا تعاقب کیا اور پھر تیزی سے پلٹ کر اس لشکر پر بھی حملہ آور ہو گیا جو پڑاؤ میں تم لوگوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس معاملے میں خاتون! اگر تم نے شک کیا تھا تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں تھی۔ دیکھو، ہر ایک کو اپنے اپنے اندازے کے مطابق سوچنے کا حق حاصل ہے۔

سنو خاتون! انسان کی عقل محدود ہے۔ زندگی میں بے شمار مسائل ایسے آتے ہیں جن میں اکثر انسان کی عقل بٹ جاتی ہے۔ پھر میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ ہر انسان کی عقل کا معیار بھی الگ الگ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے بلکہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسان کی سوچ پر اس کے ماحول کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی ضروری نہیں کہ محدود دائرے میں ہر عقلمند کی عقل ایک ہی جیسا نتیجہ اخذ کرے۔ خاتون! میرے اور تمہارے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا اور ہے۔ تم ایران کے شہنشاہ کی بیٹی ہو۔ اگر تمہارا باپ اب تک مارا جا چکا ہے، شہنشاہ نہیں ہے تو اس کے بعد تمہارا بھائی طہماسب شہنشاہ رہا اور اب بھی تمہاری شہنشاہیت کا سلسلہ ختم تو نہیں ہوا۔ تمہارا بھتیجا جو عمر میں تم سے کافی بڑا ہے، اب وہ حکمران ہے۔ شہنشاہ خاندان سے اب بھی تمہارا تعلق ہے اور اب بھی تم شہزادی کہلانے کی حق دار ہو۔ اب ایک طرف ایران کے شاہی خاندان کا فرد ہو اور دوسری طرف ایک خانہ بدوش قبیلے کا فرد تو دونوں کی رہائش، دونوں کی زندگی کی طلب اور دونوں کی ضروریات میں زمین آسمان کا فرق ہو گا۔ لہٰذا دونوں کی عقل بھی مختلف انداز اور مختلف زاویوں میں اپنی سوچ کے جال پھینکے گی۔ ساتھ ہی خاتون! میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ خداوند قدوس نے جس طرح انسان کو عقل و شعور سے نوازا ہے، اسے وجدان سے بھی سرفراز کیا گیا ہے، جسے

ہم قلبی کیفیت کہتے ہیں۔ بعض لوگ اکثر امور کو عقل کی کسوٹی پر تجربہ اور مشاہدہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے وجدان یا قلبی کیفیت سے اسے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اپنا اپنا انداز ہے۔ بہرحال تم نے اپنے عقل و شعور اور اپنے وجدان کے ذریعے جو میری شخصیت کا خاکہ پیش کیا وہ یقیناً درست تھا۔ اور یقین جانو میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا۔ اس بناء پر میں تم سے کہوں گا کہ کسی بھی معاملے میں تمہیں مجھ سے معذرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی کے متعلق کسی کو بھی اپنی عقل اور اپنی دلی کیفیت کے مطابق اظہار کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور یہی بات انسان کو دوسری مخلوقات سے اعلیٰ اور افضل درجے پر کھڑا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ انسان اور دیگر جانداروں میں بنیادی فرق بھی یہی ہے کہ اسے عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔ انسان کے علاوہ باقی تمام موجودات اللہ کے طبعی قوانین کی پابند ہیں۔ سورج، چاند، زمین، آسمان، پانی، آگ، ہوا، بادل وغیرہ کے لئے جو طبعی قانون اللہ نے مقرر فرما دیا ہے، کوئی بھی چیز ان سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتی۔ لیکن انسان طبعی لحاظ سے تو طبعی امور کا پابند ہے۔ وہ چاہے بھی تو بڑھاپے کے بعد جوانی نہیں لا سکتا اور نہ ہی اپنی موت کو روک سکتا ہے۔ وہ کھانے پینے کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا۔ اور اس جیسے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے وہ طبعی قانون کا پابند ہے۔ اس کے باوجود انسان کو خیر و شر میں سے کسی ایک کے انتخاب پر کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہی وہ عقلی اور قلبی اختیار ہے جسے کام میں لاتے ہوئے انسان دوسرے کی ذات کو پرکھ اور جانچ سکتا ہے۔ اور یہ پرکھ اور جانچ ہر انسان کی مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ہر انسان کے عقل اور وجدان کا معیار بھی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا میں تم سے یہ کہوں کہ تمہیں نہ میرے ساتھ سلوک اور رویے سے پشیمان اور پریشان ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں چاہوں گا کہ تم مجھ سے معذرت طلب کرو۔ تمہاری طرف سے میرا دل بالکل صاف ہے۔ اگر تم یہ سمجھو کہ میں نے تمہاری ان باتوں کو محسوس کیا ہے اور تمہارے خلاف میرے دل میں شکوے ہیں تو ایسی کوئی بات نہیں۔ اب بولو، تم کیا چاہتی ہو؟''

جب تک کریم خان بولتا رہا، اس کی طرف بڑے غور، ہمدردی اور محبت سے دیکھتے ہوئے روزبہ سنتی رہی، مسکراتی رہی۔ جب کریم خان خاموش ہوا تب توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ کی باتوں نے مجھے مزید حیرت اور پریشانی میں ڈال دیا ہے۔''

''کیسی پریشانی اور حیرت؟'' کریم خان نے بھی اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

''میں تو سمجھتی تھی آپ کا تعلق اگر خانہ بدوش قبیلے سے ہے تو آپ کو علمی امور پر کوئی دسترس نہیں ہو گی۔ بس تیغ زنی میں خوب مہارت رکھتے ہیں اور یہی آپ کا واحد کسب و ہنر ہے۔ لیکن ابھی جو آپ نے میرے ساتھ گفتگو کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی سند یافتہ درس گاہ کے بھی تعلیم یافتہ ہیں۔'' روزبہ نے حیرت سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''روزبہ! تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں یقیناً خانہ بدوش قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا قبیلہ اور اس کے افراد اکثر و بیشتر موغان اور ویلم شہروں کے درمیان سرگرداں رہتے تھے۔ میرا باپ معصوم خان جو زند قبیلے کا سردار تھا، اس نے اپنے بچوں کی رہائش کے لئے موغان شہر میں ایک حویلی لے رکھی تھی۔ موغان شہر میں ہی میرا اپنے بھائیوں اور بہن کے ساتھ قیام تھا اور موغان شہر کی درس گاہ سے ہی میں نے علمی اور حربی تعلیم حاصل کی.....''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ انتہائی دکھ، افسوس اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

''مجھے اس امر کا بے حد دکھ اور افسوس ہے کہ قاچار قبیلے کے سردار فتح خان کے کہنے پر اس کے قبیلے کے لوگ آپ کے قبیلے پر حملہ آور ہوئے۔ آپ کے ماں باپ اور بہن کے علاوہ قبیلے کے دیگر افراد کا قتل عام کیا۔ لیکن آپ نے ایک عمدہ اور اچھا قدم اٹھایا کہ نادر قلی کے پاس آئے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ موغان شہر سے گھوڑے کی پیٹھ پر اکیلے سفر کرتے ہوئے فرح آباد پہنچے تھے۔ یہ یقیناً ایک خطرناک سفر تھا۔ قاچار قبیلے کے لوگ آپ کا تعاقب بھی کر سکتے تھے۔ میں سمجھتی ہوں یہ آپ کی ہمت اور جواں مردی تھی کہ آپ نے یہ قدم اٹھایا اور آپ کے ایسا کرنے پر ہی نادر قلی نے قاچار قبیلے کے سردار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاہم مجھے آپ کے ایک فیصلے کی سمجھ نہیں آئی۔ جو تفصیل مجھے بتائی گئی تھی اس کے مطابق نادر قلی نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ صرف قاچار قبیلے کے سردار سے انتقام لینا چاہتے ہیں یا جس طرح قاچاریوں نے زندیوں کا

قتل عام کیا ہے، آپ بھی قاچاریوں کا قتل عام چاہتے ہیں۔ تو آپ نے یہ کہا کہ آپ صرف فتح خان قاچار کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں کیا؟ کیا اس سے آپ کی کوئی ذاتی دشمنی تھی؟''

کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''نہیں خاتون.....''

کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ روز بہ بولی اور کہنے لگی۔

''یہیں پر رک جائیے۔ یہ کیا، آپ نے بار بار خاتون خاتون اور کبھی کبھی طہماسب کی بہن کہنا شروع کر دیا ہے۔ آپ میرے نام سے واقف ہیں۔ آپ کے ساتھ میں لشکر میں بھی رہ چکی ہوں۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتے بھی ہیں۔ میرے علاوہ میرے خاندان کے افراد سے بھی واقف ہیں۔ پھر کیوں آپ مجھے میرا نام لے کر مخاطب نہیں کرتے؟ اگر آپ میرا نام لے کر مجھے مخاطب کریں تو اس میں میری خوشی اور طمانیت ہو گی۔''

لمحہ بھر کے لئے کریم خان کی گردن جھک گئی تھی۔ کچھ سوچا، پھر وہ کہنے لگا۔

''میں تمہارا نام لے کر اس لئے تمہیں مخاطب نہیں کرتا رہا کہ کہیں تم محسوس نہ کرو۔ اور اگر تم اجازت دیتی ہو تو میں آئندہ تمہیں تمہارا نام لے کر ہی مخاطب کیا کروں گا۔ تو بات یوں ہے کہ جس وقت نادر قلی نے مجھ سے یہ سوال پوچھا تھا جو تم نے دوہرایا ہے تو میں نے واقعی اس سے کہا تھا کہ میں صرف فتح خان قاچار کا خاتمہ چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ اس میں باقی قاچاریوں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اصل قصور تو اس فتح خان قاچار کا تھا جس کے حکم پر اس کے قبیلے کے افراد میرے قبیلے پر حملہ آور ہوئے۔ لہٰذا میں نے صرف فتح محمد قاچار ہی سے انتقام لینا پسند کیا۔ اس کے قبیلے کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی کرنے کی خواہش کا اظہار نہ کیا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب بڑے مطمئن اور خوش کن انداز میں روز بہ کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے اپنی گفتگو سے مجھے مطمئن اور خوش کر دیا ہے۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ کم از کم میری باتوں سے، میرے رویے سے آپ کے دل میں میرے خلاف ایک نفرت اور ناپسندیدگی کا جذبہ ضرور ہو گا۔ لیکن آپ کے خیالات جان کر مجھے خوشی ہوئی

ہے اور مجھے اس بات کا بھی بے حد اطمینان ہے کہ آپ خود پسندی کا شکار نہیں ہیں، خوش دلی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک موضوع ختم ہوا۔ اب میں دوسرے موضوع کی طرف آتی ہوں۔

جس وقت شمالی مہم میں آپ نے کوہستانی سلسلے کے علاوہ ہم پر حملہ آور ہونے والے دشمنوں پر ضرب لگا کر انہیں مار بھگایا تھا، اس موقع پر آپ، میرے اور بھائی رضا قلی کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی تب میں اپنے جذبات کا صحیح اظہار نہ کر سکی تھی۔ میں آپ کی ان دو شاندار کامیابیوں پر مبارک باد پیش کرنا چاہتی تھی۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ میں آپ کو مخاطب کر کے کچھ نہ کہہ سکی۔ باغی تقی خان کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران جو انفرادی مقابلہ ہوا اس میں بھی آپ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کے بعد میں فی الفور آپ سے ملنا چاہتی تھی، آپ کو مبارک باد دینا چاہتی تھی لیکن جنگ کے بعد آپ نادر قلی کے ساتھ بری طرح مصروف رہے۔ اس کے بعد اتنی تیزی اور عجلت میں کوچ ہوا کہ میں آپ سے مل ہی نہ سکی۔ شیراز پہنچنے کے بعد میں تاک میں رہی کہ کوئی ایسا وقت ملے کہ علیحدگی میں مجھے آپ سے گفتگو کا موقع مل جائے۔ سو یہ وقت مجھے ملا اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ لہٰذا آپ کی ان شاندار کامیابیوں پر میں دل سے نہ صرف آپ کو مبارک باد پیش کرتی ہوں بلکہ آپ کا شکریہ بھی ادا کرتی ہوں کہ ایک موقع پر آپ نے شاندار انداز میں حملہ آور ہو کر ہم سب کی جانوں کی حفاظت بھی کی تھی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روز بہ رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''پہلے آپ نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے معذرت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے دل میں میرے خلاف کوئی ناپسندیدگی کا رویہ نہیں ہے۔ اب جبکہ آپ کی تیغ زنی اور انفرادی ہمت اور شجاعت کی میں تعریف کر رہی ہوں تو اب کم از کم آپ نہ کہئے گا کہ آپ کو میرا شکریہ بھی ادا نہیں کرنا چاہئے اور آپ کی تعریف بھی نہیں کرنی چاہئے۔''

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''تعریف تو اس خدا کی جس نے انسان کو دنیا پر اتارا تو جہاں اس کی بھوک، پیاس اور صفلی خواہشات کی تکمیل کے لئے خوراک، پانی اور اس کے جوڑے کا انتظام کیا،

وہاں اس کی روحانی اور اخلاقی تمناؤں کی تکمیل کے لئے مذہب کی صورت میں ایک واضح منشورِ ہدایت بھی عطا فرمایا۔"

کریم خان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ توصیفی انداز میں روزبہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں پھر آپ سے کہوں گی کہ آپ بہت اچھی اور علمی گفتگو کرتے ہیں جس سے میں بے حد متاثر ہوئی ہوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ رکی، پھر دوبارہ بولتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں آپ سے دو موضوعات پر گفتگو کر چکی ہوں۔ دوسرا موضوع آپ کی تیغ زنی میں کامیابیوں پر آپ کو مبارک باد پیش کرنا تھا۔ اور اب میں تیسرے موضوع کی طرف آتی ہوں۔

تیسرا موضوع آپ کے ان خدشات پر بھی منحصر ہے جن پر آپ میرے خیمے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی گفتگو کرنا چاہتے تھے اور جن کے لئے میں نے آپ سے کہہ دیا تھا کہ میں جانتی ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں ابتداء بھی آپ ہی کے خدشات سے کرنا چاہتی ہوں۔ یقیناً جس وقت میں آپ کے خیمے میں آئی تو آپ نے یہ سوچا ہو گا کہ مجھے آپ کے خیمے میں اس طرح اکیلے نہیں آنا چاہئے، لوگ اعتراض کر سکتے ہیں۔ لوگ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس پر میری طرف سے آپ کے اطمینان کے لئے یہ جواب ہے کہ میں آپ کے خیمے میں چوری چھپے نہیں آئی، دن کی روشنی میں آئی ہوں اور میں آپ پر یہ بھی انکشاف کر دوں کہ یہاں آنے کے بعد سب سے پہلے میں نے ملاقات اپنی بہن، بھائی رضا قلی اور محترم نادر قلی سے کی۔ میں نے ان پر واضح کیا کہ گزشتہ ہفتوں میں میری طرف سے کریم خان کے حق میں کچھ زیادتیاں ہوئی تھیں اور میں اس سلسلے میں ان سے ملنا چاہتی ہوں اور معذرت کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے ایسا کرنے کی مجھے بخوشی اجازت دے دی تھی۔ میں نے ان سے یہ بھی التماس کی تھی کہ اگر میں کبھی کبھی دن کے کسی بھی حصے میں کریم خان سے ملنا چاہوں تو وہ اعتراض کھڑا نہیں کریں گے۔

آپ جانتے ہیں اس موقع پر نادر قلی اور ان کے بیٹے اور میرے بہنوئی رضا قلی نے کیا جواب دیا تھا؟ ان کا کہنا تھا کہ دن تو ایک طرف رہا، اگر میں رات کے کسی موقع

پر آپ سے ملاقات کرتی ہوں تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ان کا کہنا تھا کہ کریم خان ایک ایسا نوجوان ہے جس پر ہر طرح سے اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کو ان خدشات کا اظہار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ لوگ آپ کے خیمے میں میرے آنے پر کیسے اعتراض کھڑے کریں گے یا کس قسم کی گفتگو کریں گے۔ اب آپ بولیں، آپ کیا کہتے ہیں؟"

جواب میں کریم خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"اول بات تو یہ ہے کہ تم دن یا رات کے وقت میرے پاس آنے کی ضرورت کیوں محسوس کرتی ہو؟ دیکھو، ہر کام، ہر ملاقات کی کوئی وجہ، کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ پہلے اس کی وجہ بتاؤ، پھر میں گفتگو کو آگے بڑھاتا ہوں۔"

اس موقع پر ہلکا سا تبسم روزبہ کے چہرے پر نمودار ہوا تھا، پھر وہ کہنے لگی۔

"دراصل میں اپنی ذات میں بالکل تنہا اور اکیلی ہوں۔ جس وقت محمود خان غلزئی، صفہان پر حملہ آور ہوا تھا تب سے ہی ہماری بدبختیوں کی ابتداء ہو گئی تھی۔ میں اس وقت نادان، چھوٹی سی معصوم بچی تھی۔ اس وقت سے ہی ہمارے خاندان میں تفریق اور تقسیم ہو گئی تھی۔ میرے بھائی طہماسب ایک بہن اور کچھ عزیز و اقارب کے ساتھ مازندان کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرے باپ شاہ حسین کو اصفہان میں نظر بندی کی زندگی بسر کرنا پڑی جبکہ میں اپنی ماں کے ساتھ جن میں ہمارے کچھ دوسرے عزیز بھی تھے، تہہ خانوں کی زندگی بسر کرتے رہے۔ زندگی کے اس دور میں نہ کوئی میرا ہمدرد تھا، نہ کوئی احوال پرسی کرنے والا۔ بس ایک ماں تھی۔ اور پھر ہماری بدقسمتی کہ باپ کے بعد ماں بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ بہن جو پہلے ہی مازندان میں بھائی طہماسب کے ساتھ رہ رہی تھی، اس کی شادی رضا قلی سے ہو گئی۔ بس ایک بھتیجا عباس تھا جو عمر میں مجھ سے کافی بڑا ہے جو اس وقت ایران کا برائے نام بادشاہ ہے۔ ہم دونوں پھوپھی بھتیجے کی حیثیت سے نہیں بلکہ بہن بھائی کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ وہ چونکہ مجھ سے بڑا ہے لہٰذا اکثر مواقع پر وہ مجھے ڈانٹ بھی دیا کرتا تھا لیکن میں اس کے سامنے کبھی بولی نہیں۔ اب جبکہ وہ ایران کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے لہٰذا میں اس کی صحبت سے بھی محروم ہو چکی ہوں۔ بس اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لئے کسی کے پاس اٹھ بیٹھ کر اپنے جذبات اور اپنی قلبی کیفیت کی تسکین کے لئے کسی کی متلاشی تھی۔ یوں جانو....."

یہاں تک کہتے کہتے روزبہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کریم خان بول اٹھا۔

''اس سے آگے تم یہ کہو گی کہ میری باتوں نے تمہیں متاثر کیا ہے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ اٹھ بیٹھ کر اپنی تنہائی کو کم کرنا چاہتی ہو..... لیکن یہ بھی بات ذہن میں رکھو کہ جب تم میرے خیمے میں آؤ گی تو دیکھنے والے کا دل تمہیں دیکھ کر کم از کم یہ تو سوچے گا کہ تم کس رشتے، کس تعلق کی بناء پر میرے خیمے میں آتی ہو۔''

کریم خان کے خاموش ہونے پر روزبہ نے ایک بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''اگر آپ کو میرے آنے پر اعتراض نہ ہو تو پھر میں کسی اور کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دوں گی۔ اگر آپ میری حقیقت سے واقف ہو کر مطمئن ہوں گے تو پھر مجھے کسی دوسرے کو مطمئن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''دیکھو روزبہ! جیسا تمہارا جی چاہے کرو۔ میں تمہارے کسی رویے کے خلاف اعتراض کھڑا نہیں کروں گا۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر روزبہ ایسی خوش ہوئی تھی کہ کچھ دیر تک مسکراتے ہوئے اس خوشی سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ کریم خان نے اسے مخاطب کیا۔

''روزبہ! تمہارا ایک بھتیجا جو تم سے بڑا ہے، وہ تو اس وقت تاج وتخت کا مالک ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس عباس کا ایک اور بھائی بھی ہے۔ اس کا کیا ہوا؟ اسے نہ میں نے دیکھا، نہ کہیں سنا ہے۔''

اس پر روزبہ دکھ کا اظہار کر کے کہنے لگی۔

''دراصل ہمارے خاندان کا ایک فرد تھا۔ وہ ترک دنیا کا شکار ہو چکا تھا۔ یوں جانیں اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ میرا وہ بھتیجا بس اس شخص کے پھندے میں ایسا پھنسا ہے کہ بس اسے نہ گھر کی خبر ہے نہ اسے کسی رشتے ناطے کی پرواہ۔ میں بھی تو اپنے سکون اور تنہائی کو ختم کرنے کے لئے آپ کے پاس آئی اور آپ سے گزارش کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں کبھی کبھی آپ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کروں۔ اس طرح میرے خیال میں وہ لوگ بھی تنہائی ختم کرنے کی خاطر یا اپنی قلبی یکسوئی کے لئے رہبانیت یا

ترک دنیا اختیار کر لیتے ہیں۔ میری اپنے اس بھتیجے سے دو ایک بار اس سلسلے میں گفتگو بھی ہوئی۔ جو راستہ اس نے اختیار کیا ہے اس راستے کو وہ روحانی ترقی اور آئینۂ باطن کہتا ہے۔ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟

اب آپ یہ نہ کہئے گا کہ میں آپ کا وقت ضائع کر رہی ہوں۔ اس طرح آپ سے گفتگو کر کے جہاں میرے علم میں اضافہ ہوگا، وہاں میرا وقت بھی اچھا گزرے گا اور آپ کے پاس آنے کا مقصد بھی یہی ہے۔''

جواب میں کریم خان کچھ دیر گردن جھکا کر کچھ سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''دیکھو روزبہ! اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دنیا کے جھمیلوں میں پھنس کر کبھی یکسوئی کے ساتھ روحانی ترقی نہیں کی جا سکتی۔ ان کے خیال میں روحانی ترقی کا کوئی ایسا راستہ نہیں جو دنیا کے اندر سے ہو کر جاتا ہو۔ لہٰذا درویش قسم کے لوگوں نے اسے نیکی سمجھ کر اختیار کیا جبکہ اسلام نے ایسی روحانی ترقی اور رہبانیت ہی کو مردود قرار دیا ہے۔ اسلام صرف ایسی روحانی ترقی کا قائل ہے جس کا راستہ دنیا کے اندر سے ہو کر آگے بڑھتا ہے۔ روحانی ترقی تھوڑی ہو یا بہت، سب کچھ مقبول ہے۔ لیکن شریعت کی حدود کے اندر رہ کر ہونی چاہئے۔ اگر کوئی مسلمان زندگی کی بنیادی اور اہم ذمہ داریوں یا عبادت کو پس پشت ڈال کر ایسی روحانی ترقی کرتا ہے تو اس کی حقیقت ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی رہبانیت کو اسلام نے مردود قرار دیا ہے۔ یہ روحانی ترقی خواہ شرعی طریق یا غیر شرعی طریق سے ہو، نتیجتاً انسان کا دل آئینہ کی مثل بن جاتا ہے۔ ایسے لوگ جب توجہ کریں تو اپنے مخاطب کے احوال سے کسی نہ کسی حد تک مطلع ضرور ہو جاتے ہیں۔ (آج کے ماہرین علم نفس اسے ہپناٹزم سے تعبیر کرتے ہیں)

ایسے لوگوں کی غیب دانی اور کرامت عوام کے لئے بڑی باعثِ کشش ہوتی ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو عوام پر حکومت کرنے، ان پر دھاک بٹھانے اور خدائی منوانے کا ایسا موقع ہاتھ آ جاتا ہے جو عام حالات میں ناممکن ہو جاتا ہے اور دنیاوی لحاظ سے ان کی دکان ایسی چمکتی ہے جو عام حالات میں ان کی ریاضت اور مجاہدہ سے بدرجہا زیادہ محنت اور جدوجہد کا تقاضا چاہتی ہے۔''

(علامہ قبال نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے:

خداوند تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری ہے)

''جس طرح سلطان لوگوں سے اپنے مالی حقوق ٹیکسوں کی صورت میں وصول کرتے ہیں اور یہ لوگ نذر و نیاز اور چڑھاووں کی صورت میں وصول کرتے ہیں بلکہ اس لحاظ سے پیر فقیر سلطان سے بڑھ جاتے ہیں کہ سلطان کی حکومت تو محض انسان پر ہوتی ہے۔ لیکن یہ لوگ دلوں پر اپنی دھاک بٹھاتے ہیں۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے روزبہ بول اٹھی۔

''آپ کی باتوں سے میں یہ اندازہ لگا سکتی ہوں کہ آپ رہبانیت کو ناپسند کرتے ہیں۔ اگر یہ ناپسندیدہ ہے تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کی ابتداء کیسے اور کیوں ہوئی؟''

روزبہ کے اس سوال کے جواب میں کریم خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''دیکھو روزبہ! کسی مذہب میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ابتداء ہمیشہ مقدس اور نیک آرزوؤں سے ہوتی ہے اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لئے بھلائی کے تصور سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس بھلائی کو جلد از جلد حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے یہ سوچا کہ جو باتیں ہم آخرت میں مشاہدہ کریں گے، ہمیں کسی نہ کسی طرح ان چیزوں کا پورا یا تھوڑا بہت مشاہدہ اس دنیا میں ہو جائے تو کیا بہتر ہوگا۔ اس طرح اس نے غیب کے پردوں کو دور کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کا جسم اور اس کے مادی تقاضے ہیں۔ لہٰذا جب تک ان سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے، روحانی منازل طے کرنا ناممکن ہے۔ یہی فکر رہبانیت کی بنیاد ہے۔

روزبہ! ہمارے دین کے احکامات اس سے متعلق واضح ہیں۔ ہماری مقدس کتاب اس کے متعلق کہتی ہے:

ترجمہ: ''اور انہوں نے لذات سے کنارہ کشی کی خود ایک نئی بات نکالی جس کا ہم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے خیال کے مطابق خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپ ہی ایسا کر لیا۔ پھر جیسا اس کو نبھانا چاہئے تھا، نبھا بھی نہ سکے۔ پھر جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان

کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں سے زیادہ نافرمان ہیں۔''

یہ قرآن مقدس کی آیات کا ترجمہ ہے اور ان آیات سے رہبانیت کی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے مثلاً یہ کہ لذات کو ترک کرنا وحی الٰہی کے مطابق نہیں بلکہ ایک بدعت ہے۔ دوئم یہ کہ جو رہبانیت اختیار کرتے ہیں ان کے اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ حالانکہ اگر فی الواقع خدا کی خوشنودی کا طریقہ ہوتا تو ضرور وحی میں مذکور ہوتا۔ سوئم یہ کہ نصاریٰ سے بہت پہلے یہودیوں نے بھی یہ روش اختیار کی تھی۔

روزبہ! وہ واقعہ یہ ہے کہ یہودیوں میں ابن جریج ایک راہب ہوا کرتا تھا۔ تم واقعہ سننے سے پہلے یہ بات بھی اپنے دل میں بٹھا کر رکھنا کہ اس واقعہ کا ذکر صحیح بخاری اور مسلم میں بھی درج ہے۔

سو میں کہہ رہا تھا کہ ابنِ جریج ایک راہب تھا جس نے جنگل میں کٹیا بنا رکھی تھی۔ گھر بار چھوڑ کر اس کٹیا میں پڑا رہتا تھا، گھر نہیں جاتا تھا۔ مامتا کی ماری اس کی ماں اس سے ملنے آئی اور اسے پکارا لیکن راہب نے گیان دھیان میں مصروف رہ کر ماں کی پکار کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے دل میں یہ ضرور سوچا کہ الٰہی! ادھر تیری عبادت میں مصروف ہوں، اُدھر میری ماں پکار رہی ہے۔ کروں تو کیا کروں؟ آخر کار اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ گیان دھیان میں مصروف رہے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اپنی ماں کی پکار اور اس کی خواہش اور آرزو کی کوئی پرواہ نہ کی۔ چنانچہ اس نے اپنی ماں سے کوئی بات نہ کی اور اپنی عبادت میں لگا رہا۔

دوسرے دن اس کی ماں پھر آئی۔ اس نے اپنے بیٹے سے ملاقات کے لئے بیٹے کو پکارا۔ پھر بھی اس نے حسب سابق ماں کی پکار کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا، چپ رہا، ماں کی پکار کا جواب نہ دیا۔

تیسری بار پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ اس کی ماں اس سے ملنے کے لئے آئی، اسے پکارا۔ اس نے اپنی ماں کی پکار کا جب جواب نہ دیا تو اس کی ماں کو بے حد دکھ اور صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس کے اس رویے سے اس کی ماں کو اتنا قلق ہوا کہ اس نے اپنے منہ سے اپنے اس راہب بیٹے کے حق میں بے اختیار یہ بد دعا دی۔

''الٰہی! جب تک میرا یہ بیٹا کسی فاحشہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے، اسے موت

نہ آئے۔"

مامتا کی ماری دُکھیاری ماں کے منہ سے نکلی ہوئی آہ اور بد دعا رائیگاں کیسے جا سکتی ہے؟ ابنِ جریج اپنی عبادت اور خدا ترسی میں اتنا مشہور تھا کہ بنی اسرائیل کے اکثر لوگ اس سے حسد کرنے لگے تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ ابنِ جریج پر ایسا الزام لگے جس سے اس کا یہ بلند مقام چھن جائے۔ اور اسی غرض سے اس کے خلاف اس کے حاسدوں میں خفیہ مشورے ہونے لگے۔

چنانچہ انہی دنوں ایک بدنامِ زمانہ فاحشہ عورت نے جو حُسن و جمال میں اپنی نظیر آپ رکھتی تھی، ابنِ جریج کو بدنام کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور اس خدمت کو سرانجام دینے کا ذمہ لیا اور اسی غرض سے خود کو ایک روز اس نے ابنِ جریج کے سامنے پیش کیا۔

چنانچہ ابنِ جریج نے اس خوب صورت اور فاحشہ عورت کو رد کر دیا۔ جب ابنِ جریج نے اس عورت پر کوئی توجہ نہ دی تب وہ فاحشہ عورت اور بھی سیخ پا ہو گئی اور بے آبروئی کا انتقام لینے پر تل گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ ابنِ جریج کو اپنے سامنے نیچا ضرور دکھاؤں گی۔

چنانچہ اس نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو ایک چرواہے کے پیش کیا جس سے اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ چنانچہ اس بچے کی پیدائش پر لوگوں کے پوچھنے پر اس نے یہ مشہور کر دیا کہ یہ بچہ ابنِ جریج راہب کا ہے۔

بس پھر کیا تھا، لوگ دوڑ پڑے۔ ابنِ جریج کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی کٹیا کو منہدم کر دیا۔

ابنِ جریج نے اس مار دھاڑ کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے سارا ماجرا بتا دیا۔ ابنِ جریج نے کہا کہ تھوڑی دیر ٹھہرو۔ لوگ رک گئے تو اس نے وضو کیا اور انتہائی عاجزی اور انکساری میں رو رو کر اللہ سے اپنی صفائی اور بریّت کی دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔

چنانچہ عبادت سے فارغ ہو کر لوگوں کے پاس آیا۔ وہ فاحشہ عورت معہ بچہ اس کے سامنے تھی۔ ابنِ جریج نے بچے کے پیٹ میں ٹھونکا دے کر کہا۔

"بتا تیرا باپ کون ہے؟"

بچہ بولا اٹھا کہ فلاں چرواہا ہے۔ تب جا کر لوگوں نے ابنِ جریج کا پیچھا چھوڑا۔

ان میں سے بعض اس سے معافی مانگنے لگے اور کہنے لگے اگر کہو تو تمہیں سونے کی کٹیا بنا دیں۔ لیکن ابنِ جریج نے کہا مجھے ویسی ہی کٹیا بنا دو۔

اس طویل حدیث سے ایسے تین بچوں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا جن میں سے ایک یہی ابنِ جریج راہب والا تھا۔ اس حدیث کو والدین سے حُسنِ سلوک کے باب میں ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ شرعی احکامات کے مقابلے میں ایسی رہبانیت گناہ ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب روزبہ جو شاید کریم خان کے ساتھ گفتگو کے سلسلے کو طول دیتے ہوئے اس کے پاس مزید بیٹھنا چاہتی تھی، دوبارہ کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"آخر اس رہبانیت کی ابتداء کیسے اور کیوں ہو گئی؟ اور لوگ کیوں اپنے لواحقین اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں کٹیا بنا کر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں؟"

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"وہ تو ماں کا معاملہ تھا۔ بیوی کا معاملہ اس سے بھی نازک ہوتا ہے۔ کیونکہ نکاح سے اور بیوی کی موجودگی میں انسان پر بہت زیادہ معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں آ پڑتی ہیں لہٰذا یہ لوگ متاہل زندگی سے سخت نفرت کرتے تھے۔

روزبہ! ان لوگوں کو رہبانیت کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا تھا۔ تاہم انہیں رہبانیت کی زندگی کی فضیلت کے لئے کچھ اشارے مل گئے تھے۔ یا یوں جانو انہوں نے یہ اشارے خود ہی اخذ کر لئے تھے۔

پہلا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نکلتا تھا۔ ان کی زندگی کے چند سالوں کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ انہوں نے تبلیغ کے سلسلے میں گھوم پھر کر مجردانہ زندگی گزار دی۔

جہاں تک یہودیوں کے ہاں رہبانیت کا چرچا اور شہرت ہے تو اس کی ابتداء بھی انہی سے ہوئی۔ یہودیوں کے اندر رہبانیت کا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان چالیس دنوں سے لیا تھا جو انہوں نے توریت ملنے سے قبل کوہِ طور کے دامن میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزارے تھے۔

"روزبہ! یہ تو یہود و نصارہ کی بات تھی، ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں حالات

اس سے بھی بہت آگے ہیں۔ ہندومت کے راہنماؤں نے انسان کی زندگی کو سو سال قرار دے رکھا ہے اور ان کے چار حصے کئے ہیں جن میں سے آخری چوتھا یا پچیس سال رہبانیت یعنی گیان دھیان کے لئے مختص کئے گئے ہیں اور ان کے ہاں ایک دین جسے بدھ مت کہا جاتا ہے وہ تو خالصتاً اس راہبانہ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس مذہب کے بانی مہاتما بدھ نے جو ایک شہزادہ تھا، دنیا کی بے ثباتی اور اس کے ہنگاموں سے راہِ فرار اختیار کر کے راہبانہ زندگی بسر کی تا آنکہ اس کو وہ روشنی ملی جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔ بعد ازاں اس نے ہندوؤں میں بدھ مت کی بنیاد ڈالی۔ اس مذہب کی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان کی مکتی یا نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ راہبانہ زندگی گزارے۔ ایسے راہبوں کو اپنی زبان میں بھکشو کہتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ جبکہ ہمارے حضور پاک ﷺ نے فرمایا، اپنی جانوں پر سختی نہ کرو۔ کیونکہ ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یعنی ان کا ایجاد کردہ معیارِ عبادت ہی ان کے لئے جانچ مقرر کر دیا گیا۔ اس قوم کا بقایا گرجوں اور خانقاہوں میں ہے۔

پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

ترجمہ: ''رہبانیت کو انہوں نے خود ہی ایجاد کر لیا تھا جس کا ہم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا۔''

دیکھو روزبہ! اللہ اگر چاہتا تو کائنات کی دوسری اشیاء کی طرح انسان اور اپنے درمیان سے غیب کے پردے ہٹا دیتا جنہیں ہٹانے کے لئے یہ راہب اور رہبانیت اختیار کرنے والے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن اس طرح انسان کی اطاعت اختیاری نہ رہتی بلکہ دوسری اشیاء کی طرح اضطراری قسم کی ہو جاتی اور انسان کی پیدائش اور دنیا کے اندر مبعوث ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ہمارا دین اور ہمارا مذہب انسان کے مادی اور روحانی تقاضوں میں کچھ اس قسم کا حسین امتزاج پیدا کر دیتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان روحانی منازل طے کرتا ہوا دنیا اور آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی دنیاوی زندگی کو بالکل ترک کر کے جنگل کی راہ لیتا ہے اور تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے تو اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ خدا کی خوشنودی حاصل کر رہا ہے تو اس کا ایسا کرنا دین کے احکامات کی خلاف ورزی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر روزبہ اس کے

سامنے بیٹھ کر مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر اپنا لباس سنبھالتی ہوئی اُٹھی اور کہنے لگی۔

''آج آپ کے پاس بیٹھ کر جو گفتگو ہوئی ہے اس نے مجھے کتنی قلبی خوشی اور سکون دیا ہے، اس کا میں اندازہ نہیں کر سکتی۔ اب چونکہ آپ کو میرے آنے پر اعتراض نہیں ہے، میں آپ کے پاس آتی رہوں گی اور مجھے امید ہے کہ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے آپ سے بہت کچھ حاصل ہوگا۔ اب آپ اجازت دیں، میں جاتی ہوں۔''

کریم خان بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر ایک الوداعی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے روزبہ اس کے خیمے سے نکل گئی تھی۔

✽✽✽✽✽

❋❋❋

کرکوک کے نواح میں لیلان کے میدان میں ترکوں سے ٹکرانے کے بعد بغداد کے حاکم احمد پاشا سے مصالحت کا ایک معاہدہ کر کے نادر قلی ایران میں اٹھنے والی تقی خان کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے واپس آ گیا تھا۔ اب جبکہ اس نے مرزا محمد تقی خان کی بغاوت کو ختم کر کے تقی خان کا بھی خاتمہ کر دیا تب ترکوں کی طرف سے اس کے لئے ایک اہم مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔

احمد پاشا کے ساتھ نادر قلی نے جو معاہدہ کیا تھا، اس معاہدہ صلح کی خبر جب قسطنطنیہ پہنچی تو ترکی سلطان نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور نادر قلی سے اس نے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ سلطان ترکی کی طرف سے ایک غیر دانش مندانہ اقدام تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں ترکی کی عسکری حالت کمزور پڑ چکی تھی اور یورپ میں ترکی کو مردِ بیمار کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا تھا۔

تاہم اس معاہدے کی تنسیخ کے لئے ترکی کے سلطان نے ایک تازہ دم لشکر اپنے سالار امیر عبداللہ کی کمانداری میں گرجستان بھیجا۔ ترکوں کے ارادے کی خبر جب نادر قلی کو ملی تو وہ فوراً گرجستان کی طرف لپکا۔ سب سے پہلا قدم جو اس نے اٹھایا وہ یہ کہ تفلیس اور اِیروان شہروں کا اس نے محاصرہ کر لیا تاکہ ترکی سپہ سالار کہیں کھلے میدان میں نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

آخر ترکوں کے سالار امیر عبداللہ کو مجبوراً اپنے لشکر کے ساتھ اِیروان کے میدان میں اترنا پڑا۔ یہاں نادر قلی اور امیر عبداللہ کے درمیان ہولناک رن پڑا۔ اس ٹکراؤ کے دوران نادر قلی کی خوش قسمتی کہ جس طرح لیلان کے میدان میں ترکوں کے سالار توقل عثمان کے مرنے کی وجہ سے نادر قلی کے مقدر میں فتح لکھ دی گئی تھی، یہی صورتِ حال

اِیروان شہر کے نواحی میدانوں میں بھی ہوئی۔ ترکوں کا سالار امیر عبداللہ میدانِ جنگ میں کام آ گیا جس کی وجہ سے ترک لشکر کو پسپا ہونا پڑا۔ اس پسپائی کے بعد اور اس تلخ تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے ترکی کے سلطان نے احمد پاشا کے ساتھ نادر قلی کے ہونے والے معاہدے کو تسلیم کر لیا۔

ترکی سے اپنے علاقے واپس لینے کے بعد اب نادر قلی نے روس کی طرف توجہ دی۔ جب تک پیٹر اعظم روس کا حاکم رہا، نادر قلی صبر کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ پیٹر اعظم نے اپنی زندگی میں ایران کے خلاف جارحانہ طریقہ کار بھی جاری رکھا تھا۔ مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے نادر قلی سب کچھ برداشت کرتا رہا۔ پیٹر اعظم کے بعد جب روس کی حکمران ملکہ عینی ہوئی اور تخت و تاج کی مالک بنی تو اس کے مشیروں نے ایران کی مستحکم صورتِ حال کو دیکھ کر یہ مشورہ دیا کہ بحیرہ خزر کے ساحلی علاقوں کو خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ سب علاقے حکومت ایران کو واپس کر دیئے گئے۔

روس کی اس روش سے نادر قلی کے حوصلے بلند ہو گئے۔ بحیرہ خزر کے علاقوں کو خالی کئے ہوئے تین سال گزرے تھے کہ روس اور ترکی آپس میں الجھ پڑے اور جنگ ناگزیر دکھائی دینے لگی۔ اس صورتِ حال سے نادر قلی نے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے اپنا ایک سفیر روس کی طرف بھجوایا اور روس سے اس نے اپنے شہر باکو اور دربند لینے کا مطالبہ کیا اور یہ بھی دھمکی دی کہ اگر روس نے ایران کے یہ مقامات اسے واپس نہ کئے تو نادر قلی روس کے خلاف ترکوں کا ساتھ دے گا۔

چنانچہ نادر قلی کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر اس نے باکو اور دربند دونوں شہر نادر قلی کے حوالے کر دیئے۔ اس طرح نادر قلی نے سرزمین ایران کو عثمانی اور روسیوں اور افغانوں سے یکسر خالی کرا دیا تھا۔

یہ سارے عظیم کام سرانجام دینے کے بعد نادر قلی اب ایران کا ایک خودمختار حکمران بننا چاہتا تھا۔ وہ اپنے سارے خارجی حریفوں کو نیچا دکھا چکا تھا۔ داخلی شورشیں ختم ہو چکی تھیں۔ کسی بھی جابر اور طاقتور قبیلے کو حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ نادر قلی کی موجودگی میں قتل و غارت گری یا لوٹ مار کا کام سرانجام دے۔ ایران کے پرانے حکمران خاندان صفوی میں اب کوئی تخت و تاج کا وارث ایسا نہ تھا جس سے نادر قلی کو خطرہ لاحق ہو سکے۔

جن دنوں نادر قلی ایران کے تخت و تاج کا واحد اور خودمختار مالک بننے کا ارادہ کر رہا

تھا، اس کی خوش قسمتی کہ اتفاق سے انہی دنوں صفوی کٹھ پتلی بادشاہ عباس فوت ہو گیا۔ لہٰذا اب نادر قلی کو اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہ آتا تھا۔

اس کے باوجود نادر قلی نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس نے مغان داد کے صحرا میں ایران کے سرکردہ اُمراء کی مجلس میں پہلے ملکی سیاست پر تقریر کی۔ اس مجلس میں جہاں ایران کے اعلیٰ پائے کے امراء شامل تھے، وہاں سارے سالاروں نے بھی شرکت کی تھی۔ تقریر کے دوران نادر قلی نے آئندہ خطرات سے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے کھلے الفاظ میں ایران کے حکمران طبقے صفوی خاندان کا کوئی لائق وارث نہ ہونے کا ذکر بھی کیا اور اپنے سارے امراء اور سالاروں کو ایران کے اندر قومی حکومت کو مستحکم بنانے کی ضرورت کا احساس بھی دلایا۔

اس نے لوگوں پر یہ بھی زور دیا کہ ایران کا حکمران اور بادشاہ اسے ہونا چاہئے جو ایران کی عظمت کو بحال کر سکے۔ چنانچہ جس قدر امراء اور سالار وہاں موجود تھے انہوں نے نادر قلی کی خواہش کے مطابق اسے ہی حکومت سنبھالنے کی استدعا کی۔

نادر قلی خود بھی ایسا ہی چاہتا تھا اور وہ اپنے امراء سے یہی امید لگائے ہوئے تھا۔ چنانچہ جب سارے امراء اور سالاروں نے اس سے استدعا کی کہ حکومت کی باگ ڈور وہ خود سنبھالے، وہی ملک کو مستحکم اور مضبوط رکھ سکتا ہے۔ اس نے پہلے تو پس و پیش کیا، آخر اس نے امراء کے اس اصرار پر اس بارِگراں کو قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ لیکن اس نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تین شرائط پیش کیں۔

اول ایران پر حکومت نادر قلی کے خاندان میں موروثی ہو گی۔ دوئم کوئی شخص صفوی خاندان کے کسی فرد کو تخت و تاج حاصل کرنے میں مدد نہیں دے گا۔ سوئم اہل ایران سنی مذہب قبول کریں اور سب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فرقے اختیار کرنے کی بجائے اس نے ایک درمیانہ راستہ اختیار کیا۔ سنیوں کے بہت سے طور طریقوں میں کچھ شیعہ فرقے کے طور طریقے بھی ڈال دیئے۔ اس طرح اس نے ایک نیا ہی دینی رجحان پیدا کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ رجحان شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک قابل احترام ہونا چاہئے۔

چنانچہ ایران کے امراء نے نادر قلی کی بادشاہت کو تو دل و جان سے قبول کر لیا لیکن

نہ مذہبی تبدیلی کو دل سے مانا نہ حکومت کے موروثی ہونے کو تسلیم کیا۔ بہرحال یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت نادر قلی کے علاوہ کوئی اور شخص ملک و ملت کو بچانے کا اہل نہیں ہے، رسماً باقی دو شرطوں کو بھی انہوں نے مان لیا تھا۔

جب سارے امراء اور سالاروں نے نادر قلی کو ایران کا بلا شرکت غیرے بادشاہ تسلیم کر لیا تب نادر قلی نے تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے ایک خاص ایوان تعمیر کروایا اور تقریب کے لئے نجومیوں نے وقت اور دن مقرر کیا۔ ایران کی عظیم روایات کے مطابق نادر قلی کے سر پر تاجِ شاہی رکھا گیا اور نادر قلی ایران کے تخت و تاج کا مالک بننے کے بعد نادر قلی کی بجائے نادر شاہ کے لقب سے سرزمینِ ایران کا بادشاہ بن گیا۔

اس نے ایران کے ہیروں اور جواہرات کے تخت پر بیٹھ کر رعایا کا خراجِ عقیدت قبول کیا۔ اس تقریب کی یادگار میں سکے ڈھالے گئے۔ اور اس طرح افشار قبیلے کا ایک چرواہا جو ایران کو افغانوں، ترکوں، روسیوں اور قبائلی حملہ آوروں سے نجات دلانے کا موجب بنا تھا، اپنے عظیم ارادوں میں کامیاب ہوا اور گڈریئے سے ایران کے تاج و تخت کا مالک بنا۔

ایران کا بلا شرکتِ غیرے بادشاہ بننے کے بعد نادر شاہ کو سب سے پہلی خطرناک اور بڑی مہم جو پیش آئی وہ شمال کے جنگجو اور وحشی قبیلے بختیاریوں کی بغاوت تھی۔ بختیاری کوہستانی جنگجو اور چھاپہ مار تھے۔ جنگ کا بہترین تجربہ رکھتے تھے۔ دشمن پر حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی اور دشمن کی شکست کو یقینی بنانے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ ایران کا بادشاہ بننے کے بعد جب اپنے امراء اور سالاروں کے ساتھ نادر قلی جو اب نادر شاہ ہو گیا تھا، اصفہان میں داخل ہوا اور آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے اس نے اپنے سارے سالاروں اور اہم امراء کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ ابھی اس اجلاس کی کارروائی شروع بھی نہیں ہوئی تھی کہ شمال کی طرف سے نادر شاہ کے مخبر آئے اور انہوں نے بختیاریوں کی بغاوت اور سرکشی کی اطلاع دی اور نادر شاہ پر یہ بھی انکشاف کیا کہ بختیاریوں کے علاقے میں نادر شاہ نے جو اپنا حاکم مقرر کر رکھا تھا، اسے بختیاریوں نے مار مار کر اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا ہے۔

یہ سن کر نادر شاہ کا رنگ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے اپنے

سامنے بیٹھے سالاروں کی طرف دیکھتا رہا۔ سالاروں میں اس وقت اس کے دو بیٹوں رضا قلی اور نصر اللہ کے علاوہ دونوں بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم خان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ نامور سالاروں میں سے کریم خان زند، آزاد خان، افغان علی، مردان خان بختیاری، شیخ علی خان، عالم خان، ذکی خان اور بہت سے دیگر امراء بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک اپنے سالاروں کا جائزہ لینے کے بعد نادر قلی کی نگاہیں اپنے سالار علی مردان خان بختیاری پر جم گئی تھیں۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے وہ اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''علی مردان! میں جانتا ہوں تم بختیاری قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔ تمہارے قبیلے نے ہمارے خلاف بغاوت اور سرکشی اختیار کر لی ہے۔ دیکھو، کوئی آخری فیصلہ کرنے سے پہلے میں تم سے بھی مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور تمہارا عندیہ جاننا چاہتا ہوں۔ یہ کہو کہ اگر میں تمہارے قبیلے کی سرکشی اور بغاوت دور کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوتا ہوں تو تمہارے کیا تاثرات ہوں گے؟''

علی مردان نے بڑی عاجزی اور انکساری سے نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اس سلسلے میں میرے کوئی احساسات اور جذبات نہیں ہوں گے اور نہ ہی آپ میرے جذبات کو کوئی اہمیت دیجئے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا تعلق بختیاری قبیلے سے ہے لیکن اگر بختیاری قبیلے نے آپ کے خلاف بغاوت اور سرکشی کی ہے تو ان کی بغاوت اور سرکشی کو ہر صورت میں فرو کیا جانا چاہئے۔''

علی مردان خان کی اس گفتگو سے نادر شاہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''علی مردان! تم نے اپنے الفاظ سے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب تم ایسا کرو، جا کر اپنی رہائش گاہ میں آرام کرو۔ بختیاریوں پر قابو پانے اور ان کی بغاوت اور سرکشی کو کچلنے کے لئے میں جو لشکر لے کر روانہ ہوں گا اس لشکر میں تم شامل نہیں ہو گے۔ میں ایک بختیاری سالار کو بختیاروں کے خلاف نہیں لڑانا چاہتا۔''

علی مردان شاید نادر شاہ کا مطلب سمجھ گیا تھا لہٰذا اس کے کہنے پر وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد نادر قلی پھر کچھ دیر تک بڑی گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس بار کریم خان زند کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے عزیز بھائی معصوم خان کے فرزند! اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ بختیاریوں کی اس بغاوت کے سلسلے میں تم کیا کہتے ہو؟ تمہاری حیثیت میری نگاہوں میں صرف ایک سپہ سالار کی نہیں، ایک فرزند کی سی بھی ہے۔ اور پھر یہ کہ تمہارا قبیلہ اکثر و بیشتر خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے ہوئے بختیاریوں کے علاقوں کی طرف بھی جاتا رہا ہے۔ لہٰذا تم اور تمہارا باپ بختیاریوں کے مزاج سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ بختیاریوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟''

نادر شاہ جب یہاں تک کہنے کے بعد خاموش ہوا تب لمحہ بھر کے لئے کریم خان نے کچھ سوچا، اس کے بعد نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے لئے یہ بہت بڑا اعزاز اور عزت افزائی ہے کہ آپ بختیاریوں کی بغاوت اور سرکشی کو فرو کرنے کے لئے مجھ سے مشورہ کر رہے ہیں۔ میں سب سے پہلے تو یہ گزارش کروں گا کہ ایک خاصا بڑا لشکر لے کر بختیاریوں کی طرف روانہ ہونا چاہئے۔ جاتے ہی ان پر حملہ آور نہیں ہونا چاہئے بلکہ کچھ قاصد ان کی طرف روانہ کرنے چاہئیں اور انہیں ترغیب دینی چاہئے کہ اگر وہ بغاوت اور سرکشی ختم کر دیں تو ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیا جائے گا بشرطیکہ آنے والے دور میں وہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ اور اگر کریں گے تو پھر ان کا خوب قتل عام کیا جائے گا۔

اگر بختیاری حکمران اور سردار اس پیغام کو قبول کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونے کی حامی بھر لیں تو پھر میرے خیال میں ان کے خلاف معرکہ آرائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہیں تو ان کے خلاف دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے کہ ان پر یلغار کر دی جائے۔ ان کی طاقت اور قوت کو بالکل روند ڈالا جائے۔ اور جب وہ سرکشی اور بغاوت ترک کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور آپ کی فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کر لیں تو اس کے بعد ان کے خلاف ایک تیسرا قدم بھی اٹھانا چاہئے۔''

کریم خان زند برابر بولے جا رہا تھا جبکہ نادر شاہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا

رہا تھا۔ یہاں تک کہ نادر شاہ بول اٹھا۔

''کریم خان زند! تم نے دو باتیں تو بڑی اچھی کہیں لیکن تم تیسری بات کیا کہنا چاہتے ہو؟''

جواب میں کریم خان پھر بول اٹھا۔

''تیسری بات یہ ہے کہ جب ہم ان پر حملہ آور ہو کر ان کی بغاوت کو فرو کر دیں، انہیں شکست دیں اور وہ ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کریں تو پھر بختیاری قبائل کے کچھ ذیلی اور چھوٹے قبیلوں کو ان کے کوہستانی سلسلوں سے نکال کر خراسان کے وسطی میدانوں میں آباد کر دیا جائے تاکہ ان بختیاریوں کی قوت اور طاقت مجتمع نہ رہے۔ اگر یہ اکٹھے رہیں گے تو آنے والے دور میں پھر ہمارے خلاف کوئی نہ کوئی سازش اور سرکشی کھڑی کریں گے۔ اور اگر ان کی طاقت کو بانٹ کر کچھ کوہستانی سلسلوں میں رہنے دیا جائے اور کچھ کو خراسان کے میدانی علاقوں میں آباد کر دیا جائے تو میرے خیال میں جب اس طرح ان کی قوت بٹ جائے گی، دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گی تو آنے والے دور میں انہیں کبھی سرکشی اور بغاوت کھڑی کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر خاموش رہ کر نادر قلی مسکراتا رہا۔ ساتھ ہی کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر شفقت بھرے انداز میں کریم خان کی طرف وہ دیکھ بھی لیتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بول اٹھا۔

''جو کچھ کریم خان نے کہا ہے، اسی پر عمل کیا جائے گا اور مجھے امید ہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے ہم بختیاریوں کو اپنے سامنے بہت جلد زیر اور مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان پر قابو پانے کے بعد ان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ اپنے آبائی کوہستانی سرزمینوں میں ہی رہے گا، دوسرے کو ہم خراسان میں آباد کر دیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب اس کا بھتیجا علی قلی خان بول اٹھا، کہنے لگا۔

''جو کچھ کریم خان نے کہا ہے، میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس مہم کی منصوبہ بندی کو آخری شکل دینے سے پہلے علی مردان بختیاری کو یہاں سے اٹھا دیا، یہ بھی آپ کا

احسن اور اچھا اقدام ہے۔ اب تک جو گفتگو ہوئی ہے اس میں صرف اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ بختیاریوں سے نمٹنا اتنا آسان نہیں ہوگا جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ وہ لوگ کوہستانی سلسلے کے اندر آباد ہیں۔ جگہ جگہ انہوں نے گھات لگانے کے لئے کوہستانی سلسلوں کے بڑے بڑے پتھروں کے قلعہ نما مساکن اور گھاتیں بنا رکھی ہیں جن کے پیچھے رہ کر وہ اپنے علاقے میں داخل ہونے والے دشمنوں اور حملہ آوروں پر ایسی تیر اندازی کرتے ہیں کہ کسی کو ان کے علاقوں میں داخل ہونے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ لہٰذا بختیاریوں پر ہمیں سوچ سمجھ کر حملہ آور ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کوہستانی سلسلے میں داخل ہو جائیں اور ان کے ساتھ ٹکراؤ کے بعد ہم ناکام اور نامراد کوہستانی سلسلے کے اندر سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں۔''

علی قلی خان جب خاموش ہوا تب کریم خان مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

''علی قلی خان! میرے محترم! جن خدشات کا آپ نے اظہار کیا ہے، میں ان سے اتفاق کرتا ہوں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر بختیاریوں نے حملہ آوروں اور اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے کوہستانی سلسلوں کی چٹانوں میں گھاتیں اور ایک طرح کے مورچے بنا رکھے ہیں تو ہم بھی ان کے خلاف کارروائی اس انداز میں کریں گے کہ پتھروں سے بنائی ہوئی گھاتیں خود ان کے لئے بے کار ثابت ہوں۔ اس کے لئے ہم کون سا طریقہ اختیار کریں گے، اس کا فیصلہ بختیاریوں پر حملہ آور ہونے سے کیا جائے گا۔ کسی پر اس کا اظہار کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں ہے۔''

جواب میں کچھ دیر تک نادر شاہ توصیفی انداز میں کریم خان کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''جو کچھ کریم خان کہتا ہے، درست یہی ہے۔ اب میرا فیصلہ سب غور سے سنو۔ جو لشکر میں یہاں سے لے کر بختیاریوں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوں گا، اس میں کریم خان کے علاوہ آزاد خان، افغان علی، قلی خان، شیخ علی خان اور عالم خان جیسے سالار میرے ساتھ ہوں گے۔ میری غیر موجودگی میں میرے دونوں بیٹے رضا قلی اور نصر اللہ کے علاوہ میرا بھتیجا ابراہیم خان بھی یہیں رہے گا۔ کریم خان کے بھائی صادق خان اور ذکی خان بھی یہیں رہیں گے۔ میں لشکر کو دو دن کی تیاری کا موقع دیتا

ہوں۔ اس کے بعد لشکر لے کر بختیاریوں پر حملہ آور ہونے کے لئے یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔''

اس کے ساتھ ہی نادر قلی نے اپنا وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور سارے سالار اور امراء اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

دو دن بعد نادر شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان سے کوچ کیا اور بڑی برق رفتاری سے ان کوہستانی سلسلوں کی طرف روانہ ہوا جہاں بختیاری قبائل کے مسکن تھے۔ ان کے علاقوں کے قریب پہنچ کر نادر شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا۔ ابھی پڑاؤ قائم ہو ہی رہا تھا اور نادر شاہ اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے پڑاؤ کا جائزہ لے رہا تھا کہ دو مخبر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی تشویش بھرے انداز میں نادر شاہ نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

''بختیاریوں کی بغاوت اور ان کے علاقوں کی صورتِ حال سے تو مجھے آگاہی ہو گئی ہے۔ کیا تم کوئی نئی خبر لے کر آئے ہو؟''

اس پر آنے والے ان دو میں سے ایک نادر قلی کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

''مالک! آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم واقعی بختیاریوں کے علاوہ ایک اور اہم خبر لے کر آئے ہیں اور یہ خبر قاچار قبیلے سے متعلق ہے۔ آپ جانتے ہیں جس وقت آپ نے قاچار قبیلے کے سردار فتح محمد قاچار کو ہلاک کیا تھا تو فتح محمد قاچار کا بیٹا حسن قاچار اور محمد حسین قاچار دونوں لشکر سے فرار ہو گئے تھے اور کوہستانی سلسلے کے اندر جا کر انہوں نے پناہ لے لی تھی۔ اس کوہستانی سلسلے میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنے قبیلے سے رابطہ قائم کیا اور پھر ان کے کہنے اور ان کی انگیخت پر ان کے قبیلے کے لوگ اِکا دُکا اور چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں ان کے پاس پہنچنا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ نوبت اب یہاں تک پہنچی ہے کہ ان کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر تیار ہو چکا ہے اور وہ آپ سے اپنے باپ فتح محمد قاچار کی ہلاکت کا انتقام لینے پر تلے ہوئے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر کچھ دیر کے لئے رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے

ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''مالک! اب ان کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ انہی کوہستانی سلسلوں کے اندر آپ پر ضرب لگائیں۔ محمد حسن قاچار اور اس کے بیٹے محمد حسین قاچار دونوں نے اپنی عسکری طاقت اور قوت میں خوب اضافہ کر رکھا ہے۔ انہیں خبر ہو چکی ہے کہ بختیاریوں کی بغاوت اور ان کی سرکشی کو فرو کرنے کے لئے آپ لشکر لے کر ان کوہستانی سلسلوں کی طرف آئے ہیں لہٰذا جس وقت آپ بختیاریوں پر حملہ آور ہوں گے تو وہ کہیں سے بھی اپنی گھات سے اٹھ کر کوئی مناسب موقع دیکھتے ہوئے اچانک آپ پر حملہ آور ہو کر آپ کی کامیابی کو ناکامی میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب ان کے سامنے صرف دو ہی مقاصد ہیں۔ پہلا یہ کہ اپنے باپ فتح محمد قاچار کی ہلاکت کا آپ سے انتقام لیں اور دوسرا یہ کہ آپ کو ایران کے تخت و تاج سے محروم کر کے قاچاری خود ایران کی حکومت اپنے قبضے میں کر لیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تب اس کی طرف تھوڑی دیر کے لئے نادر شاہ توصیفی انداز میں دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''میں تمہاری کارگزاری پر مطمئن اور خوش ہو۔ اب تم لشکر کے اندر آرام کرو۔ میں فتح محمد قاچار کے بیٹے اور پوتے کو اتنی مہلت ہی نہیں دوں گا کہ کہیں وہ گھات سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہوں اور ہمیں نقصان پہنچائیں۔ تم شام تک آرام کر لو، اس کے بعد تم سے ایک کام لیا جائے گا۔ اس لئے کہ تم دونوں یقیناً محمد حسین قاچار کی آماجگاہوں، گھاتوں سے آگاہ ہو گے اور ان پر حملہ آور ہونے کے بعد پھر ہم بختیاریوں سے ایسا نمٹیں گے کہ ہمارا نمٹنا تاریخ کے اوراق میں ایک یادگار بن کر رہے گا۔ اگر قاچاری یہ خیال کرتے ہیں کہ جس وقت ہم بختیاریوں کے خلاف حرکت میں آئیں گے تو وہ پشت کی طرف سے نمودار ہو کر ہم پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے سیاہ مقاصد پورے کرنے کی کوشش کریں گے تو انہیں ہم ایسا کرنے کا موقع ہی نہیں دیں گے۔ بختیاریوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ان سے دو دو ہاتھ کر کے ہم انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر رکھ دیں گے۔''

نادر شاہ کے کہنے پر جب وہ مخبر وہاں سے ہٹ گئے تب کچھ دیر نادر شاہ خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا، اس کے بعد اس نے کریم خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''کریم خان! میں حسب سابق اس بار پھر تم سے کام لینا چاہتا ہوں اور اس کام میں شیخ علی خان اور عالم خان دونوں عرب سالار تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اس لئے کہ وہ دونوں سالاروں میں سب سے زیادہ مانوس تم ہی سے ہیں اور پھر وہ تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ جو مہم میں تم تینوں کے سپرد کروں گا، اس کی تفصیل میں تم سے کہتا ہوں۔

جو مخبر ابھی آئے جنہوں نے قاچاری قبیلے کی منصوبہ بندی سے ہمیں آگاہ کیا ہے، انہیں عشاء تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ عشاء کے بعد کریم خان! تم لشکر کے ایک حصے کو لے کر ان دونوں مخبروں کی رہنمائی میں کوہستانی سلسلے میں داخل ہونا۔ دونوں عرب سالار شیخ علی خان اور عالم خان دونوں تمہارے ساتھ ہوں گے۔ وہ تمہارے نائب کی حیثیت سے کام کریں گے۔ مخبر قاچاری قبیلے کی گھاٹیوں تک تمہاری راہنمائی کریں گے اور رات کی تاریکی میں، میں چاہتا ہوں تم ان پر ایسا شب خون مارو کہ انہیں اس قابل ہی نہ رہنے دو کہ جب ہم بختیاریوں پر حملہ آور ہوں تو کہیں سے اٹھ کر ہمارے لئے مصیبت اور دشواری کا باعث ثابت ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب کریم خان چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کوئی فکر ہی نہ کریں۔ اگر قاچاری یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد، اپنے ارادے اور عزائم پورے کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اگر وہ بختیاریوں کی طرح بغاوت اور سرکشی پر اتر رہے ہیں تو ان کی زندگی کے کشکول میں ہم موت، ہلاکت، بربادی کے سوا کچھ نہ رہنے دیں گے۔ قاچاریوں نے ہمارے اندر ایک طرح کی بدنظمی اور نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ہماری یکجہتی کو نقصان پہنچایا ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں اپنے دونوں مخبروں کی رہنمائی میں عشاء کی نماز کے بعد قاچاریوں کی طرف پیش قدمی کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ جس طرح میں نے کوہستانی سلسلے کے اندر افغانوں کو شکست دے کر مار بھگایا تھا اسی طرح میں قاچاری جنگجوؤں پر حملہ آور ہو کر ان کے سامنے اپنی جانیں بچا کر بھاگنے کے سوا کوئی اور راستہ رہنے ہی نہ دوں گا۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے نادر شاہ خوش ہو گیا تھا۔ لہٰذا پہلے کی طرح اپنے

سالاروں کے ساتھ نادر شاہ اپنے پڑاؤ کا جائزہ لینے لگا تھا۔

***

زیست کے ارادوں کی ہر جہت، وقت کے پُر جوش قافلوں اور روشنی کی شعاعوں تک بھی اپنی سیاہ چادر پھیلاتی رات ازل گیر ابد کے سے سفر اور ابد گیر ازل کی دائم مسافتوں پر رواں دواں تھی۔ لحہ بہ لحہ گہری ہوتی رات نے رت جگوں کی محفلوں، ہجرتوں کے عذابوں کی داستانوں کی طرح عنایات کی ہر چشم التفات کی ہر نظر، ہر حرفِ محبت پر اپنی نیند کی گہری ردا ڈالنی شروع کر دی تھی۔ چاروں طرف گلابی چاندنی، شعلوں کی باس بہار رتوں کی صبح نو، درد کی مسافتوں جیسی چپ اور خاموشی طاری تھی۔ ایسے میں بڑی رازداری کے ساتھ کریم خان اور اس کا ساتھی عرب سالار شیخ علی خان لشکر کے ایک حصے کے ساتھ اپنے پڑاؤ سے نکلے اور بڑی رازداری اور بھید بھرے انداز میں وہ قریبی کوہستانی سلسلوں کی بھول بھلیوں میں کھو گئے تھے۔

رات جب تمام ہوئی، مشرق سے سورج نے اپنی تیز نگاہوں سے دھرتی کے نشیب و فراز کو جھانکا، تب بختیاری قبیلے کا لشکر بھی اپنے آپ کو آراستہ کرتا ہوا نادر شاہ کے لشکر کے سامنے صف آراء ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے نادر شاہ نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اس کے لشکر کے اندر جنگ کے بڑے بڑے طبل گہری گونجوں کے ساتھ بول اٹھے تھے۔

کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا، پھر کام کی ابتداء نادر قلی نے کی اور وقت کے قرطاس پر سوچوں کی پھیلتی حدت کی طرح اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس موقع پر اس کے لشکری فتح مندی کے گونجتے حروف کی طرح نعرے بلند کر رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے نادر شاہ بختیاریوں کے لشکر پر حیات کے سارے جذبوں کو بھسم کرتی غاروں کے اندھے دھانوں سے نکلتی آگ، داستانوں کے جملوں کے الفاظ تک کو مدہم کر دینے والی شدید تیزابی تلخیوں اور ذہنوں کے آفاق پر تیرگی کی آندھیاں کھڑی کرتے بے کراں وسعتوں کے عذابوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

بختیاریوں نے جوابی کارروائی کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لیا اور ساتھ ہی ساتھ وہ بھی خوفزدہ چہروں پر موت کے المناک مناظر رقم کرنے والی ہولناک زلزلہ انگیزیوں، ان گنت دکھ، بے انت محرومیاں، عداوت اور انتشار کے لمحات کھڑے کرتی خونی

وحشتوں کے کرودھ اور زندان کی داستانِ الم کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ میں غم دہر اس کے ویرانوں میں رگ رگ میں شگاف کرتی قضا رقص کرنے لگی تھی۔ موت رگوں کو چوس لینے والی وحشی ہواؤں کی طرح سینے خلش خلش، جبینیں شکن شکن، چہرے لہولہو کرنے لگی تھی۔

بختیاریوں نے قاچاریوں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک طرح سے نادر شاہ کو اپنے سامنے زیر کرنے کی منصوبہ بندی کر رکھی تھی لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ قدرت ان کے خلاف فیصلے رقم کر چکی تھی۔ جس وقت دونوں طرف کے لشکری دکھ کی میعاد بڑھاتے ہوئے ہولناک بے روک عناصر، ناکامی کی روداد سناتے موت کے سندیسوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہو رہے تھے، اس وقت قاچاریوں کا ایک لشکر کوہستانی سلسلے کے اندر سے نکلا۔ وہ چاہتا تھا کہ نادر شاہ کے لشکر پر پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر نہ صرف یہ کہ نادر شاہ سے اپنا انتقام لیں بلکہ نادر شاہ کے مقابلے میں بختیاریوں کی فتح اور کامیابی کو یقینی بنائیں۔

قاچاریوں کی بدقسمتی کہ جونہی کوہستانی سلسلوں سے نکل کر وہ کھلے میدانوں میں داخل ہوئے، ان کے خلاف بھی ایک انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ گو قاچاری کوہستانی سلسلوں سے نکلتے وقت زور زور سے نعرے بلند کر رہے تھے اور اپنے گھوڑوں کو انہوں نے نادر شاہ کے لشکر کی پشت کی طرف دوڑایا تھا تا کہ نادر شاہ کی پشت پر حملہ آور ہونے سے پہلے ہی پہلے خوفناک نعروں کے ذریعے نادر شاہ کے لشکر میں خوف و ہراس پھیلا دیں۔ لیکن اُن کے ان نعروں کا نادر شاہ کے لشکر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لگتا تھا نادر شاہ اور اس کے سالاروں نے اپنے سارے لشکریوں کو پہلے سے ہی صورتِ حال سے آگاہ کر رکھا تھا بلکہ قاچاریوں کی بدبختی کہ وہ ابھی پوری طرح کوہستانی سلسلے سے نکل کر تھوڑا سا ہی آگے بڑھے تھے کہ ایک دوسری سمت سے کریم خان اور عرب سالار علی خان اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کریم خان آرزوؤں کو کفن پہناتی تیز آندھیوں کے جھکڑوں، آنکھوں میں خوف کی افشاں، پھیلاتی دکھوں کے موسموں کی بازگشت کی طرح نمودار ہوا اور اس کے بعد بڑی تیزی سے وہ خوابوں کے سنہرے مناظر میں سوچوں کی تلخیاں بھر دینے والی جذبوں کی کھولتی حرارت اور برق کے بے روک انتقام کی طرح قاچاریوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

نادر قلی کے لشکریوں کو جب پتہ چلا کہ قاچاریوں کا لشکر کوہستانی سلسلوں سے نکل چکا ہے اور ان پر کوہستانی سلسلے سے ہی نکل کر کریم خان اور شیخ علی خان حملہ آور ہو چکے ہیں تب انہوں نے اپنے حملوں میں پہلے کی نسبت شدت پیدا کر دی۔ شاید انہیں قاچاریوں، کریم خان اور شیخ علی خان کے ٹکرانے کا ہی انتظار تھا۔

دوسری طرف بختیاری اپنے ان ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے نادر شاہ کے لشکر پر زور و شور سے حملہ آور ہو رہے تھے کہ تھوڑی دیر بعد قاچاری کوہستانی سلسلے سے نکل کر نادر قلی کے لشکر کی پشت پر حملہ آور ہوں گے اور بختیاریوں کی فتح کو یقینی بنا دیں گے۔ لیکن جب اچانک کوہستانی سلسلے سے کریم خان اور شیخ علی خان نے نکل کر قاچاریوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے قاچاریوں کا قتل عام شروع کیا تب بختیاریوں کے حوصلے پست، ان کے جذبے منجمد ہونا شروع ہو گئے تھے۔

میدانِ جنگ میں ایک بار پھر قضا کی بے اماں فتنہ گری، فنا کی تحریریں رقم ہونے لگی تھیں۔ موت کڑی فرقتوں کے تجسس کی طرح ذرے ذرے کو بے مایہ کرتی چاروں سمت قدرت کی کھولتی قہرمانیت پر آنے لگی تھی۔

قاچاری زیادہ دیر تک کریم خان کے تیز اور شدید حملوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور شکست اٹھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور کوہستانی سلسلے میں داخل ہو گئے۔ کریم خان نے ان کا تعاقب نہیں کیا بلکہ آگے بڑھتا ہوا، نعرے بلند کرتا بختیاریوں کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح جب سامنے کی طرف سے نادر شاہ اور نادر شاہ کے دوسرے سالاروں اور بختیاریوں کے پہلو پر کریم خان اور شیخ علی خان حملہ آور ہوئے تب دو طرفہ حملے کے باعث بختیاریوں کی حالت بڑی تیزی سے سسکیاں بھرتی ہواؤں، نوحہ گری کرتی صداؤں، فرقتوں کی گہری افواہوں، درد کی اا انتہا کراہوں اور اذیت ناک دوراہوں جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ بختیاریوں نے جب دیکھا کہ دو طرفہ حملوں کے باعث ان کے لشکر کا قتل عام شروع ہو گیا ہے تب انہوں نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

نادر قلی نے ان کا تعاقب نہیں کیا بلکہ جہاں اس کا پڑاؤ تھا، وہیں قیام کر کے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا شروع کر دی تھی۔ جس وقت نادر قلی اپنے سالاروں میں سے

اپنے بھتیجے علی قلی خان، ابراہیم خان، عرب سالار عالم خان، آزاد خان افغان کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا کہ اچانک وہ چونکا اور عرب سالار عالم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"عالم خان! کریم خان اور شیخ علی خان کا پتہ کرو کہ وہ کہاں رہ گئے ہیں؟ کیا وہ اپنے حصے کے لشکریوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کا سامان کر رہے ہیں؟ جبکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ سارے زخمیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ زخمیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا، اسی بناء پر میں نے طبیبوں کو حکم دیا ہے کہ فی الفور مرہم پٹی کا سامان کریں۔ پھر وہ دونوں کہاں رہ گئے ہیں؟"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، کچھ سوچا، پھر دوبارہ عالم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"عالم خان! ذرا پتہ کرو کریم خان اور شیخ علی خان کہاں رہ گئے ہیں؟"

عرب سالار عالم خان وہاں سے ہٹنے ہی لگا تھا کہ اچانک ایک سوار اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا نادر شاہ کے قریب آیا، جست لگا کر اپنے گھوڑے سے اُترا، نادر شاہ کو تعظیم دی، پھر تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگا۔

"آپ کی طرف آتے ہوئے میں نے آپ کے الفاظ سن لئے ہیں۔ آپ عالم خان کو مخاطب کر کے جو کہہ رہے تھے، میں آپ سے گزارش کروں کہ قاچاریوں کو مار بھگانے کے بعد کریم خان جب بختیاریوں کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہوا تھا اس وقت وہ اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ بختیاریوں نے جب دیکھا کہ ایک نیا لشکر ان پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے تو کچھ بختیاریوں نے تیر اندازی کی۔ لہٰذا کچھ تیر کریم خان کے لگے۔ وہ اس وقت زخمی ہے۔ جبکہ ہمارا سالار شیخ علی خان اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ فکرمندی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ زخم معمولی قسم کے ہیں۔ کچھ تیر ذرہ بکتر میں پھنس گئے تھے، کچھ تیروں سے کریم خان کے بازو اور شانے پر زخم آئے ہیں۔ جونہی ان کے زخموں کی مرہم پٹی ہوتی ہے، میرے خیال میں کریم خان اور شیخ علی خان دونوں آپ کی طرف آئیں گے۔"

آنے والے اس چھوٹے سالار کے یہ الفاظ سن کر نادر شاہ ہی نہیں، وہاں جمع ہونے والے باقی سالار بھی کسی قدر فکرمند ہو گئے تھے۔ چنانچہ نادر شاہ اپنے تاثرات کا

اظہار کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے کریم خان اور شیخ علی خان آتے دکھائی دیئے۔ کریم خان لنگڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔ نادر شاہ چند قدم آگے بڑھا اور پھر جب کریم خان قریب آیا تو اسے گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی، پھر اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے زخم کہاں ہیں؟''

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''آپ کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بختیاریوں نے مجھ پر تیر اندازی کی تھی۔ ان کے زیادہ تر تیر میری ڈرہ پر ہی لگے۔ وہ نقصان کا باعث نہیں بنے۔ تاہم کچھ تیر بازو اور شانے پر لگے۔ ان کے کچھ معمولی زخم آئے ہیں۔ مرہم پٹی ہوگئی، جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اگر میں تکلیف میں ہوتا تو آپ کے پاس اس طرح چل کر تو نہ آتا۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے نادر قلی مطمئن اور خوش ہو گیا تھا۔ پھر دوبارہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! آج تم نے اور شیخ علی خان دونوں نے اپنی کارگزاری، اپنی ہمت اور جواں مردی سے ثابت کر دیا ہے کہ تم دونوں فتح مندی کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ کوہستانی سلسلے سے نکل کر جس طرح تم نے قاچاریوں پر حملہ کیا اور قاچاریوں کو اپنے سامنے لمحوں کے اندر روند دیا، تمہاری یہ کارگزاری میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ شیخ علی خان! تم بھی کسی سے پیچھے نہیں ہو۔ تمہاری جانثاری ایک مُہر کی طرح میرے دل پر ثبت ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گا، تم دونوں کا شکر گزار اور ممنون رہوں گا۔ اب آؤ، مل کر سب زخمیوں کی دیکھ بھال کریں۔ اس کے بعد لشکر کے کھانے کا اہتمام کریں۔''

نادر خان کے ان الفاظ سے سب خوش ہو گئے تھے۔ چنانچہ زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے لگے۔ اس کے بعد لشکر کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ یوں وہ رات جب وہاں بسر ہوئی تب بختیاریوں کا ایک وفد نادر قلی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب سے پہلے انہوں نے نادر قلی کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنے کا عہد کیا۔ اس وفد کی آمد سے نادر قلی بڑا خوش ہوا۔ چنانچہ اس نے بختیاریوں کو تو امان دے دی، ساتھ ہی ان کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ بختیاری چونکہ ذرائع معاش نہ ہونے کی وجہ سے اکثر تنگ دستی میں رہتے

ہیں اور تنگ دستی کی وجہ سے اِدھر اُدھر کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر دنگا اور فساد برپا کرتے ہیں لہٰذا نادر خان نے یہ فیصلہ کیا کہ آدھے بختیاری اپنی آبائی سرزمینوں کے اندر ہی رہیں اور وہاں شریفانہ اور بہترین انداز میں گزر بسر کرتے رہیں۔ جبکہ باقی آدھے بختیاریوں کو خراسان کے اندر آباد کیا جائے گا۔

بختیاریوں نے جب اس سے اتفاق کیا تب نادر قلی نے اپنے سارے چھوٹے بڑے سالاروں سے مشورہ کیا، اس کے بعد چند چھوٹے چھوٹے سالاروں کو اس نے مقرر کیا جن کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ آدھے بختیاریوں کو خراسان کی سرزمینوں میں آباد کرنے میں مدد کریں گے۔ ان سارے امور کی تکمیل کے بعد نادر قلی اپنے لشکر کے ساتھ شمال کی ان دور افتادہ سرزمینوں سے اصفہان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

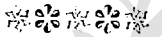

***

اصفہان کے قصر میں ایک روز نادر شاہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کا چوبدار قصر کے اس کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اپنے آپ کو جھکاتے ہوئے اس نے نادر شاہ کو تعظیم دی، پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''شاہِ محترم! ہمارا سالار آزاد خان افغان اس وقت یہاں میرے قریب ہی کھڑا ہے اور وہ آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔''

نادر شاہ نے غور سے اپنے چوبدار کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''کیا اس نے ملنے کی وجہ بتائی ہے؟''

چوبدار نے نفی میں گردن ہلائی۔ کہنے لگا۔

''مالک! اس نے وجہ تو نہیں بتائی لیکن وہ کسی انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔''

جواب میں نادر شاہ نے اثبات میں سر ہلایا، ساتھ ہی کہنے لگا۔

''اچھا، اسے اندر بھیجو۔''

چوبدار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آزاد خان افغان اس کمرے میں داخل ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے نادر شاہ نے ایک نشست کی طرف اشارہ کیا تو آزاد خان افغان وہاں بیٹھ گیا۔ گفتگو کا آغاز نادر شاہ نے کیا اور آزاد خان افغان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہو۔ کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟''

جواب میں آزاد خان نے اپنا گلا صاف کیا، ہچکچاتے ہوئے ایک گہری نگاہ اس نے نادر شاہ پر ڈالی، اُس کے اس انداز پر نادر شاہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ ساتھ ہی اس نے آزاد خان افغان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''رکو نہیں، ہچکچاؤ مت۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ ڈالو۔''

اس پر آزاد خان افغان کو کچھ حوصلہ ہوا اور نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں آپ سے واقعی ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے پاس اپنی ایک خواہش لے کر آیا ہوں کہ سابق بادشاہ حسین کی چھوٹی بیٹی روزبہ کو میرے عقد میں دے دیا جائے۔ اگر آپ ایسا کر دیں تو زندگی بھر آپ کا ممنون اور شکر گزار رہوں گا۔ میں روزبہ کو کئی بار دیکھ چکا ہوں اور اسے اپنی زندگی، مقصد اور اپنی مسافت کی منزل بنا چکا ہوں۔ امید ہے آپ میری اس خواہش کو رد نہیں کریں گے۔''

آزاد خان افغان جب خاموش ہوا تب نادر شاہ کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا۔ پھر وہ کہنے لگا۔

''خواہش بری نہیں ہے اور اپنی خواہش اور ارادے کا اظہار کرنا معیوب بھی نہیں ہے۔ دیکھو، میں روزبہ کا وارث یا اس کا سرپرست نہیں ہوں۔ اس کا باپ مارا جا چکا ہے۔ بھائی اس کا خراسان میں ہے۔ اس وقت اس کی قریب ترین عزیزہ اس کی بہن ہے جو میرے بیٹے رضا قلی کی بیوی ہے۔ روزبہ کے رشتے کا فیصلہ میرا بیٹا رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ مل کر کر سکتے ہیں۔ میں تمہارا معاملہ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ مان گئے تو بہت اچھا۔

آزاد خان افغان! رضا قلی جو میرا بیٹا ہے اور الایہ اس وقت میری بہو ہے ان کا فیصلہ ہی آخری نہیں ہوگا۔ پہلے ان دونوں کو بلا کر اس موضوع پر گفتگو کی جائے گی۔ اگر تو وہ اس رشتے پر رضامند نہ ہوئے تو معاملہ یہیں ختم کر دیا جائے گا اور اگر انہوں نے کسی اعتراض کا اظہار نہ کیا تو پھر آزاد خان! دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے گا کہ روزبہ کو بلایا جائے گا۔ اس کا عندیہ، اس کا فیصلہ جاننے کی کوشش کی جائے گی۔ رضا قلی اور میری بہو الایہ کے بعد اگر روزبہ نے بھی اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ وہ تمہارے عقد میں آنے پر تیار ہے اور اس کے لئے اسے کوئی اعتراض نہیں تو آزاد خان! جب ا

جس وقت تم چاہو گے، تمہاری اور روزبہ کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔''

نادر شاہ کے ان الفاظ پر آزاد خان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نادر شاہ نے اپنے قریب پڑی ہوئی لکڑی کی ایک چھوٹی سی ہتھوڑی اٹھائی اور قریب ہی لٹکتے ہوئے تانبے کے طشت پر دے ماری۔ کمرے کے اندر ایک گونج دار صدا بلند ہوئی اور اس صدا کے جواب میں نادر شاہ کا چوبدار پھر دروازے پر نمودار ہوا۔ نادر شاہ نے مسکراتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''ذرا میرے بیٹے رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔''

چوبدار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کمرے میں رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں داخل ہوئے۔ جس سمت آزاد خان افغان بیٹھا ہوا تھا اس کے دوسری سمت جو نشستیں تھیں ان پر ان دونوں کو نادر شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں ان نشستوں پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد نادر قلی نے باری باری ایک گہری اور غائر نگاہ اپنے بیٹے رضا قلی اور بہو الایہ پر ڈالی، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے تم دونوں کو ایک انتہائی اہم مسئلے اور موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے بلایا ہے۔''

جواب میں نادر شاہ کا بیٹا رضا قلی فوراً بول اٹھا۔

''بابا! اگر آپ ہم دونوں کے علاوہ آزاد خان سے سلطنت کے کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو پھر میں کہوں گا یہ گفتگو نہ کریں۔ اس لئے کہ یہ گفتگو اس وقت تک بے جان اور ناقابل عمل ہو گی جب تک کریم خان، شیخ علی خان، عالم خان، علی مردان خان اور دیگر سالاروں کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی اس گفتگو میں میرا بھائی نصر اللہ شامل ہے، نہ ہی میرے دونوں چچا زاد بھائی علی قلی خان اور ابراہیم یہاں موجود ہیں۔ پھر آپ ہم سے کس اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟ اے میرے باپ! کیا اچھا نہ ہو گا کہ آپ اپنے سارے سالاروں کو بلا لیں اور پھر سب کی موجودگی میں جس موضوع پر آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں، اس پر گفتگو کریں تاکہ ہم کسی متفقہ فیصلے پر پہنچ سکیں۔''

رضا قلی جب خاموش ہوا تب نادر شاہ نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

''رضا قلی! میرے بیٹے! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس سے کریم خان کے ساتھ خاص طور پر اور دوسرے سالاروں کے ساتھ عمومی طور پر تمہاری عقیدت اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن میرے بیٹے! نہ میں سلطنت کے کسی امر پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں نہ ہی کسی آئندہ کی مہم پر گفتگو کا آغاز ہونے لگا ہے۔ یہ تمہارے سامنے آزاد خان افغان بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ہمارے اچھے سالاروں میں سے ایک ہے۔ تھوڑی دیر پہلے یہ میرے پاس آیا۔ یہ روزبہ سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ روزبہ کو یہ کئی بار دیکھ چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ اس کو پسند کرتا ہے، اسے اپنی زندگی کا مقصد اور اپنی حیات کی مسافت کی منزل قرار دے چکا ہے۔ دیکھو، روزبہ کا باپ فوت ہو چکا ہے۔ بھائی اس کا اس وقت خراسان میں ہے۔ لہٰذا تم دونوں سے ہی اس کا قریبی رشتہ ہے۔ اس بناء پر میں نے تم دونوں کو بلایا ہے کہ اگر روزبہ کو آزاد خان افغان کے ساتھ بیاہ دیا جائے تو تم دونوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟''

نادر شاہ کے اس سوال کے جواب میں اس کے بیٹے رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں نے ایک بار بڑے غور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دونوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کوئی فیصلہ کیا، پھر روزبہ کی بڑی بہن الایہ، نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بابا! اس رشتے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ روزبہ کی شادی تو کہیں کرنی ہے بلکہ میں اور رضا قلی اس کی شادی کرنے کے لئے فکرمند بھی تھے۔ اس موضوع پر اس سے گفتگو بھی کرنا چاہتے تھے۔ اچھا ہوا آپ نے خود ہی اس موضوع کی ابتداء کر دی۔ اگر آزاد خان افغان روزبہ کو پسند کرتا ہے تو اس رشتے پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ میرا اور رضا قلی کا فیصلہ آخری نہیں ہے۔ یہ روزبہ کا ذاتی معاملہ ہے۔ سب سے پہلے اس کو بلا کر اس موضوع پر گفتگو کرنی چاہئے۔ اگر وہ رضامندی کا اظہار کر دیتی ہے تو جب اور جس وقت چاہیں گے اس شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنی رضامندی کا اظہار نہ کیا اور اس نے آزاد خان سے شادی نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو پھر آزاد خان کے ساتھ روزبہ کی شادی نہ ہو پائے گی۔''

الایہ کے ان الفاظ کو نادر شاہ نے پسند کیا تھا۔ لہٰذا کہنے لگا۔

''میری بیٹی! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس قسم کی گفتگو پہلے میں آزاد خان سے کر چکا ہوں کہ پہلے رضا قلی اور الایہ سے بات کی جائے گی۔ اگر انہوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا تو بات ختم ہو جائے گی اور اگر رضامندی کا اظہار کیا تو پھر اس سلسلے میں روزبہ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا اور اس میں کوئی رد و بدل نہیں کیا جائے گا۔ اب تم یہیں بیٹھو۔ میں روزبہ کو بلاتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر نادر شاہ نے لکڑی کی ہتھوڑی اٹھا کر قریب ہی لگے ہوئے تانبے کے طشت پر دے ماری تھی۔ طشت سے اٹھنے والی گونج کے جواب میں ایک بار پھر قصر کے اس دروازے پر چوبدار نمودار ہوا اور نادر شاہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ذرا روزبہ کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔''

نادر شاہ کے ان الفاظ کے ساتھ ہی چوبدار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

نادر شاہ جس وقت قصر کے اس کمرے میں آزاد خان، اپنے بیٹے رضا قلی اور اپنی بہو الایہ کے ساتھ روزبہ کے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا عین اسی وقت روزبہ مستقر میں کریم خان کے کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی۔ کریم خان اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے روزبہ کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ چنانچہ دروازے پر ہی کھڑے ہو کر روزبہ کچھ دیر میٹھی میٹھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر شہد اور شیریں برساتی آواز میں بول اٹھی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟''

روزبہ کے ان الفاظ پر کریم خان چونکا تھا۔ ایک دم اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے اس انداز پر روزبہ مسکرا دی اور اس کے ساتھ ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ جب آگے بڑھ کر وہ ایک نشست پر بیٹھ گئی تب کریم خان بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر گفتگو کا آغاز کریم خان نے کیا اور روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''لگتا ہے آج پہلے کی طرح تم گفتگو کا کوئی نیا موضوع لے کر آئی ہو۔''

روزبہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آج میرے پاس صرف ایک ہی موضوع ہے اور وہ یہ کہ مجھے خبر ہوئی کہ

بختیاریوں کے ساتھ ہونے والے ٹکراؤ کے دوران آپ زخمی ہو گئے تھے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کے زخم کہاں آئے ہیں؟ کیا وہ آپ کے لئے تکلیف دہ تو نہیں ہیں؟ اور کیا.....''

روزبہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''روزبہ! وہ زخم معمولی تھے جو تیروں سے آئے تھے۔ اب تو وہ زخم مندمل ہو چکے ہیں۔ اب تمہیں میرے خیال میں احوال پرسی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں، احوال پرسی کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟'' شکوؤں بھری آواز میں روزبہ نے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ پھر روزبہ ایک دم اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''آپ کے زخم کہاں کہاں آئے؟''

کریم خان نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''بازوؤں، پنڈلیوں اور شانوں پر کچھ تیر لگے تھے۔ لیکن زخم جلد ہی مندمل ہو گئے۔''

روزبہ چند قدم آگے بڑھی اور کہنے لگی۔

''کیا میں آپ کے زخم دیکھ سکتی ہوں؟''

اس پر کریم خان چونکا تھا۔ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ عین اسی لمحہ اس کمرے کے دروازے پر نادر قلی کا چوبدار نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی روزبہ جہاں تھی، وہیں رک گئی۔ یہاں تک کہ چوبدار نے روزبہ کو مخاطب کیا۔

''روزبہ! قصر کے ایک کمرے میں اس وقت بادشاہ کے علاوہ آپ کے بہنوئی رضا قلی، آپ کی بہن الایہ اور ہمارا سالار آزاد خان افغان بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نہیں جانتا کس موضوع پر گفتگو ہوئی ہے لیکن بادشاہ حضور نے آپ کو طلب کیا ہے۔ شاید جس موضوع پر وہ گفتگو کر رہے تھے، اس موضوع میں آپ کو بھی شامل کیا جانا ہے لہٰذا مجھے آپ کو لانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔''

روزبہ نے ایک نگاہ چوبدار پر ڈالی، اس کے بعد اپنا رخ پھیرا اور اپنی نگاہیں کریم خان کے چہرے پر جماتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں قصر میں جاتی ہوں۔ دیکھتی ہوں انہوں نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ اس کے

بعد میں لوٹ کر آپ کے پاس آتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی روزبہ، کریم خان کے کمرے سے نکل کر چوبدار کے ساتھ ہو لی تھی۔

روزبہ جب اس کمرے میں داخل ہوئی تو ہاتھ کے اشارے سے نادر شاہ نے اسے اپنی بڑی بہن الایہ کے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ روزبہ چپ چاپ الایہ کے ساتھ والی نشست پر ہو بیٹھی تھی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نادر شاہ نے روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''روزبہ! تیری حیثیت تیری بڑی بہن الایہ کی طرح میرے لئے ایک ہر دلعزیز بیٹی کی سی ہے۔ بچی! ہر لڑکی نے جوان ہو کر شادی کرنی ہوتی ہے اور اپنا گھر آباد کرنا ہوتا ہے۔ تمہاری آمد سے پہلے تمہارے بہنوئی رضا قلی اور بہن الایہ کے ساتھ میری گفتگو ہوئی ہے اور یہ گفتگو تمہاری شادی سے متعلق تھی۔ بچی! ایک شخص تمہارے رشتے کا طالب ہے۔ اب تم سے چھپانا کیا۔ یہ سامنے آزاد خان بیٹھا ہے۔ یہ تم سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔ اس نے آج میرے پاس حاضر ہو کر تم سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے تمہیں پہلے نہیں بلایا۔ پہلے رضا قلی اور الایہ کو بلایا۔ اس موضوع پر ان دونوں میاں بیوی سے بات کی اور یہ تمہارا رشتہ آزاد خان کو دینے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن بچی! ایک بات اپنے ذہن میں رکھنا کہ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے اور اس میں رضا قلی اور تمہاری بڑی بہن الایہ کا فیصلہ آخری نہیں ہوگا۔ اگر آخری فیصلہ ہوتا تو میں تمہیں نہ بلاتا۔ لہٰذا تمہیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ تمہیں صورتِ حال سے آگاہ کر کے اپنی رائے کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ آزاد خان افغان تمہیں جانتا ہے۔ تم بھی اسے جانتی ہو گی۔ اب میں معاملہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ ہاں کرو یا نہ۔ جو بھی فیصلہ تم کرو گی، وہی آخری ہوگا۔''

جونہی نادر شاہ خاموش ہوا، روزبہ ایک دم بول اٹھی۔

''جہاں تک میری شادی کا تعلق ہے تو اس میں نہ میرے بھائی رضا قلی اور نہ ہی بہن الایہ کو دخل اندازی کرنے کا حق ہے۔ میں بالغ ہوں، اپنی بہتری، اپنی بھلائی سوچ سکتی ہوں۔ میں کسی کو پسند کرتی ہوں۔ لہٰذا آزاد خان کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

روزبہ کے ان الفاظ پر آزاد خان کا چہرہ لٹک گیا تھا۔ وہ اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ روزبہ نے آتے ہی نہ اس کی طرف دیکھا تھا نہ اس کی طرف دھیان دیا تھا لہٰذا اس کے تاثرات کا اس نے کوئی اندازہ نہ لگایا۔

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ رکی، پھر دوبارہ نادر قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''اگر میں نے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے کسی کو پسند نہ کیا ہوتا تب بھی میں آزاد خان سے شادی نہ کرتی۔''

روزبہ کا یہ روکھا پھیکا جواب سن کر آزاد خان کی حالت بگڑ گئی تھی۔ لہٰذا وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو کمرے میں خاموشی رہی، پھر نادر شاہ نے روزبہ کی طرف دیکھا اور پوچھ لیا۔

''بچی! کیا تُو بتائے گی کہ اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے تُو نے کس کا چناؤ کیا ہے؟''

روزبہ نے جواب میں کچھ سوچا، پھر کہنے لگی۔

''ابھی میں اس کا نام نہیں بتاؤں گی۔ اس لئے کہ ابھی میں اس کی طرف جھکی ہوں، اسے پسند کرنے لگی ہوں اور اس سے میں نے محبت کی ابتداء کی ہے۔ اس کے میرے متعلق کیا خیالات ہیں، یہ میں نہیں جانتی۔ لیکن وہ میرے ساتھ بڑے مہربان، بڑے ہمدرد ہیں۔ ان کا نام میں اس وقت بتاؤں گی جب مجھے یہ یقین ہو گا کہ جس طرح میں اسے چاہتی ہوں، وہ بھی مجھے اسی طرح پسند کرتا ہے۔ جس روز ایسا ہوا اس روز میں اعلانیہ سب کو بتاؤں گی کہ میں فلاں کو پسند کرتی ہوں، اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ وہ میری چاہتوں کا مرکز اور محور ہے۔''

اس موقع پر نادر شاہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ دوبارہ وہ روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بیٹی! اگر تُو نے کسی کو اپنا ساتھی بنانے کے لئے اس کا چناؤ کر لیا ہے اور تُو اس کی طرف جھک بھی چکی ہے تو بچی! جو تُو فیصلہ کرے گی، وہی آخری ہے۔ اگر تُو برا نہ مانے تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں جس شخص کو تم نے اپنے دل میں جگہ دی ہے، کیا اس کا تعلق اصفہان یا کسی اور شہر سے ہے؟''

روزبہ نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا۔

''اس کا تعلق اصفہان ہی سے ہے۔''

روزبہ کے جواب پر نادر شاہ نے پوچھا۔

''کیا وہ اصفہان کے امراء میں سے ہے یا کسی امیر ترین شخص کا فرزند ہے؟''

''نہ وہ اصفہان کے امراء میں سے ہے، نہ ہی اصفہان کے کسی امیر کا فرزند ہے۔''

روزبہ نے پھر پہلے جیسے انداز میں کہہ دیا تھا۔

''کیا اس کا تعلق میرے لشکر سے ہے؟'' نادر شاہ نے پھر روزبہ کو کریدتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

''جی ہاں۔ اس کا تعلق یقیناً لشکر سے ہے۔''

نادر شاہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک اور سوال اس نے داغ دیا۔

''کیا وہ میرے سالاروں میں سے ایک ہے؟''

''جی ہاں۔ یقیناً وہ آپ کے سالاروں میں سے ایک ہے۔ لیکن فی الحال میں اس کا نام نہیں کہوں گی۔''

جواب میں نادر شاہ نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''بچی! میں کچھ کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اب تُو جا کر آرام کر۔''

جواب میں روزبہ مسکراتی ہوئی اٹھی اور اس کمرے سے نکل گئی تھی۔

کریم خان اسی طرح اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بار پھر روزبہ کھنکارتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ آگے بڑھ کر اسی نشست پر ہو بیٹھی جہاں سے اٹھ کر وہ گئی تھی۔ اس موقع پر کریم خان نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

''محترم نادر شاہ نے تمہیں بلایا تھا۔ خیریت تو تھی؟ کیا کوئی ضروری کام یا مسئلہ درپیش تھا؟''

روزبہ نے جواب میں گردن جھکا لی، پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔

''ہاں۔ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ اس لئے کہ وہ میری حیات کی مشعل کو بجھانے، روشنی کی سمت کو بے سمت کرنا چاہتے تھے۔ میری زیست کے ثبات کو بے ثباتی، روح کی

آسودگی کو بے سکونی میں بدل کر کڑے وقت کی راہوں پر میری آرزوؤں کو کفن پہنانے کے درپے تھے۔''

روزبہ کی اس گفتگو سے کریم خان پریشان ہو گیا تھا۔ تجسس بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں تمہاری باتوں کو سمجھا نہیں۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''جھکی ہوئی گردن اس موقع پر روزبہ نے سیدھی کی، ایک گہری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کریم خان پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''لڑکی جب جوان ہو جاتی ہے تو شمع کے گرد منڈلانے والے پروانوں کی طرح دل پر موت کی دستک دیتے ہیں۔ جاگتے مناظر کو روتی راتوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، لڑکیوں کے جمالیاتی شعور کو شکست زار کے بھنور اور ضمیر کی اندھی پستیوں میں لے جانا چاہتے ہیں۔ بس یوں جانئے یہی کچھ میرے ساتھ کرنے کے لئے مجھے بلایا گیا تھا۔

روزبہ کے ان الفاظ سے کریم خان کو فت محسوس کرنے لگا تھا۔ کہنے لگا۔

''پتہ نہیں کس قسم کی گفتگو کر رہی ہو۔ میں تو سمجھا نہیں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

روزبہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

''بس یوں جانیں وہ مجھے کسی کے پلے باندھ کر مجھے اندھیری، گمنام وادیوں، سسکیاں بھرتی ہواؤں کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ نوحہ گری کرتے وقت میں وہ مجھے آنسوؤں کے فسوں میں ڈوبی کڑے وقت کی اذیت خیزیوں کے سپرد کرنے کے درپے تھے۔''

کریم خان شاید اب معاملے کو سمجھ گیا تھا۔ لہٰذا سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے نادر شاہ تمہارا کسی کے ساتھ رشتہ طے کرنا چاہتا تھا اور اسی مقصد کے لئے تمہیں بلایا تھا۔ کیا وہ تمہاری شادی اپنے بیٹے نصر اللہ کے ساتھ کرنا چاہتا ہے؟''

جواب میں روزبہ نے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''نہیں۔ وہ مجھے آپ کے ساتھی سالار آزاد خان افغان کے ساتھ بیاہنے کے

خواہش مند تھے اور اس خواہش کا اظہار آزاد خان نے ہی کیا ہے۔"

"تو پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کیا جواب دینا تھا؟"

کریم خان نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ اس سے پوچھ لیا۔

"نادر شاہ اگر تمہاری شادی اپنے بیٹے نصراللہ سے کرنا چاہتا تب؟"

"تب بھی میں انکار کر دیتی۔" روزبہ نے بغیر توقف کے فوراً کہہ دیا تھا۔

"وہ کیوں؟...... کیا تم شادی کرنا ہی نہیں چاہتی؟...... دیکھو، لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو کہیں نہ کہیں تو اس کی شادی ہونا ہی ہوتی ہے۔ ایسا ہی معاملہ تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔"

اس موقع پر ایک گہری نگاہ روزبہ نے کریم خان پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

"میں پہلے ہی کسی کو پسند کرتی ہوں۔ لہٰذا میں اس کے علاوہ کسی اور کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا کیوں پسند کروں گی؟ کریم خان! اگر کسی کو میٹھے کے ساتھ کھانے کو کچھ مل رہا ہو تو اسے کڑوا چرائتا پینے کی کیا ضرورت ہے؟"

"جسے تم چاہتی ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کی خاطر تم آزاد خان افغان کے علاوہ نادر شاہ کے بیٹے نصراللہ کو بھی ٹھکرا دو؟"

کریم خان کے اس سوال پر ہلکا سا تبسم روزبہ کے چہرے پر نمودار ہوا تھا، پھر وہ کہنے لگی۔

"جسے میں پسند کرتی ہوں، وہ ویران حیات کے گوشوں میں نئی خوشیوں کی کہانی، بے اعتنائی کی رتوں میں زعفرانی مسکراہٹ، خیالات کے شباب میں راحتوں کی چھاؤں اور غموں کی نہاں گہرائیوں میں چاہتوں کی صداقت کی مانند ہے۔ اپنی ذات کا ساتھی بنانے کے لئے، اپنی زندگی کا ہم سفر بنانے کے لئے جس کا چناؤ میں نے کیا ہے کریم خان! وہ تو کھولتے پرانے المیوں میں بہاروں پر آئے گلستان اور وقت کے دھندلکوں میں آسودگی اور خوشگواری کا پیغام ہے۔ جسے میں اپنے لئے پسند کرتی چکی ہوں، وہ سرابوں کی دھول کو شبنم کے لامحدود بحر، تقدیر کے بدترین عذابوں کو عظمت کے سکون زاروں، مایوسی کے پھیلتے بھنور کو وصال کے شبستانوں میں تبدیل کر دے۔ وہ ایسا نوجوان، ایسا دل پسند اور مہربان ہے کہ بدترین وقت

کی بے کراں آتش کو موجوں میں تحلیل، سرد رنگوں، بدبختیوں کی علامتوں، عداوت کے جھگڑوں کو چاہت کی لذت اور خوشبو و سکون بھری مسکراہٹ میں تبدیل کرنے کا ہنر جانتا ہے۔

اگر وہ میرا ہو جائے تو میں اس کی زیست میں شہد گھول دوں۔ اگر وہ مجھے اپنانے کا عزم کرے تو میں شب کی سیاہ سفاکیوں میں اس کے لئے محبت کا سہانا رقص بن جاؤں۔ اگر وہ میرا ہاتھ تھام کر ایک بار مجھ سے یہ کہے کہ تم میری ہو تو میں اپنے لبوں کی سرخی، رخساروں کی رعنائی سے اس کے دل کا سکون اور چین بن کر رہ جاؤں۔ اگر وہ مجھے اپنانے کا اشارہ دے دے تو میں رنگ بکھیرتے اپنے شباب سے اس کے اردگرد منڈلاتی جبر کی داستانوں کو گلوں کی نکہت میں تبدیل کر کے رکھ دوں۔ کریم خان! جسے میں نے پسند کیا ہے اگر وہ بھی مجھے پسند کرے تو میں اپنی خوبصورتی، اپنے شباب کی لذت اور کشش سے اس کی راتوں کی جلن، اس کی بے بسی کی تلخی اور مایوسی کو نغموں کے سنگھار، نگاہوں کے خمار اور خوشبو بھری کلیوں میں تبدیل کر کے رکھ دوں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ جب خاموش ہوئی تب ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کریم خان کہنے لگا۔

"روزبہ! تمہارے، ارادے تو بڑے خطرناک ہیں۔ تم تو اس کی ہر چیز کو بدل دینے کا عزم کئے ہوئے ہو۔ پھر یہ تو بتاؤ جسے تم نے پسند کیا ہے وہ ہے کون؟"

جواب میں روزبہ بھی مسکرائی۔ کہنے لگی۔

"اب یہ نہیں بتاؤں گی کہ میں نے کس کے سامنے اپنی محبت کی ردا پھیلائی ہے، کس کی ذات پر اپنی چاہتوں کی خواہش کو دراز کیا ہے۔ ابھی یہ ایک بھید، ایک راز ہی رہے گا جو کسی پر کھل نہ سکے گا۔"

کچھ دیر خاموش رہ کر کریم خان نے کچھ سوچا، اس کے بعد اس نے پھر روزبہ کو مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

"جس جوان کو تم نے پسند کیا ہے کیا وہ یہیں اصفہان کا رہنے والا ہے؟"

جواب میں روزبہ نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کسی قدر سنجیدگی میں کہنے لگی۔

"وہ نہ اصفہان کا رہنے والا ہے اور نہ ہی ان دنوں اصفہان میں موجود ہے۔

ہے۔''

اس کے ساتھ ہی روزبہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں آپ کے سوالات کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ لہٰذا میں جاتی ہوں۔ اس موضوع پر بات پھر کبھی کریں گے۔'' اس کے ساتھ ہی روزبہ، کریم خان کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

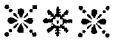

نادر شاہ نے اب قندھار پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سے پہلے محمود خان نے قندھار سے اٹھ کر ایران پر قبضہ کرلیا تھا اور وہ ایران کا شہنشاہ بن گیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ قندھار سے پھر کوئی اٹھ کر ایران پر حملہ آور ہو کر اس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ اس بناء پر اس نے اصفہان سے نکل کر قندھار پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔

جہاں تک قندھار کی تاریخ کا تعلق ہے تو اسلامی تاریخ میں قندھار کا ذکر سب سے پہلے 545 ہجری میں ملتا ہے۔ اس کے بعد کے زمانے میں قندھار شہر تیمور لنگ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

پندرھویں صدی کے اختتام پر قندھار سلطان حسین کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اس زمانے میں قندھار کا نام پہلی بار سکوں پر مضروب ہوا۔ سلطان حسین کے عہد میں ارغون سردار ذنون بیگ نے قندھار کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ چنانچہ انہی دنوں تاشقند کا ازبک حکمران شعبانی خان قندھار پر حملہ آور ہوا جس کے نتیجے میں ذنون بیگ کے مارے جانے کے بعد اس کا بیٹا شاہ بیگ ارغون قندھار کا حکمران ہوا۔ اس شاہ بیگ ارغون کو آخر کار ظہیر الدین بابر نے حملہ آور ہو کر قندھار سے نکال باہر کیا۔ لیکن بعد میں شاہ بیگ دوبارہ قندھار پر قابض ہوگیا۔

928 ہجری میں بابر ایک بار پھر آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا، حملہ آور ہوا اور قندھار پر اس نے دوبارہ قبضہ کرلیا اور یہ شہر مستقل طور پر مغلیہ سلطنت کا حصہ قرار دے دیا گیا۔

بابر کی وفات کے بعد کابل اور قندھار کی حکومت بابر کے بیٹے کامران کو ملی تھی اور

وہ قندھار پر اس زمانے میں بھی قابض رہا جب اس کا بھائی ہمایوں ہندوستان سے جلا وطن کر دیا گیا اور وہ ایران کی طرف ہجرت کر گیا تھا۔

ایران کے صفوی بادشاہ قندھار کو ہمیشہ خراسان کا حصہ قرار دیتے ہوئے اسے اپنا شہر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ہمایوں کی جلا وطنی ختم ہونے کے بعد ہمایوں نے ایرانی لشکر کی مدد سے قندھار کا محاصرہ کیا اور اسے فتح کر کے ایرانیوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن بعد ازاں قندھار ان سے واپس لے لیا۔

اکبر کے عہد کے ابتدائی ایام میں جب ایران کا حکمران طہماسب تھا، تب طہماسب قندھار پر حملہ آور ہوا اور قندھار شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن ان دنوں شاہ طہماسب کے مقابلے میں ہندوستان کا حکمران اکبر تھا۔ اکبر نے قندھار کے خلاف لشکر کشی کی اور ایرانیوں سے اس نے قندھار واپس لے لیا۔

اکبر کے مرنے کے بعد ایرانی ایک بار پھر حرکت میں آئے اور جہانگیر کے دور میں انہوں نے اس سے قندھار چھین لیا لیکن شاہ جہاں کے عہد میں شاہ جہاں بھی حرکت میں آیا جس کی وجہ سے قندھار پر دوبارہ مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

اس کے بعد ایران کے نئے شہنشاہ شاہ عباس نے اپنے کام کی ابتداء کی۔ قندھار کو اس نے فتح کر لیا۔ اس کے بعد مغل شہنشاہ اسے دوبارہ حاصل نہ کر سکے۔

قندھار ایک طویل عرصہ تک صفوی بادشاہوں کے زیر نگیں رہا، بعد میں غلزئیوں نے بغاوت کر کے ایرانیوں کو قندھار سے نکال باہر کیا اور ایران پر حملہ کر دیا۔ محمود غلزئی جو ایران کا بادشاہ بن بیٹھا تھا، اس کا بھائی قندھار کا حاکم ہوا۔

چنانچہ جن دنوں نادر شاہ نے قندھار پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا ان دنوں محمود غلزئی کا بھائی حسین ہی حاکم قندھار تھا۔

نادر شاہ کے قندھار پر حملہ آور ہونے کی ایک وجہ تھی، دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسے قندھار پر حملہ آور ہونے کے لئے کسی نے انگیخت کیا تھا اور انگیخت کرنے والا افغانوں کا ایک قبیلہ ابدالی تھا۔ بے شمار ابدالی جنگجو نادر شاہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے اور اس کی ملک گیری اور توسیع مملکت کی ہوس میں جوش و خروش، وفاداری کے ساتھ نادر شاہ کے ساتھ سرگرم عمل رہے تھے۔ رفتہ رفتہ نادر شاہ ان ابدالیوں سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کی وفاداری کی قدر کرنے لگا۔ انہیں اپنی حکومت کی

ریڑھ کی ہڈی سمجھنے لگا۔ چنانچہ نادر شاہ نے روسی علاقوں میں ترک تاز کی تو ابدالیوں کی وفاداریوں اور جوشِ عمل سے بے حد متاثر ہوا۔ یہ تاثر ایسا تھا کہ ایک موقع پر تو اتنا بڑھا کہ نادر شاہ نے برسرِ دربار وعدہ کیا کہ ابدالی جو مانگیں گے، پائیں گے۔

چنانچہ ابدالی سرداروں میں سے سب سے زیادہ سربرآوردہ اللہ یار خان سیدو زئی تھا۔ اس نے اس پیشکش سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بجائے کچھ اور طلب کرنے کے شہنشاہ نادر سے یہ استدعا کی کہ انہیں ان کا وطن افغانستان واپس دے دیا جائے۔ اس کا کہنا تھا کہ افغانستان جہاں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور جہاں کی سرزمین ان کے لئے وجہ جذب و کشش ہے، ان کے حوالے کر دی جائے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ استدعا بھی کی کہ وہ تمام ابدالی جنہیں اس سے پہلے جلا وطن کر کے خراسان کے صوبے میں بھیج دیا گیا تھا، اس کے مجاز بنائے جائیں کہ اب پھر اپنے وطن آئیں اور وہاں جا کر آباد ہو جائیں۔ نیز یہ کہ قندھار غلزئی اقتدار کے جوئے سے آزاد کر دیا جائے اور انہیں واپس کر دیا جائے۔

نادر شاہ نے از روئے رحم اور خسروانہ نرمی سے ابدالیوں کی یہ گزارش منظور کر لی۔ چنانچہ اس نے وعدہ کیا کہ وہ قندھار پر حملہ آور ہو گا اور جیسے ہی قندھار میں داخل ہو گا ابدالیوں کے سارے مطالبے منظور کر لئے جائیں گے۔

چنانچہ بختیاری قبیلے کو اپنے سامنے زیر کرنے کے بعد نادر شاہ پہلے اپنے مرکزی شہر اصفہان آیا۔ اپنے لشکر کو چند روز تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا، اس کے بعد وہ قندھار کی مہم پر نکلا تھا۔

چنانچہ ایک جرار لشکر لے کر وہ اصفہان سے نکلا۔ کرمان اور سیستان سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ فرح، دملق اور دل آرام سے ہوتا ہوا گریشک پہنچ گیا۔ یہاں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا اور لشکریوں کو ستانے کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد پھر اس نے پیش قدمی شروع کی اور قندھار کے مغربی کناروں پر ہوتے ہوئے اس نے مزید پیش قدمی شروع کی۔ ان علاقوں میں قندھار کے غلزئی سرداروں میں سے یونس خان اور حیدر خان نے نادر شاہ کے لشکر پر شب خون مارا اور اس شب خون کے نتیجے میں نادر شاہ کا خاصا نقصان کیا۔

چنانچہ جس وقت غلزئی، نادر شاہ کے لشکر سے ٹکرائے تھے اس موقع پر ابدالیوں کا

سردار عبدالغنی خان حرکت میں آیا۔ وہ آگے بڑھا۔ جنگ کی ابتداء ہوتے ہی اس نے ایک لمحہ کا بھی توقف نہ کیا اور میدان میں اتر آیا۔ اس نے دفعتۃً یونس خان پر ایک مہلک وار کیا۔ جب تک حیدر خان اس کی کمک کو پہنچے، اس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس حادثے نے غلزئیوں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر دیا تھا۔

ابدالی سردار عبدالغنی کا یہ کارنامہ نادر شاہ کی نظروں میں بے حد قابل احترام ثابت ہوا۔ یوں بھی وہ ابدالیوں پر مہربان تھا اور انہیں موردِ لطف و کرم قرار دیتا رہتا تھا۔ لیکن عبدالغنی کی اس جواں مردی اور وفاداری نے اس کی نظروں میں ابدالیوں کی وقعت اور عزت دوچند کر دی تھی۔

قندھار کا حاکم ان دنوں ایران کے سابق شہنشاہ محمود خان کا بھائی حسین خان تھا۔ چنانچہ حسین خان کو جب خبر ہوئی کہ منزل پر منزل مارتے ہوئے نادر شاہ بڑی تیزی اور برق رفتاری سے قندھار پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب جس قدر لشکر اس کے پاس قندھار میں موجود تھا، اسے وہ حرکت میں لایا اور نادر شاہ کے لشکر کی آمد سے پہلے ہی پہلے شہر سے باہر نکل کر اس نے اپنے لشکر کی صفوں کو آخری شکل دے دی تھی۔

چنانچہ نادر شاہ جب اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کے نواح میں پہنچا تو غلزئیوں کا ایک بہت بڑا لشکر پہلے ہی پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ وہ جنگ کے لئے تیار بھی لگتا تھا لہٰذا اس کے سامنے جا کر نادر شاہ نے بھی اپنے لشکر کو استوار کرنا شروع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں لشکریوں کے درمیان جنگ کی ہولناک ابتداء ہوئی۔ ابتداء قندھار کے غلزئی حکمران حسین نے کی تھی۔ وہ اپنے لشکر کو ذلت اور پستی کے کفن پہناتی الم ناک گھٹن کی طرح حرکت میں لایا۔ اس کے بعد وہ جسموں کو ریزہ ریزہ، روح کو لخت لخت کرتی جوالا مکھی کی آتشِ سیال، بے شرف اور بے توقیر، بے وقعت اور بدنصیب کر دینے والے غیر فانی جذبوں اور آندھیوں میں سلگتے رویوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

غلزئیوں کے ساتھ ساتھ نادر شاہ نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی۔ وہ بھی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور لبوں کا تریاق، آنکھوں کا مرہم چھین لینے والی گرم بیابانوں کی ریت، یکجہتی۔ اتفاق، اتحاد و تعاون سے حملہ آور ہونے والے شعلوں اور راکھ کی تہہ سے نکل کر

آتشِ سیال کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا تھا۔

نادر شاہ کے اس طرح حملہ آور ہونے سے ہر دوراہے، ہر قدم پر ٹھوکر اور زندگی کے لمحات مٹنے لگے تھے۔

دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے بے کراں کوہستانی سلسلوں کے اندر شیطان نے اپنی محفلیں جمانا شروع کر دی تھیں۔ وقت کی پت جھڑ خیالات کے محل مسمار کرنے لگے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے پر اس طرح حملہ آور ہونے لگا تھا جیسے سمندر کی خوفناک لہریں درد کے اضطراب کھڑے کرتے ہوئے ہر غرور اور تکبر، ہر تعصب اور گھمنڈ کو خاک میں ملانے لگی تھیں۔

موت صحرا صحرا بھٹکتی، بپھرتی آندھیوں کی طرح میدانِ جنگ کے اندر گرم سرابوں کے کرب خیز سلسلے، قہر کے سیلاب، گرجتے ابال پیدا کرنے لگی تھی۔ ہر سُو تشدد اور تباہ کاری اپنا رنگ دکھانے لگی تھی۔ ہزیمت کی گہری دُھند کف اُڑاتے اندیشے اور آلام کی گراں باری چارسُو رقص کر اٹھی تھی۔

غلزئیوں کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی حملہ آور نادر شاہ کو اپنے سامنے سے مار بھگائیں گے لیکن ان کی یہ ساری خوشیاں اس وقت دور ہو گئیں جب نادر شاہ نے اپنے لشکر کا دباؤ بڑھاتے ہوئے ایک طرح سے غلزئیوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

قندھار کے غلزئی حکمران حسین نے جب دیکھا کہ نادر شاہ اپنے سالاروں کے ساتھ اس کے لشکر پر دباؤ لگاتار بڑھا رہا ہے اور یہ کہ اس کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہونا شروع ہو گئی ہے، چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو میدانِ جنگ سے ہٹ کر شہر میں داخل ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ اشارہ ملتے ہی غلزئیوں کا لشکر پلٹا اور قندھار شہر میں محصور ہو گیا تھا۔

قندھار کے غلزئی حکمرانوں کے خلاف اس جنگ میں ابدالیوں کے جوش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ قندھار شہر سے باہر لڑی جانے والی اس جنگ میں ابدالیوں نے نہ صرف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ کارہائے نمایاں بھی انجام دیئے۔ ابدالی جنگجو اس لڑائی میں اپنے سردار عبدالغنی کی سرکردگی میں نادر شاہ کے لشکر میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ غلزئیوں کے ساتھ ٹکراؤ کے دوران نہ صرف ابدالیوں نے بلکہ ان کے سالار عبدالغنی نے بھی بڑی جانثاری، ہمت اور جواں مردی سے نادر شاہ کا ساتھ دیا تھا اور

ابدالیوں کے سردار عبدالغنی خان کے حملوں نے ہی زیادہ تر غلزئیوں کو حواس باختہ اور سراسیمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

ابدالیوں کے سردار عبدالغنی کا یہ کارنامہ نادر شاہ کی نظروں میں بے حد قابلِ وقعت ثابت ہوا۔ یوں بھی وہ ابدالیوں پر پہلے ہی بڑا مہربان تھا اور انہیں قابل تکریم قرار دیتا رہتا تھا لیکن ان کے سردار عبدالغنی کی اس جواں مردی اور وفاداری نے اس کی نظروں میں ابدالیوں کی وقعت اور عزت دوچند کر دی تھی۔

قندھار کے نواح میں غلزئیوں کو شکست دینے کے بعد نادر شاہ آگے بڑھا۔ غلزئیوں کا بچھا کھچا لشکر قندھار میں محصور ہو گیا تھا۔ چنانچہ نادر شاہ نے آگے بڑھ کر قندھار شہر کا محاصرہ کر لیا۔

قندھار شہر کا محاصرہ اپریل 1737ء کے پہلے ہفتے میں شروع ہوا اور 13 مارچ 1738ء تک جاری رہا۔ مگر ایک رات نادر شاہ کے لشکریوں نے شہر کے برجوں میں سے ایک برج پر قبضہ کیا اور وہیں سے انہوں نے پیش قدمی شروع کر دی۔

اس پیش قدمی کے نتیجے میں جو فصیل کے اندر جنگ شروع ہوئی، یہ جنگ آخر کار ہولناکی اختیار کر گئی اور فصیل کے اوپر سے جنگ کے شعلے شہر کے اندر بھی پھیل گئے۔

قندھار کا حکمران ان دنوں میر حسین تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ کامیابی کی کوئی امید نہیں اور سب کچھ کھویا جا چکا ہے تو اس نے افغانی رسم قنوات کے مطابق اپنی بڑی بہن زینب کو غلزئی سرداروں کی جماعت کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حصولِ پناہ کے لئے بھیجا۔ نادر شاہ نے اس رسم کا احترام روا رکھا اور قندھار کے حکمران حسین اور اس کے خاندان اور اس کے ساتھیوں کی جان بخشی کر دی اور سب کو جنگی قیدی کی حیثیت سے مازندران کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

قندھار کو فتح کرنے کے بعد جہاں نادر شاہ کی سلطنت میں اضافہ ہوا اور قندھار کا خزانہ اس کے ہاتھ لگا، وہاں ایک اعلیٰ پائے کی شخصیت بھی اسے ملی جس نے آنے والے دور میں تاریخ کے اندر ایک ہلچل اور انقلاب برپا کر کے رکھ دیا اور تاریخ کی یہ اہم شخصیت احمد شاہ ابدالی تھا۔

احمد شاہ کو احمد شاہ درانی بھی کہا جاتا ہے۔ ماں باپ نے اس کا نام احمد شاہ رکھا تھا۔ یہ ایک شخص زمان خان کا دوسرا بیٹا تھا جو سیدوزئی قبیلے کا سردارِ اعلیٰ تھا۔ احمد خان یا

احمد شاہ 1722ء میں ملتان شہر میں پیدا ہوا۔ اس وقت اس کا باپ زمان خان ہرات شہر کا حاکم ہوا کرتا تھا۔ اپنے بیٹے احمد شاہ کی پیدائش کے چند ہی ماہ کے اندر وہ فوت ہو گیا۔ اس کے خاندان کے لئے یہ زمانہ قطعاً سازگار نہیں تھا۔ احمد شاہ کی ماں زرغونہ علی کوزی تھی۔ وہ اپنے نومولود بیٹے کی سلامتی کی خاطر بہت زیادہ فکرمند تھی۔ چنانچہ علی زئی قبیلے کے سردار حاجی اسمٰعیل کے پاس چلی گئی جو ہرات کے نئے گورنر کی حیثیت سے ہرات شہر میں مقیم تھا۔ چنانچہ علی زئی قبیلے کے سردار حاجی اسمٰعیل کے پاس پہنچ کر احمد شاہ کی ماں زرغونہ نے اس سے پناہ کی درخواست کی تو اس کے پناہ کی یہ درخواست اس شرط پر منظور کر لی کہ زرغونہ اپنی بیٹی یعنی احمد شاہ ابدالی کی بہن کی شادی حاجی اسمٰعیل سے کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کی بہن کی شادی حاجی اسمٰعیل کے ساتھ کر دی۔ اسمٰعیل نے احمد شاہ کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کی اور اسے سبزوار بھیج دیا۔ ایسا اس نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے کیا تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ احمد شاہ نے دس برس تک کا زمانہ کہاں اور کس طرح بسر کیا، اس سلسلے میں تاریخ خاموش ہے۔ اس کے بعد احمد شاہ کا ذکر اپنے بھائی ذوالفقار کی فرح کے مقام پر شکست کے موقع پر ملتا ہے۔ احمد شاہ کا بھائی ذوالفقار خان فرح کا حاکم تھا جہاں اسے ایک شورش کے نتیجے میں بھاگنا پڑا۔ چنانچہ دونوں بھائی جان بچانے کے لئے قندھار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ امیر حسین قندھار کا حاکم تھا۔ امیر حسین نے ان بھائیوں کو پناہ دینے کی بجائے زندان میں ڈال دیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ امیر حسین کے پاس انہیں زندان میں ڈالنے کی دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ اول یہ کہ اس نے یہ قدم قدیم قبائلی عداوت کے باعث اٹھایا۔

دوئم اسے ابدالیوں سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا جو ذوالفقار کی سرداری میں کسی وقت بھی سر پر لٹکتی ہوئی تلوار بن سکتے تھے۔

چنانچہ اس وقت سے لے کر نادر شاہ کے قندھار پر حملہ آور ہونے تک احمد شاہ ابدالی اور اس کا بھائی زندان میں زندگی بسر کرتے رہے تھے۔

چنانچہ نادر شاہ نے جب قندھار فتح کیا تو اس نے احمد شاہ ابدالی اور اس کے بھائی ذوالفقار کو زندان سے نکال کر آزادی عطا کی۔ کیونکہ نادر شاہ کے حاجی اسمٰعیل حاکم

ہرات کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے اور حاجی اسمٰعیل احمد شاہ ابدالی کا بہنوئی تھا۔ لہٰذا نادر شاہ نے احمد شاہ کے ساتھ خاص طور پر بہت اچھا سلوک کیا۔ اس نے سب سے پہلے شاہی خزانے سے اسے ایک کافی بڑی رقم بھی دی تاکہ اپنے اور بھائی کے معیارِ زندگی کو بلند کر سکے۔ ساتھ ہی نادر شاہ کے بڑے بھائی ذوالفقار خان کو مازندران کی فرمانروائی سونپ دی اور احمد شاہ کے چچا عبدالغنی خان کو قندھار کا حاکم مقرر کر دیا۔

نادر شاہ نے یہیں تک بس نہ کی بلکہ اس نے ابدالی سرداروں کو گریشک، بست اور زمندار کی حاکمیت بھی سونپ دی۔ ماضی میں جو ان گنت ابدالیوں کو نیشاپور، مشہد اور خراسان کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا، انہیں اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے آبائی وطن واپس آ جائیں اور جہاں چاہیں بود و باش اختیار کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ قندھار کے گرد و نواح میں جن زمینوں پر غلزئیوں کا قبضہ چلا آ رہا تھا وہ بھی ابدالیوں کے تصرف میں دے دی گئی تھیں۔

نادر شاہ کی وجہ سے تاریخ اپنے آپ کو ایک بار پھر دوہرا رہی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے غلزئیوں نے ابدالیوں کو جلاوطن کر کے خراسان کے صوبے کے مختلف علاقوں کی طرف بھیج دیا تھا اور اب غلزئیوں کو جلاوطن کر کے خراسان کے مختلف علاقوں کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ بھی نادر شاہ نے ابدالیوں کو خوب نوازا۔ ہرات جیسا اہم شہر بھی ابدالیوں کو دے دیا گیا تھا جہاں سیدو زئی کا غلبہ اور تسلط ہو گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی اسی ابدالی قبیلے کی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔

احمد شاہ کی دل آویز اور سحر طراز شخصیت سے نادر شاہ بے حد متاثر ہوا۔ نادر شاہ نے جس وقت قندھار کو فتح کیا اور احمد شاہ کو زندان سے نکالا، احمد شاہ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ چنانچہ اس عمر میں نادر شاہ نے اپنے محافظ دستوں کا سالار مقرر کیا۔ اس منصب کا یہ نتیجہ تھا کہ احمد شاہ اب نادر کے ساتھ رہنے لگا۔ جہاں وہ جاتا اس کے ساتھ سائے کی طرح رہتا۔ ہندوستان اور دیگر علاقوں کی مہموں میں شرکت کی۔ جب بھی موقع آیا، اپنی بہادری اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔

نادر شاہ کی یہی مصاحبت اور رفاقت تھی جس سے آگے جا کر احمد شاہ کے دل میں توسیع مملکت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوا۔ احمد شاہ نے نادر شاہ کی خدمت اس وفاداری اور

جاں نثاری سے کی کہ بہت جلد اس نے ایک نمایاں حیثیت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ نادر شاہ نے اسے بنک بافتی یعنی خزانہ وار بنا دیا۔

احمد شاہ ابدالی نے نادر شاہ کے ساتھ رہتے ہوئے اس قدر تیزی سے ترقی کی کہ نادر شاہ، احمد شاہ کی خوبیوں اور صفات سے اس قدر متاثر اور مسحور ہوا کہ کئی بار بھرے دربار میں اپنے اشراف، امراء اور دیگر سرکردہ لوگوں اور سرداروں کے سامنے بغیر کسی جھجک صاف اور واشگاف الفاظ میں احمد شاہ ابدالی کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

''میں نے بہت ملکوں میں مہم جوئی کی لیکن کسی مقام پر احمد شاہ جیسا ذہین، صلاحیتوں سے بھرپور، وفادار اور بہادر نوجوان نہیں دیکھا۔''

اس طرح نادر شاہ کو احمد شاہ ابدالی کی صورت میں ایک اچھا اور اعلیٰ پائے کا سالار بھی مل گیا تھا۔

قندھار کو فتح کرنے کے بعد نادر شاہ نے بلخ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لئے کہ قندھار کو جب اس نے فتح کیا تو اس پر انکشاف ہوا کہ قندھار کے حکمران حسین اور بلخ کے حکمران کے درمیان ایک معاہدہ طے تھا اور اس معاہدے کی رو سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر نادر شاہ قندھار پر حملہ آور ہو گا تو بلخ کا حکمران نادر شاہ کے خلاف قندھار کے حکمران حسین کی مدد کرے گا۔ چنانچہ اس انکشاف کو سامنے رکھتے ہوئے نادر شاہ نے بلخ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور بلخ پر حملہ کرنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے رضا قلی کو طلب کر لیا تھا۔

جہاں تک بلخ شہر کا تعلق تھا تو یہ ایک قدیم شہر تھا جو پہاڑوں کے دامن میں دریائے آمو سے لگ بھگ چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ قدیم شہر کے آثار اب بھی مزار شریف کے اطراف میں موجود ہیں۔ سکندر اعظم کی فتوحات کے بعد بلخ نام کا شہر ایک یونانی باختری ریاست کے صدر مقام کی حیثیت سے بھی سامنے آیا تھا۔

628ء میں ایک چینی بدھ بھکشو ہوان سانگ بلخ شہر میں آیا تھا اور اس نے جو بلخ شہر کے حالات رقم کئے تھے ان کے مطابق اس دور میں بلخ شہر کے اندر بدھ مت کی تقریباً ایک سو عبادت گاہیں تھیں۔ اس کے علاوہ مؤرخ ابو زید بلخی نے اپنی کتاب مسالک الممالک میں اس شہر کو اسلام سے پہلے بدھ مت کا مرکز قرار دیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 32ھ میں احنف بن قیس نے اس

شہر کو فتح کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کر لیا۔ کیونکہ مسلمانوں نے شہر کو فتح کرنے کے بعد شہریوں کو امان دے دی تھی لہٰذا شہر تاراج ہونے سے بچ گیا۔ 43ھ میں قیس بن ہاشم نے اس شہر پر حملہ کیا اور شہر کو فتح کر لیا۔ اس وقت یہاں نوبہار نام کا بدھ مت کا سب سے بڑا مندر تھا۔ چنانچہ قیس بن ہاشم نے اس مندر کو تباہ و برباد کیا۔ اس نوبہار کے مندر کا نگران ایک شخص برمک تھا اور یہ اپنی جان اور اپنی جاگیر کو بچانے کے لئے حرکت میں آیا اور اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

ان دنوں سیستان اور کچھ اور علاقوں کا بادشاہ نیزک ترخان بھی غیر مسلم تھا لیکن عربوں کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے بظاہر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد میں یہ شخص مرتد ہو گیا اور اس نے حرکت میں آتے ہوئے بلخ پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ زیادہ عرصہ حکومت نہ کر سکا اس لئے کہ 96ھ میں مسلمان پھر بلخ شہر پر حملہ آور ہوئے اور شہر پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

107ھ میں اسد بن عبداللہ والی خراسان نے اپنے لشکریوں کے مستقر اور صوبائی حکومت کو مروہ شہر سے بلخ شہر میں منتقل کر دیا۔ اس نے شہر کی ازسرنو تعمیر شروع کروائی اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ کیا جس کی بناء پر بلخ شہر کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا۔

287ھ میں بلخ پر سامانیوں کا قبضہ ہو گیا۔ سامانیوں کے دورِ حکومت میں اس شہر نے بہت ترقی کی اور بلخ، ماور النہر، ترکستان اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا مرکز بن گیا۔ اس دور میں یہ شہر دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ اندرون شہر، شہرستان یا مدینہ کہلاتا تھا اور مضافاتِ شہر ایک بڑی نواحی بستی تھی۔ اس کے گرد فصیل تھی۔ ایک بڑی دیوار بھی تھی جس میں بہت سے دروازے تھے۔ شہر کے اندر مسجد شہرستان تھی۔ اسے بڑی خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا تھا۔

مؤرخین کے مطابق خراسان کے دوسرے شہروں کے مقابلے میں بلخ کی سڑکیں زیادہ چوڑی ہوتی تھیں۔ اس کی مسجدیں خوبصورت اور بے نظیر تھیں۔ اس کے گھروں کے صحن کھلے اور دوسرے شہروں کے مقابلے میں زیادہ کشادہ تھے۔ آخر 431ھ میں مشہور سلجوقی فرمانروا چغری بیگ شہر پر حملہ آور ہوا۔ شہر پر اس نے قبضہ کر کے ایک طرح سے سلجوقی سلطنت کی ابتداء کر دی تھی۔

اس کے بعد غز ترک اس شہر پر حملہ آور ہوئے اور غزوں کے حملوں کی وجہ سے

شہر ایک طرح سے تباہ و برباد ہو کر رہ گیا۔ اس تباہی اور بربادی کی وجہ سے بلخ کے آئندہ حاکم امیر قماج نے ایک نئی جگہ اس شہر کی نئی تعمیر کا کام شروع کیا۔

594ھ تک یہ شہر کراختائیوں کے ہاتھوں میں رہا۔ کراختائی تبت کے علاقوں کے رہنے والے غیر مسلم تھے۔ چنانچہ جب شہاب الدین غوری کے دور میں غوریوں نے زور پکڑا تو وہ بلخ پر حملہ آور ہوئے اور بلخ پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ غوریوں کے بعد 603ھ میں ان علاقوں میں علاؤ الدین خوارزم شاہ نے قوت پکڑی اور بلخ پر وہ قابض ہو گیا۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ کے بعد اس شہر کو منگول فرماں رواں چنگیز خان نے تباہ و برباد کر ڈالا۔

آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں ایک امیر کپک خان نے اسے پھر تعمیر کروایا۔ یہاں تک کہ اس شہر پر تیمور لنگ نے حملہ کیا اور تیمور لنگ کا اس شہر پر قبضہ ہو گیا۔ چنانچہ تیمور لنگ نے بھی اس شہر کی تعمیر میں کچھ حصہ لیا اور ان تعمیرات کی وجہ سے ہرات اور سمرقند کے بعد بلخ شہر ایک بار پھر وسط ایشیاء کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا تھا۔

اس کے بعد اس شہر پر ازبکوں کا قبضہ ہو گیا۔ ازبکوں کے دورِ حکومت میں پرانے بلخ کے شمال مشرق میں نئے بلخ کے نام سے ایک قصبہ تعمیر کیا گیا اور ایک شخص محمود بن ولی نے ان تمام تفریح گاہوں، باغوں، محلوں، نہروں، مسجدوں، مدرسوں کے مفصل حالات لکھ کر ایک طرح سے بلخ کی تاریخ بھی محفوظ کر دی تھی۔

دسویں صدی ہجری میں بلخ کو زوال آنا شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ یہ نہر ویران ہوتا چلا گیا۔ شہر کی آبادی کا بڑا حصہ مزار شریف میں منتقل ہو گیا اور بلخ کی بجائے یہ نیا شہر مزار شریف آباد ہوتا چلا گیا تھا۔ یوں بلخ کی حیثیت ایک چھوٹے سے قصبے کی رہ گئی تھی جس میں صرف چند سو مکان تھے۔

1163ھ میں احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان نے بلخ، بدخشاں اور دوسرے علاقوں کو فتح کر کے افغان سلطنت میں شامل کر لیا۔ اب بلخ کی حیثیت ایک طرح سے پہلے کی نسبت ماند ہے جو مزار شریف سے بائیس کلومیٹر اور کابل سے 34 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور سطح سمندر سے لگ بھگ گیارہ سو پچاس فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

اس کے بعد 312 ھ میں افغانستان کے وزیر داخلہ گل محمد خان نے نئے بلخ کی بنیاد ڈالی اور شہر کا نام تبدیل کر کے اس کا نام وزیر آباد رکھ دیا۔ اس میں بازار، حکومتی مراکز، تجارت خانے بنائے گئے۔ شہر میں قدیم دور سے ازبک اور تاجک لوگوں کی آبادی تھی۔ اس شہر کی اہم پیداواروں میں گیہوں، جو، باجرہ اور ماش، لوبیا، چنا اور کپاس شامل تھی۔

جس دور میں نادر شاہ نے بلخ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کیا اس وقت یہاں کا مشہور پھل خربوزہ ہوا کرتا تھا۔ کہتے ہیں بلخ کا خربوزہ بڑا شیریں ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ قالین، شال اور ریشمی کپڑا یہاں کی بہترین مصنوعات شمار ہوتی تھیں جو دوسرے شہروں میں بھیجی جاتی تھیں۔ پالتو جانوروں میں گھوڑے بہت مشہور تھے۔ لوگوں کا پیشہ زراعت اور قراقلی بھیڑیں پالنا تھا۔ قالین بافی اور گھوڑے پالنا بھی ان کے پسندیدہ مشغلے تھے۔

بلخ میں موسمِ گرما میں سخت گرمی اور موسمِ سرما میں سخت سردی پڑتی تھی۔ بہت سے قدیم بزرگانِ اسلام کے مزار بھی یہاں موجود ہیں جن میں خواجہ ابو نصر، خواجہ عکاشہ، امام محمد حنیفہ، امام ابوحفص، ابوالقاسم انصاری، امام زہاد، فقیہی حنفی شفیق بلخی شامل ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار بھی بلخ ہی میں موجود ہے لیکن لوگ اسے فرضی مزار کہتے ہیں۔

قندھار شہر کے نواح میں ایک روز نادر شاہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ خیمے میں اس کا بیٹا رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں داخل ہوئے۔ ان دونوں کو اپنے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ کر نادر شاہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ اپنے بیٹے رضا قلی کو گلے لگا کر ملا۔ الایہ سے بھی بڑی شفقت سے پیش آیا۔ دونوں کو سامنے بٹھایا۔ پھر رضا قلی نے اپنے باپ نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”اے میرے باپ! آپ نے مجھے قاصد بھیج کر طلب کیا ہے۔ کیا اس طلبی کی کوئی وجہ ہے؟ مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے؟ ایسا میں اس لئے سوچ رہا ہوں کہ آپ کے سامنے قندھار شہر کی مہم تھی اور قندھار کو آپ نے فتح کر لیا ہے۔ اب کیا میرے ذمے.....“

یہاں تک کہتے کہتے رضا قلی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ نادر شاہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹے! تم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں نے تمہیں بلخ پر حملہ آور ہونے کے لئے طلب کیا ہے۔ دراصل قندھار فتح کرنے کے بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ قندھار کے حکمران حسین کے بلخ کے حکمران کے ساتھ بڑے ذاتی قسم کے تعلقات تھے اور دونوں نے آپس میں یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر میں قندھار پر حملہ آور ہوا تو بلخ کا حاکم میرے خلاف قندھار کے حاکم حسین کی مدد کرے گا۔ بس اسی صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے بلخ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

بیٹے! میں تمہارے ساتھ اس مہم میں کریم خان کے علاوہ شیخ علی خان اور دوسرے

عرب سالار عالم خان کو روانہ کروں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ اپنے ان سالاروں کے ساتھ تم بلخ شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔''

نادر شاہ کے اس انکشاف پر رضا قلی ہی نہیں، اس کی بیوی الایہ بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ رضا قلی نے اپنے باپ نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''آپ کی اس طرح کی طلبی پر تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ تاہم اب اصلیت جان کر مجھے اطمینان ہو گیا ہے اور مجھے امید ہے کہ کریم خان، شیخ علی خان اور عالم خان کے ساتھ مل کر میں بڑی آسانی سے اس مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن اے میرے باپ! ہم دونوں میاں بیوی کے سامنے ان دنوں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور ہم نے آپس میں مل کر یہ طے کر رکھا تھا کہ جب آپ قندھار کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد اصفہان آئیں گے تو اس موضوع پر ہم آپ سے بات کریں گے.....''

یہاں تک کہتے کہتے رضا قلی کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی طرف بڑی فکرمندی اور حیرت سے دیکھتے ہوئے نادر شاہ بول اٹھا۔

''میرے بچو! تمہیں کون سی دشواری پیش آ گئی ہے جس نے تم دونوں کو پریشان کر دیا ہے؟ تمہارا باپ اس وقت ایران کی سرزمینوں کا بادشاہ ہے۔ کہو، تم دونوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟''

اس بار رضا قلی نے اپنے پہلو میں بیٹھی اپنی بیوی الایہ کی طرف دیکھا جو ایران کے سابق شہنشاہ حسین کی بیٹی تھی۔ اُس کے اس طرح دیکھنے سے الایہ اس کا مطلب شاید سمجھ گئی تھی لہٰذا گلہ صاف کرتے ہوئے وہ نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا! دراصل بات یہ ہے کہ میں اور رضا قلی دونوں روزبہ کے سلسلے میں پریشان ہیں۔ بابا! جس وقت آزاد خان افغان نے روزبہ کا رشتہ مانگا تھا اور روزبہ نے انکار کیا تھا، اس وقت روزبہ نے ایک انکشاف کیا تھا کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔ اس سے ملاقات کے بعد ایک روز تنہائی میں، میں نے اسے کریدا۔ میں نے اس سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس سے یہ معلوم کروں کہ وہ کس سالار کو چاہتی ہے تاکہ اس کے رشتے سے متعلق اس سے بات کی جائے اور اس کی شادی کا اہتمام کیا جائے لیکن وہ

اس کا نام بتانے سے گریزاں ہے۔ میں نے اس موقع پر اس کے سامنے تقریباً سارے سالاروں کے نام گنوائے لیکن وہ کسی کے نام پر ہاں نہیں کرتی۔ مجھے یہ شک پڑ گیا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو پسند کرتی ہے جس کا تعلق اصفہان شہر سے نہیں ہے۔ وہ کہیں اور کا رہنے والا ہے اور ان دنوں وہ اصفہان میں بھی نہیں ہے۔ کم از کم روزبہ کی گفتگو سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ اب سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ وہ بتاتی نہیں کہ وہ کسے پسند کرتی ہے تاکہ کم از کم اس کی شادی کے معاملے کو ہی آگے بڑھایا جائے۔''

اس موقع پر نادر شاہ نے کچھ سوچا، پھر باری باری رضا قلی اور الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''پہلے یہ بتاؤ کہ روزبہ ان دنوں ہے کہاں؟''

اس بار رضا قلی، نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''وہ ہمارے ساتھ آئی ہے اور اپنی نگرانی میں وہ اپنا خیمہ نصب کرا رہی ہے۔''

رضا قلی کے اس انکشاف پر نادر شاہ پھر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ پھر وہ اپنے بیٹے رضا قلی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''رضا قلی! میرے بیٹے! جس وقت آزاد خان افغان نے روزبہ کا رشتہ مانگا تھا اور روزبہ نے انکار کر دیا تھا، ساتھ ہی روزبہ نے یہ انکشاف کیا تھا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اس وقت جو میں نے اس سے گفتگو کی تھی، اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ روزبہ خدا جھوٹ نہ بلوائے، میرے سالار کریم خان کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے۔''

نادر شاہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ الایہ بول اُٹھی۔

''بابا! یہ کیسے ممکن ہے؟ روزبہ نے تو مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ جسے وہ پسند کرتی ہے وہ اصفہان میں نہیں ہے۔''

لمحہ بھر کے لئے کچھ سوچیں نادر شاہ کو سنجیدہ کر گئی تھیں لیکن اس نے سر کو جھٹک دیا اور کہنے لگا۔

''بہرحال میں نے یہی سوچا تھا۔ اگر میرا اندازہ درست نہیں ہے اور روزبہ کریم خان کے علاوہ کسی اور کو پسند کرتی ہے تب بھی ایک طریقہ ہے جس سے کم از کم یہ ضرور

پتہ چل جائے گا کہ روزبہ کا کریم خان کی طرف جھکاؤ ہے کہ نہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے تجسس بھرے انداز میں رضا قلی بول اٹھا۔

"بابا! وہ کون سا طریقہ ہے جسے استعمال میں لاتے ہوئے ہم روزبہ کی دلی کیفیت کو جان سکتے ہیں؟"

نادر شاہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر شاید کوئی فیصلہ کرتا رہا۔ پھر باری باری اس نے رضا قلی اور الایہ کی طرف دیکھا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم دونوں میاں بیوی جانتے ہو کہ میرا سالار علی مردان خان بختیاری جو اس وقت قندھار پر حملہ آور ہونے کے لئے آنے والے لشکر میں میرے ساتھ شامل ہے، وہ بختیاری قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے اور اس کی ایک بہن ہے، نام اس کا ارزونہ ہے۔ اپنے حُسن، اپنی خوبصورتی، اپنے جمال، اپنے قد کاٹھ اور اپنی شخصیت اور کشش میں وہ روزبہ سے زیادہ نہیں تو روزبہ سے کم بھی نہیں ہے۔ اور خوش بختی کی بات یہ ہے کہ اس وقت وہ اور علی مردان کے خاندان کے کچھ لوگ بھی علی مردان کے ساتھ شامل ہیں اور لشکر ہی میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ میں ایسا کرتا ہوں پہلے علی مردان کو بلاتا ہوں، اس سے بات کرتا ہوں کہ کیا وہ اپنی بہن ارزونہ کی شادی کریم خان کے ساتھ کرنے کے لئے تیار ہے؟ اگر وہ ہاں کر دے تو پھر کریم خان کو بلایا جائے گا اور اس کو اس رشتے کی پیشکش کی جائے گی۔ پھر دیکھیں گے کہ کریم خان کیا جواب دیتا ہے۔ اس رشتے کے لئے کریم خان ہاں کرتا ہے یا نہ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ دیکھا جائے گا کہ جب اس رشتے کی خبریں لشکر کے اندر پھیلیں گی تو روزبہ کس طرح کے ردِعمل کا اظہار کرے گی۔ اس کے ردِعمل کو دیکھتے ہوئے یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ کریم خان کی طرف مائل ہے کہ نہیں۔ اگر وہ کریم خان کی طرف مائل نہ ہوتی تو پھر یہ جاننے کے لئے کہ وہ کسے پسند کرتی ہے، کوئی اور طریقہ استعمال کریں گے۔ اور مجھے امید ہے کہ ہم جان جائیں گے کہ روزبہ کا جھکاؤ کس کی طرف ہے۔ اس سلسلے میں تم دونوں میاں بیوی کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں یہیں بیٹھو۔ میں ابھی اس کام کی ابتداء کرتا ہوں اور علی مردان کو بلاتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی نادر شاہ نے آواز دے کر اپنے چوبدار کو بلایا۔ چوبدار جب اس

کے خیمے کے دروازے پر آیا تب نادر شاہ نے اسے علی مردان کو بلانے کا حکم دیا جس پر چوبدار مڑا اور وہاں سے چلا گیا تھا۔

***

تھوڑی دیر بعد نادر شاہ کے خیمے میں بختیاری قبیلے کے سردار کا بیٹا علی مردان خان داخل ہوا۔ نادر شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے جس نشست کی طرف اشارہ کیا، علی مردان چپ چاپ وہاں بیٹھ گیا۔ خیمے میں کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ اس دوران علی مردان تشویش بھرے انداز میں کبھی نادر شاہ اور کبھی اس کے بیٹے رضا قلی اور کبھی بہو الایہ کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز نادر شاہ نے کیا اور علی مردان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"علی مردان میں نے تمہیں تمہارے ایک ذاتی مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے بلایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم محسوس نہیں کرو گے۔"

علی مردان نے ایک لمبا سانس لیا۔ ابھی تک وہ تشویش بھرے انداز میں بیٹھا ہوا تھا کہ نادر شاہ نے اسے کیوں بلایا ہے۔ لہٰذا وہ نادر شاہ کے ان الفاظ کا جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"اگر آپ میرے کسی ذاتی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کی اس گفتگو پر ناراضگی کا اظہار کیوں کروں گا۔"

جواب میں کچھ دیر کے توقف کے بعد نادر شاہ پھر بول اٹھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم نے اپنی بہن ارزونہ کا رشتہ کہیں طے کر رکھا ہے؟ اگر تم نے یا تمہارے باپ نے اس کا رشتہ کہیں طے کر دیا ہے تو پھر اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہو گی۔ اور اگر ابھی تک اس کا رشتہ کہیں طے نہیں ہوا تو پھر میں بات کو آگے بڑھاؤں گا۔"

علی مردان نے جب دیکھا کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے تب وہ کچھ پُرسکون ہو گیا۔ ہلکا سا تبسم اس موقع پر اس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ یہاں تک کہ نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"جہاں تک میری بہن ارزونہ کا تعلق ہے تو ابھی تک اس کا کہیں رشتہ طے نہیں ہوا۔ ویسے میں چاہتا ہوں کہ کسی اچھی جگہ وقت ضائع کئے بغیر اس کی شادی کا اہتمام

ہو جائے۔ اگر آپ کے پاس کوئی اچھا رشتہ ہے تو مجھے بتائیں۔ اگر کوئی شخص اس کا خواہش مند ہو، اس کے شایانِ شان ہو تو میں انکار نہیں کروں گا۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم نادر شاہ کے چہرے پر بھی نمودار ہوا تھا۔ شاید وہ اس لئے مسکرایا تھا کہ گفتگو جس خط پر وہ لے جانا چاہتا تھا، اسی خط پر جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ دوبارہ علی مردان کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''علی مردان! جہاں تک میرا ارادہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بہن ارزونہ کی شادی کریم خان زند کے ساتھ کر دی جائے۔ جو کچھ میں کہنے لگا ہوں، اس کا کوئی اور مطلب مت لینا۔ اس رشتے کے لئے نہ مجھے کریم خان نے کہا ہے نہ کسی نے اس کی نمائندگی کرتے ہوئے اس سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے کہا ہے۔ تم جانتے ہو، کریم خان کو میں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ ویسے ہی آج اپنے بیٹے رضا قلی اور بہو الایہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کریم خان کا ذکر آیا تو ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی شادی کا اہتمام ہونا چاہئے۔ اب بولو، کریم خان کے متعلق تمہارے کیا خیالات ہیں؟''

اس موقع پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے علی مردان کہنے لگا۔

''کریم خان سے متعلق میں نے کیا کہنا ہے۔ وہ زند قبیلے کا سردار ہے۔ ایک لاجواب تیغ زن، ایک بے مثال تیرانداز اور اعلیٰ پائے کا ہنرمند سالار ہے.....''

یہاں تک کہتے کہتے علی مردان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے نادر شاہ بول اٹھا تھا۔

''علی مردان! یہ رشتہ میں نے پسند کیا ہے۔ یا یوں جانو کہ اس گفتگو کا آغاز میری طرف سے ہوا ہے۔ کریم خان نے کبھی بھی کسی موقع پر مجھ سے نہیں کہا کہ میں اس کی شادی کا اہتمام کروں۔ میں بات کو کچھ اس طرح آخری شکل دینا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں ہی نہیں بلکہ میرے بیٹے اور الایہ کی بھی یہ خواہش تھی کہ کریم خان کے لئے روزبہ کا رشتہ طلب کیا جائے۔ سب سے پہلے ارزونہ کے رشتے سے متعلق گفتگو کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ پہلے تم سے گفتگو کی جائے۔ اور اگر تم اس رشتے پر رضامند ہو جاؤ تو پھر کریم خان سے اس موضوع پر بات کی جائے۔ اگر کریم خان اس رشتے کے لئے تیار ہو گیا تو ارزونہ اور کریم خان کو بیاہ دیا جائے گا۔ اور

اگر کریم خان نہ مانا تو بات یہیں ختم کر دی جائے گی۔ اب بولو علی مردان! تمہارا کیا جواب ہے؟''

علی مردان پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میرے خیال میں، میں تو اپنا جواب دے چکا ہوں۔ پہلے ہی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ کریم خان، زند قبیلے کا سردار ہے، ایک بے مثال تیغ زن، ایک لاجواب تیرانداز اور اعلیٰ پائے کا ہنرمند سالار ہے۔ اگر میری بہن ارزونہ کو کریم خان کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے تو میں اپنے لئے اسے ایک بہت بڑا انعام اور سعادت خیال کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد علی مردان خان جب خاموش ہوا تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نادر شاہ کہنے لگا۔

''پی رضامندی کا اظہار کر کے علی مردان! تُو نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اب تو جا۔ دراصل میں اس معاملے کو بہت جلد نمٹانا چاہتا ہوں۔ تیرے جانے کے بعد میں اپنے چوبدار کو بلاتا ہوں اور وہ کریم خان کو یہاں بلا کر لاتا ہے اور اس سلسلے میں، میں کریم خان سے بات کرتا ہوں۔ جس قسم کا جواب وہ دے گا اس سے تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔''

جواب میں علی مردان خان بختیاری نے نادر شاہ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ اس کے خیمے سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

علی مردان خان بختیاری کے جانے کے بعد نادر شاہ نے ایک بار پھر اپنے چوبدار کو حکم دیا کہ وہ کریم خان کو بلا کر لائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد علی مردان خان بختیاری کی جگہ کریم خان خیمے میں داخل ہوا۔ جس نشست سے علی مردان اٹھ کر گیا تھا، نادر شاہ نے اسی نشست پر کریم خان کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ کریم خان جب بیٹھ گیا تب کچھ دیر تک نادر شاہ، کریم خان کی طرف بڑے غور سے دیکھتا رہا، پھر اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! میری نگاہوں میں تم صرف زند قبیلے کے سردار ہی نہیں ہو، تمہارا باپ میرا بھائی بنا ہوا ہے۔ اس نے ایسے موقع پر میری مدد کی جب کوئی بھی میرے نزدیک نہیں آتا تھا۔ کوئی بھی میری مدد کے لئے تیار نہیں تھا۔ تم چونکہ معصوم خان کے بیٹے ہو لہٰذا اس کی نسبت سے میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ اب تم جوان ہو چکے ہو، لشکر

کے اندر تمہاری ایک حیثیت ہے۔ میں چاہتا ہوں دھوم دھام اور شان و شوکت سے تمہاری شادی کا اہتمام کیا جائے۔ دیکھو کریم خان! تمہارے لئے میں نے ایک لڑکی کو پسند کیا ہے، تم اس سلسلے میں اپنی رضامندی کا اظہار کر دو تو میں سمجھتا ہوں بہت جلد تمہیں اس سے بیاہ دیا جائے گا۔''

جواب میں کریم خان کے چہرے پر اس موقع پر ایک تجسس سا اُبھرا تھا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ نادر شاہ اسے مخاطب کرتے ہوئے پھر بول اٹھا تھا۔

''کریم خان! ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نشست پر علی مردان خان بیٹھا ہوا تھا اور تمہاری آمد سے پہلے وہ یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ اس کی ایک بہن ہے، اس کا نام ارزونہ ہے۔ وہ اس وقت لشکر میں شامل ہے۔ کیا تُو نے اسے دیکھ رکھا ہے؟''

جواب میں کریم خان نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''میں ارزونہ نام کی کسی لڑکی کو نہ جانتا ہوں نہ میں نے اسے دیکھ رکھا ہے۔''

نادر شاہ نے کچھ سوچا، پھر دوبارہ کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کریم خان! ارزونہ، علی مردان خان کی بہن ہے۔ علی مردان خان کو میں نے اس لئے طلب کیا تھا کہ اس کی بہن کے رشتے سے متعلق بات کی جائے۔ لہٰذا علی مردان اپنی بہن کو بڑی خوشی اور رضامندی کے ساتھ تمہارے عقد میں دینے کے لئے تیار ہے۔ اب تم بولو، تمہارا اس سلسلے میں کیا جواب ہے؟''

خیمے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ یہاں تک کہ کریم خان، نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی کے ایک اہم معاملے سے متعلق فکرمند ہیں۔ لیکن میں بے حد افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں ارزونہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ میرے اس جواب پر ملول اور فکرمند نہ ہوں گے اور نہ ہی مجھ سے ناراضگی رکھتے ہوئے مجھ سے قطع تعلقی کریں گے۔''

نادر شاہ مسکرایا، کہنے لگا۔

''نہ تم سے ناراضگی کا سوال اٹھتا ہے نہ ہی تم سے قطع تعلقی کی کوئی وجہ ہے۔ شادی جہاں کہیں بھی تمہاری ہوگی، تمہاری رضامندی سے ہوگی۔ ویسے میں تم سے یہ کہوں کہ

ارزونہ ان لڑکیوں میں سے ایک ہے جو بے مثال حُسن و جمال رکھتی ہیں۔ اگر تم نے ارزونہ کو نہیں دیکھ رکھا تو تم نے روزبہ کو تو دیکھ رکھا ہے۔ علی مردان خان کی بہن ارزونہ حُسن و جمال، خوبصورتی اور شخصیت میں روزبہ سے کسی طور کم نہیں ہے۔ اگر تم ارزونہ سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو اس میں پریشانی اور فکرمندی کی کوئی بات نہیں۔ تمہارے اس انکار سے کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم پہلے سے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے کسی لڑکی کا تعین کر چکے ہو یا اسے پسند کرتے ہو۔''

کریم خان نے شہادت کی دائیں انگلی سے اپنے سر کو کھجایا، پھر کہنے لگا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں اپنے شریکِ سفر کے طور پر ایک لڑکی کا ضرور انتخاب کر چکا ہوں۔''

''کیا وہ لڑکی اصفہان کی رہنے والی ہے؟ ان دنوں شہر کے اندر موجود ہے یا لشکر میں شامل ہے؟''

کریم خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''فی الحال اس لڑکی سے متعلق میں اشارہ تک نہیں کر سکتا جب تک میں اس بات کا تعین نہ کر لوں کہ وہ بھی میری ذات میں دلچسپی رکھتی ہے، مجھے پسند کرتی ہے اور میری زندگی کی شریکِ سفر بننے کے لئے تیار ہے۔ جب تک میں یہ نہیں جان جاتا اس وقت تک میں اس لڑکی کا نام نہیں بتاؤں گا۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب نادر شاہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لگتا ہے اس لڑکی کے سلسلے میں تم کسرِ نفسی کا شکار ہو۔''

''نہیں، میں کسرِ نفسی کا شکار نہیں ہوں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس کے میرے متعلق کیا تاثرات ہیں؟''

اس موقع پر نادر شاہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں ابھی دیکھتا ہوں کہ تم کسرِ نفسی کا شکار ہو کہ نہیں۔ یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔''

اس موقع پر نادر شاہ نے اپنے بیٹے رضا قلی اور بہو اایہ کو مخصوص اشارہ کیا۔ وہ دونوں اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ نادر شاہ باہر نکلا، ہاتھ کے اشارے سے اس نے اپنے

چوبدار کو بلایا، رازدارانہ انداز میں اس سے گفتگو کی جس پر چوبدار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چوبدار لوٹا۔ اس کے ساتھ نادر شاہ کا شاہی طبیب تھا۔ طبیب جب قریب آیا تب نادر شاہ آگے بڑھا، کچھ دیر تک بڑی رازداری سے اس کے کان میں گفتگو کرتا رہا، پھر نادر شاہ طبیب کو لے کر خیمے میں داخل ہوا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے طبیب کو کریم خان کے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا اور خود اس جگہ جا بیٹھا جہاں سے وہ اٹھ کر گیا تھا۔

پھر نادر شاہ نے طبیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''ذرا کریم خان کا ہاتھ دیکھنا، نبض محسوس کرنا کہ کیا یہ واقعی کسرِ نفسی کا شکار ہے؟''

شاہی طبیب مسکرایا، ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا ہاتھ کریم خان کی نبض پر رکھا۔ اس موقع پر شاہی طبیب نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کے لشکر میں شامل یا دوسری جو جاننے والی لڑکیاں ہیں، باری باری ان کے نام لیں، پھر میں اندازہ لگا لوں گا کہ کریم خان کسرِ نفسی کا شکار ہے کہ نہیں۔''

شاہی طبیب کے ان الفاظ پر نادر شاہ کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر نادر شاہ نے باری باری ارزونہ اور روزبہ کے علاوہ کئی دوسری لڑکیوں کے نام بھی لئے۔ ان لڑکیوں میں اس نے اایہ کا نام بھی لے لیا تھا۔ اس کے بعد نادر شاہ کے اشارے پر شاہی طبیب نے کریم خان کی نبض سے ہاتھ ہٹا لیا تو ساتھ ہی نادر شاہ نے کریم خان کو مخاطب کیا۔

''بیٹے! اب تم جاؤ۔ اگر تم ارزونہ کو اپنی زندگی کا ساتھی نہیں بنانا چاہتے، کسی اور کو پسند کر چکے ہو تو جب بھی تمہیں موقع ملے یا تمہیں یقین ہو جائے تو مجھے اس کا نام بتا دینا۔ میں اسے تمہاری زندگی کی ساتھی بنا دوں گا۔

نادر شاہ کے ان الفاظ پر کریم خان خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ اس کے خیمے سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد نادر شاہ اپنے بیٹے رضا قلی اور بہو اایہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب بتاؤ، تم نے کیا محسوس کیا ہے؟''

طبیب مسکرایا اور کہنے لگا۔

''کریم خان زند، روزبہ نام کی لڑکی سے محبت کرتا ہے۔''

طبیب کے ان الفاظ پر اایہ چونکی اور کہنے لگی۔

''آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ کریم خان روزبہ کو پسند کرتا ہے اور نبض دیکھنے کے بعد ایسا اندازہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے؟''

اس پر طبیب مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جس وقت آپ دوسری لڑکیوں کے نام بولتے رہے، اس کی نبض معمول کے مطابق چلتی رہی۔ اور جب روزبہ کا نام آیا تب اس کی نبض کی حرکت میں ایک انوکھی ہلچل پیدا ہوئی اور وہ ہلچل ہی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ روزبہ سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے۔''

طبیب جب خاموش ہوا تب اس بار نادر شاہ کا بیٹا رضا قلی بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''کیا ایسا ممکن ہے کہ نبض دیکھتے ہوئے ایسے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکے؟ اور کیا اس سے پہلے ہمارے پاس کسی طبیب کی کوئی ایسی مثال ہے؟''

اس پر طبیب مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اس سے پہلے دو مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ میں آپ سے ان کی تفصیل کہتا ہوں۔ پہلی مثال تو شیخ و رئیس الاطباء بوعلی سینا کی ہے۔ مثال کچھ اس طرح ہے کہ جرجان کے حاکم قابوس کے ایک رشتہ دار کا بوعلی سینا نے علاج کیا تھا جو کافی دنوں سے بیمار تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ قابوس بن وشم آلِ زیاد کا چوتھا حکمران تھا اور وہ 976ء میں تخت نشین ہوا۔ عقل و دانش، تدبیر اور سیاست میں بے نظیر تھا۔ اس کے علاوہ متقی اور پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ سخت گیر بھی تھا۔ فلکیات، شاعری اور خطاطی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ عربی اور فارسی زبان میں اس کے کچھ قصائد بھی تاریخ میں ملتے ہیں۔ وہ 1012ء میں فوت ہوا تھا۔

بہرحال میں کہہ رہا تھا کہ بوعلی سینا نے جرجان کے حاکم قابوس کے ایک رشتہ دار کا علاج کیا جو کافی دنوں سے بیمار تھا۔ تفصیل اس کی کچھ یوں ہے کہ قابوس کا رشتہ دار عرصہ سے بیمار تھا۔ بہت سے طبیبوں سے علاج کروایا گیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ جگہ جگہ سے طبیبوں کو بلا کر اس کا معائنہ کروایا گیا لیکن وہ ٹھیک نہ ہوا اور ہر طبیب کے لئے اس

کا علاج ایک معمہ بن گیا۔ چنانچہ حاکمِ جرجان قابوس نے بوعلی سینا کو بلایا اور ان سے گزارش کی۔

''آپ اس کے علاج کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیں اور جس طرح بھی ممکن ہو اس کا علاج کریں۔''

کہتے ہیں شیخ بوعلی سینا نے اس کی حامی بھر لی۔ چنانچہ دوسرے ہی روز شیخ بوعلی سینا نے اس نوجوان کا علاج شروع کیا۔ جب بوعلی سینا کی اس نوجوان سے پہلی ملاقات ہوئی تو بوعلی سینا نے اس نوجوان کا غور سے معائنہ کیا جو چہرے سے بہت مغموم اور متفکر نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ بوعلی سینا نے تشخیص مرض کے لئے قرورہ اور نبض بھی دیکھی اور وہاں لوگوں سے کہا کہ آپ میں سے اگر کوئی شخص ایسا ہو جو جرجان کے تمام محلوں کے نام سے واقف ہو تو اسے میرے پاس لے کر آئیں اور اسے کہیں کہ وہ میرے سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دے۔

چنانچہ ایک شخص کو لایا گیا جو جرجان کے سارے محلوں سے واقف تھا۔ اس شخص کو بوعلی سینا نے اپنے سامنے بٹھایا۔ ساتھ ہی بوعلی سینا نے اس نوجوان کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آنے والے اس شخص سے کہا کہ وہ جرجان شہر کے محلوں کے نام باری باری بولنا شروع کر دے۔

چنانچہ بوعلی سینا کے کہنے پر وہ شخص جرجان شہر کے محلے باری باری بولتا رہا۔ ایک محلے کے نام پر اچانک مریض کی نبض میں ایک خاص قسم کا تغیر اٹھا۔

محلوں کے نام سننے کے بعد شیخ نے کہا کہ اب ایک ایسے شخص کو حاضر کیا جائے جو اس خاص محلے کی تمام گلیوں کے ناموں سے واقف ہو جس محلے کے نام سے نوجوان کی نبض میں تغیر پیدا ہوا تھا۔

چنانچہ ایک دوسرا آدمی لایا گیا اور بوعلی سینا نے اس محلے کا نام لے کر اس شخص سے کہا کہ وہ باری باری اس محلے کی گلیوں کا نام لیتا جائے۔ اس شخص نے ایسا ہی کرنا شروع کیا۔ ساتھ ہی شیخ بوعلی سینا نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی نبض پر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ جب گلیوں کے نام لئے گئے تو ایک گلی کا نام سن کر اس نوجوان کی نبض میں پہلے جیسا تغیر نمودار ہوا جس پر بوعلی سینا مطمئن ہو گیا۔ دوبارہ اس نے حاکمِ جرجان قابوس کو مخاطب کر کے کہا۔

''اب آپ کسی ایسے شخص کو میرے سامنے لائیے جو فلاں محلے کی فلاں گلی کے تمام گھروں سے واقف ہو۔

چنانچہ حاکمِ جرجان کے کہنے پر ایک شخص کو حاضر کیا گیا۔ جب وہ بوعلی سینا کے پاس آیا تو بوعلی سینا نے اس سے کہا کہ فلاں گلی کے گھروں کے نام وہ باری باری لینا شروع کر دے۔ ساتھ ہی اس نوجوان کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

چنانچہ جب اس شخص نے گھروں کے نام لینا شروع کئے تو ایک گھر کا نام سن کر پھر مریض کی نبض میں اسی طرح کی تغیر اور حرکت پیدا ہوئی جیسی کہ محلے اور گلی کا نام سن کر ہوئی تھی۔

اس پر شیخ بوعلی سینا نے اطمینان کا اظہار کیا۔ اب شیخ نے حاکم جرجان قابوس سے کہا کہ وہ مرض کی تشخیص کے آخری حصے میں پہنچ چکا ہے۔ ساتھ ہی قابوس سے کہا کہ وہ اس گلی کے فلاں گھر کے کسی فرد کو بلا کر لائے۔

چنانچہ جس گھر کا اشارہ کیا گیا تھا، اس گھر کے بڑے فرد کو لا کر بوعلی سینا کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ بوعلی سینا نے اس سے کہا کہ وہ اپنے گھر کے افراد کے باری باری نام لینا شروع کرے۔ ساتھ ہی ایک بار پھر بوعلی سینا نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی نبض پر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ بوعلی سینا کے کہنے پر اس شخص نے اپنے گھر کے افراد کے نام باری باری لینے شروع کر دیئے تھے۔ جب اس شخص نے اپنے گھر کی ایک لڑکی کا نام لیا تو مریض کی نبض میں پھر وہی تغیر پیدا ہوا جو اس سے پہلے کئی بار پیدا ہو چکا تھا۔

چنانچہ اس شخص کو بوعلی سینا کے کہنے پر رخصت کر دیا گیا۔ چونکہ بوعلی سینا نے مرض کی تشخیص مکمل کر لی تھی چنانچہ اس شخص کے جانے کے بعد بوعلی سینا نے قابوس کو اطمینان دلایا کہ فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مریض اب بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ ساتھ ہی قابوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''جو شخص آخر میں آیا ہے اس کے گھر میں فلاں نام کی ایک لڑکی ہے۔ یہ نوجوان اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے۔ اگر میں اس نوجوان سے اس کے معاشقے کے بارے میں پوچھتا تو یہ شاید کبھی اقرار نہ کرتا۔ لہٰذا میں نے دوسرے شخص سے یہ کام لیا اور مریض کی نبض سے اس کی اندرونی کیفیات کو سمجھ لیا۔ اب میری رائے یہ ہے کہ اس کی

شادی اس لڑکی کے ساتھ کر دی جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔''

شیخ بوعلی سینا کی یہ باتیں سن کر نوجوان بے حد شرمندہ ہوا اور ساتھ ہی اُس نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ وہ واقعی اس لڑکی کی محبت میں مبتلا ہے اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہے۔

اس نوجوان کے یہ الفاظ سن کر جرجان کے حاکم قابوس نے بھی خوشی کا اظہار کیا اور بوعلی سینا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ نوجوان اور وہ لڑکی دونوں ہی میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ لہٰذا میں آپ کے کہنے پر دونوں کی شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

چنانچہ اس نوجوان کا نکاح اسی لڑکی سے کر دیا گیا اور اس شادی کے بعد وہ نوجوان بھلا چنگا ہو گیا۔ اس طرح شیخ بوعلی سینا کی سوجھ بوجھ، عقل اور دانش سے وہ نوجوان بالکل ٹھیک ہو گیا اور معمول کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد طبیب رکا، دم لیا اور اس کے بعد سب کو مخاطب کرتے ہوئے وہ پھر کہنے لگا۔

''اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہمارے سامنے ہے اور اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ایک بادشاہ کو انتہائی حسین و جمیل لڑکی سے محبت ہو گئی۔ بادشاہ نے اس لڑکی کو اس وقت دیکھا جب وہ شکار کرنے کے لئے باہر نکلا تھا۔ لڑکی پر اس کی نظر پڑی اور اسے دیکھتے ہی وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کے ہاں پیغام بھجوایا اور بادشاہ سے اس لڑکی کی شادی ہو گئی۔

لیکن شادی کے چند روز بعد ہی لڑکی بیمار ہو گئی۔ بہت علاج ہوا، بڑے بڑے طبیبوں کو، بڑے بڑے ماہروں کو بلا کر بادشاہ نے اپنی اس نئی نویلی بیوی کا علاج کروایا لیکن ہر تدبیر اُلٹی ثابت ہوئی اور دن بہ دن وہ لڑکی چربی اور برف کی طرح پگھلتی ہوئی کمزور ہوتی چلی گئی تھی۔

اس لڑکی کی یہ حالت دیکھتے ہوئے بادشاہ بہت پریشان ہوا کہ آخر اس کا مرض کس قسم کا ہے؟ کیوں دور نہیں ہوتا؟ اور کیسے دور ہو گا؟ آخر کار عاجز آ کر بادشاہ نے اس لڑکی کے علاج کے لئے منادی تک کرا دی جس کے جواب میں ایک طبیب بادشاہ کے

پاس آیا اور کہنے لگا۔

''وہ مریض کہاں ہے جس کی آپ نے منادی کرائی ہے؟ میں اس کا علاج کروں گا۔''

چنانچہ بادشاہ کے حکم پر اس طبیب کو اس لڑکی کے پاس لے جایا گیا۔ طبیب نے لڑکی کا معائنہ کرنے کے بعد بادشاہ سے کہا۔

''میں اس سے تنہائی میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔''

بادشاہ کی طرف سے اجازت پا کر طبیب نے اس لڑکی سے ان شہروں کے بارے میں دریافت کرنا شروع کیا جہاں وہ پہلے سے رہ چکی تھی۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس نے لڑکی کی نبض پر رکھ دیا تھا۔

چنانچہ وہ طبیب لڑکی کے گزشتہ حالات پر گفتگو کرتا رہا اور لڑکی ان شہروں کے نام گنواتی رہی جہاں جہاں وہ اس سے پہلے رہ چکی تھی۔ دورانِ گفتگو سمرقند شہر کا نام بھی آیا۔ سمرقند شہر کے نام پر اچانک لڑکی کی نبض میں ایک خاص قسم کی حرکت اور تغیر پیدا ہوا۔ چنانچہ اس تغیر سے اس طبیب نے اندازہ لگا لیا کہ ہو نہ ہو، یہ عورت ضرور سمرقند میں کسی کی محبت میں مبتلا ہے۔

چنانچہ طبیب نے بادشاہ اور لڑکی دونوں کو اطمینان دلایا کہ لڑکی اب بہت جلد اپنے مرض سے چھٹکارا پا لے گی۔ چنانچہ لڑکی سے طبیب نے رازدارانہ سی گفتگو کی اور اس سے یہ جان لیا کہ وہ سمرقند میں کس کو پسند کرتی ہے۔ لڑکی سے اس گفتگو کے بعد طبیب نے بادشاہ سے کہا وہ کسی شخص کو سمرقند بھیجے اور مریضہ کی اس متعلقہ شخص سے جو پیشہ میں سنار تھا، شادی کرا دے۔

طبیب کا یہ جواب سن کر بادشاہ پریشان تو ضرور ہوا۔ وہ اپنی بیوی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے اس کی زندگی بھی بڑی عزیز تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کے بعد بادشاہ کے حکم پر سمرقند کے سنار سے اس کی شادی کر دی گئی۔

جہاں تک سمرقند کے اس سنار کا تعلق تھا تو وہ بے حد بلکہ لا انتہا قسم کا خوبصورت اور پُرکشش نوجوان تھا اور اُس کی اس کشش، اس کی اس خوبصورتی ہی کی وجہ سے وہ لڑکی اس کی چاہت میں مبتلا ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ ہی دنوں بعد وہ لڑکی بالکل صحت

مند ہوگئی۔

اب نبض دیکھنے والے طبیب نے اپنے کام کی ابتداء کی کہ وہ اپنے بادشاہ کو بھی رنجیدہ اور افسردہ نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے کہ اس لڑکی کو طلاق دینے کے بعد بادشاہ واقعی افسردہ رہنے لگا تھا۔ اب طبیب نے یہ کیا کہ اس نے لڑکی کا علاج تو بڑی کامیابی سے کیا تھا، اب اسی مرض میں اس کا اپنا بادشاہ بھی مبتلا ہوگیا تھا۔ وہ بھی اداس اور افسردہ رہنے لگا تھا۔ تب طبیب کو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اس افسردگی، اداسی میں بادشاہ چل نہ بسے۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کا علاج کرنے کا بھی تہیہ کرلیا۔

اس طبیب نے ایسا کیا کہ ایک زہریلا شربت تیار کیا اور وہ شربت اس نے سنار کو آہستہ آہستہ پلانا شروع کیا۔ اس شربت کے لگاتار پینے سے کچھ دنوں بعد وہ سنار کمزور اور لاغر ہوگیا۔ اس کی خوبصورتی، اس کا حُسن، اس کا شباب بالکل کافور ہوکر رہ گیا اور وہ شکل وصورت سے بدنما سا دکھائی دینے لگا۔ لڑکی کو چونکہ سنار سے سچا عشق نہیں تھا۔ وہ لڑکی محض صورت پرست تھی۔ اس لئے جب اس نے دیکھا کہ سنار قریب المرگ ہے اور ساتھ ہی اب وہ بدشکل ہوگیا ہے تو اس نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور دوبارہ بادشاہ کے نکاح میں آگئی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد طبیب خاموش ہوگیا اور اس کی یہ گفتگو سن کر رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دنگ رہ گئے تھے۔ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ نادر شاہ طبیب کے علاوہ رضا قلی اور الایہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اس وقت تم تین میرے سامنے ہو اور صرف تم تینوں پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ کریم خان، روزبہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اس انکشاف کی کسی کو خبر نہیں ہونی چاہئے نہ ہی اس حقیقت کا کسی کو علم ہونا چاہئے کہ کریم خان، روزبہ کی طرف مائل ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، روزبہ کا جھکاؤ بھی اسی طرف ہے۔ اب دیکھتے ہیں دونوں کب اور کس وقت ایک دوسرے پر اپنی محبت کا انکشاف کرتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی نادر شاہ نے طبیب کو جانے کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی اس نے آواز دے کر اپنے چوبدار کو بلایا۔ چوبدار جب اس کے سامنے آیا تو نادر شاہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابھی اور اسی وقت علی مردان بختیاری کے پاس آؤ اور اس سے کہو میں نے

تمہاری بہن کے رشتے کے سلسلے میں کریم خان سے بات کی ہے۔ کریم خان اس کی بہن ارزونہ سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔"

نادر شاہ کا یہ حکم پا کر چوبدار وہاں سے ہٹ گیا تھا اور نادر شاہ کا پیغام دینے کے لئے علی مردان خان بختیاری کی طرف چلا گیا تھا۔

❀❀❀

❋❋❋

قندھار شہر کے نواح میں اسی روز کریم خان جس وقت اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا، خیمے کے دروازے پر ایک انتہائی خوبصورت، نوعمر، جوان اور پُرکشش دراز قد لڑکی نمودار ہوئی۔ دروازے پر آ کر وہ رکی، پھر ہلکی اور کسی قدر شیریں برساتی آواز میں کہنے لگی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟''

اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''خاتون! میں نہیں جانتا تم کون ہو؟ اور کس مقصد کے تحت میری طرف آئی ہو؟''

اتنی دیر تک وہ لڑکی خیمے میں داخل ہو چکی تھی۔ کریم خان خاموش رہا۔ جس نشست پر کریم خان بیٹھا ہوا تھا، اس کے سامنے آ کر وہ لڑکی بیٹھ گئی۔ کریم خان بھی اپنی جگہ پر ہو بیٹھا۔ لہٰذا گفتگو کا آغاز کریم خان نے ہی کیا تھا۔

''خاتون! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ جس وقت تم خیمے میں داخل ہونے لگی تھیں اس وقت ہی میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میرے لئے اجنبی ہو۔ پہلے اپنا تعارف تو کرواؤ۔''

لڑکی نے ایک غائر نگاہ کریم خان پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''حیرت ہے آپ مجھے جانتے بھی ہیں، پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ میں اپنا تعارف کرواؤں۔''

کریم خان اس بار گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''خاتون! تم بھول رہی ہو کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں نے اس سے پہلے تمہیں

کہیں نہیں دیکھا۔''

لڑکی مزاحیہ انداز میں کہنے لگی۔

''لیکن میں نے تو آپ کو اس سے پہلے کئی بار دیکھ رکھا ہے۔''

کریم خان نے ہار ماننے کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

''اچھا بی بی! اپنا تعارف نہ سہی پر اپنے آنے کا مقصد تو کہو۔''

لڑکی کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگی۔

''میرا نام ارزونہ ہے اور میں بختیاری قبیلے کے سردار کی بیٹی ہوں۔ کیا آپ اب بھی کہتے ہیں کہ آپ مجھے نہیں جانتے؟''

لڑکی کے ان الفاظ کے جواب میں ہلکا سا تبسم کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''میں اب بھی کہتا ہوں کہ اس سے پہلے میں تمہیں نہیں جانتا تھا۔ دیکھو تمہارا نام بھی میں نے آج ہی سنا ہے۔ لہٰذا کسی کا نام سن لینے سے اس کے ساتھ تعارف تو مکمل نہیں ہو جاتا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور یہ پہلا موقع ہے کہ مجھ پر انکشاف ہوا کہ تم جس کا نام ارزونہ ہے، بختیاری قبیلے کے سرداری کی بیٹی ہو۔ اب آنے کا مقصد کہو۔''

ارزونہ اس بار سنجیدہ ہو گئی اور بڑے غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں نے سنا ہے نادر شاہ نے آپ کے سامنے میرا رشتہ پیش کیا۔ میرے اور آپ کے عقد کا ارادہ کیا۔ اور بتانے والے نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے اس رشتے سے صاف انکار کر دیا۔ میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ رشتے کی اس گفتگو کی ابتداء کس کی طرف سے ہوئی؟ میں تو آپ سے صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس رشتے سے کیوں انکار کیا؟ کیا بختیاریوں سے آپ کو نفرت ہے؟ کیا میرے بھائی علی مردان خان سے آپ کے کچھ تنازعات ہیں یا آپ نے اس سے پہلے مجھے دیکھ رکھا ہے اور میری ذات میں آپ نے کوئی عیب نکالتے ہوئے انکار کر دیا ہے؟''

ارزونہ جب خاموش ہوئی تب اس کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''دیکھو ارزونہ! نہ میں نے تمہاری شرافتِ نسبی پر حرف گیری کی ہے نہ ہی حسد اور نسلی تعصب سے کام لیتے ہوئے میں نے اس رشتے سے انکار کیا ہے۔ جہاں تک تمہاری ذات میں کوئی عیب نکالنے کا تعلق ہے تو ایسا ممکن ہی نہیں۔ جب میں نے اس سے پہلے تمہیں دیکھا ہی نہیں ہے، میں تمہاری ذات سے واقف ہی نہیں ہوں تو پھر میں تمہارے اندر کوئی عیب کیسے نکال سکتا ہوں؟ لہٰذا مطمئن رہو کہ میں نے جو اس رشتے سے انکار کیا ہے اس کی وجہ تمہاری ذات میں کوئی عیب نہیں ہے۔''

''کیا اس کے علاوہ بھی کوئی انکار کی وجہ ہے؟'' ارزونہ نے غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

''وجہ تو کوئی نہیں۔ بس یوں جانو میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیا آپ کے ذہن میں کوئی اور لڑکی سمائی ہوئی ہے؟'' ارزونہ نے اس بار بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

''بس یوں جانو میرے ذہن میں ایک لڑکی کا خاکہ ہے۔ اس خاکے کو تم ہلکی سی محبت کا نام بھی دے سکتی ہو۔ ابھی تک میں نے اس لڑکی کا نام کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اگر اس لڑکی نے مجھ سے منسوب ہونا پسند کیا، اس نے میری زندگی کا ہمسفر بننے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں سمجھوں گا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ارزونہ بول اٹھی تھی۔

''اگر وہ لڑکی آپ کو اپنی زندگی کا ہم سفر بنانے کے لئے رضامند نہ ہوئی تب بھی آپ کہیں نہ کہیں شادی تو کریں گے۔''

''وہ ایک دوسرا موضوع ہے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اس وقت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔''

جواب میں ارزونہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''وہ لڑکی جس کو آپ پسند کرتے ہیں اگر وہ آپ کو اپنا لے تو میں سمجھتی ہوں یہ آپ کی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اگر وہ آپ کو اپنانے سے انکار کر دے اور اس کے بعد آپ

شادی کرنے کا ارادہ کریں تو اپنے لئے جن لڑکیوں کو آپ اپنے شعور میں جگہ دیں ان میں میرا نام بھی لکھ لیجئے گا۔''

اس کے ساتھ ہی مسکراتے ہوئے ارزونہ مڑی اور کریم خان کے خیمے سے نکل گئی تھی۔

ارزونہ کو گئے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ایک دم آندھی اور طوفان کی طرح روزبہ کریم خان کے خیمے میں داخل ہوئی اور آگے بڑھ کر جس نشست سے ارزونہ اٹھ کر گئی تھی اس پر ہو بیٹھی۔ اس کے اس طرح آنے پر کریم خان کسی قدر فکرمند اور تجسس میں مبتلا ہو گیا تھا۔ روزبہ کو مخاطب کر کے وہ کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ روزبہ نے اسے مخاطب کرنے میں پہل کی۔

''آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ میری آمد پر آپ ایک طرح کے تجسس اور فکرمندی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ بس یوں جانیں کہ میں آپ سے دو امور پر گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں..... میں نے سنا ہے کہ آپ کی شادی کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ لیکن جس لڑکی سے آپ کا ناتہ جوڑنے کی کوشش کی، اس کے ساتھ آپ نے ازدواجی رشتہ طے کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ لڑکی میرے خیال میں ارزونہ ہے جو تھوڑی دیر پہلے آپ کے خیمے سے اٹھ کر گئی ہے۔ میں تھوڑی دیر پہلے آپ کے خیمے کی طرف آ رہی تھی کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ارزونہ آپ کے خیمے میں داخل ہوئی۔ چنانچہ میں رک گئی اور انتظار کرنے لگی کہ یہ جائے تو میں آپ کے خیمے کا رخ کروں۔ اب جبکہ ارزونہ چلی گئی ہے تو میں حاضر ہوئی ہوں۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں آپ نے ارزونہ کے ساتھ شادی کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟''

روزبہ کے اس سوال پر لمحہ بھر کے لئے کریم خان نے گھورنے کے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''تم نے آزاد خان افغان کے ساتھ شادی کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟''

''اس کی تو میرے پاس ایک وجہ تھی۔'' روزبہ نے کہنا شروع کیا۔ ''اور وجہ یہ تھی کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں۔ لہٰذا اپنی پسند کو چھوڑ کر مجھے کیا مصیبت پڑی ہوئی تھی کہ میں آزاد خان سے رشتہ جوڑتی۔ اس بناء پر میں نے انکار کر دیا۔''

جواب میں مسکراتے ہوئے کسی قدر تیز لہجے میں کریم خان کہنے لگا۔

''بس یوں جانو یہی معاملہ میرے ساتھ بھی ہے۔ میں بھی کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا اپنی پسند کو چھوڑ کر میں ارزونہ سے کیونکر شادی کر لیتا؟''

کریم خان جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے ارزونہ نے پوچھا۔

''کیا میں جان سکتی ہوں کہ وہ خوش قسمت لڑکی کہاں ہے جسے آپ نے اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے؟''

''فی الحال میں کسی کو اس کے محل وقوع سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ یہی سوال مجھ سے نادر شاہ نے بھی پوچھا تھا لیکن میں نے اسے بھی نہیں بتایا۔''

''کہاں رہتی ہے وہ لڑکی؟'' روزبہ نے پوچھ لیا تھا۔

''دیکھو روزبہ! یہ مت پوچھو کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ بس یوں جانو فی الحال وہ کہیں بھی نہیں رہتی۔ اور پھر میری اس کے ساتھ کوئی زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہوئی۔ نہ ہی اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہے۔ بس اس کے ساتھ ایک لگاؤ سا ہے۔ وہ لگاؤ اگر ہم دونوں کو یکجا کرتا ہے تو اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہتا، اپنے متعلق کہتا ہوں کہ یہ میری خوش قسمتی ہو گی اور اگر ہم یکجا نہیں ہوتے تب بھی میں اسے حادثہ خیال نہیں کروں گا اور یہی جانوں گا کہ شاید خداوند قدوس کو ہمارا یہ رشتہ منظور ہی نہ تھا۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے لمحہ بھر کے لئے روزبہ سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے کچھ سوچا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میں تھوڑی دیر پہلے آپ کے خیمے کی طرف آ رہی تھی کہ میں نے ارزونہ کو آپ کے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ کیا وہ کسی خاص مقصد کے تحت آئی تھی؟''

روزبہ کے سوال پر کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''دراصل تھوڑی دیر پہلے مجھے نادر شاہ نے بلایا تھا۔ اس وقت اس کا بیٹا رضا قلی اور تمہاری بہن الایہ بھی موجود تھے۔ میرے وہاں جانے سے پہلے علی مردان خان بختیاری بھی بیٹھا ہوا تھا۔ سب کی موجودگی میں نادر شاہ نے یہ تجویز پیش کی کہ میرا عقد علی مردان خان بختیاری کی بہن ارزونہ سے کر دیا جائے۔ یہ نادر شاہ کی تجویز تھی اور مجھے بلانے سے پہلے نادر شاہ نے علی مردان بختیاری کو بلا رکھا تھا۔ اس سے گفتگو ہو چکی تھی اور علی مردان اپنی بہن ارزونہ کو مجھ سے بیاہنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ لیکن جب میری

رضامندی پوچھی گئی تو میں نے انکار کر دیا، معذرت کر لی کہ میں ارزونہ کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ میرے اس انکار پر شاید نادر شاہ کو افسوس ہوا ہو گا۔ جب اس نے وجہ پوچھی تو میں نے صاف بتا دیا کہ میں کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہوں لہٰذا ارزونہ سے شادی نہیں کر سکتا۔ تھوڑی دیر پہلے جو ارزونہ میرے خیمے میں آئی تھی، اسے میرے خیال میں اس کے بھائی علی مردان خان بختیاری نے بتا دیا ہو گا کہ نادر شاہ کے پاس اس کے رشتے کی بات میرے ساتھ ہوئی تھی اور اس نے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ لہٰذا ارزونہ اسی سلسلے میں میرے پاس آئی اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ آخر میں نے اس سے شادی کرنے سے کیوں انکار کر دیا؟ وہ یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ اس کی ذات، اس کی شخصیت میں کون سی ایسی خامی ہے جس کی وجہ سے میں نے اس کی زندگی کا ساتھی بننے سے انکار کر دیا ہے۔

میں نے اسے سمجھایا کہ میں نے نہ حسد اور تعصب کی بناء پر ایسا کیا ہے نہ کسی ذاتی عناد کی بناء پر۔ اس لئے کہ اس سے پہلے میں ارزونہ کو جانتا ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اس سے عناد رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے زور دے کر پوچھا کہ میں نے کیوں انکار کر دیا تو اسے بھی میں نے یہ کہہ دیا کہ میں کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔

جاتے جاتے ارزونہ یہ بھی کہہ گئی تھی کہ جس لڑکی کو میں پسند کرتا ہوں اگر اس لڑکی نے میرا ساتھی نہ بننا چاہا تو پھر میں کہیں نہ کہیں تو شادی کروں گا ہی۔ ارزونہ جاتے جاتے یہ بھی کہہ گئی تھی کہ اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے جن لڑکیوں کے نام آپ کے ذہن میں آئیں، ان ناموں میں میرا نام بھی شامل کر لیجئے گا۔ اس قدر کہنے کے بعد وہ میرے خیمے سے اٹھ کر چلی گئی اور اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم آ گئی ہو۔ آگے جو کچھ ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب بڑی دلچسپی اور بڑی چاہت میں توجہ کے ساتھ کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

''اس کا مطلب ہے آپ کو یقین ہے کہ جس لڑکی کو آپ نے اپنے دل میں جگہ دی ہے وہ ایک نہ ایک روز آپ کی زندگی کی ساتھی ضرور بنے گی۔''

کریم خان نے بھی روزبہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے کہ میں کسی کے دل کا بھید نہیں

جانتا۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لڑکی کے دل اور اس کے ذہن میں میرے متعلق کر طرح کے خیالات ہیں۔ بہرحال وہ منتخب شدہ لڑکی زندگی میں مل گئی تو ٹھیک، نہ ملی تو کسی اور کو اپنا کر اپنا گھر آباد کرلیں گے۔''

اس موقع پر روز بہ نے کچھ سوچا، پھر اپنی بات پر وہ زور دیتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرے خیال میں ارزونہ نے جاتے جاتے آپ سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں بھی اس کی پیروی کرتی ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی آپ سے کہتی ہوں کہ جس لڑکی کو اس وقت آپ نے اپنے ذہن، اپنے شعور، اپنے دل میں بسا رکھا ہے وہ لڑکی اگر آپ کی زندگی کا ساتھی نہ بننا چاہے اور آپ کہیں اور شادی کرنا چاہیں، اس مقصد کے لئے لڑکیوں کا انتخاب کرنا چاہیں تو جن لڑکیوں میں سے آپ اپنی زندگی کی رفیقہ کو چننا پسند کریں، ان لڑکیوں میں میرا نام بھی لکھ لینا۔''

اس کے ساتھ ہی روز بہ اٹھی اور کریم خان کے خیمے سے نکل گئی تھی۔

اگلے روز رضا قلی، کریم خان اور عرب سالار شیخ علی خان ایک لشکر لے کر بلخ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

بلخ کے حاکم نے اپنے حلیف قندھار کے حکمران حسین کی حالت سے عبرت نہ پکڑی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ قندھار کے حکمران حسین کی شکست اور پھر قندھار کے اس کے ہاتھوں سے نکل جانے کو بلخ کا حکمران اپنے لئے درسِ عبرت خیال کرتا لیکن اس نے زور آزمائی کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ جب اسے خبر ہوئی کہ نادر قلی کا ایک لشکر بلخ پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے تب اس نے اپنی جنگی تیاریوں کو اپنے عروج پر پہنچا دیا۔ ایک خاصا بڑا لشکر اس نے تیار کیا اور بلخ شہر سے باہر نکل کر اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

چنانچہ جس وقت نادر شاہ کا بیٹا رضا قلی، کریم خان اور عرب سالار شیخ علی خان اپنے لشکر کو لے کر بلخ کے نواح میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا وہاں پہلے ہی بلخ کا حاکم اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے لشکر میں بڑے بڑے طبل گونج دار آوازوں کے ساتھ بجنے لگے تھے۔ اس سے رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے آتے ہی بلخ کا حاکم جنگ کی ابتداء کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے پڑاؤ کرنے کے بعد رضا قلی نے بھی کریم خان اور شیخ علی کے ساتھ مل کر اپنے لشکر کی تقسیم کی اور ترتیب اور صفوں کی درستگی کا کام شروع کر دیا تھا۔

رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان نے دیکھا، ان کے سامنے بلخ کے حکمران نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ وسطی حصے میں بلخ کا حاکم خود رہا، دائیں بائیں اس نے اپنے بہترین سالاروں کو کمانداری سونپی تھی۔

چنانچہ کریم خان اور شیخ علی خان سے مشورہ کرنے کے بعد رضا قلی نے بھی اپنے

لشکر کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصے میں رضا قلی خود رہا، بائیں حصے کی کمانداری شیخ علی خان کو سونپی گئی اور دائیں حصے کی کمانداری کریم خان کر رہا تھا۔

بلخ کے حکمران کے پاس خاصا بڑا لشکر تھا اور اس لشکر کا اندازہ لگاتے ہوئے ہی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ بلخ کے نواح میں رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان کو شکست دے کر مار بھگائے گا۔ اپنے انہی ارادوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے جنگ کی ابتداء خود کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اپنے لشکر کے ساتھ وہ زیست کے قفس میں موت کے ہولناک مناظر کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد لمحے لمحے کو بے سکون کرتے اذیتوں کے بدمست قہرمانوں، دلوں کے آنگنوں میں ہجر کے ماتم، گھٹن کے خوف اور ہلاکت خیز کہانیوں کی سی کیفیت طاری کرتی قضا کی ہولناکی اور فنا خیز غیر مرئی سرسراہٹوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

بلخ کے حکمران کے اپنے پورے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی سب سے پہلے وسطی حصے سے رضا قلی نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی کارروائی کی ابتداء کی اور سنگ و خشت تک کو پگھلا دینے والے سیلِ آتش کے طوفانوں، تشدد و تباہ کاری کی طرح مشرق سے مغرب تک پھیل جانے والے لاووں اور برق و شرر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

رضا قلی کے بعد بائیں طرف سے عرب سالار شیخ علی نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ جذبات کو پامال، دل و جان کو لخت لخت، خدوخال کو بگاڑ دینے والی کڑکتی گرتی برق اور قہر کے سیلاب کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

شیخ علی خان کے بعد کریم خان دائیں جانب سے اپنے حصے کے لشکر کو حرکت میں لایا۔ چنانچہ اس نے پہلے خوابیدہ چٹانوں سے ٹکراتے سمندر کے غصیلے رقص کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد وہ زمانے کی دھول میں دل گرفتہ انحطاط، پاؤں میں زخموں کی زنجیریں ڈال کر قضا کے بند کھول دینے والے قہر بھرے طوفانوں کی شدت اور وقت کے سرد، منجمد لمحوں میں آگ و خون کے ہیجان اور آتش کے اُبلتے بحر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

بلخ شہر کے نواح میں دونوں لشکروں کے اس طرح ٹکرانے سے موت خود سر زہریلے سانپوں، عصبیت میں ڈوبی یورش، خونی سرکش موجوں کی طرح سرسرانے لگی

تھی۔ ہر کوئی جرأت اور شجاعت کے تمرد سے دوسرے کو پست اور پامال کرنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ اجالوں کے ضمیر صحرائی تاریکیوں کا شکار ہونے لگے تھے۔ انسانیت شناسی کی جگہ مہیب طاغوتی قوتوں کی طرح خبث باطن چار سُو ناچ اٹھا تھا۔

بلخ کے نواح میں میدانِ جنگ کے اندر غم کے چڑھتے سحاب، بھوکی خونخوار جبلتیں، عناد اور کدورت کی ریگ، خوں گشتہ اندیشے اور تند وحشی جذبے چار سُو ناچ اٹھے تھے۔

کچھ دیر تک بڑے ہولناک انداز میں دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔ یہاں تک کہ بلخ کے حاکم نے اندازہ لگایا کہ رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خاں کے حملوں کے سامنے اس کے لشکر کی حالت بتدریج غم اور الم کے مجسموں، بے کل باطن، ذہنی مفلسی، درد و کرب کی اذیتوں، عذاب بھرے شمشانوں اور کرب و دکھ کی انتہا کی طرح پستی کی طرف جانا شروع ہو گئی ہے۔

یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اس نے اپنے لشکر کے وسط میں رہتے ہوئے اپنے لشکریوں کو زوردار انداز میں للکارا۔ اُس کی اس پکار، اُس کی اس للکار کے جواب میں اس کے لشکری اپنی پوری طاقت اور ہنرمندی کو حرکت میں لاتے ہوئے ایک بار پھر درندوں کی طرح دھاڑنے کے انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے عقوبت کے سمندر، زیست کی تہوں تک میں قہرمانیت بھر دینے والے فطرت کے دستورِ کہن اور اذیت ناکیاں کھڑی کرتے بپھرتے سرابوں کے لا انتہا سلسلوں کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہو گئے تھے۔

ایک بار پھر میدانِ جنگ میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے لگے تھے۔ ہر کوئی بڑھ چڑھ کر دوسرے کو اپنے سامنے زیر کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔ لشکری ایک بار پھر اپنے سالاروں، اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے زندگی کے راستوں کو پامال کرتے تکبر کے بدترین عذابوں اور زیست کو نچوڑتی قضا کی طرح یورش کرنے لگے تھے۔ لیکن بلخ کے لشکر کی حالت زیادہ دیر تک پہلے جیسی نہ رہ سکی۔ رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان کے جان لیوا حملوں کے سامنے ایک بار پھر ان کی حالت کرب اور دکھ کے کھلیانوں، شوریدہ مزاج، آتش شکنی، اوہام کی خونی کشمکش اور منفی کردار کی خونخواری سے بھی ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان نے جب بلخ کے حاکم کے لشکر کی یہ کیفیت

دیکھی تو ان تینوں نے ایک دوسرے کو للکارتے ہوئے اپنے حملوں میں مزید شدت پیدا کرنی شروع کی اور یہ فیصلہ ہونے کے بعد رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان تینوں بھنور بھنور موت کے رقص، جوالا مکھی کے کھولتے لاووں اور کرب کی طغیانیوں اور جبروت کی طرح بلخ کے لشکر پر ضربیں لگانے لگے تھے۔

بلخ کے لشکری یہ ضربیں زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے۔ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بلخ کا حاکم بھی بھاگ گیا۔ بچے کھچے لشکریوں نے بلخ شہر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی لیکن شکست خوردہ لشکریوں کے لئے رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان نے سارے ہی راستے بند کر دیئے تھے لہٰذا بلخ کے حاکم کے لشکری اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ جبکہ رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان فاتح کی حیثیت سے اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کا نظم ونسق انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شہر کے ایک طرف فصیل کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے لشکر کے لئے خیمے نصب کرا دیئے تھے۔ یوں بلخ شہر فتح ہوا اور اسے نادر شاہ کی مملکت میں شامل کر دیا گیا تھا۔

***

بلخ شہر کی فتح کے دوسرے روز جس وقت عصر کے بعد روزبہ اپنے خیمے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی کہ خیمے میں اس کی بڑی بہن اور رضا قلی کی بیوی الایہ داخل ہوئی۔ اپنے خیمے میں اپنی بڑی بہن کو دیکھتے ہوئے روزبہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے بڑھ کر الایہ روزبہ کے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گئی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے روزبہ بھی اس کے سامنے ہو بیٹھی تھی۔

کچھ دیر تک خیمے میں خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ الایہ، روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''روزبہ! میری بہن! تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو اور میں عمر میں تم سے کافی بڑی ہوں اور بڑی بہن ایک طرح سے ماں کی مانند ہی ہوتی ہے۔ مجھے بے حد دکھ اور صدمہ ہوا ہے کہ تم ایک بات کی آج تک پردہ پوشی کرتی رہی ہو، مجھ سے چھپاتی رہی ہو اور روزبہ! مجھے کم از کم تم سے ایسی توقع اور امید نہیں تھی۔''

الایہ کے ان الفاظ پر روزبہ فکرمند اور پریشان ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک عجیب سے انداز میں الایہ کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''میری عزیز بہن! یہ تُو کیسی گفتگو کر رہی ہے؟ میں نے آج تک تم سے کوئی چیز چھپائی نہیں۔ میرا ظاہر تو تمہارے سامنے ہوتا ہے، میں تو آج تک اپنے باطن کی کوئی کیفیت تم سے چھپا کر نہیں رکھی۔ تم کیسے کہتی ہو کہ میں تم سے کچھ باتیں چھپاتی ہوں۔ کیا یہ بڑی بہن کی طرف سے چھوٹی بہن پر الزام تراشی نہیں ہے؟''

جواب میں الایہ نے گھورنے کے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''الزام تراشی نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔''

''کیسی حقیقت؟'' اُلجھے ہوئے انداز میں روزبہ نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر چند ثانیوں تک الایہ گھورنے کے انداز میں روزبہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتی رہی، پھر جواب طلب سے انداز میں وہ بول اٹھی تھی۔

''میں ابھی تمہیں بتاتی ہوں کہ کیسے تم مجھ سے کچھ باتیں چھپاتی رہی ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تم کسی سے محبت نہیں کرتی ہو؟ دیکھو مجھ سے نہ جھوٹ بولنا اور نہ ہی کوئی بات مجھ سے چھپانے کی کوشش کرنا۔''

الایہ کے ان الفاظ پر روزبہ چونکی تھی۔ پہلے اس نے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''ہاں، کرتی ہوں۔''

''کیا تم نے کبھی مجھ سے اپنی محبت اور چاہت کا ذکر کیا؟ کیا تم نے کبھی مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ تم فلاں شخص کو اپنی محبت کا محور، اپنی چاہت کا مرکز بنا چکی ہو۔ روزبہ! یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی تم کہتی ہو کہ تم مجھ سے کوئی چیز چھپاتی نہیں ہو۔ اس سے بڑھ کر تم مجھ سے کیا چھپاؤ گی؟ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ، اپنی زیست کی سب سے بڑی کہانی اور داستان تو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتی ہو کہ تم مجھ سے کوئی چیز نہیں چھپا رہی ہو۔ میری بہن! کم از کم مجھے تم سے ایسے رویے کی قطعی امید نہ تھی کہ میری چھوٹی بہن مجھ سے اپنی ذات کا اتنا بڑا فیصلہ چھپا کر رکھے گی۔ یہ تو مجھے تمہاری محبت اور چاہت کی خبر اس وقت ہوئی جب نادر شاہ نے کریم خان کے لئے علی مردان خان بختیاری کی بہن ارزونہ کا رشتہ مانگا تھا۔ سنو روزبہ! نادر شاہ کو پہلے ہی شک ہو چکا تھا کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔ اس کے ذہن میں ایک سالار بھی آ گیا تھا جو تمہاری محبت کا محور اور مرکز بن چکا تھا لیکن اس نے ایک انتہائی عمدہ چال چلی۔ علی مردان کی

بہن کا رشتہ مانگنا تو صرف ایک بہانہ تھا، اس بہانے سے وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ کریم خان کسے پسند کرتا ہے اور تم کس کو چاہتی ہو؟''

اس کے بعد الایہ نے شاہی طبیب کے ذریعے کریم خان کی محبت کا جو محور جاننے کی کوشش کی تھی اس کی تفصیل الایہ نے روزبہ سے کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل سن کر روزبہ بڑی فکرمند اور پریشان ہوئی۔ کہنے لگی۔

''شاہی طبیب کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں کریم خان سے محبت کرتی ہوں؟''

اس پر الایہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''سنو میری بہن! جس روز نادر شاہ نے تمہیں اپنے خیمے میں بلایا تھا اور تم پر یہ انکشاف کیا تھا کہ آزاد خان افغان تمہیں چاہتا ہے اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہے اور تم نے اس رشتے کو ٹھکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی تم نے نادر شاہ پر انکشاف بھی کر دیا تھا کہ تم کسی کو چاہتی اور پسند کرتی ہو۔ اور جسے تم چاہتی ہو وہ لشکر کے سالاروں میں سے ایک ہے۔ اس روز ہی نادر شاہ کو شک ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو، تم اس کے سالاروں میں سے کریم خان کو پسند کرتی ہو۔ اسی بناء پر اس نے یہ تدبیر کی جس کے ذریعے اس نے جان لیا کہ تم کریم خان سے محبت کرتی ہو۔ اب مجھ سے چھپانا مت۔ صاف بتاؤ، کیا تم کریم خان کو پسند کرتی ہو اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہو؟''

الایہ جب خاموش ہوئی تب روزبہ پھر بول اُٹھی۔

''کیا ایسا کرنا جرم اور گناہ ہے؟''

''ہرگز نہیں۔ نہ جرم ہے، نہ گناہ۔'' الایہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

''اگر یہ جرم ہے، نہ گناہ ہے تو پھر میں واقعی کریم خان کی چاہت اور محبت میں مبتلا ہوں۔''

''لیکن تم تو شروع میں اسے اجڈ، غیر ترقی یافتہ اور بدتہذیب قسم کا انسان خیال کرتی تھیں۔ پھر تم اس کی محبت اور چاہت میں کیسے گرفتار ہو گئیں؟ الایہ نے جستجو بھرے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں روزبہ غور سے الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری بہن! وہ عارضی اور سطحی جذبے تھے۔ اس وقت میں کریم خان کو سمجھ نہیں

پائی تھی۔ جب میں نے بعد میں ان کی شخصیت کا اندازہ لگایا، تب مجھے محسوس ہوا کہ روزبہ پیدا ہی کریم خان کے لئے ہوئی ہے۔ اس بناء پر میں نے ان پر اپنی چاہت اور محبت کے گل نچھاور کر کے رکھ دیئے۔''

روزبہ جب خاموش ہوئی تب بڑی سنجیدگی میں الایہ کہنے لگی۔

''میری بہن! تم اپنی محبت کو یکطرفہ رکھ رہی ہو۔ تمہیں کوئی نہ کوئی مناسب موقع جان کر کم از کم کریم خان پر یہ انکشاف کر دینا چاہئے تھا کہ تم کریم خان کو پسند کرتی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کریم خان بھی تمہیں چاہتا ہے۔ لیکن کم از کم تمہیں اس پر ضرور انکشاف کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح تم دونوں جو باطنی طور پر ایک دوسرے کو چاہ رہے ہو، وہاں ظاہری طور پر بھی تم دونوں ایک دوسرے کے رفیق، ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے۔ اب بولو، تم کیا کہتی ہو؟''

''اس سلسلے میں آپ کیا مشورہ دیتی ہیں؟'' روزبہ نے غور سے الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

الایہ نے کچھ سوچا، پھر اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ ساتھ ہی کہنے لگی۔

''میں تو یہ چاہوں گی کہ تم کریم خان کے پاس اس وقت جاؤ جب وہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا ہو، اس سے گفتگو کرو اور دورانِ گفتگو اس پر اپنی محبت کا اظہار کر دو۔''

الایہ کی اس گفتگو سے روزبہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر بڑے غور سے الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

''میری بہن! یہ کام نہ میرے کرنے کا ہے اور نہ مجھ سے ہو پائے گا۔ تم بڑی بہن ہو، ماں کی جگہ ہو۔ آخر اس سلسلے میں تم بھی تو میری مدد کر سکتی ہو۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم کوئی مناسب موقع جان کر کریم خان کے پاس جاؤ۔ دورانِ گفتگو ان پر میری محبت کا اظہار کرو۔ جواب میں جب وہ بھی اس بات کو تسلیم کر لیں کہ وہ مجھے چاہتے ہیں، پھر میں بھی کوئی مناسب موقع جان کر ان کے پاس جاؤں گی اور دورانِ گفتگو میں بھی ان پر اپنی محبت کا اظہار کر دوں گی۔ اس طرح میری بہن! میرا بھی کام ہو جائے گا، آپ کا بھی کچھ نہیں جائے گا۔ اور اب مجھے یہ کام کر گزرنا چاہئے۔ اس لئے کہ پہلے تو میں یوں جانو کریم خان کی محبت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ وہ اپنی زبان سے مجھے اپنے پاس بٹھا کر اپنی محبت کا اظہار کریں۔ لیکن اب

میں سمجھتی ہوں ایسا درست نہیں۔ کیونکہ اب ارزونہ بھی بیچ میں آ گئی ہے۔ ارزونہ کو اب سب سے بڑا قلق یہ ہے کہ کریم خان نے اس کا رشتہ قبول کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ گو یہ سارا کھیل نادر شاہ نے کریم سے میری محبت کا اندازہ لگانے کے لئے کیا تھا۔ لیکن ارزونہ شاید یہ خیال کرنے لگی ہے کہ کریم خان پر واقعی اس کے رشتے کو پیش کیا گیا اور کریم خان نے ایک طرح سے اسے ٹھکراتے ہوئے اس کا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

میری بہن! ارزونہ چونکہ خوب صورت ہے، لہٰذا مجھے خطرہ اور خدشہ ہے کہ کہیں اس معاملے کو وہ اپنی انا کا مسئلہ نہ بنا لے۔ اگر آج تم کوئی مناسب موقع جان کر کریم خان پر یہ ظاہر کر دو کہ وہ اگر مجھے پسند کرتے ہیں تو میں بھی انہیں چاہتی ہوں، اس کے بعد میں خود بھی ان سے مل لوں گی اور اس ملاقات کے بعد میں چاہوں گی کہ لشکر کے اندر ہی نہیں، اصفہان شہر کے اندر بھی اس بات کا چرچا ہو جائے کہ کریم خان اور روزبہ ایک دوسرے کو چاہتے اور ایک دوسرے کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کر چکے ہیں۔ میری بہن! جب ایسا ہو جائے گا تو میں سمجھتی ہوں ارزونہ اسے بھی اپنی انا کا مسئلہ بنا لے گی کہ کریم خان اگر روزبہ کو چاہتا ہے تو پھر وہ کریم خان کے نزدیک اس لئے نہیں جائے گی کہ وہ تقسیم شدہ محبت کو قبول نہیں کرے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ خاموش ہو گئی۔ جواب میں الایہ کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''اچھا، تُو بیٹھ۔ میں دیکھتی ہوں کہ صورتِ حال کیا ہے۔ میں کریم خان کے خیمے کی طرف جاتی ہوں۔ اگر وہ واقعی اپنے خیمے میں اکیلا ہے تو میں اس سے اس موضوع پر گفتگو کرتی ہوں۔''

الایہ کا یہ جواب سن کر روزبہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے کھڑی ہوتی ہوئی الایہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے، انہیں طویل بوسہ دیا۔ پھر جب الایہ خیمے سے نکلنے لگی تو مسکراتے ہوئے بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

الایہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کریم خان کے خیمے کے دروازے پر جب آئی تو اس نے دیکھا اس وقت کریم خان اپنے خیمے میں اکیلا تھا۔ خیمے کے دروازے پر آ کر الایہ رک گئی۔ اس وقت کریم خان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ لہٰذا الایہ وہاں کھڑی ہو

کر کچھ دیر تک بڑے غور اور انہماک سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا جب پتہ دیا تب کریم خان ایک دم اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کب آئیں؟ اور اس طرح باہر کیوں کھڑی ہیں؟''

مسکراتے ہوئے الایہ آہستہ آہستہ خیمے میں داخل ہوئی اور کریم خان کے سامنے ہو بیٹھی۔ گفتگو کا آغاز کریم خان نے کیا اور الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! آج تمہارا اس طرح میرے خیمے میں آنا کسی وجہ یا کسی علت یا حادثے کے بغیر نہیں ہے۔ خدا خیر کرے، پتہ نہیں آپ کیا کہنے آئی ہیں۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر تھوڑی دیر تک الایہ مسکراتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''کریم خان! میرے بھائی! میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنے کے لئے آئی ہوں۔ میرے بھائی! آپ جانتے ہیں، ہمارے ماں باپ مر چکے ہیں۔ بھائی مازندران میں ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ روزبہ کا آپ کے خیمے میں آنا جانا ہے۔ اس آنے جانے کی ایک وجہ ہے، وہ شاید شرماتے ہوئے، ہچکچاتے ہوئے اس وجہ پر آپ سے گفتگو نہیں کر سکی۔ میرے بھائی! میں اس کی بڑی بہن ہوں، ماں کی جگہ ہوں لہٰذا اسی موضوع پر آج تم سے گفتگو کرنے کے لئے آئی ہوں۔''

''میرے عزیز بھائی! پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں روزبہ کے لئے جگہ ہے۔ یہ بات پہلے سے طے شدہ ہے اور یہ بات اس روز ہی ثابت ہو گئی تھی جس روز نادر شاہ نے شاہی طبیب کو بلا کر آپ کی نبض دکھلائی اور آپ کے سامنے مختلف لڑکیوں کے نام پیش کئے تھے۔ طبیب کا کہنا تھا کہ روزبہ کے نام پر آپ کی نبض میں ایک انوکھا تغیر پیدا ہوا تھا جو اس بات کی نشاندہی تھی کہ آپ روزبہ سے محبت کرتے ہیں۔ میرے بھائی! آج تک تم نے کسی کے سامنے اس بات کا اظہار ہی نہیں کیا، نہ ہی کھل کر کسی پر اپنا بھید ظاہر کیا ہے کہ تم روزبہ کو پسند کرتے ہو۔ حالانکہ تمہیں برملا کہہ دینا چاہئے تھا کہ تم روزبہ کو پسند کرتے ہو۔ تمہارے ایسا کہہ دینے سے میرے خیال میں بہت سے مسائل حل ہو جاتے۔ اب میں اسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے آئی ہوں۔ اب جبکہ مجھ پر یہ بات واضح ہے کہ تم روزبہ کو چاہتے ہو تو میں تم پر یہ انکشاف کرنے کے لئے آئی ہوں کہ روزبہ بھی اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہیں پسند

کرتی ہے۔

وہ شاید آج نہیں تو کل خود ہی تم پر اپنی محبت کا انکشاف کر دیتی۔ اس لئے کہ آج کل وہ کچھ ان خدشات کا شکار ہے کہ شاید تمہارے اور اس کے حالات کے اندر ایک تبدیلی اور انقلاب رونما نہ ہو جائے۔ اس لئے کہ نادر شاہ نے جب علی مردان خان بختیاری کی بہن ارزونہ کا رشتہ تمہارے لئے مانگا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا تو ارزونہ کی طرف سے روزبہ کو خطرہ ہے کہ شاید وہ اس مسئلے کو اپنی انا کا معاملہ نہ بنا لے اور ارزونہ ہے بھی ایسی کہ اس کے رشتے سے کیوں انکار کیا گیا ہے۔ روزبہ کے بعد ارزونہ اپنے آپ کو زیادہ حسین اور خوبصورت مانتی ہے۔ لہٰذا وہ اس معاملے کو اپنی توہین، اپنی سبکی بھی خیال کر سکتی ہے کہ کریم خان نے اس کے رشتے سے کیوں انکار کیا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اب روزبہ تاخیر نہیں کرنا چاہتی۔ وہ فی الفور آپ پر اپنی محبت کا اظہار کرنا چاہتی ہے تاکہ ارزونہ بیچ میں سے نکل جائے بلکہ روزبہ اب یہ خواہش بھی رکھتی ہے کہ نہ صرف لشکر کے اندر بلکہ اصفہان شہر کے اندر یہ بات عام ہو جانی چاہئے کہ روزبہ اور کریم خان دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عہد کر چکے ہیں۔ اب میرے بھائی! تم کیا کہتے ہو؟''

جب تک الایہ بولی رہی، کریم خان مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ الایہ جب خاموش ہوئی تب کریم خان نے ایک لمبا سانس لیا اور خوش کن انداز میں الایہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بہن! میں نے اب کیا کہنا ہے۔ ساری باتیں تو آپ نے خود ہی کہہ دی ہیں۔ اب میرے کہنے کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بات یہیں آ کر ختم ہونی چاہئے کہ میں روزبہ کو پسند کرتا ہوں۔ روزبہ مجھے چاہتی ہے اور یہ معاملہ آپ نے خود ہی ظاہر کر دیا ہے۔ جہاں تک ارزونہ کا تعلق ہے تو میں کبھی اس کی طرف مائل ہوا ہی نہیں تھا۔ وہ تو یوں ہی نادر شاہ نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی علی مردان بختیاری سے اس کی بہن کا رشتہ پوچھ لیا اور میں نے علی مردان بختیاری کی بہن کے اس رشتے سے انکار کر دیا تھا۔ جہاں تک روزبہ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع میں وہ میرے خلاف تھی، لیکن میں کبھی بھی کسی بھی موقع پر اس کی مخالفت پر نہیں اترا۔ لیکن آہستہ

آہستہ اس کے مزاج کو سمجھتے ہوئے اور اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بڑی نرم طبیعت اور انتہائی رحم دل قسم کی لڑکی ہے۔ شروع میں میرے اور اس کے درمیان کچھ اختلافات ضرور پیدا ہوئے تھے لیکن میں نے انہیں اپنے دل میں جگہ نہ دی تھی بلکہ جوں جوں میں روزبہ کی طبیعت سے واقف ہوتا گیا، روزبہ بھی میرے پاس بیٹھتی رہی اور میرے متعلق اس کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں لہٰذا ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہو گئے۔ جہاں میں خیال کرتا تھا کہ روزبہ میری طرف مائل ہے، وہاں روزبہ بھی جان گئی تھی کہ میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہم اپنی اس چاہت اور محبت کا کھل کر اظہار ایک دوسرے سے نہیں کر سکے تھے۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تو الایہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے اس نے کریم خان کو مخاطب کیا۔

''میرے بھائی! جو کام میں کرنے آئی ہوں یا جس موضوع پر میں گفتگو کرنے کے لئے آئی ہوں، پہلے میں نے روزبہ سے کہا تھا کہ تم خود کریم خان کے خیمے میں جاؤ اور دورانِ گفتگو اس پر اپنی محبت کا اظہار کرو۔ لیکن میرے خیال میں وہ ہچکچاتی رہی، شرماتی رہی۔ لہٰذا اس نے پہلے مجھے بھیجا کہ میں اس کی محبت کا اظہار تم پر کروں۔ میں سمجھتی ہوں جس مقصد کے لئے میں آئی تھی، اس میں تو میں کامیاب رہی ہوں۔ اب میرے بھائی! میں تم پر یہ انکشاف کر دوں کہ اب کوئی مناسب موقع جان کر روزبہ تمہارے پاس آئے گی اور دورانِ گفتگو وہ تم پر واضح کرے گی کہ وہ واقعی تم کو پسند کرتی ہے۔''

جواب میں ہلکا سا ایک قہقہہ کریم خان نے لگایا، پھر کہنے لگا۔

''الایہ! میری بہن! اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت کا اظہار کرے، نہ کرے، جو کچھ ہونا تھا وہ تو ظاہر ہو چکا ہے۔ اب تو بہت جلد لشکر والے ہی نہیں، اصفہان شہر کے لوگ بھی جان جائیں گے کہ کریم خان اور روزبہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب کچھ سوچتے ہوئے الایہ بول اٹھی۔

''میرے عزیز بھائی! میں چاہتی ہوں کہ ان مہموں سے فارغ ہو کر کوئی اچھا موقع دیکھتے ہوئے آپ دونوں کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔''

الایہ کی اس گفتگو کا جواب کریم خان دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک لشکری خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور کریم خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کو رضا قلی نے طلب کیا ہے۔''

اس پر الایہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ کریم خان بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ الایہ، کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''چلو دونوں بہن بھائی اکٹھے چلتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی دونوں خیمے سے نکلے تھے۔ الایہ آہستہ آہستہ کریم خان کے ساتھ چلتی ہوئی جب اپنے خیمے کے دروازے پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ خیمے کے اندر اس وقت رضا قلی کے علاوہ عرب سالار شیخ علی خان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ الایہ اور کریم خان خیمے میں داخل ہوئے اور بیٹھتے ہی الایہ نے کریم خان کے خیمے میں جو گفتگو ہوئی تھی، وہ رضا قلی سے کہہ دی تھی۔ اس پر رضا قلی اور شیخ علی خان مسکراتے رہے، خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رضا قلی نے گفتگو کا موضوع بدلا اور کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بھائی! تمہیں بلانے سے پہلے میں نے شیخ علی خان کو پہلے سے ہی اپنے خیمے میں بلا لیا تھا۔ اس لئے کہ تم دونوں کے ساتھ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں..... میرے عزیز بھائیو! میرے باپ نے مجھے بلخ پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ بلخ کا حکمران قندھار کے حکمران کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف سازباز میں مصروف تھا۔ بلخ کو تو ہم نے فتح کر لیا، اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے لشکر کو لے کر یہاں بلخ میں بے کار بیٹھنے کی بجائے ہمیں ایک نئی مہم کا آغاز کرنا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ بلخ سے نکل کر بخارا کا رخ کیا جائے، بخارا پر حملہ آور ہو کر اسے بھی فتح کر لیا جائے۔ اور جب میرے باپ کو یہ خبریں پہنچیں گی کہ ہم تینوں نے بلخ کو فتح کرنے کے بعد بخارا پر بھی اپنا تسلط مکمل کر لیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے باپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہو گی اب تم دونوں کہو، تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟''

رضا قلی جب خاموش ہوا تب کریم خان کہنے لگا۔

''یہ ایک اچھی تجویز ہے۔ اگر ایسا کرنا ہے تو وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ایک دو

دن کے اندر ہی یہاں سے کوچ کرنا چاہئے اور بخارا پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کرنی چاہئے۔''

رضا قلی نے کریم خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ اگلے روز لشکر کو لے کر بخارا کی طرف کوچ کیا جائے۔

چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد لشکر کو تیاری کا حکم دیا گیا اور اگلے روز رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان اپنے لشکر کے ساتھ بلخ سے بخارا کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

***

جہاں تک بخارا شہر کا تعلق ہے تو یہ ازبکستان کا ایک اہم شہر ہے۔ اسلام سے قبل بخارا شہر کا ذکر شاذ ہی ملتا ہے۔ اسلامی ماخذ میں بخارا کے مقامی حکمران خاندان کو بخار خدمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس سے وہاں کی سغدی زبان میں شاہِ بخارا مراد ہے۔ اس شہر پر مسلمانوں نے سب سے پہلے 54ھ بمطابق 674ء میں عبید اللہ بن زیاد کی سپہ سالاری میں حملہ کیا تھا۔

91ھ یعنی 710ء میں قتیبہ بن مسلم اپنے دشمنوں کو شکست دے کر شاہِ بخارا کے لقب سے تخت نشین ہوا اور بخارا میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مضبوط کیں۔

تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی میں امراء خراسان نے اپنا صدر مقام نیشا پور منتقل کر دیا تو بخارا کا نظم و نسق ماور النہر کے باقی حصوں سے الگ ایک والی کی تحویل میں رہا۔ جو طاہریوں کو براہِ راست جواب دہ ہوتا تھا۔

اہلِ طاہر کے زوال کے بعد بخارا سامانیوں کی ماتحتی میں چلا گیا اور نصر بن احمد سامانی جو سمرقند پر حکومت کرتا تھا، اس کا چھوٹا بھائی بخارا کا والی بن گیا۔

اور پھر اس کے بھائی نصر کی وفات پر ماور النہر کا سارا علاقہ بھی اس کے قبضے میں چلا گیا اور خلیفہ نے بھی اس کو امیر خراسان بنا دیا۔ یوں بخارا ایک بہت بڑی سلطنت کا پایہ تخت ہو گیا۔

اگرچہ بخارا کے رقبے میں کئی مرتبہ توسیع کی گئی لیکن جب بھی وہ نئے سرے سے تعمیر کیا گیا، پرانے ہی محل وقوع پر تعمیر ہوا۔ بخارا کے جغرافیہ نویسوں نے اس کے تین بڑے حصے کئے ہیں۔

ایک قلعہ، دوسرا رحاص شہر، تیسرا مضافاتِ شہر۔

قلعہ پرانے زمانہ میں اس جگہ واقع تھا جہاں اب ہے۔ بخارا کا محل بھی وہیں واقع تھا۔ اس قلعے میں قدیم ترین جامع مسجد تھی جو قلعے کے دروازے پر واقع تھی۔ یہ قلعہ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری اور بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں کئی مرتبہ تباہ ہو کر نئے سرے سے تعمیر ہوا۔

عربوں کی فتح کے وقت پورا شہر صرف شہرستان پر مشتمل تھا۔ 515ھ یعنی 1121ء میں ارسلان خان نے شہرستان میں ایک نئی جامع مسجد تعمیر کرائی تھی۔ قلعے کے محل کے علاوہ ریگستان میں بھی ایک محل موجود تھا جو عربوں کے زمانے سے پہلے کا تھا۔

ابونصر نے بھی ایک محل اس جگہ بنوایا تھا۔ چوتھی صدی ہجری یعنی سولہویں صدی عیسوی میں یہ شہر بہت گنجان آباد تھا۔ سامانیوں کے زوال کے بعد بخارا کی قدیم سیاسی اہمیت بھی بہت کم ہو گئی لیکن اس انحطاط کے زمانے میں بھی بخارا اسلامی علم و دانش کا مرکز رہا۔

چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی میں علماء کے ایک خاندان نے آلِ برہان کے نام سے ایک دینی حکومت قائم کی۔ 536 ہجری میں بخارا پر قراختائی فرماں روا حکومت کرنے لگے۔

602ھ یعنی 1260ء میں ایک عوامی بغاوت کی وجہ سے ان کراختائیوں کو اس شہر سے نکلنا پڑا اور یہ شہر محمد بن تکش خوارزم شاہ کے زیر حکومت آ گیا جو عالم اسلام کے نامور سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کا باپ تھا۔

اس کے بعد 616ھ یعنی 1274ء میں ایک انقلاب برپا ہوا بلکہ خونی انقلاب اٹھا اور وہ یہ کہ بربریت اور خون ریزی کے شوقین چنگیز خان نے بخارا پر قبضہ کر لیا۔ اس کے حملے سے شہر تباہ و برباد ہو گیا۔ لیکن جلد ہی بخارا نے پھر سے اپنی پرانی شان و شوکت حاصل کر لی۔

671ھ میں ایران کے اندر ہلاکو خان کی ایل خانی سلطنت قائم ہو گئی۔ لہٰذا ہلاکو خان کے مارے جانے کے بعد اس کے بیٹے اباقا نے بخارا پر قبضہ کر لیا تو یہ شہر پھر تباہ و برباد ہو گیا۔ بعد میں دوبارہ تعمیر ہوا۔ 716ھ میں بخارا ایک بار پھر ایران کے منگولوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا۔

905ھ یعنی 1500ء کے اختتام پر بخارا پر ازبکوں کا قبضہ ہو گیا اور روس کے

انقلاب تک اس پر انہی کا قبضہ رہا۔ ان کی بدولت بخارا دوبارہ سیاسی اور فکری زندگی کا مرکز بن گیا۔ 1051ھ سے 1055ھ تک کا زمانہ اس شہر کے لئے ایک عظیم الشان زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔

بہرحال رضا قلی، کریم خان اور عرب سالار شیخ علی خان بلخ سے کوچ کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ ابھی بہ مشکل ایک منزل ہی طے کرنے پائے ہوں گے کہ ان کی پشت کی طرف سے کچھ گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے آتے دکھائی دیئے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی خان نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد لشکر کو روک دیا۔ یہاں تک کہ پشت کی طرف سے آنے والے سوار ان تک آ پہنچے اور انہوں نے یہ پیغام دیا کہ نادر شاہ نے بخارا پر حملہ آور ہونے سے روک دیا ہے لہٰذا لشکر پیش قدمی کرنے کی بجائے واپس نادر شاہ کا رخ کرے۔

یہ حکم ملنے کے بعد رضا قلی، کریم خان اور شیخ علی نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ وہاں لشکر کا پڑاؤ قائم کر لیا جائے اور لشکریوں کو ایک سال وہاں ستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد واپسی کا سفر شروع کیا جائے۔ چنانچہ لشکر نے ایک شب وہاں بسر کی، اس کے بعد لشکر بخارا کی طرف جانے کی بجائے واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

***

اصفہان شہر میں ایک روز الایہ اور روزبہ دونوں رضا قلی کی رہائش گاہ کے ایک کمرے میں بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں کہ اچانک اس کمرے میں الایہ کا شوہر اور نادر شاہ کا بیٹا رضا قلی داخل ہوا۔ وہ انتہا درجہ کا اُداس، پریشان اور بکھرا بکھرا تھا۔ گردن اس کی جھکی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہوں۔ جیسے وہ کسی بہت بڑے طوفان سے گزر کر آیا ہو۔ کسی نے اسے انتہائی ہولناک انقلاب کی خبر دے دی ہو۔

اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے اس کی بیوی الایہ اور روزبہ دونوں پریشانی کی حالت میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دونوں استفہامیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ آگے بڑھتے ہوئے رضا قلی ان دونوں کے سامنے جو نشست خالی تھی، وہاں جا بیٹھا۔ کمرے میں کچھ دیر کھا جانے والی اور کاٹ لینے والی خاموشی طاری رہی۔ یہاں

تک کہ الایہ نے کپکپاتی اور فکر گیری آواز میں رضا قلی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"خیریت تو ہے؟..... ذرا دیکھیں، آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ آخر معاملہ کیا ہے؟ کیا آپ کا کسی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے؟..... کیا بابا کے ساتھ کسی معاملے میں تلخ کلامی ہوئی ہے اور انہوں نے آپ کے لئے کوئی ناقابلِ برداشت حکم جاری کر دیا ہے؟"

الایہ جب خاموش ہوئی تب رضا قلی نے نفی میں گردن ہلائی۔ پہلے ایک غائر اور گہری نگاہ باری باری الایہ اور روزبہ پر ڈالی، اس کے بعد انتہائی دکھ بھرے انداز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"مجھے اپنے بابا کی طرف سے کوئی ایسا حکم نہیں ملا۔ میری اس پریشانی اور فکرمندی کی ساری وجہ کریم خان ہے۔"

رضا قلی کے ان الفاظ پر روزبہ چونک اٹھی تھی۔ چہرہ اس کا پیلا ہو گیا تھا۔ اداس تو وہ پہلے ہی تھی، اب پیلی ہو گئی تھی اور عجیب سے انداز میں رضا قلی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن شاید الفاظ اس کی زبان کا ساتھ نہ دے رہے تھے اور ہونٹ اس کے کپکپا کر رہ گئے تھے۔ اس موقع پر الایہ نے پھر رضا قلی کو مخاطب کیا۔

"کیا ہوا کریم خان کو..... جو آپ اس کی وجہ سے اس قدر پریشان اور فکرمند ہو گئے ہیں؟"

جواب میں کچھ دیر تک رضا قلی گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، اس کے بعد ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"الایہ! تم جانتی ہو کریم خان کو میں نے ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے چاہا ہے۔ گو شروع میں ہم دونوں ایک دوسرے سے مانوس نہیں تھے لیکن جوں جوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے رہے، کریم خان کے ساتھ میری محبت اور مانوسیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس کا کردار بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کی شخصیت میرے لئے قابلِ محبت ہو گئی۔ اس نے ہر موقع پر میرے لئے جانثاری اور وفاداری کا ثبوت دیا۔ بڑے بڑے معرکوں کو اس نے میرے لئے چھاتی تان کر سر کیا۔ اب وہ جو زیرِ عتاب آ گیا ہے تو اس کی وجہ سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔"

روزبہ جو اب تک رو دینے والے انداز میں سب کچھ سن رہی تھی، بارود کی طرح

پھٹ پڑی۔

''وہ کس کے زیرِ عتاب آ گئے ہیں؟ ان سے کیا جرم ہوا؟ کیا کوتاہی کی انہوں نے جس کی بناء پر وہ زیرِ عتاب آئے ہیں؟ کیا.....''

روزبہ اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔ کیونکہ رضا قلی اس کی طرف دیکھتے ہوئے پھر بول اٹھا تھا۔

''روزبہ! میری بہن! وہ بے چارہ پہلے ہی بکھرا ہوا انسان تھا۔ قاچاریوں نے حملہ آور ہو کر اس کے ماں باپ کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے کئی عزیز و اقارب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے قبیلے کے افراد کو بھی حملہ آور ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔ لٹا پٹا وہ میرے بابا کے پاس پہنچا تھا۔ بابا نے اسے اپنے لشکر میں شامل کر لیا اور اپنی دیانت داری، اپنی عمدہ کارگزاری، اپنی شجاعت، تیغ زنی میں مہارت اور تیر اندازی میں بے خطا ہونے کی وجہ سے وہ ترقی کرتا چلا گیا اور ایک عمدہ اور چوٹی کا سالار بن گیا۔ تم دونوں نہیں جانتی ہو، میرے باپ نے بڑے بڑے معرکوں میں اس پر بھروسہ کیا۔ جب کبھی بھی میرے باپ نے مجھے کوئی مہم سونپی، کریم خان کو اس کی دیانت داری، اس کی وفاداری اور ایثار بھرے جذبوں کی وجہ سے اسے میرے ساتھ کیا۔ اور جب بھی وہ میرے ساتھ گیا، فتح مندی نے اس کی وجہ سے ہی میرے قدم چومے۔ نہ صرف افغانوں کے دو طرفہ حملوں سے محفوظ رہے بلکہ موت جو ان کو ہستانی سلسلوں کے اندر ہمارے ساتھ آنکھ مچولی کرنے والی تھی، ہم نے اس کو بھی ناکام بنا دیا۔ اور ایسا صرف کریم خان کی دانش مندی، اس کی پیش بینی اور دانش وری کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ کریم خان جس کے مجھ پر اس قدر احسان ہوں، اب اگر وہ مصیبت کا شکار ہو گیا ہو تو تم دونوں بہنیں سوچو، میں پریشان اور فکرمند ہوں گا کہ نہیں؟''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی جب خاموش ہوا تب انتہائی بیزاری اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے روزبہ بول اٹھی۔

''بھائی! آپ اِدھر اُدھر کی گفتگو میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اب یہ تو بتا ہی نہیں رہے کہ کریم خان کو آخر کیا ہوا؟ کس کے ساتھ ان کا جھگڑا ہوا؟ کیوں وہ زیرِ عتاب ہیں؟ کوئی وجہ تو ہمیں بتائیں۔ یہ بھی بتائیں کہ اس وقت وہ ہیں کہاں؟''

جواب میں رضا قلی پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہے اور اپنے کوچ کی تیاریاں کر رہا ہے۔''

رضا قلی کے یہ الفاظ سن کر فکرمندی اور پریشانی میں روزبہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور بکھرتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

''کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہیں وہ؟ اور کس کے ساتھ ان کے اختلافات ہوئے ہیں؟''

اس پر رضا قلی کہنے لگا۔

''بابا کے ساتھ میرے بھائی کریم خان کے اختلافات ہو چکے ہیں۔ کسی امر پر بابا کے ساتھ ان کی تلخ کلامی بھی ہوئی ہے۔ ایسی تلخ کلامی اگر کوئی اور کرتا تو شاید بابا اس کی گردن کاٹ دینے کا حکم دے دیتے۔ لیکن کریم خان کا معاملہ کچھ اور ہے۔ کریم خان کے باپ اور زند قبیلے کے سردار محسود خان کے میرے باپ پر کچھ ایسے احسانات ہیں جن کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بابا اور کریم خان کے درمیان جو تلخ کلامی ہوئی ہے اس تلخ کلامی کی وجہ سے بابا نے کریم خان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی تو نہیں کی لیکن اس تلخ کلامی اور اس جھگڑے کی وجہ سے کریم خان نے خود ہی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ لشکر سے نکل جائے گا۔ آئندہ ایک سالار کی حیثیت سے ہمارے ساتھ کام نہیں کرے گا۔ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر واپس اپنے قبیلے کی طرف چلا جائے گا۔ اس لئے کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد زند قبیلے کا سردار اب وہی ہے۔''

یہ ساری گفتگو سننے کے بعد روزبہ کا چہرہ غصے اور غضب ناکی میں سرخ ہو گیا تھا۔ وہ آگ کی طرح دہک اٹھی تھی۔ انتہائی نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں ابھی آپ کے بابا کے پاس جاتی ہوں اور ان سے پوچھتی ہوں کہ آخر کریم خان سے کیا غلطی ہو گئی ہے کہ وہ واپس جانے پر مجبور ہو گیا ہے؟ میں دیکھتی ہوں کہ کیسے آپ کے بابا، کریم خان کو یہاں سے جانے دیتے ہیں۔ ان کے یہاں سے چلے جانے کے بعد ایک نہیں، کئی زندگیاں تباہ و برباد ہو کر رہ جائیں گی۔''

اس کے ساتھ ہی روزبہ جب خیمے سے نکلنے لگی تب بڑے ملائم لہجے اور نرمی میں رضا قلی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''روزبہ! میری بہن! اس وقت میرے بابا کی طرف مت جانا۔ وہ انتہائی غصے اور غضب ناکی کی حالت میں ہیں۔ اس موضوع پر اگر تم نے اس وقت بات کرنے کی

کوشش کی تو ہوسکتا ہے بابا غصے میں کوئی غلط حکم جاری کر دیں جو نہ صرف کریم خان بلکہ تمہارے لئے بھی نقصان کا باعث ہو جائے۔"

روزبہ نے رضا قلی کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا اور غصے میں پاؤں پٹختی ہو خیمے سے نکل گئی تھی۔ روزبہ کے پیچھے پیچھے رضا قلی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کر سے نکل گیا تھا۔

غصے میں تیز تیز چلتی ہوئی روزبہ، کریم خان کی رہائش گاہ میں داخل ہوئی۔ جب و ایک کمرے کے دروازے پر آئی تو اس نے دیکھا اس کمرے کے اندر کریم خان اپ سامان سمیٹ رہا تھا۔ کمرے کے دروازے پر کھڑی ہو کر روزبہ اپنے دونوں ہاتھ اپنی کم پر رکھتے ہوئے اچنبھے پن، حیرت اور افسردگی میں اس کی طرف دیکھتی رہی، پھ کھنکھارتے ہوئے اس نے اپنی موجودگی کا پتہ دیا۔ اس پر کریم خان نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی روزبہ مزید اُداس اور افسردہ ہوگئی تھی۔ اس لئے کہ کریم خان کے چہرے پر ویرانیاں ہی ویرانیاں اُڑ رہی تھیں۔ تاہم روزبہ نے کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھالا، کریم خان کے کہنے یا اس کے بولنے سے پہلے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی اور چند قدم آگے بڑھ کر کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"سامان سمیٹ رہا ہوں۔ اور کیا کر رہا ہوں؟" کریم خان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اداس اور افسردہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"کیوں سامان سمیٹ رہے ہیں؟" روزبہ نے غمزدہ سے لہجے میں پوچھ لیا تھا۔

"بس، میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ یوں جانو یہاں میرے رہنے اور کام کرنے کے دن نہیں رہے۔"

"کیوں نہیں رہے؟ اور آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں واپس بحیرہ خزر کی طرف اپنے قبیلے میں جاؤں گا۔ زندگی کے باقی دن وہیں گمنامی میں گزار دوں گا۔"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ جانتے ہیں، آپ کا یہاں سے جانا کچھ لوگوں کے لئے کس قدر گراں ہوگا؟"

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ جب رکی تب دکھ بھرے انداز میں کریم خان

بول اٹھا۔

"دیکھو روزبہ! جہاں جان بوجھ کر کسی کے لئے دُکھ، کھولتے حالات پیدا کر دیئے جائیں، جہاں بغیر کسی جرم کے حکمران طبقہ غاروں سے نکل کر چیختے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے، جہاں زندگی کی ساعتوں کو شدید نا اُمیدیوں کے ساگر اور کرب خیز وحشتوں سے بھر دیا جائے وہاں رہنے سے کیا حاصل؟ روزبہ! جن حکمرانوں کے لئے اگر کوئی گرد آلود جذبوں، ہولناک دشتِ نا اُمیدی، مصائب کی آندھیاں کھڑی کرتے عذابوں اور زرد موسموں کے طوفانوں میں بھی ان کے دشمنوں کے خلاف تقدیر کے ترکش، کڑے تیر، سانسوں کے سلسلوں کو تنگ کر دینے والے طوفانوں کی یورش کی طرح کام کیا جائے اور پھر وہی قوت اگر قہرمانی کے آثار سی اہلیت دے، جان کی راحت کو اذیتوں کے گرداب میں تبدیل کر دے، روح کے سکون کو دردِ مقتل کے بھنور میں بدل دے، اخوت اور خاکساری کو جوش مارتی گرسنگی اور ذات کے ہر سکھ کو ہر مفلسوں کی بے زری جیسی کیفیت دے دے تو وہاں رہنے کا فائدہ ہی کیا۔

روزبہ! تم کہتی ہو کہ میرا جانا کسی کو گراں گزرے گا۔ میرا جانا کسی کو کیوں گراں گزرے گا؟ جہاں تک میرا تعلق ہے تو ان سرزمینوں میں تنہائی اور مفلسی کی حالت میں آیا تھا۔ اس لئے کہ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ کوئی عزیز، قریبی رشتہ دار نہیں جسے میرا خیال اور احساس ہو۔ لے دے کر دو بھائی رہتے ہیں، وہ بھی سوتیلے ہیں۔ انہیں صرف اپنی ذات سے غرض ہے۔ میرے حالات سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور پھر مجھ جیسے لوگ بستی بستی اُجاڑ، قریہ قریہ ویرانیوں، کرن کرن اندھیروں، قدم قدم فراق، الم نصیبی، نگر نگر زلزلہ انگیزیوں اور گلی گلی تلخی اور مایوسی کا شکار ہونے کے لئے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو روزبہ! میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہاں رہتے ہوئے دن بدن میرے اور نادر شاہ کے درمیان بے زاری، نفرت اور دوری کی خلیج گہری ہوتی جائے گی اور اگر میں یہاں رہوں گا تو نادر شاہ دن بہ دن میرے لئے ذلت خیز بحران سا کڑوا، خوف بھرے آنگنوں سا پُرخطر، تشنہ کامی کے قہر سا ناپسندیدہ، تخم ریزی اور نقشِ پا سے محروم اور بے رحم لق و دق صحرا جیسا ہولناک بن کر رہ جائے گا۔ لہٰذا ایسے اُٹھتے عذابوں کی صداؤں اور اُمڈتی عقوبت خیزیوں سے بچنے کے لئے میرا یہاں سے نکل کر اپنے قبیلے کے بچے کھچے افراد کی طرف چلے جانا ہی بہتر ہے۔"

کریم خان کی اس گفتگو سے حسین اور خوبصورت روزبہ کے تبسم افروز چہرے پر لہو لہو دشت، پیاسی نگاہوں میں تشنگی کے سمندر، گلابی جوان جسم پر اعضاء شکنی کی سی کیفیت طاری ہونا شروع ہوگئی تھی۔ اس کی غزل خواں نگاہیں، زمزمہ ریز پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی حالت سے لگتا تھا جیسے اس کے شباب کا چھلکتا ساگر دہر کی اسیری کی رسومات کا شکار ہوگیا ہو۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے فکرمندی کے انداز میں کریم خان نے اس کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

''روزبہ! تم رو رہی ہو؟ اگر میری گفتگو سے تمہاری دل شکنی ہوئی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔''

اس موقع پر شکووں بھری آواز میں روزبہ کہنے لگی۔

''دل شکنی نہیں ہوگی تو کیا آپ کی ایسی گفتگو سے میری دلداری ہوگی؟ آپ اپنا سامان سمیٹ کر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے کیا آپ نے یہ بھی سوچا کہ وہ لوگ جن کے لئے آپ بقا کی آخری اُمید، لطیف دھڑکنوں کا محور، تحفظ کے آخری بند اور ان کی نگاہوں کا تہور ہیں، ان کا کیا بنے گا۔ ان کے جسموں سے تو زندگی کی حرارت چھن جائے گی۔ آپ نے کم از کم یہاں سے کوچ کرتے وقت اپنے اردگرد نگاہ دوڑاتے ہوئے یہ تو سوچا ہوتا کہ ستم گروں کی یلغار میں جن لوگوں کے لئے آپ امیدوں کی شبنم، فلاح کی ہلاکت خیزیوں میں خواہشوں کے گلابوں اور کالی صدیوں کی خونخواری میں منزلوں کے نشانات کی مانند ہیں، ان کا کیا بنے گا؟''

اس موقع پر تعجب اور تجسّس بھرے انداز میں روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''روزبہ! تمہاری یہ گفتگو عجیب وغریب سی ہے۔ میں بھلا کس کے لئے امیدوں کی شبنم ہوں؟ کون مجھے اپنی خواہشوں کا گلاب سمجھے گا؟ اور کون مجھے اپنی منزلوں کا نشان بنائے گا؟''

اس موقع پر روزبہ نے انتہائی جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی بلند کی اور پھر اس انگلی کو تین بار اپنی چھاتی پر مارتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں .....روزبہ.....''

کریم خان دنگ رہ گیا تھا۔ حیرت بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''روزبہ!..... یہ تم کہہ رہی ہو؟''

''ہاں..... میں کہہ رہی ہوں۔ میں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں، اعلانیہ آپ سے کہتی ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپ کو پسند کرتی ہوں۔ آپ کو اپنی امیدوں کی شبنم، منزلوں کا نشان، اپنی خواہشوں کا گلاب، نگاہوں کا تہور، تحفظ کا آخری بند، بقا کی آخری اُمید سمجھتی ہوں۔ اب بولیں، آپ کیا کہتے ہیں؟ جب ایک لڑکی جس کے اپنے ماں باپ مارے گئے ہوں، وہ آپ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرے تو کیا آپ اسے اس حالت میں چھوڑ کر چلے جائیں گے؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ ساتھ ہی وہ کہنے لگا۔

''لیکن اس سے پہلے کبھی تم نے اپنی اس کیفیت کا اظہار تو مجھ پر نہیں کیا۔''

''یہ اظہار آپ کو کرنا چاہئے تھا۔'' غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے روزبہ نے کہنا شروع کیا تھا۔ ''آپ مرد ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ جس طرح میں آپ سے محبت کرتی ہوں، ویسے ہی آپ بھی مجھے چاہتے ہیں۔ لہٰذا محبت کے اس انکشاف کی ابتداء آپ کی طرف سے ہونی چاہئے تھی۔ لیکن آپ اس انتظار میں رہے کہ میں آپ پر اپنی محبت کا انکشاف کروں۔ آج میں ویسے بھی آپ کے پاس آنے والی تھی۔ اس لئے کہ میرے اور الایہ کے درمیان آپ کے متعلق تفصیل سے گفتگو ہوئی تھی۔ لہٰذا ہم دونوں بہنوں کے درمیان یہی طے پایا تھا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور آپ پر اپنی محبت کا انکشاف کروں۔ آپ کو جو نادر شاہ نے علی مردان کی بہن کے رشتے کے لئے بلایا تھا، اس وقت جو حکیم سے آپ کی نبض دکھائی تھی، وہ سارے حالات تفصیل کے ساتھ الایہ نے مجھے بتا دیئے تھے اور یہ بھی انکشاف کر دیا تھا کہ آپ مجھے پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے آج تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی محبت کا انکشاف آپ پر ضرور کروں گی۔ اس لئے کہ ہم دونوں کے درمیان اب علی مردان بختیاری کی بہن اورزونہ کے آن گھسنے کے بھی خطرات پیدا ہوگئے تھے۔ لہٰذا میں اس دُھند کو دور کر دینا چاہتی تھی جو اب تک میرے اور آپ کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر پہلے بھائی رضا قلی نے بتایا کہ آپ کے نادر شاہ کے ساتھ اختلافات ہوگئے ہیں اور آپ واپس اپنے قبیلے کی طرف جانا چاہتے ہیں اور آپ اپنے کوچ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو میں بھاگی بھاگی آپ کی طرف چلی آئی اب آپ بولیں، آپ کیا قدم اٹھانا

چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے اسی اذیت خانے میں چھوڑ کر واپس اپنے قبیلے میں چلے جائیں گے؟"

روزبہ کے ان الفاظ کا جواب کریم خان دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک مسلح جوان کمرے کے دروازے پر نمودار ہوا اور کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کو نادر شاہ نے کسی انتہائی اہم امور پر تبادلہ خیال کے لئے طلب کیا ہے۔ سارے امراء اور سالار ان کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ ان کا بیٹا رضا قلی بھی ان کی طرف جا چکا ہے۔"

اس موقع پر روزبہ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ مزید کریم خان کے قریب ہوئی اور دھیمے مگر پیار بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

"یہ جو نادر شاہ نے آپ کو بلایا ہے اس کا مطلب ہے وہ آپ سے راضی ہو گیا ہے، آپ کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرے گا۔ اگر ایسا ہے تو میری آپ سے التماس ہے، آپ یہاں سے جائیں گے نہیں۔ اپنا ارادہ ملتوی رکھیں گے اور نادر شاہ کے لشکر میں سپہ سالار کی حیثیت سے کام کرتے رہیں گے۔ ہاں اگر حالات اتنے ہی ناقابل برداشت ہو گئے کہ آپ کا یہاں سے جانا ضروری ہو گیا تو جانے سے پہلے میں ایک بار آپ کے سلسلے میں خود نادر شاہ سے بات کروں گی۔ اگر پھر بھی اس نے اپنا روش ترک نہ کی تو پھر میں آپ کے ساتھ ہو لوں گی۔ آپ کی زندگی کی ساتھی بن کر جہاں آپ مجھے رکھیں گے، میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔ خواہ رکھنے کے لئے آپ کے پاس کوئی خیمہ یا خس کی بنی ہوئی کوئی جھگی بھی نہ ہو۔"

اس موقع پر کچھ دیر کے لئے کریم خان مسکراتا رہا، پھر آنے والے اس مسلح جوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم چلو، میں تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ مسلح جوان دروازے سے ہٹ گیا تھا۔ پھر کریم خان، روزبہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔

"میں دیکھتا ہوں، نادر شاہ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ پھر میں واپس آ کر تمہیں بتاتا ہوں کہ اب صورتِ حال کیا ہے۔"

روزبہ نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا کریم خان اپنے کمرے سے نکل کر چلا

گیا تھا۔

***

کریم خان کو نکلے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور روزبہ چپ چاپ تھوڑی دیر کمرے کے وسط میں کھڑے رہنے کے بعد پھر اس کمرے کے سارے سامان کو درست کرنے لگی تھی۔ اس سارے کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایک نشست پر ہو بیٹھی تھی کہ کمرے میں اس کی بڑی بہن الایہ داخل ہوئی۔ اس موقع پر وہ مسکرا رہی تھی۔ بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ آگے بڑھ کر وہ روزبہ کے سامنے بیٹھ گئی، کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ روزبہ نے اسے مخاطب کرنے میں پہل کی۔ کہنے لگی۔

"کیا بات ہے؟..... میں دیکھتی ہوں تمہارے چہرے پر چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں اور آنکھوں میں طمانیت رقص کر رہی ہے۔ کیا تمہیں اچانک کہیں سے کوئی اچھی خبر مل گئی ہے یا انجانے ہاتھوں نے تمہارے لئے ساری ہی خوشیوں کے در کھول دیئے ہیں؟"

اس موقع پر الایہ نے ہلکی سی ایک چپت روزبہ کے سرخ گال پر لگائی۔ کہنے لگی۔

"یہ جو تم میرے چہرے پر طمانیت اور خوشی دیکھ رہی ہو، یہ تمہاری وجہ سے ہے۔"

"میری وجہ سے؟"

"ہاں، تمہاری وجہ سے۔" غور سے روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے الایہ نے کہا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"وہ اس طرح کہ تھوڑی دیر پہلے جہاں تمہارے بھائی رضا قلی نے تم سے یہ کہا تھا کہ کریم خان کے نادر شاہ کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، دونوں میں جھگڑا ہوا ہے اور کریم خان، نادر شاہ کے لشکر سے نکل کر واپس اپنے قبیلے کی طرف جائے گا تو یہ ساری کہانی شرارت کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ یہ سارا معاملہ اکٹھے بیٹھ کر پہلے تمہارے بھائی رضا قلی اور کریم خان نے طے کیا تھا۔ ایسا کرنے سے ان دونوں کا مقصد یہ تھا کہ تمہاری زبان سے یہ اُگلوایا جائے کہ تم کریم خان سے محبت کرتی ہو۔ اور میرے خیال میں وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

الایہ کے ان الفاظ پر پہلے تو لمحہ بھر کے لئے روزبہ سنجیدہ ہو گئی۔ پھر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر برابر ہنستی رہی، پھر اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگی۔

"اچھا، یہ بات ہے۔ ذرا آنے دیں کریم خان کو۔ پھر میں بات کرتی ہوں۔ بجائے اس کے وہ خود مجھ پر اپنی محبت کا اظہار کرتے، مجھ سے یہ الفاظ اُگلوانے کے لئے رضا قلی کے ساتھ مل کر ایک طرح سے میرے خلاف سازش تیار کی۔ یوں انہوں نے ایک طرح سے میرے جذبات اور احساسات پر شب خون مارا ہے۔ واپس آئیں تو پھر میں ان سے بات کرتی ہوں۔"

روزبیہ کے ان الفاظ سے الایہ بھی خوش ہوگئی تھی۔ پھر دونوں وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھیں۔

***

جب سارے سالار اور امراء اور دیگر طلب کردہ افراد نادر شاہ کے پاس پہنچ گئے تب نادر شاہ نے ایک بار بنظر غائر سب کا جائزہ لیا، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آپ کو یہاں اس لئے اکٹھا کیا گیا ہے کہ ہمارے مخبر کچھ ایسی خبریں لے کر آئے ہیں جو خبریں آنے والے دور میں ہمارے لئے خدشات اور خطرات کا باعث بن سکتی ہیں۔

وہ خبریں کچھ یوں ہیں کہ ہمارے قندھار کو فتح کرنے کے بعد ہمارے خلاف ایک ردعمل اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ قندھار سے افغان بھاگ کر دو شہروں کی طرف گئے ہیں، ایک غزنی، دوسرا کابل۔ قندھار سے بھاگنے والے یہ افغان وہاں جا کر پُرسکون زندگی بسر نہیں کر رہے۔ نہ ہی وہ وہاں پُرسکون زندگی بسر کرنے کے لئے گئے ہیں۔ بلکہ وہاں جا کر انہوں نے ایک نہیں، دو بڑے اہم کام شروع کر دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ ان علاقوں کے علاوہ آس پاس اور گرد و نواح کے علاقوں میں بھی انہوں نے ہمارے خلاف نفرت پھیلانی شروع کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں شہروں کے اندر افغان نہ صرف اپنے آپ کو مسلح کر رہے ہیں بلکہ اپنے مسلح ساتھیوں میں دن بہ دن اضافہ کرتے چلے جا رہے ہیں تاکہ آنے والے دور میں ہمارے خلاف اٹھ کر ہمیں ایران کے تاج و تخت سے محروم کر دیں۔

آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ ایک بار اس سے پہلے ایسا ہی ہو چکا ہے، جب قندھار سے غلزئی اٹھے، آندھی اور طوفان کی طرح وہ ایران کے مرکزی شہر اصفہان کی طرف بڑھے اور اصفہان کو فتح کر کے ایران کے بادشاہ سلطان حسین کو موت کے گھاٹ

اتارنے کے بعد انہوں نے ایران میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ آنے والے دور میں بھی میں دیکھتا ہوں یہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔ اور اگر ایسا ہوا تو اس بار یہ لوگ ایران کے اندر قتل و غارت گری، تباہی اور بربادی کا وہ کھیل کھیلیں گے جو اس سے پہلے ان سرزمینوں کے کسی شخص نے دیکھا نہ ہو۔

چنانچہ ان سارے خدشات اور تحفظات کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ قاصدوں کے دو گروہ تیار کئے جائیں۔ قاصدوں کا ایک گروہ حاکم کابل کی طرف جائے اور اسے یہ پیغام دے کہ قندھار سے جو لوگ بھاگ کر کابل اور غزنی کی طرف گئے ہیں انہیں کابل اور غزنی سے نکال باہر کیا جائے تاکہ وہ واپس قندھار میں پُرسکون زندگی بسر کریں۔

ساتھ ہی تیز رفتار قاصد دہلی میں ہندوستان کے بادشاہ محمد شاہ کی طرف روانہ کئے جائیں اور اسے یہ پیغام دیا جائے کہ کابل اور غزنی چونکہ اس کی عملداری میں ہیں لہٰذا وہ وہاں کے حاکم کو سختی کیساتھ تنبیہہ کر کے قندھار سے بھاگنے والے افغانوں کو غزنی اور کابل میں داخل نہ ہونے دے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، دوبارہ وہاں جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر آپ لوگوں میں سے اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو بولے۔"

سارے سالاروں اور امراء نے چونکہ نادر شاہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا لہٰذا وہیں بیٹھے بیٹھے نادر شاہ نے اپنے امراء کو تو فارغ کر دیا تاہم اس نے اپنے سالاروں کو روکے رکھا۔ ان سے مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے قاصدوں کے دو گروہ تیار کئے۔ ایک گروہ کو کابل کی طرف اور دوسرے گروہ کو اس نے دہلی کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

※✲※

روز بہ اور الا یہ دونوں بہنیں اسی طرح کریم خان کے کمرے میں بیٹھی تھیں کہ کریم خان دروازے پر نمودار ہوا۔ آگے بڑھ کر جب کریم خان ان کے سامنے بیٹھا تب روز بہ گھورنے کے انداز میں کچھ دیر تیز نگاہوں سے کریم خان کی طرف دیکھتی رہی، پھر بڑی سنجیدگی میں اس نے پوچھ لیا۔

''پہلے یہ بتائیں کہ آپ نے نادر شاہ سے اپنا معاملہ صاف کر لیا ہے۔ آپ میں اور نادر شاہ میں جو عداوت اور چپقلش چلی تھی کیا اس کا خاتمہ ہو گیا ہے؟''

کریم خان نے بھی شاید روز بہ کی نگاہوں کی تیزی اور تلخی کو بھانپ لیا تھا چنانچہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں نادر شاہ کی تلخی دور کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔ وہ تو اس نے مجھے بلایا تھا تو میں اس کی طرف گیا۔ دراصل نادر شاہ نے سارے اُمراء اور سالاروں کا اجلاس طلب کیا تھا۔ اس لئے کہ قندھار سے بھاگنے والے افغان غزنی اور کابل میں جمع ہو کر اپنے آپ کو مسلح کر رہے ہیں اور اپنے ساتھیوں میں اضافہ بھی کر رہے ہیں۔ بس انہی سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے مجھے نادر شاہ نے بلایا تھا۔''

اس پر روز بہ کہنے لگی۔

''وہ جو آپ کی نادر شاہ کے ساتھ عداوت اور چپقلش چلی تھی، اس کا کیا بنا؟''

جواب میں کریم خان نے گھورنے والے انداز میں روز بہ کی طرف دیکھا، پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''کون سی چپقلش؟...... کیسی عداوت؟...... کون سی عناد؟...... کس قسم کی دشمنی؟...... مجھے نادر شاہ سے بگاڑنے اور اس کے ساتھ عداوت پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ روز بہ! یہ مت خیال کرنا کہ میں تمہارے انداز کو سمجھ نہیں رہا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ جو کھیل رضا قلی کے کہنے پر تمہارے ساتھ کھیلا گیا ہے، اس کی تفصیل تمہیں الا یہ نے بتا دی ہے۔ اس لئے کہ رضا قلی مجھے بتا چکا ہے کہ وہ جب نادر شاہ کی طرف گیا تھا تو الا یہ تمہاری طرف آئی ہے تا کہ اس کھیل کی حقیقت سے تمہیں آگاہ کرے۔ مجھے امید ہے کہ تم نے برا نہیں مانا ہو گا۔ دراصل یہ رضا قلی کی خواہش تھی کہ وہ تمہاری زبان سے یہ اُگلوائے کہ تم......''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان رک گیا۔ اس موقع پر روز بہ کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

''اب آپ رک کیوں گئے؟ بات کو تو پورا کریں۔ آگے آپ کا نام آنا چاہئے تھا، لہٰذا آپ نے اپنا نام نہیں لیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روز بہ رکی، پھر شکووں بھری آواز میں کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بہر حال آپ دونوں نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آپ جانتے تھے کہ میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں بلکہ میں خود بھی جانتی تھی کہ آپ میری طرف مائل ہیں۔ آپ کو چاہئے تھا کہ اپنے ان جذبات کا اظہار اور انکشاف مجھ پر کرتے۔ اُلٹا رضا قلی بھائی کے ساتھ مل کر آپ نے جو باتیں آپ کو کہنا چاہئیں تھیں، وہ مجھ سے اُگلوائیں۔ بہر حال اس کی تفصیل مجھے الا یہ بتا چکی ہے۔ اب یہ بتائیں کہ نادر شاہ نے کیا فیصلے کئے ہیں؟''

''فیصلے کیا کرنے ہیں؟ کچھ قاصد تیار کر کے کابل اور دہلی کی طرف روانہ کئے گئے ہیں اور یہ پیغام بھیجا گیا ہے کہ قندھار سے بھاگ کر ان علاقوں کی طرف جانے والے لوگوں کو جگہ نہ دی جائے اور انہیں واپس بھیجا جائے۔''

کریم خان کے ان الفاظ کے جواب میں روز بہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ عین اسی لمحے رضا قلی بھی اس کمرے میں داخل ہوا۔ دروازے پر کھڑے ہی کھڑے رضا قلی کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کریم خان! میرے بھائی! تینوں اٹھ جاؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔ ہماری رہائش گاہ میں جا کر بیٹھتے ہیں اور وہیں تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔"

روزبہ اور الایہ کے علاوہ کریم خان نے بھی اس تجویز کو پسند کیا تھا لہٰذا چاروں وہاں سے رضا قلی کی رہائش گاہ کی طرف ہو لئے تھے۔

***

نادر شاہ کے قاصدوں کا ایک گروہ کابل کی طرف روانہ ہوا۔ کابل، دریائے کابل کے کنارے ایک قدیم اور اہم شہر تھا اور اس علاقے کا سیاسی، عسکری، اقتصادی اور ثقافتی مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کی سرزمین سے وہ درہ خیبر کے ذریعے ملا ہوا تھا۔ شہر کی دو سمتوں میں پہاڑ ہیں۔

ساتویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے اس پر عربوں نے قبضہ کیا تھا۔ اس کے بعد اس شہر پر غزنویوں اور غوریوں کی حکومت بھی رہی۔ سولہویں صدی عیسوی میں اسے مغل بادشاہ بابر نے فتح کر کے اپنا دارالحکومت بنایا۔ بابر کا مزار بھی کابل میں ہی ہے۔ اس شہر پر 1738ء تک مغلوں کا قبضہ رہا۔

(برصغیر پاک و ہند کے علاقوں کے ساتھ ساتھ یہاں بھی انگریزوں کا قبضہ رہا۔ انگریزوں کے خلاف تحریک کا مرکز بھی یہ شہر رہا۔ صغیر کے نامور عالم دین شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کی تحریک ریشمی رومال کا مرکز بھی یہی شہر کابل ہی تھا۔ اس کے علاوہ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی، شیخ الہند کے نمائندے کی حیثیت سے کابل میں سات سال رہے۔ علماء کے فتاویٰ کی وجہ سے برصغیر کے علاقوں سے مسلمانوں نے کابل کو ہجرت کی تھی۔ انگریزوں نے یہاں 1839ء میں قبضہ کیا تھا۔ بعد میں افغانوں نے انہیں وہاں سے مار بھگایا تھا۔ مگر 1889ء میں انگریزوں نے یہاں دوبارہ قبضہ کر لیا۔ امیر حبیب اللہ کے قتل کے بعد یہاں سردار امان اللہ نے اپنی حکومت قائم کی۔ اس کے بعد نادر شاہ کابل کا حکمران بنا۔ نادر شاہ کے بعد اس کا بیٹا ظاہر شاہ افغانستان کا حکمران رہا۔

پرانا کابل تنگ بازاروں اور گلیوں پر مشتمل تھا۔ نیا شہر دریائے کابل کے بائیں کنارے آباد کیا گیا ہے۔ کابل ایک تعلیمی اور تجارتی مرکز بھی ہے۔ افغانستان کے دوسرے شہروں کی نسبت کابل میں مغربیت کے زیادہ اثرات محسوس ہوتے ہیں۔

کابل میں بہت سی یادگار عمارتیں اور بازار ہیں۔ ان میں مینارِ نجات، چمنِ حضوری، مینارِ استقلال، دلکشا محل، اسلام خانہ، دار امان، محل اور بابر کا مقبرہ شامل ہیں۔ دار امان کے سامنے کابل کا عجائب گھر ہے جو 1889ء میں قائم کیا گیا۔ شیر دروازے کے قریب بالا حصار کا قلعہ ہے جو اب بہت زیادہ مسمار ہو چکا ہے۔ مغل بادشاہ بابر کا مقبرہ بابر باغ میں ہے جو شیر دروازے کے قریب ہے اور دیکھنے میں ایک دلکش جگہ ہے)

نادر شاہ نے جو اپنے سفیر کابل کی طرف روانہ کئے تھے وہ تو ناکام رہے۔ کوئی جواب لئے بغیر واپس چلے گئے۔ اس لئے کہ دہلی کی سلطنت کی طرف سے کابل کا جو حاکم مقرر کیا گیا تھا، ان دنوں وہ پشاور گیا ہوا تھا اور پشاور میں ہی اس نے قیام کر رکھا تھا۔ لہٰذا نادر شاہ کے قاصد کابل سے ہو کر واپس اصفہان کی طرف چلے گئے تھے۔ لیکن نادر شاہ نے جو اپنے قاصد دہلی کی طرف روانہ کئے تھے، ان کی صورتِ حال کچھ مختلف تھی۔ اس لئے کہ دہلی مغلوں کی سسکتی سلطنت، ڈوبتی کشتی کا مرکزی شہر تھا اور وہاں اس وقت مغل نسل کا عیاش اور غیر ذمہ دار شخص روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ رنگیلا حکومت کر رہا تھا جسے نہ سلطنت کے انتظام و انصرام سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی اسے رعایا کی فلاح و بہبود کا کوئی خیال تھا۔ اس کا وزیر انتہائی دانا، عقل مند، رعایا کی دیکھ بھال کرنے والا، انتظامی امور میں ہنر مند اور جنگ کا بہترین تجربہ رکھنے والا شخص تھا۔ نام اس کا نظام الملک تھا۔

محمد شاہ رنگیلا کو شروع ہی سے سیّد برادران نے ایسا گھیر رکھا تھا کہ ایک طرح سے اس کی آزادی ہی مفلوج کر کے رکھ دی تھی۔ سیّد برادران سازشوں، سیاست کے ہیر پھیر کے ماہر تھے اور تاریخ کے اوراق میں ان سیّد برادران کو بادشاہ گر کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یہ زیدی سادات تھے جو دو آبہ گنگ و جمن میں آباد تھے۔ جب ان کی اولاد بڑھی تو دوسرے ضلعوں میں بھی پھیل گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اوّل اوّل ان کے بارہ خاندان بارہ مواضع میں آباد ہوئے اور انہی سے ان کی آئندہ نسلیں ساداتِ باہرہ کہلائیں۔ ہندوستان میں ان کی بڑی عزت، بڑا وقار تھا اور حکمران طبقہ اور اُمراء ان کے ساتھ نہایت عزت و رعایت سے پیش آتے تھے۔ چونکہ یہ سادات زمینداری میں ملوث تھے لہٰذا مؤرخین کا کہنا ہے کہ زمینداری نے انہیں رفتہ رفتہ تعلیم و تمدن کی دنیا سے

بے گانہ دیہاتی بنا دیا تھا لیکن جفاکشی اور دلاوری میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

سلاطینِ مملکت میں ہندوستان کے بہترین لڑنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس بہادری کے زینہ سے سلطنت کے اونچے اونچے مدارج تک چڑھنے لگے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ بھی اورنگ زیب عالمگیر کی کشف و کرامت یا اس کی بصیرت کا کمال تھا کہ اس نے ان سادات سے متعلق وصیت کی تھی کہ ساداتِ باہرہ کی عزت و حرمت ضرور کرنا مگر وہ سیاست و ملک داری میں دخیل نہ کئے جائیں کہ مبادہ ان کی سیادت کا امتیاز اور ادھر سلطنت کا انضباط قائم رکھنا دشوار ہو جائے۔ لیکن اورنگ زیب کی اولاد نے اس کی نصیحت کی پرواہ نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہی سادات سلاطینِ مغلیہ کے حق میں تباہ کن ثابت ہوئے۔

مغل شہنشاہ شاہ عالم اوّل نے جن سرفروشوں کی مدد سے تاجِ شاہی خریدا، ان میں ساداتِ باہرہ کے تین بھائی پیش پیش تھے۔ چھوٹا نور الدین علی، شہزادہ معظم کی جنگ میں جان سے مارا گیا۔ بڑا عبداللہ حسن علی اور منجھلا حسین علی الٰہ آباد اور بہار کے نائب صوبے دار مقرر ہوئے۔ حکومت کے اسی مزے نے انہیں فرخ سیر کی مدد پر اُکسایا اور جان کی بازی کھیل کر تخت کے مرکز تک پہنچایا۔ چنانچہ ان کی وجہ سے فرخ سیر سارے ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ چنانچہ فرخ سیر نے انہی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنتے ہوئے فوج کی بخشی گری یعنی وزارت حسین علی کے سپرد کی اور امیر الامرائی یعنی سپہ سالاری کا منصب بڑے بھائی عبداللہ کو عطا کیا۔

بادشاہ کے نزدیک یہ ان کی گزشتہ خدمات کا کافی انعام اور آئندہ اطاعت اور وفاداری کی ضمانت تھی۔ لیکن سلطنت کے کام میں فرخ سیر نے جیسی منت و سماجت سے کام لیا اس نے ان سیّدوں کی نظر میں اسے حقیر کر دیا تھا۔ اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انہی کے قوتِ بازو نے انہیں بادشاہی تک پہنچایا تھا۔ دونوں بھائی اسے اپنا احسان مند بلکہ دست نگر سمجھتے اور غالباً یہی مطلب رکھتے تھے کہ فرخ سیر آخر تک ان کے اشارے پر چلتا رہے۔ یہ ذہنیت بادشاہی کی دنیا میں غداری سمجھی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ مطلق العنانی کے آئین سے متعلق سازگاری نہیں رکھتی۔

جلد ہی مغل بادشاہ اور سیّد وزیروں میں اختلاف و کشاکش کی نوبت آ گئی۔ تاج پوشی کے ساتھ بہت سے پرانے رفیق اور شہزادگی کے نزدیک پائے تخت تک پہنچے اور

بڑے بڑے عہدوں کی کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے۔ یہ سیّدوں کو کچھ خاطر میں نہ لاتے تھے بلکہ بادشاہ کو ان کے خلاف اُبھارتے تھے۔ اس طرح حالات کے اندر تبدیلی پیدا ہونے لگی۔ اس سادات گروہ کا سب سے بڑا حریف اور ان کے حریفوں کا سرکردہ ایک شخص قاضی عبداللہ تورانی تھا۔ اس نے جہانگیر نگر یعنی ڈھاکہ کے مسندِ عدالت سے ترقی پائی اور میر جملہ خان خاناں کے خطاب سے مقرر ہوا۔

بادشاہ کی مُہر اس کی تحویل میں دی گئی اور اس نے اپنی داد و دہش سے عوام و خواص میں بڑی مقبولیت حاصل کی لیکن مال گزاری اور خزانہ سیّد برادران کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ ان سیّدوں کا بڑا بھائی عبداللہ لا اُبالی سا آدمی تھا جسے رُتبہ کی بلندی عیاشیوں کی پستیوں میں دھکیل رہی تھی۔ لیکن اس کا دیوان رتن چند ایک کائیاں اور قابو چی بنیا تھا۔ چند ہی روز میں خزانے پر ایسے قوائد و ضوابط کے قفل چڑھائے کہ اچھے اچھے عہدے داروں کا دیوان کی استعانت کے بغیر کام ہی نہیں چلتا تھا اور وظائف کی وصولی کا کام بھی کچھ ایسے ہی نکلتا تھا۔ انتہا یہ کہ اسنے خاص بادشاہی محاصل و مداخل میں اپنے دخل کا پنجہ گاڑ دیا تھا۔ دربار و محل سرا کے مصارف تک بادشاہی عہدے داروں کے حکم سے ادا نہ کرتا تھا بلکہ خود جھکاتا اور سب کو اپنی یا سیّد عبداللہ کی منظوری کا پابند بناتا تھا۔

ان حالات کی وجہ سے بڑے بڑے حکام اور والیانِ ریاست میں خودسری کی ہوا اُبھرنے لگی۔ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ نے ان سیّدوں کی برتری کو ماننے سے انکار کر دیا اور اسی آڑ میں سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ یہ گویا مغل سلطنت کے تابوت میں کیل گاڑنے کے مترادف تھا جو سیّد برادران کی وجہ سے ہوا۔

لیکن ان سیّد برادران نے آخر اجیت سنگھ کو اپنے سامنے زیر کر لیا اور اس بغاوت کے نتیجہ میں جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ کو اپنی بیٹی مغل شہنشاہ فرخ سیر سے بیاہنا پڑی۔

اب اسی راجہ اجیت سنگھ کا دربارِ شاہی میں آنا جانا ہوا۔ لیکن بادشاہ کی رفاقت کی بجائے اس نے سادات برادران کے ساتھ تعلقات اچھے رکھنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔ حالانکہ بادشاہِ وقت اس کا داماد تھا۔ ان حالات میں اسی اجیت سنگھ نے اپنے داماد فرخ سیر کی خبریں چپکے چپکے سیّدوں کے حوالے کرنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے ان سیّد برادران کی قوت میں مزید اضافہ ہوا اور یہ طے پایا کہ بادشاہ فرخ سیر، سیّد

برادران کے دشمنوں کو مرکز سے دور کرے اور چھوٹے بھائی سیّد حسین کو دکن کی عملداری پر مقرر کرے۔ جس وقت سلطنت میں سازشوں، غداریوں، مکرو فریب، دھوکے کی گرم بازاری تھی، ان حالات میں بادشاہ فرخ سیر سیّدوں سے بیزار ہونے لگا۔ سلطنت کے سارے ہی اُمراء ان سیّدوں سے دل برداشتہ تھے اور ان سے لڑنے کی قابلیت بھی رکھتے تھے۔ مگر بادشاہ کی ذاتی بزدلی اور متلون مزاجی کی وجہ سے میدان میں نہ نکلتے تھے۔ البتہ ملک میں یہ افواہیں برابر اُڑتی رہیں کہ فرخ سیر نے وزارت اور سیادت کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اسی فرخ سیر کے بعد ان سیّد برادران نے مختلف لوگوں کو حکمران بنانے کے بعد دہلی کا تاج روشن اختر یعنی محمد شاہ رنگیلا کے سر پر رکھ دیا جو اس وقت اٹھارہ سال کا گبھرو جوان تھا۔ محمد شاہ رنگیلا کا انتخاب کرنا بھی ان سیّدوں کی دلی پریشانی کا غماز تھا۔ لوگ طعنہ دیتے تھے کہ ان غاصب نمک حراموں نے ایک بادشاہ کو جان سے مار ڈالا اور پھر جان کر ایسے شہزادوں کو تخت پر بٹھا دیا جو بستر مرگ پر لیٹے ہوئے تھے اور واقعی مُردہ بدستِ زندہ کے مصداق تھے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ان سیّدوں نے فرخ سیر کے ساتھ بڑا برا سلوک کیا۔ اسے گرفتار کر کے حرم سرا سے گھسیٹ کر قید میں ڈالا۔ اندھا کرنے، زہر دینے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے پھانسی دے کر اس کی جان نکالی اور اس کی بجائے شاہ عالم بہادر شاہ کے ایک مدقوق پوتے رفیع الداج کو بادشاہ بنا دیا اور یہ تخت نشینی اس قدر گھبراہٹ میں ہوئی کہ اس غریب رفیع الداج کو کپڑے تک بدلنے کی فرصت نہ ملی۔

نئے بادشاہ رفیع الداج کی چند روزہ بادشاہی اسلامی ہند کی تاریخ میں شاید اس لئے بھی دو چار سطر کی مستحق رہے گی کہ تخت نشینی کے پہلے دن ہی دیوانِ وزارت سے پہلا اعلان جزیہ کی تنسیخ کا ہوا۔ لیکن یہ نیا بادشاہ بھی سیّدوں کی جارحانہ کوکھ میں چند مہینے کے اندر گھل گھل کر مر گیا اور اس کی پیروی دور سے بھائی رفیع القدر نے کی جسے ان سیّدوں نے شاہجہان ثانی کے شاندار لقب سے اپنا شطرنج کا مہرہ بنا کر بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس کے بعد اب ان کی نظرِ انتخاب روشن اختر پر پڑی تھی۔

شروع میں تو محمد شاہ رنگیلا کی اصلی آزادی اور بادشاہی کا رعب بحال رہا۔ بڑے جلسے ہوئے، جلوس نکلے، عام طور پر خوشی منائی گئی، نوجوان بادشاہ محمد شاہ رنگیلا نے اپنی

دادی یعنی شاہ عالم بہادر شاہ کی بیوہ ملکہ مہر پرور کی آغوشِ محبت میں پرورش پائی تھی۔ یہ ہوش مند خاتون جب تک زندہ رہی، اسے عقل و اعتدال کے راستے پر چلایا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا، بادشاہی کے بیمار جسم کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں سیّدوں کو تو باہر نکالے جانے سے مغلوں کی سلطنت کے ڈگمگاتے قدموں کو کچھ تقویت ملی تھی لیکن محمد شاہ کو نظم و نسق کی گتھیاں سلجھانے کا دماغ نہ تھا۔

شروع میں وزارت اعتماد الدولہ محمد امین خان کے سپرد کر دی تھی۔ اس کا جب انتقال ہوا تو نظر انتخاب نظام الملک پر پڑی اور سچ بات یہ ہے کہ سادات کو اُکھاڑنے اور مغل بادشاہی کو پھر جمانے میں اس وزیر نظام الملک کا بڑا حصہ تھا۔ اسی نے ایک طرح سے ان سادات سے حکمرانوں کی جان چھڑائی اور انہیں سیاست سے نکال باہر کیا۔

چونکہ وزیر نظام الملک ایک سنجیدہ، صاحب عقل، دانشور شخص تھا چنانچہ جب اس نے محمد شاہ رنگیلا کو دربارِ شاہی کی قدیم رسومات اور آئین پر چلانے کی کوشش کی تو لاابالی بادشاہ کو اس کی ثقاہت سے وحشت ہونے لگی۔ خوشامدی مصاحبوں نے بھی محمد شاہ رنگیلا کو بتایا کہ وزیر آپ کا اتالیق بن گیا ہے، آپ کو لڑکا سمجھتا ہے۔ چنانچہ مسخروں نے نقلیں بنا بنا کر نظام الملک کے سنجیدہ آداب کا خاکہ اُڑانا شروع کر دیا تھا تاکہ اس کی توقیر محمد شاہ رنگیلا کے دل میں اور قدم دارالسلطنت میں قائم نہ رہ سکیں۔

انہیں اپنے مذموم مقاصد میں کافی کامیابی ہوئی۔ نظام الملک دلبرداشتہ ہو کر خود ہی دِلّی سے نکل گیا۔ انہی دنوں مغل سلطنت کی سیاہ بختی کہ محمد شاہ رنگیلا کی دادی ملکہ مہر پرور کی شمع حیات بھی گل ہو گئی اور محل سرا کا انتظام بادشاہ کی رضاعی بہن رحیم النساء بنت محمد درویش کی جھولی میں چلا گیا۔ شاہی محلات عیاشی کے تکیے بن گئے۔ جہاں پناہ کا زیادہ وقت زنان خانہ میں گزرنے لگا۔ احکام سلطانی حکیم النساء کی معرفت نافذ ہونے لگے۔ شاہی مُہر اس کی تحویل میں دے دی گئی اور پھر اس کے دستخط اجرائے کار کے کفیل ہوئے۔ اس کے توسط کے بغیر بڑے بڑے کام ملتوی پڑے رہتے تھے۔ غرض دیکھتے ہی دیکھتے یہ درویش زادی دولت کی ماتا بن گئی۔ ایک مدت بعد جب اسی رحیم النساء کا ایک کارندہ روشن الدولہ بخشی، رشوت ستانی کے کام میں پکڑا گیا تب رحیم النساء بھی مجرم پائی گئی اور محل سرا سے نکال باہر کی گئی۔

محمد شاہ رنگیلا کو سلطنت کے امور سے کوئی غرض و غایت نہ تھی۔ وہ عیش پرستی کا دلدادہ تھا۔ حیات بخش اور مہتاب باغ گویا اس لئے بنائے گئے تھے کہ افکارِ سلطنت کی بُو تک وہاں نہ آئے اور عیاشی کی حد یہ ہوگئی کہ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں اس کی پیروی میں دس بارہ سال میں دہلی کے اندر باہر بیسیوں نئے باغ عیش و عشرت کے لئے بنا دیئے گئے۔ اس لئے کہ محمد شاہ رنگیلا بھی تو ایسا ہی کرتا تھا۔

اوّل اوّل تو اس محمد شاہ رنگیلا کو شکار کا شوق تھا لیکن جب خود ہی شاہد و شراب کا شیدا ہوا تو اس وسیع کارخانے کے ملازم بے کار شکاری جانور تک سست و ازکار رفتہ ہو گئے۔ رعایا دینِ ملوک پر چلا کرتی ہے۔ بادشاہ کو عیش و عشرت پر مائل دیکھا تو امیر و وزیر، عامی و خاکی سب ہی اُدھر جھک پڑے۔ دارالسلطنت دہلی میں اربابِ نشاط کی وہ ریل پیل اور اسبابِ عیش کی وہ فراوانی ہوئی کہ الامان الحفیظ۔

محمد شاہ رنگیلا کا نامور و عقل مند دانا، بہترین ناظم وزیر نظام الملک جب دہلی سے نکل کر دکن کی طرف چلا گیا تو دہلی کی مملکت کے اکثر بڑے عہدے ایرانی یا ہندوستانی امیروں کے حصے میں آ گئے۔ فوج کا حاکمِ اعلیٰ امیر الامراء خانِ دوراں بنا جو سپہ گری میں جتنا فائق تھا، علم و عقل کے میدان میں اتنا ہی کوتاہ دست تھا۔ چنانچہ نظام الملک کے دہلی سے نکل کر دکن کی طرف چلے جانے کے بعد گویا دہلی میں افراتفری اور بدنظمی کا ایک عالم برپا ہو گیا تھا۔

اسی دور میں نادر شاہ افشار کے قاصد دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچ کر نادر شاہ افشار کے ان قاصدوں نے جب محمد شاہ رنگیلا کی خدمت میں پیش ہو کر نادر شاہ افشار کا پیغام دینا چاہا تو اس وقت محمد شاہ رنگیلا عیش و عشرت میں پڑا ہوا تھا۔ شراب کے نشہ میں وہ شہہ نشین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اوباش ساتھی اُمراء اس کے پاس موجود تھے۔ سازندوں، موسیقاروں اور ایسے ہی ہنرمندوں کا ایک جمگھٹا تھا جو مختلف قسم کے ساز بجا رہے تھے اور ان کے آگے ایک نوجوان اور حسین مغنیہ بیٹھی محمد شاہ رنگیلا کے لئے گا رہی تھی۔ جو کچھ وہ گا رہی تھی، الفاظ ادا کر رہی تھی، اس کا لُبِ لباب کچھ اس طرح تھا:

"پیار کی کھلی کتاب ہوتے ہیں کچھ چہرے
ظلم کی داستان بھی ہوتے ہیں کچھ چہرے
دیتے ہیں خاروں سی زہریلی چبھن بھی

دیکھنے میں گلاب ہوتے ہیں جو چہرے
دعویٰ کرتے ہیں جو تشنگی کے زیاں کا
جو پرکھو تو سراب ہوتے ہیں وہ چہرے
تیرگی میں ہی لٹی جن کی خوش ادائیاں
روشنی میں تاریک ہوتے ہیں وہ چہرے
چہرے ہی دیتے ہیں دھوکہ بھی، فریب بھی
درد کا درماں بھی ہوتے ہیں کچھ چہرے
چہرے ہی چہرے ہیں یہاں چہار سُو میرے
کون جانے کون سے ہیں باوفا چہرے
چہروں کے ہجوم میں راہی نہ کھو جانا
بے چہرگی بھی دے جاتے ہیں کچھ چہرے"

محمد شاہ کو جب راگ رنگ کی اس محفل سے فرصت ملی تب اس نے نادر شاہ کے سفیروں اور قاصدوں کو اپنے پاس بلایا۔ قاصدوں نے جب محمد شاہ کے سامنے نادر شاہ کا یہ پیغام پیش کیا کہ قندھار سے افغان فرار ہو کر کابل اور غزنی میں اپنے آپ کو مسلح کر رہے ہیں، انہیں روکا جائے، تب اس پیغام کو محمد شاہ رنگیلا نے کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اس موقع پر اس سے ایک بہت بڑی غلطی بھی ہوئی۔ جب سفیروں نے محمد شاہ رنگیلا کے سامنے نادر شاہ کی اس خواہش کا اظہار کیا کہ محمد شاہ رنگیلا، قندھار سے نکلنے والے لوگوں کو اپنے ہاں آباد نہ ہونے دے، جب محمد شاہ نے ان قاصدوں کو کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا بلکہ مختلف حیلوں بہانوں سے سفیروں اور قاصدوں کو بھی اپنے پاس روکے رکھا، اس عرصہ میں قندھار سے نکلنے والے مسلح جنگجو غزنی اور کابل کے علاقوں میں پھیل گئے تھے جو اس وقت مغلیہ حکومت کے تحت تھے۔ اس وجہ سے حالات مزید گمبھیر ہونے لگے۔

دوسری جانب جب نادر شاہ کو خبر ہوئی کہ محمد شاہ رنگیلا نے اس کے قاصدوں کو اپنے پاس روک دیا ہے اور اس کے پیغام کا کوئی جواب نہیں دے رہا اور یہ کہ لوگ قندھار سے نکل نکل کر کابل اور غزنی کے علاوہ دوسرے علاقوں میں پہنچ کر اپنے آپ کو نادر شاہ افشار کے خلاف مسلح کر رہے ہیں تب نادر شاہ افشار کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی۔

ان حالات میں نادر شاہ ایک بہت بڑے لشکر کو حرکت میں لایا۔ سب سے پہلے اس نے کابل کا رخ کیا اور کابل پر لشکر کشی کرتے ہوئے نادر شاہ نے اسے بڑی آسانی سے مسخر کر لیا۔ اپنے پیچھے نادر شاہ نے اپنے بیٹے رضا قلی کو ایران کی مملکت کے انتظامات چلانے کے لئے چھوڑا تھا۔ رضا قلی کی بیوی الایہ اور روزبہ بھی اصفہان میں رہی۔ جبکہ اپنے لشکر کے ساتھ نادر شاہ نے کابل کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان میں داخل ہونے کا عزم کر لیا تھا۔ اس موقع پر بڑے بڑے سالاروں میں سے احمد شاہ ابدالی، کریم خان، علی مردان بختیاری، آزاد خان اور دیگر بہت سے چھوٹے بڑے سالار شامل تھے۔

جس وقت نادر شاہ کابل کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان میں داخل ہو رہا تھا تو ہندوستان کی صورتِ حال بڑی عجیب وغریب تھی۔ محمد شاہ رنگیلا کے لشکریوں کا سپہ سالارِ اعلیٰ ان دنوں دوران خان تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی کہ نادر شاہ نے کابل پر لشکر کشی کی ہے تو وہ خوب ہنسا اور یہ خبر لانے والوں سے کہا۔

''تمہارے مکان بہت اونچے پہاڑوں پر ہوں گے کہ اتنی دور سے تم لوگوں نے نادر شاہ کے لشکریوں کو دیکھ لیا ہے۔''

اس موقع پر محمد شاہ رنگیلا کے غیر ذمہ دار اُمراء اور درباریوں نے یہ بھی کہا کہ یہ سب لاہور کے والی زکریا خان کی کارستانی ہے کہ جھوٹی خبریں اُڑاتا ہے اور نادر شاہ کی طرف سے مصنوعی قاصد بھجواتا رہتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ نادر شاہ کابل کو فتح کرنے کے بعد آندھی اور طوفان کی طرح ہندوستان میں داخل ہو چکا تھا جبکہ کابل کا صوبہ دار ان دنوں پشاور میں مقیم تھا۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر مصلّے پر گزارنے کا عادی تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ نادر شاہ کابل پر حملہ آور ہوا ہے تو اس نے پشاور سے نکل کر اس کی راہ روکنا چاہی لیکن خیبر کے معرکہ میں مجروح اور اسیر ہوا جس کی بناء پر نادر شاہ نے کابل کو فتح تو کر ہی لیا تھا، اب وہ آگے بڑھ کر پشاور پر بھی قابض ہو گیا۔

اب صورتِ حال یہ سامنے آئی کہ جب کابل سے پے در پے لوگ فرار ہو کر دہلی پہنچنا شروع ہوئے تب محمد شاہ رنگیلا اور اس کے امراء اور سپہ سالار دوران خان کو یقین آ گیا کہ کابل کا صوبہ سلطنتِ دہلی کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تب محمد شاہ رنگیلا کو اپنی ساری عیاشیاں بھول گئیں۔ اب تک اسے نادر شاہ کے کئی مراسلے ملے تھے جن کا اس نے کوئی جواب ہی نہ دیا تھا۔ اس میں صرف محمد شاہ رنگیلا ہی کا قصور نہیں تھا، اس کے

اردگرد جو بزدل و غدار اور سازشوں کے ماہر اُمراء تھے، انہوں نے بھی محمد شاہ رنگیلا کا بیڑہ غرق کرنے کے لئے کوئی کمی اور کسر نہ رہنے دی تھی۔

جب یہ خبر آئی کہ نادر شاہ نے تو کابل بھی فتح کر لیا ہے تب اس موضوع پر محمد شاہ رنگیلا کے نادان وزیروں میں دیر تک عقل آزمائی ہوتی رہی کہ اب محمد شاہ رنگیلا کو ہر صورت میں نادر شاہ کے خطوط کا جواب دینا چاہئے جو ایک عرصہ سے التواء میں پڑے ہوئے تھے۔ اب سازشی اُمراء اور غدار وزیروں کو یہ بھی فکر ہوئی کہ اب اگر نادر شاہ کو جواب دیں تو اُس غاصب لٹیرے کو القاب کیا لکھیں؟ کابل کا صوبہ ہاتھ سے نکلجانے کے بعد بھی وہ اس قسم کی گھٹیا سوچ رکھتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ نادر شاہ شہنشاہِ ہندوستان کی مساویانہ مخاصمت کے لائق کہاں ہے؟

جس وقت سازشی وزیر اور غدار سازشی اُمراء یہ سوچ رہے تھے، تب خود محمد شاہ رنگیلا کو کچھ ہوش آیا۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے دانشور، صاحبِ عقل وزیر نظام الملک کو جو تنگ کر کے دہلی سے دکن جانے پر مجبور کر دیا تھا تو وہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اسے یہ بھی احساس ہو گیا کہ اس کے اردگرد جو اس کے ولی اور مشیر ہیں، وہ سب اپنے اپنے بھلے کے لئے کام کرتے ہیں۔ عقل نام کی ان کے اندر کوئی چیز نہیں۔ جبکہ نادانی کا بھس ان کے سروں میں بھرا ہوا ہے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے محمد شاہ رنگیلا کو صرف ایک ہی راستہ دکھائی دیا کہ کسی نہ کسی طرح نظام الملک کو دکن سے بلا کر وزارت کا قلمدان پھر اس کے حوالے کیا جائے اور اس سے التماس کی جائے کہ وہ عقلمندی سے کام لیتے ہوئے نادر شاہ سے مغلیہ سلطنت کو بچائے۔

اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد شاہ رنگیلا سے لوگ یہ تقاضا کرنے لگے کہ وہ خود ایک لشکر تیار کرے اور اس لشکر کی کمانداری اپنے ہاتھ میں لے اور نادر شاہ کا مقابلہ کرے۔ اس لئے کہ شخصی بادشاہی کے جواز کی دلیل ہی یہ ہوتی ہے کہ بیرونی دشمن کے مقابلے میں خود بادشاہ میدان میں نکلے اور اپنی سلطنت کے لئے جان کی بازی لگائے۔

اپنے عوام اور سرکردہ لوگوں کے تقاضے پر دہلی کے شاہی لشکر کو کوچ کا حکم صادر ہوا۔ چنانچہ بڑی دھوم دھام سے لشکر شہر سے باہر نکلا۔ جس وقت یہ لشکر شہر سے نکلا، وہ 1738ء مئی/ جون کا مہینہ تھا۔

اب محمد شاہ رنگیلا کے اُمراء اور سالاروں کے لئے سراسیمگی اٹھ کھڑی ہوئی۔ گرمی ایسی پڑ رہی تھی کہ دہلی سے لاہور کی طرف جانے والے راستے بھوبل بن جاتے تھے۔ اور پھر محمد شاہ رنگیلا کے اُمراء اور سالار اس وجہ سے بھی پریشان اور سراسیمہ تھے کہ سورج چڑھنے سے پہلے وہ تو تہہ خانوں میں گرمی گزارنے کے لئے اتر جایا کرتے تھے اور اب انہیں گرمی کی شدت میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے کہا جا رہا تھا۔ خود محمد شاہ رنگیلا ان سب سے بڑھ کر آرام کا خوگر تھا۔ لشکر کو تو اس نے کوچ کر کے شہر سے نکال دیا تاکہ نادر شاہ کا مقابلہ کرے جبکہ خود شہر ہی میں مقیم رہا۔ اس موقع پر بھی محمد شاہ رنگیلا کے خوشامدی اور چرب زبان اُمراء اس سے یہی کہہ رہے تھے:

''بھلا نادر شاہ کی یہ تاب کہاں کہ ہندوستان کی دولتِ عظمیٰ کی طرف نگاہِ گرم سے دیکھے۔ وہ تو افغانستان کے پہاڑوں میں چند روز تک ٹکریں مار کر واپس ہو جائے گا۔''

محمد شاہ رنگیلا اپنے اُمراء کی ایسی باتوں سے بڑا خوش ہوتا تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جس وقت محمد شاہ رنگیلا نے اپنے لشکر کو دہلی سے نکالا تھا کہ وہ نادر شاہ کا مقابلہ کرے، وہ لشکر آگے نہیں بڑھا بلکہ دہلی کے قریب ہی کھلے میدانوں میں جنگی جھنڈے گاڑ دیئے اور وہیں پڑاؤ کئے رکھا اور پیش قدمی نہیں کی۔ چنانچہ اُن کی اس حرکت سے نادر شاہ کو بھی اطمینان ہو گیا کہ یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ اہلِ ہند لڑائی سے گھبراتے ہیں۔

ان حالات میں نادر شاہ مزید تیزی سے حرکت میں آیا۔ اٹک، جہلم، چناب تینوں دریاؤں کو عبور کر کے لاہور کو آ کر گھیر لیا۔ محمد شاہ رنگیلا کی طرف سے ان دنوں لاہور کا حاکم زکریا خان تھا۔ اس نے کئی بار دہلی سے مدد مانگی، کمک طلب کی تاکہ نادر شاہ کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اُسے دہلی سے نہ اپنے کسی نامے کا جواب ملا نہ ہی نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے کوئی امداد ملی۔ چنانچہ مایوسی کے عالم میں جس قدر لشکر اس کے پاس تھا، اس کے ساتھ دو تین بار وہ شہر سے باہر نکل کر نادر شاہ سے ٹکرایا بھی لیکن اس کے مقابلے میں نادر شاہ کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ زکریا خان کے پاس چھوٹا سا لشکر تھا جبکہ نادر شاہ کے پاس لگ بھگ پونے تین لاکھ کا لشکر تھا۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے زکریا خان نے نادر شاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ زکریا خان ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ اس لئے کہ نادر شاہ کے پاس دو لاکھ ستر ہزار کا جرار لشکر تھا جبکہ زکریا خان کے پاس صرف بیس ہزار گھڑ سوار تھے۔ اس کے باوجود زکریا خان نے

مقابلے کی ٹھانی اس لئے کہ نادر شاہ جب لاہور پہنچا تو اس نے موجودہ محمود بوٹی بند کے قریب سے راوی کو پار کر کے شالار مار باغ کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا۔ جواب میں حاکم لاہور زکریا خان نے لاہور کے قلعے میں محدود ہو کر شہر کے دروازے تو بند کرا لئے لیکن بیرونی آبادی جو اب شہر سے چار گنا زائد ہو چکی تھی، اس پر نادر شاہ کے لشکریوں نے حملہ آور ہو کر نہ صرف تباہی و بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کیا بلکہ لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔

دو دن تک قلعے کی بیرونی آبادیوں میں یہ کھیل کھیلا جاتا رہا۔ اس کھیل سے زکریا خان نے محسوس کر لیا تھا کہ اس خوفناک دشمن سے مزاحمت کی مزید کوئی کوشش بارآور نہ ہو گی چنانچہ اس نے 20 دسمبر کو 20 لاکھ روپے نقد اور 10 ہاتھی تاوان کے بدلے امن کی درخواست کی۔

زکریا خان گزشتہ بیس سال سے لاہور کا حاکم چلا آ رہا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں اس کی رعایا نہایت خوش حال اور اس کے انصاف اور حُسنِ سلوک کی بے حد مداح تھی۔ چنانچہ اس کے کہنے پر نادر شاہ نے مزید قتل و غارت گری فی الفور موقوف کی اور تاوان وصول کر کے نہ صرف اہلِ لاہور کو امان دی بلکہ زکریا خان ہی کو اپنا معتمد اور لاہور کا ناظم مقرر کر کے اپنے لشکر کے ساتھ اس نے دہلی کا رخ کیا تھا۔

نادر شاہ بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ محمد شاہ رنگیلا جو عیش کا دلدادہ ہے، جنگ کی جوکھوں میں نہیں پڑے گا، معقول تاوان سے حملہ آور نادر شاہ کا منہ باندھ دے گا۔ یہی وہ لالچ تھا جو نادر شاہ اور اس کے لشکریوں کو دہلی کی طرف بھگائے جا رہا تھا۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ پنجاب کے میدانوں سے گزرنے کے بعد وہ لاہور میں جائیں گے اور لاہور شہر کے اندر قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے اپنے آپ کو مالا مال کریں گے۔ اس لئے کہ ان دنوں ایران کی مالی حالت خراب تھی۔ جو نیا لشکر مرتب ہوا اور پے در پے لڑائی میں مصروف رہا، اس کے مصارف کافی بڑھ گئے تھے جو اب ایران کی آمدنی سے پورے نہ ہوتے تھے۔

کابل اور پشاور میں جو انہوں نے غارت گری اور لوٹ مار کی، ان سے بھی ان کے مصارف پورے نہ ہوئے۔ لاہور پہنچ کر بھی انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب زکریا خان نے تاوان دے کر اور ہاتھی پیش کر کے صلح کر لی اور نادر شاہ صلح کرنے پر

مجبور بھی تھا، اسے دو طرفہ حملے کا خدشہ تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر لاہور کے محاصرے نے طول پکڑا تو کہیں دہلی سے آنے والا لشکر اس کی پشت پر حملہ آور ہو کر اس کے لئے نقصان نہ بن جائے اور اگر وہ لاہور کو نظر انداز کر کے دہلی کی طرف بڑھ جاتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ سامنے کی طرف سے محمد شاہ رنگیلا حملہ آور ہو اور پشت کی جانب سے زکریا خان لاہور سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ لہٰذا مجبوراً نادر شاہ نے لاہور کے حاکم زکریا خان سے صلح کر لی تھی اور اس صلح کے بعد وہ بڑی برق رفتاری سے دہلی کی طرف بڑھا تھا۔

چنانچہ اپنے امراء کے مجبور کرنے اور رعایا کی خواہش کے مطابق محمد شاہ رنگیلا خود دہلی سے نکلا، لشکر میں آیا اور اس نے لشکر کی کمانداری خود کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس پریشانی کے عالم میں محمد شاہ رنگیلا کو بھی ایک مدد مل گئی۔ وہ یہ کہ اودھ کا حاکم سعادت خان اپنا ایک کافی بڑا لشکر لے کر محمد شاہ کے لشکر سے آن ملا۔ اس طرح محمد شاہ رنگیلا اپنے لشکر کو لے کر اس سمت بڑھا جہاں اس وقت نادر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔

اس موقع پر اودھ کے حاکم سعادت خاں نے ایک عجیب و غریب قدم اٹھایا۔ اس نے صرف اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ نادر شاہ کے لشکر سے ٹکرانے کا عزم کر لیا۔ حالانکہ محمد شاہ رنگیلا اور اس کے وزیروں نے اسے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ایسا کرنا اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

محمد شاہ رنگیلا کو اب حوصلہ ہو گیا تھا کہ وہ نادر شاہ کا مقابلہ کر سکتا ہے اور اس کے حوصلے کی دو وجوہات تھیں۔ پہلی یہ کہ اودھ کا حاکم سعادت خان لشکر لے کر اس کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ دوسری جو سب سے بڑی بات اس کی ہمت افزائی کی تھی، وہ یہ کہ دکن سے نظام الملک بھی پہنچ گیا تھا۔

آخر سعادت خان اپنی من مانی کرتے ہوئے صرف اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ ایرانیوں سے جا بھڑا۔ محمد شاہ رنگیلا کے سپہ سالار نے جب دیکھا کہ سعادت خان جرأت مندی کا اظہار کرتے ہوئے صرف اپنے لشکر کے ساتھ نادر شاہ سے ٹکرانے کا عزم کر رہا ہے تو اس نے یہ خیال کیا کہ سعادت خان کہیں ہمت و جوانمردی میں اس پر سبقت نہ لے جائے۔ چنانچہ وہ بھی لشکر کا ایک حصہ لے کر ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑا

لیکن اُسے اس حماقت کی خوب سزا ملی۔ وہ یہ کہ دوران خان میدانِ جنگ میں زخمی ہو کر مارا گیا۔

دوسری طرف سعادت خان تو سلطنت دہلی کے خلاف ایک سازش اور غداری کا کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے ظاہر یہی کیا تھا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ نادر شاہ پر حملہ آور ہو گا لیکن اپنے لشکر سمیت وہ نادر شاہ سے جا ملا۔ اس موقع پر لوگ یہ سمجھے کہ وہ پہلے ہی نادر شاہ کے ساتھ ساز باز کر چکا تھا اور خلافِ حکم میدان میں نکلنا اس کی غداری کے شبہ کو تقویت دیتا تھا۔ چونکہ سعادت خان خود ایرانی تھا لہٰذا ہندوستانیوں کا ساتھ ترک کر کے وہ ایران کے بادشاہ نادر شاہ سے جا ملا۔

یوں اپنوں کی غداری کی وجہ سے محمد شاہ رنگیلا جو جنگ کرنے پر آمادہ تھا اور اس کے سالار اور اُمراء بھی ہمت کر چکے تھے کہ نادر شاہ کو مار بھگایا جائے، وہ نادر شاہ کے سامنے جھک گئے۔ یوں نادر شاہ فتح مند رہا۔ نادر شاہ فاتح کی حیثیت سے دہلی کے قلعے اور شہر میں داخل ہوا۔ قلعے اور شاہی کارخانوں پر اس نے پہرہ لگا دیا۔ اس سارے کام میں غدار سعادت خان نادر شاہ کی مدد کر رہا تھا۔ نادر شاہ اب دہلی میں ناخواندہ مہمان بن کر داخل ہوا تھا اور قریب قریب تمام زر و جواہر، نادر و بے بہا سامان جس میں شاہجہان کا تختِ طاؤس ہی کروڑوں کا تھا، سمیٹ لیا۔ بے شمار مال و دولت اور زر و جواہرات کے علاوہ اس حملے کے دوران نادر شاہ کے ہاتھ دو مشہور و معروف ہیرے لگے۔ ایک ہیرے کا نام دریائے نور اور دوسرے کا کوہ نور تھا۔ اور پھر سب سے بڑی بات کہ شاہجہاں کے بنائے ہوئے تختِ طاؤس پر بھی نادر شاہ نے قبضہ کر لیا جو انتہا درجہ کا قیمتی اور ایک عجوبہ خیال کیا جاتا تھا۔ اس تختِ طاؤس کی تفصیل میں ایک انگریز مؤرخ کچھ اس طرح لکھتا ہے:

> ''یہ ایک بہت بڑا تختِ شاہی تھا جو ایوان کے پہلے کمرے میں نصب تھا۔ شکل میں یہ ایک چارپائی کے پھیلاؤ کی مانند تھا۔ چھ فٹ لمبا اور چار فٹ چوڑا تھا۔ نچلے حصہ کا تکیہ گول اور اطراف کے تکیے چوڑے تھے۔ چھتر کے نچلے حصہ میں ہیرے جواہرات کا جڑاؤ کام تھا جس کے اردگرد موتیوں کا حاشیہ بنا ہوا تھا۔ چھتر کی بالائی سطح نوس نما تھی جس کے چار شطرنجی خانے تھے۔

اس کے اوپر ایک مور چنور کئے ہوئے تھا۔ دُم کے پَر نیلم اور رنگارنگ قیمتی پتھروں کے بنے ہوئے تھے اور اس کا جسم سونے کی پتریوں سے بنایا گیا تھا جن میں متعدد ہیرے نصب کئے گئے تھے۔ اس کی چھاتی پر ایک بڑا یاقوت اور اس کے ساتھ ایک ہیرا آویزاں تھا جس کا وزن 50 قیرات تھا۔ مور کے دائیں اور بائیں دو گلدستے تھے جو اونچائی میں پرندوں کے برابر تھے۔ ان میں سونے کے پتروں کے بنے ہوئے متعدد پھول رکھے گئے تھے۔ پھولوں پر میناکاری کا کام تھا۔

بادشاہ جب تخت پر بیٹھتا تھا تو اس کی آنکھوں کے برابر میں ایک شفاف ہیرا آویزاں ہوتا تھا جس کے ساتھ 80 یا 90 قیرات کا الماس ملحق ہوا کرتا تھا اور اس کے اردگرد یاقوب جڑے ہوئے تھے۔ بارہ ستونوں پر جن کے اوپر چھتر تھا، گول عمدہ آب و تاب والے ہیرے قطاروں کی صورت میں جڑے تھے۔ ہر ہیرے کا وزن چھ سے دس قیراط کا تھا۔ یہ وہ شہرہ آفاق تخت تھا جسے شاہجہاں نے بڑی رغبت سے بنوایا تھا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں کہ دہلی پر حملے کے دوران نادر شہ کو جو دولت دہلی سے ملی اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ کروڑ پچھتر ہزار پاؤنڈ کے برابر لگایا جاتا ہے۔

نادر شاہ کی وجہ سے دہلی شہر کے اندر جو تباہی و بربادی کا کھیل کھیلا گیا، اس کے متعلق دو مختلف آراء ہیں۔ ایرانی مؤرخ کچھ پیش کرتے ہیں جبکہ ہندوستانی مؤرخ اس معاملے کو دوسرے رخ پر دیکھتے ہوئے پیش کرتے ہیں۔

ایرانی مؤرخ لکھتے ہیں کہ:

"بادشاہِ ایران کے وُرودِ دہلی کی تقریب بڑی خوش اسلوبی سے ہوئی۔ چند روز بعد ایک افسوس ناک واقعہ رونما ہوا جس کے نتیجہ میں دہلی کے گلی کوچے انسانی خون سے رنگین ہوئے۔ اس کی مختصر سرگزشت یہ ہے کہ نادر شاہ کے لشکری شہر میں گھس کر لوٹ مار کرنے لگے۔ بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئے۔

اس پر انہوں نے حملہ کر کے لوٹ مار کرنے والوں کو ہلاک کر دیا جس سے شہر میں بہت شور وغوغا ہوا۔

نادر شاہ نہیں چاہتا تھا کہ اس خوشگوار فضا میں کسی قسم کی بدمزگی پیدا ہو۔ اس لئے اس نے اس افسوس ناک واقعہ کو دبانا چاہا۔ اتنے میں کسی فتنہ پرور شخص نے یہ خبر اُڑا دی کہ نادر شاہ مار دیا گیا ہے۔ اس سے اہلِ دہلی نادر شاہی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ نادر شاہ کو بھی اپنے لشکر کو کھلی چھٹی دینی پڑی۔ چنانچہ انہوں نے شہر بھر میں قتلِ عام کیا، ان کے گھر جلا دیئے اور لوٹے۔ آخر محمد شاہ رنگیلا کی استدعا پر نادر شاہ نے لشکر کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا۔ اس ٹکراؤ میں شہر کا کچھ حصہ نذرِ آتش ہو گیا۔

ہندوستانی مؤرخ اس سانحہ کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"قتل و غارت گری کے یہ واقعات اتنی جلدی نمودار ہوئے، گزرے کہ ان دنوں جبکہ اخبار چھپنے اور شائع ہونے کے وسائل نہ تھے، اہلِ ملک ایک طرف، پائے تخت دہلی کے عام باشندے بھی اچھی طرح سمجھے کہ سلطنت پر کیا سانحہ بیت گیا ہے۔ مگر دوسرے روز عید الاضحیٰ کی دعا میں خطیب نے محمد شاہ رنگیلا کے ساتھ نادر شاہ کو بھی ہندوستان کا فرمانروا بتایا تو شہر میں کہرام برپا ہو گیا۔ بازاروں میں ایرانی سپاہیوں پر حملے ہونے لگے جو شہر کے اندر سیر سپاٹا کرتے پھرتے تھے۔"

ان مؤرخین کا اندازہ ہے، ممکن ہے ایرانی لشکری تمرد کے ساتھ پیش آئے ہوں اور دل جلے شہریوں نے اُن کی کُنڈی کر ڈالی ہو۔

بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی بھنگڑ نے نادر کے مارے جانے کی گپ ہانکی جس پر لوگوں نے اس کے سپاہیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ نادر شاہ کو قتل عام اور غارت گری کا حیلہ مل گیا۔ چاندنی چوک کی سنہری مسجد کو خون ریزی کا مرکز بنا کر بندگانِ خدا پر وہ قیامت توڑی جس میں جوان و پیر، تندرست و بیمار، معصوم بچے اور زنانِ پردہ نشین کی بھی رعایت نہ کی گئی۔

قلعے کے سامنے بڑے بڑے چوک، بازار اور دریچے بیش بہا سامان اور نادر ترین مصنوعات کی منڈیاں تھیں، شمال میں اُمراء و کبار کی حویلیاں عیش و تجمل کے اسباب سے دُلہنوں کی طرح آراستہ کھڑی تھیں۔ ایرانیوں نے شہر کے اسی حصے کو جی بھر کر لوٹا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔ قتل عام آٹھ نو گھنٹے ہی جاری رہا جس میں کام آنے والوں کا کم سے کم تخمینہ تیس ہزار کے لگ بھگ شمار کیا گیا۔ لیکن خانہ تلاشی اور لوٹ مار کا سلسلہ کئی دنوں بلکہ ہفتوں تک چلتا رہا۔ اس لوٹ مار کا اندازہ یہ لگایا گیا کہ بادشاہ نادر شاہ تو ایک طرف، اس کے لشکری بھی مالا مال ہو گئے۔

لیکن ہندوستانی بھی عجیب و غریب ہی تھے۔ نادر شاہ افشار نے قتلِ عام کی چنگیزی سنت عید قربان کے تیسرے یا چوتھے دن ادا کی تھی۔ جس وقت شہر کربلا کا نمونہ اور ذوالحج، محرم کا مہینہ بن گیا تھا۔ لیکن عبرت کا تماشا دیکھئے کہ خون کی یہ ہولی کھیل کر نادر شاہ نے اپنے بیٹے نصر اللہ کی شادی محمد شاہ رنگیلا کی بیٹی سے رچائی تو گھر گھر طبلے کھڑکنے لگے۔ ناچ و رنگ، جلسے، دعوتیں اور جہاں دیکھو محفل رقص و سرود برپا ہے۔ بھانڈ خود اپنے سپاہیوں، سرداروں کی نقلیں اُتارنے لگے جبکہ تماشائی شرمانے کی بجائے قہقہے لگا رہے تھے۔

نادر شاہ کے حملے سے ہندوستان کے مغل حکمرانوں کی بڑی بے عزتی ہوئی۔ نادر شاہ کے حملے نے مغل بادشاہ کی نا اہلی کا ڈھنڈورہ پیٹ دیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ خود محمد شاہ اتنا رنجیدہ تھا کہ راگ و رنگ سے توبہ کی اور اربابِ نشاط کو موقوف کر دیا۔ ممکن ہے یہ توبہ اگلی برسات میں تباہ ہو گئی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ سو پشت کے بادشاہ، ہندوستان جنت نشان کے فرمانروا کو حملۂ نادری اور خاص طور پر دارالسلطنت کی غارت گری سے جتنی خفت ہوتی، وہ کم تھی کہ ایک آفاقی قزاق نادر شاہ کے روپ میں ملک میں گھس آیا۔ قلعۂ معلّٰی میں آ کر دندناتا پھرا، عید کی نماز میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا، گویا ڈنکے کی چوٹ پر مغل بادشاہی کے خاتمہ کا اعلان کرتا رہا۔

نادر شاہ کو ہندوستان سے بے اندازہ دولت حاصل ہوئی اور محمد شاہ کو اس کا تخت و تاج واپس دے کر اس کی شہرت اطرافِ عالم میں مزید پھیل گئی۔ وہ ہندوستان میں ٹکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود ہندوستان میں پائیدار حکومت قائم نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ دریائے سندھ

کے دائیں کنارے کے جو علاقے کسی زمانے میں ایرانی سلطنت کا حصہ ہوا کرتے تھے، وہ نادر شاہ نے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے۔ ان علاقوں کو تین صوبوں میں منقسم کر کے وہاں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے اور خود بلوچستان کے شہر پشین سے ہوتا ہوا قندھار اور وہاں سے وہ اپنے مرکزی شہر اصفہان کی طرف چلا گیا تھا۔

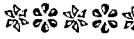

***

اپنی رہائش گاہ میں ایک روز رضا قلی، اس کی بیوی الایہ اور روز بہ تینوں چپ، اُداس اور افسردہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کمرے کے دروازے پر کریم خان نمودار ہوا۔ کریم خان کو دیکھتے ہی ہلکا سا تبسم روز بہ کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کریم خان جب دروازے پر رک گیا تب رضا قلی نے بڑی محبت میں اسے مخاطب کر کے کہا۔

''بھائی! دروازے پر کیوں رک گئے ہو؟ اندر آؤ۔ آخر تم ہمارے خاندان کے ایک فرد ہو۔''

کریم خان مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس موقع پر روز بہ نے اپنے قریب ہی ایک خالی نشست پر ہاتھ مارا اور کریم خان چپ چاپ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ گفتگو کا آغاز کریم خان نے کیا اور سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''جس وقت میں آیا، آپ تینوں چپ چاپ، اُداس اور افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لگتا ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔ ورنہ ایسا ہرگز نہ ہوتا۔''

رضا قلی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ الایہ بول اٹھی۔

''کریم خان! میرے بھائی! آپ کا اندازہ درست ہے۔ دراصل میں اور رضا قلی تھوڑی دیر پہلے ان کے بابا نادر شاہ کے پاس گئے اور ان سے ہم نے التماس کی کہ روز بہ اور کریم خان دونوں چونکہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، آپ کو بھی اس کا علم ہے، لہٰذا ہم دونوں کی شادی کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں آپ ہماری کچھ مدد اور راہنمائی کریں۔ جواب میں انہوں نے ہم دونوں کو بری طرح جھڑک دیا۔ بلکہ یوں جانو ہماری بہترین انداز میں بے عزتی کر ڈالی۔''

الایہ جب خاموش ہوئی تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''اس ناراضگی اور بے عزتی کرنے کی وجہ؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔'' رضا قلی نے بولتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔ ''بھائی! ایک وجہ تو یوں جانو میری غلطی ہے۔ دوسری وجہ پر بابا غلطی پر ہیں لیکن وہ اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کرتے۔

جو میری غلطی ہے وہ یہ کہ جس وقت بابا ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تھے اور ایران سے میرے پاس یہ خبر آئی تھی کہ بابا کو دہلی میں قتل کر دیا گیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ یہ خبر دہلی میں پھیلنے کی وجہ سے ہمارے لشکر نے دہلی میں لوگوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ بابا کے مرنے کی خبر سن کر میں نے اصفہان میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ میرے اس اعلان کو بابا نے انتہا درجہ کا ناپسند کیا ہے۔ انہوں نے آج انتہائی سخت الفاظ میں مجھ سے یہ تک کہہ دیا کہ میں ان کی موت کا انتظار کر رہا ہوں، کب وہ مریں اور میں ایران کا بادشاہ بنوں۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے بغیر کسی ثبوت کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ میں ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوں۔''

رضا قلی جب خاموش ہوا تب کریم خان بول اٹھا۔

''ناراضگی کی دوسری وجہ کیا ہے؟''

''دوسری وجہ ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں کریم بھائی! ہوا یوں کہ آپ جانتے ہیں فتح خان قاچار کو قتل کرنے کے بعد اس کا بیٹا، اس کا پوتا اور دوسرے بڑے بڑے قاچاری اُمراء، قاچاری جنگجوؤں کو لے کر شمال کے کوہستانی سلسلوں میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ایران کی حکمرانی حاصل کریں گے۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ صفوی خاندان کے بعد ایران پر حکومت کرنا ان کا حق ہے۔ اب جو خبریں ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں ان کے مطابق حسن قاچار اور حسین قاچار دونوں باپ بیٹا روس کے ساتھ روابط قائم کر رہے ہیں اور روس کی مدد سے وہ نہ صرف ایران کے اندر ایک انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں بلکہ ایران پر حکومت بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ وہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ ایران کے کچھ علاقے روس کے حوالے کر دیئے جائیں اور اس کے بدلے انہیں ایران پر حکومت کرنے کا موقع ملے۔''

رضا قلی جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کریم خان

کہنے لگا۔

''یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ اگر حسن قاچار اور حسین قاچار یہ کام روس کے پہلے حکمران پیٹر اعظم کے دور میں کرتے تو یقیناً ایران کے لئے بڑے خطرات اُٹھ سکتے تھے۔ لیکن اب روس کی ملکہ عینی ہے۔ اس میں اتنا دم خم نہیں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچائے۔ بلکہ یہ باتیں آپ اپنے ذہن میں رکھیں کہ پیٹر اعظم کے دور میں روس نے جو ہمارے علاقے ہتھیائے تھے اور جن پر اس نے قبضہ کر لیا تھا وہ ملکہ عینی نے خود بخود خالی کر دیئے ہیں۔ اس سے ملکہ عینی کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں ملکہ عینی ہماری سلطنت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گی۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب رضا قلی کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بھائی! تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن عینی کے سالار بلکہ روس کے سارے ہی عسکری ماہرین یہ چاہتے ہیں کہ پیٹر اعظم کی ہدایات پر عمل کر کے روسی سلطنت میں وسعت پیدا کی جائے اور جو پیٹر اعظم نے اپنے آنے والے حکمرانوں کے لئے ہدایت نامہ جاری کیا تھا، اس ہدایت نامہ کی ایک نقل بھی ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں۔ وہ نقل انہوں نے مجھے پیش کی۔ میں نے وہ نقل اپنے باپ کے سامنے پیش کی اور اسے یہ مشورہ دیا کہ روس کے حکمران ہمارے علاقوں پر ہوس کی نظر رکھتے ہیں لہٰذا ہمیں چاہئے کہ حسن اور حسین قاچار دونوں سے بات چیت کر کے صلح صفائی کے ساتھ انہیں واپس ایران لانا چاہئے تاکہ آنے والے دور میں وہ روس کے ساتھ مل کر کسی بڑے خطرے کا باعث نہ بنیں۔

اس کے جواب میں جانتے ہو میرے بابا نے کیا، کیا؟ انہوں نے کہا کہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں کہ روس سے ہمیں کس قدر خطرات ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بابا نے میرے خلاف بہت کچھ کہا لیکن میں نے جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اٹھ کر چلا آیا۔ اس موقع پر الایہ بھی میرے ساتھ تھی۔ الایہ تو رونے لگ گئی۔ لیکن بابا پر کچھ اثر نہ ہوا۔ میں دیکھتا ہوں لگاتار فتوحات حاصل کرنے کے بعد میرے باپ کسی قدر ہٹ دھرمی، ضد اور ظلم کا راستہ اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں انہوں نے روس کے پیٹر اعظم کے احکامات کی نقل جو میں نے ان کے سامنے پیش کی، اسے بھی انہوں نے کوئی اہمیت نہ دی۔ حالانکہ پیٹر اعظم کی وصیت صرف ایران نہیں، سارے

مسلمانوں کے لئے انتہا درجہ کی خطرناک ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی جب خاموش ہوا تب اس کی طرف بڑے غور اور تجسس بھرے انداز میں دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''روس کے سابق بادشاہ پیٹر اعظم کی وصیت میں کیا لکھا ہے؟ اور کیا اس کی نقل تمہارے پاس ہے؟''

اس پر رضا قلی نے الایہ کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''روسی حکمران کی اپنے آنے والے حکمرانوں کے متعلق جو ہدایات ہیں، ان کی نقل میں نے وہ سامنے والے صندوق میں رکھی ہے۔ وہ نکال کر کریم خان کو دو۔''

الایہ اُٹھی اور چند کاغذات پر مشتمل وہ نقل اس نے کریم خان کو تھما دی تھی۔

اُن کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر کریم خان نے سیدھا کیا۔ پھر ان پر لکھی ہوئی تحریر وہ پڑھ رہا تھا۔ پیٹر اعظم نے اپنے آنے والے روس کے حکمرانوں کے نام لکھا تھا:

''میں پیٹر اوّل حکمران روس آئندہ نسلوں، وارثانِ تخت اور قومِ روس کو وصیت کرتا ہوں کہ خداوندِ قوی و برتر یہ چاہتا ہے کہ یہ بات تسلیم کریں کہ روس کی قوم جو ہمیشہ روزِ ازل سے ہدایت حاصل کرتی رہی ہے، اس کو یورپ کی سب سے زبردست قوم بننے کی دعوت دی جا چکی ہے۔ یہ خیال ہمارے ذہن میں اس لئے پیدا ہوا کہ یورپی اقوام جو بیشتر کمزور ہو چکی ہیں یا بہت جلد کمزور ہونے والی ہیں، یورپ کی اس کمزوری سے اب نئی قوموں کو طاقتور ہونے اور ملکوں کو مفتوح کرنے کا موقع حاصل ہوگا اور نئے ممالک بہت جلد طاقت حاصل کر لیں گے۔

میرے نزدیک مستقبل میں روس کی یورپ اور ایشیاء میں پیش رفت ناگزیر ہے۔ فتوحات قدرت نے ہمارے لئے مقرر کر رکھی ہیں بالکل اس طرح جس طرح قدرت نے روسی فوج کو وحشی اقوام کے حملے کے نتیجہ میں نشاۃِ ثانیہ بخشی۔ شمال کی اس پیش رفت کو دریائے نیل کے سالانہ سیلاب سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو مصر کے بعض حصوں کو زرخیز بناتا ہے۔ میں روس کو دریائے نیل کی طرح سمجھتا

ہوں جو زرخیزی لانے کا سبب بنا کرتا ہے۔ میں اس دریا کو اپنے وارثوں کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ وہ اس دریا کو ایک وسیع سمندر بنائیں گے جو قندھار اور یورپ کو زرخیز بنائے گا۔ اگر میرے وارثوں نے یہ جان لیا کہ اس سمندر کا پانی کس طرح استعمال کرنا چاہئے تو کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک سکے گی۔ میں مندرجہ ذیل ہدایات چھوڑ رہا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ ان ہدایات کو مستقل طور پر پیشِ نظر رکھا جائے۔

اوّل: روس کو دائمی جنگ کی حالت میں رکھا جائے تاکہ اس کے سپاہی ہمیشہ تیار رہیں اور انہیں صرف اس وقت آرام کرنے دیا جائے جب ملک کا خزانہ پُر کرنا مقصود ہو یا فوج کو تربیت دینے کی ضرورت ہو۔ حملے کے لئے بہترین موقع چننا چاہئے۔ جنگ کے بعد تھوڑا سا امن اور امن کے بعد پھر جنگ۔

دوئم: یورپ کے ماہروں، سائنس دانوں اور فوجی سربراہوں کو مختلف طریقوں سے روس میں لانا ہوگا تاکہ روس دوسری قوموں سے استفادہ کر کے اپنا نقصان پورا کر سکے۔

سوئم: پولینڈ کو تقسیم کرنا ہوگا۔ اس ملک میں ہمیشہ فساد اور اختلافات پیدا کرنا اور انہیں ہوا دیتے رہنا ہوگا۔ پولینڈ کی پارلیمنٹ کو رشوت کے ذریعہ ناکارہ کرنا ہوگا اور اس کے ذریعہ ان کے اندر اپنے ایجنٹ پیدا کرنے ہوں گے تاکہ ان کی وساطت سے ماسکو اپنی فوج کو اس ملک میں داخل کر سکے۔ اگر پڑوسی ملک احتجاج کریں تو پولینڈ کو تقسیم کرنے کی تجویز پیش کی جائے اور جو حاصل ہو سکے، قبول کر لیا جائے۔

چہارم: جرمنی ہمارا سب سے قریبی ملک ہے۔ اس کے معاملات میں خصوصی دلچسپی رکھنی چاہئے۔

پنجم: سویڈن سے جو کچھ مل سکے، حاصل کر لیا جائے۔

ششم: انگلستان کے ساتھ معاہدہ کرنا مفید ہوگا۔ اس کی بحری طاقت کی ہمیں ضرورت ہے اور ہم اپنی بحریہ کو ترقی دینے کے علاوہ

اپنے جنگلوں کی پیداوار کے عوض انگلستان کا سونا حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح تجارت کے ذریعے ان کے اور ہمارے بحری حملے میں تعلقات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اس سے ہماری جہاز رانی کو فائدہ ہوگا۔

ہفتم: ہمیں اپنے ملک کو شمال میں بالٹک کے ساتھ ساتھ پھیلانا اور جنوب میں بحیرۂ اسود کی طرف وسعت دینا ہوگی۔

ہشتم: جس قدر ممکن ہو، قسطنطنیہ یعنی استنبول اور ہندوستان کے قریب پہنچا جائے۔ ان دو مقامات پر جن کی بھی حکومت ہوگی۔ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہوگا۔ اس لئے مسلسل جنگیں ہوتی رہنی چاہئیں۔ صرف ترکی کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ایران کے ساتھ بحیرۂ اسود کے ساحل پر جہاز رانی کے کارخانے لگانے چاہئیں۔ اس مقصد کے لئے بحیرۂ اسود کے ساحل پر موزوں مقامات قبضہ میں کئے جائیں۔ یہ بات ہمارے مقصد کے حصول کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ ایران کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خلیج فارس تک پہنچا جائے۔ ممکن ہو تو مشرق سے قریب کے ساتھ تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔ اسے اس بات کی طرف مائل کرنا ہوگا کہ وہ روس سے امداد لینے کی درخواست کرے اور ہم اس کو تحفظ مہیا کرنے کے بہانے ایسی صورت پیدا کر دیں کہ بالآخر اس پر قبضہ کیا جائے۔ ممکن ہو تو مشرق قریب کے ساتھ قدیم زمانے کی تجارت کو ازسرِ نو قائم کرو۔ پہلے ہندوستان تک بڑھو۔ یہ دنیا کا خزانہ ہے۔ ہم اس مقام تک پہنچیں گے تو ہمیں انگلستان کی ضرورت نہیں رہے گی۔

نہم: آسٹریا کے شاہی خاندان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رہنے چاہئیں۔ اسے اس بات کی طرف مائل کرنا ہوگا کہ وہ روس سے امداد لینے کی درخواست کرے اور اسے بتا دیا جائے کہ ترکوں کو یورپ سے نکال دے۔

دہم: یونانی باشندے جو ترکی، ہنگری اور پولینڈ میں ہیں، انہیں اپنے مفاد کے لئے جمع کرنا ہوگا اور ہمیں ایسا رویہ اختیار کرنا ہوگا

باہمی دشمنی رکھنے والے مختلف ممالک ہمیں اپنا دوست سمجھیں۔

گیارہویں: جب سویڈن ختم ہو جائے گا، ایران ختم ہو جائے گا تو پولینڈ کو شکست دی جائے گی، ترکوں کو ختم کر لیا جائے گا، اس وقت ہماری فوج مزید مضبوط ہو جائے گی۔ بحیرۂ اسود اور بالٹک ہمارے جہازوں کی حفاظت میں ہوں گے۔ ہمیں چاہئے کہ نہایت خفیہ طور پر پہلے وارسا، پھر ویانا کی حکومت کے ساتھ ایسے معاہدے کریں کہ دنیا پر حکومت میں شریک ہونے پر رضامند ہوں۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ان میں سے صرف ایک ملک ہماری تجویز کو قبول کرے گا۔ اس صورت میں اس کی مدد سے ہم دوسروں کو تباہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد جو ہمارے ساتھ مل جائے گا، اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے اسے بھی ختم کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت تک پورا مشرق و یورپ روس کے قبضہ میں آ چکا ہوگا۔''

یہاں تک پڑھنے کے بعد روس کے پیٹر اعظم کی وصیت ختم ہو گئی تھی۔ ساری وصیت پڑھنے کے بعد کریم خان نے وہ کاغذ دہرے کر کے اپنے سامنے بیٹھی الایا کی گود میں رکھ دیئے۔ پھر انتہائی دکھ بھرے انداز میں کریم خان کہنے لگا۔

''روس کے سابق حکمران کی پالیسی توسیع پسندی اور جارحیت پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ آزاد ملکوں کو آزادی سے محروم کرنا اور اسلام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر حرکت میں آنا بھی روس کے ارادوں میں شامل ہے۔ رضا قلی! میرے بھائی! میں سمجھتا ہوں پیٹر اعظم کی یہ دستاویز تم نے اپنے باپ کو دکھا کر بہت اچھا کام کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں نادر شاہ کو اس پر غصہ اور خفگی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس وصیت کو پڑھ کر تو ہمیں اور محتاط ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ علاقے جن کی سرحدیں روس سے ملتی ہیں، وہاں ہمیں اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا ہوگا ورنہ آنے والے دور میں تو روس اپنی توسیع پسندی کو حرکت میں لاتے ہوئے صرف ہمارے لئے ہی نہیں، ترکی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بھی خطرے کا باعث بن جائے گا۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب میٹھی نگاہوں اور بڑے انہماک سے روزبہ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر چاہت بھرے انداز میں کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''روس کے حکمران پیٹر اعظم کی یہ وصیت پڑھنے کے بعد آپ بھی اس موضوع پر نادر شاہ سے گفتگو نہ کریں۔ ورنہ آپ کے خلاف بھی ان کا مزاج برہم ہو جائے گا۔ میں جانتی ہوں وہ آپ کو اپنا بیٹا سمجھتے ہیں، آپ سے محبت کرتے ہیں لیکن رضا قلی سے بڑھ کر تو کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر رضا قلی پر انہوں نے الزام لگائے ہیں، ان کی بے عزتی کی ہے اور انہیں اپنے پاس سے اٹھ کر چلے جانے کے لئے کہا ہے تو پھر کسی اور کی تو ان کی نگاہوں میں وقعت ہو ہی نہیں سکتی۔''

روزبہ کے ان الفاظ کا جواب کریم خان دینا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر الایہ بول اٹھی اور کہنے لگی۔

''گولی مارو اس موضوع کو۔ کریم بھائی! میں اور رضا قلی تو تمہاری شادی کے سلسلے میں گئے تھے۔ لیکن بابا کا پارہ چونکہ آسمان تک پہنچا ہوا تھا اور وہ انتہائی غضب ناکی کی حالت میں تھے لہٰذا اس موضوع پر تو انہوں نے ہم سے بات ہی نہیں کی۔ بھائی! اگر آپ کی رضامندی ہو تو آج ہی بلکہ اسی وقت آپ کی اور روزبہ کی منگنی کا اہتمام کر دیا جائے۔ دونوں ایک دوسرے کو انگشتریاں پہنا دو۔ اس رسم کے بعد پورے لشکر ہی میں نہیں، اصفہان کے اندر بھی ایک طرح سے منادی کرا دی جائے گی کہ روزبہ اور کریم خان کی منگنی کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور عنقریب دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ اس طرح میرے بھائی! جہاں مجھے سکون ہو جائے گا کہ میری چھوٹی بہن کا گھر آباد ہونے والا ہے، وہاں کچھ لوگوں کی زبانیں بھی بند ہو جائیں گی۔ پھر یہ کہ بہت سے لوگ روزبہ کا رشتہ مانگ رہے ہیں ساتھ ہی کچھ لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ روزبہ کس رشتے ناطے کے تحت کریم خان سے ملتی جلتی ہے۔ جب تم دونوں کی منگنی ہو جائے گی تو پھر روزبہ جب اور جس وقت چاہے تم سے مل سکتی ہے۔''

الایہ جب خاموش ہوئی تب رضا قلی بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''الایہ! میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگر ہمارے بابا کا دماغ ان دنوں خراب ہو چکا ہے، کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہی تو پھر ہم بابا کے مزاج کے ٹھیک ہونے کا انتظار کیوں کریں؟ میں منگنی کے حق میں نہیں ہوں۔ اگر روزبہ اور کریم خاں دونوں تیار ہوں تو میں چاہتا ہوں دونوں کی آج ہی انتہائی سادگی کے ساتھ شادی کر دی جائے اور وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھا رہنا شروع کر دیں۔''

رضا قلی جب خاموش ہوا تو الایہ بڑے غور سے باری باری روزبہ اور کریم خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ساتھ ہی کہنے لگی۔

''اب یہ تو ان دونوں کی رضامندی پر منحصر ہے۔ میں ان پر کوئی فیصلہ نہ تھوپنا چاہتی ہوں نہ ٹھونس سکتی ہوں۔ اب یہ دونوں مل کر فیصلہ کرلیں۔ جیسا یہ پسند کریں گے ہم ایسا ہی کریں گے۔''

جواب میں کریم خان نے بھی ایک گہری نگاہ پہلے روزبہ پر ڈالی۔ روزبہ اس کے اس طرح دیکھنے پر مسکرائی۔ اس موقع پر کریم خان کہنے لگا۔

''کیا ایسا ممکن نہیں مجھے تھوڑا سا وقت دے دیا جائے تاکہ میں اصفہان شہر کے اندر اپنی کوئی معقول رہائش کا انتظام کرسکوں؟ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت میری رہائش مستقر میں ہے۔ ایک کمرہ ہے جس میں، میں رہتا ہوں۔ اس کمرے میں تو میں اپنے ساتھ روزبہ کو نہیں رکھ سکتا۔ میرے پاس معقول رقم بھی ہے۔ میں کوئی مناسب جگہ دیکھ کر خرید لوں گا.....''

کریم خاں اپنی بات مکمل نہ کرسکا اس لئے کہ رضا قلی بول اٹھا۔

''کریم خاں! تم میرے بھائی اور روزبہ میری بہن ہے۔ تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بعد میں سوچیں گے۔ جس عمارت میں تم بیٹھے ہو یہ میری ملکیت ہے اور اس قدر وسیع ہے کہ اس میں کئی خاندان رہ سکتے ہیں۔ یہ بھی سوچو کہ تمہیں اکثر و بیشتر لشکریوں کی کمانداری کرتے ہوئے کسی نہ کسی مہم پر جانا پڑتا ہے۔ اب ہر مہم میں تو تم روزبہ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ میں چاہتا ہوں روزبہ بھی تمہاری بیوی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ اسی عمارت میں رہے۔ تم بھی یہیں رہو۔ عمارت کا آدھا حصہ میرے اور الایہ کے تصرف میں ہوگا اور دوسرا آدھا حصہ تمہارے اور روزبہ دونوں میاں بیوی کے تصرف میں ہوگا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب تم کسی ایسی مہم کی طرف نکلو گے جہاں تم روزبہ کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکو گے تو روزبہ یہاں الایہ، میرے اور ہمارے بچوں کے ساتھ رہتے ہوئے ایک طرح کا تحفظ اور سکون محسوس کرے گی۔''

رضا قلی کے ان الفاظ پر الایہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ہاں..... یہ تجویز سب سے اچھی اور عمدہ ہے۔ دیکھو میری بہن! تم اس سلسلے میں کوئی اعتراض کھڑا نہ کرنا۔''

جواب میں روزبہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

''مجھے اعتراض کھڑا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کریم خاں رضامند ہیں تو ان کی رضامندی ہی میری رضامندی ہے۔''

اس پر جب کریم خاں نے بھی رضامندی کا اظہار کردیا تب اُسی روز انتہائی سادگی کے ساتھ لشکر کے سالاروں اور چند اُمراء کو دعوت دینے کے بعد روزبہ اور کریم خاں کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا تھا اور دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رضا قلی اور الایہ کی حویلی میں رہائش اختیار کر گئے تھے۔

❋❋❋

نادر شاہ ایک روز اصفہان کے قصر میں بیٹھا گہری سوچوں میں غرق تھا کہ اسے کوئی خیال گزرا۔ اپنے قریب رکھی ہوئی لکڑی کی ایک ہتھوڑی اُٹھائی اور قریب ہی لٹکتے ہوئے طشت پر دے ماری۔ کمرے میں گونج دار آواز پیدا ہوئی اور اس آواز کے ردعمل کے طور پر سامنے نادر شاہ کا چوبدار نمودار ہوا اور اسے دیکھتے ہی نادر شاہ کہنے لگا۔

"میں نے سنا ہے اصفہان میں کچھ خوارزمی تاجر داخل ہوئے ہیں۔ دیکھو دو دن پہلے میں اپنے سارے سالاروں سے مشورہ کر چکا ہوں اور اس مشورے کے نتیجہ میں ہی یہ طے پایا تھا کہ دو بڑے شہروں کے خلاف مہم شروع کی جائے۔ ایک بخارا، دوسرا خوارزم۔ جہاں تک بخارا کا تعلق ہے تو اس سے متعلق تو میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اس سے متعلق مجھے کسی سے تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک خوارزم شہر یا اس کے گرد و نواح کا تعلق ہے تو اس سے متعلق تو میں بالکل لاعلم ہوں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم بازار جاؤ۔ خوارزمی تاجروں میں سے کسی ایسے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ جو صاحب علم ہو اور خوارزم سے متعلق تفصیل کے علاوہ اس کی مستند تاریخ پر روشنی ڈال سکے۔ اس شخص سے کہنا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو ہمارا بادشاہ تمہیں انعام سے خوب نوازے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہو گیا تب چوبدار نے جھک کر نادر شاہ کو تعظیم دی، اس کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

نادر شاہ وہیں بیٹھ کر انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چوبدار ڈھلی عمر کے ایک شخص کو پکڑ کر لایا۔ نادر شاہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس سے پُر جوش مصافحہ کیا۔ اپنے قریب بٹھایا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز! پہلے اپنا نام بتا اس کے بعد میں تم سے خوارزم شہر کے متعلق تفصیل جاننا پسند کروں گا۔"

اس پر اُس بوڑھے نے ایک غائر نگاہ نادر شاہ پر ڈالی۔ کہنے لگا۔ "اے بادشاہ! میرا نام صدر الدین ہے۔ ذات کا ترک ہوں۔ خوارزم کا رہنے والا ہوں۔"

"تمہارے بولنے کے انداز سے لگتا ہے صاحب علم بھی ہو۔" نادر شاہ نے بھی اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ صدر الدین مسکرا دیا۔ جواب کچھ نہ دیا۔ یہاں تک کہ نادر شاہ پھر کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لئے خوارزم کی تاریخ بیان کرو۔ میں نے اس شہر کا بڑا شہرہ سن رکھا ہے اور اس سے متعلق تفصیل نہ جاننا میں سمجھتا ہوں صرف لاعلمی نہیں جہالت بھی ہے۔ میں اس جہالت سے نکلنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میرے سامنے خوارزم شہر کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کرو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب بوڑھے صدر الدین نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس کے بعد نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "اے بادشاہ! خوارزم شہر اول دن سے ہی علوم و فنون، تہذیب و تمدن کی پیش رفت میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چونکہ اس مردم خیز خطے سے وقتاً فوقتاً بڑے بڑے جلیل القدر علماء اُٹھے جنہوں نے اس شہر اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو شہرتِ دوام بخشی۔ خوارزم جہاں ایک شہر کا نام ہے پہلے یہ ایک ریاست کا نام بھی ہوا کرتا تھا اور اس ریاست کے دو دارالخلافہ تھے۔ ایک دریائے آمو کے مشرقی کنارے پر ترکستان کی حدود میں اور دوسرا مغربی کنارے پر۔ اول الذکر کا نام کاش اور آخر الذکر کا نام جرجانیہ یا اُورگنج تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں کاشکا شہر دریا کی طغیانی کی نظر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد دریا کے کنارے سے کافی فاصلے پر اسی نام کا ایک اور شہر بسایا گیا۔ جس طرح قدیم شہر کے بازار کے عین وسط سے پانی کی نہر گزرتی تھی، جدید شہر بھی اسی سہولت سے بہرہ ور تھا اور تقریباً تمام گلی کوچوں سے چھوٹی چھوٹی نہریں گزرتی تھیں۔

اس شہر کی تعمیر کے بعد بمشکل ایک صدی گزری ہو گی کہ یہ نیا شہر بھی دریا کی لپیٹ میں آ گیا اور اکثر باشندے شہر و گھر بار چھوڑ کر دریائے آمو کے مغربی کنارے پر آباد

دوسرے شہر میں منتقل ہو گئے۔

اے بادشاہ! جب مسلمانوں کے عظیم اور محترم سالار قتیبہ بن مسلم نے 93ھ میں کاش شہر کو فتح کر کے اسے اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا تھا اس کے بعد اس کی سابق رونق پھر سے عود کر آئی اور اس کا نام کاش سے بدل کر المنصوریہ رکھ دیا گیا۔

لیکن یہ صورت بہت عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ دریا نے پھر اپنی گزرگاہ بدل لی اور لوگ شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ دریائے آمو کی طغیانی کی وجہ سے منصوریہ کی بربادی پھر عمل میں آ گئی۔ دوسرے کنارے پر جرجانیہ نام کا جو شہر تھا اس شہر کی آبادی میں المنصوریہ کی بربادی کی وجہ سے اضافہ ہو گیا تھا۔ نیز چونکہ ترکستان کے تجارتی قافلوں کی زیادہ تر آمد و رفت اسی راستے سے ہوتی تھی جہاں جرجانیہ نام کا شہر تھا اس لئے یہاں تجارتی شہر کی بہت بڑی منڈی قائم ہو گئی۔ بعد میں جب حکومت کے کاروبار کے سارے ادارے بھی یہاں آ گئے تب جرجانیہ کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد جرجانیہ کا لفظ زبانوں سے اُتر گیا اور اس شہر ہی نہیں بلکہ اس پورے علاقے کو خوارزم کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔

منگولوں کے حملے سے پہلے شہرہ آفاق جغرافیہ دان یعقوب حمودی خوارزم شہر میں داخل ہوا۔ شہر کا اس نے بڑے غور سے جائزہ لیا۔ خوارزم شہر سے متعلق وہ لکھتا ہے کہ میں نے اتنا عظیم و خوبصورت اور دولت مند شہر اور کہیں نہیں دیکھا۔"

جب منگولوں کے حملوں کے کچھ عرصہ بعد مشہور عالم سیاح ابنِ بطوطہ یہاں سے گزرا تو اس وقت تک خوارزم شہر اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو پھر سے حاصل کر چکا تھا اور منگولوں کی تباہی اور بربادی کے آثار تقریباً مٹ چکے تھے۔

لیکن نامہربان زمانے کے ترکش میں حوادث اور مصائب کے کچھ اور تیر باقی تھے جنہیں اس سخت جان شہر کے سینہ میں پیوست کیا جانا تھا۔ چنانچہ وحشی اور نامہربان تیمور لنگ نے آٹھویں صدی ہجری کی آخری دہائی میں خوارزم شہر پر حملہ کر دیا اور اہلِ شہر محصور ہو گئے۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔ جب یہ عاجز آ گئے اور شہر فتح ہو گیا تو تیمور لنگ نے اپنے مؤرثِ اعلیٰ یعنی چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی تقلید میں شہر کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔

لیکن چونکہ عسکری نقطہ نگاہ سے خوارزم کی جائے وقوع خاص اہمیت کی حامل تھی اور

اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے کچھ عرصہ کے بعد تیمور لنگ نے ازسرِ نو شہر کو تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ لوگ جو تیمور لنگ کے حملے کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگے تھے وہ دوبارہ واپس خوارزم شہر میں آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد صدر الدین نام کا وہ تاجر رکا۔ پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

"اے بادشاہ! خوارزم کے بعد ایک اور بڑا شہر تھا جس کا نام خیرہ تھا اور جو دریائے آمو کے جنوبی کنارے پر واقع تھا اور اس دریا سے ایک نہر کاٹ کر اس شہر کی زمینوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔ تیمور لنگ کے بعد جب ازبک خاندان کو عروج حاصل ہوا تو اس شہر کی اہمیت کہیں زیادہ ہو گئی

خوارزم کے قریب ہی ایک تیسرا شہر بھی ہے نام اس کا ہزار اسپ ہے۔ ہزار اسپ کا شہر اس علاقے میں تیسرے نمبر پر آتا تھا جو دریائے جیہون کے شمالی کنارے پر واقع تھا۔ شہر کی اراضی بھی اسی دریا کے پانی سے سیراب ہوتی تھی۔ یعقوب حمودی جب اس شہر سے گزرا تو اس کی رونق پورے شباب پر تھی اور اس منڈی میں انواع و قسام کے تجارتی سامان فروخت ہوا کرتے تھے۔

ہزار اسپ اور اس کے قریب ہی ایک دوسرے شہر تریہ کے درمیان تین چھوٹے چھوٹے مزید شہر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک کا نام جگڑ بند تھا جس کے اردگرد پھلوں کے باغات تھے۔ دوسرے کا نام درگان تھا جس کے چاروں طرف صرف انگوروں کے باغات تھے۔ تیسرے کا نام صدور تھا جو عین دریا کے کنارے پر واقع تھا۔

چونکہ دریائے جیہون کے آس پاس کی زمین سطح آب کے متوازی واقع ہوئی تھی اس لئے دریا کے دونوں کناروں سے نہریں کاٹ کر یہ زمینیں سیراب کی گئی تھیں جن سے علاقے کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

مشرقی کنارے سے جو نہر نکالی گئی تھی وہ تو اتنی بڑی تھی کہ اس میں کشتیاں چلتی تھیں اور شمال میں دور دور تک اس سے آبپاشی کا کام لیا جاتا تھا۔ مغربی کنارے سے جو نہریں نکالی گئی تھیں ان کی تعداد کافی زیادہ تھی اور ان سے ہزار اسپ اور خیوہ کے درمیان کا سارا علاقہ سیراب ہوتا تھا جس کی وجہ سے عوام بڑے خوشحال تھے۔

اس علاقے کی زرعی پیداوار اناج اور دالوں پر مشتمل تھی۔ کپاس بھی کافی مقدار

میں وہاں ہوتی ہے۔ اس کے سرسبز مرغزاروں اور چراگاہوں میں بھیڑوں کے بڑے بڑے ریوڑ چرتے دیکھے جا سکتے ہیں اور ترکستان اور خراسان کے تجارتی قافلے اس کی منڈیوں میں کھنچے چلے آتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد صدر الدین نام کا وہ تاجر رکا، دم لیا، دوبارہ وہ نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''خوارزم شہر کو اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس نے مغربی ایشیاء میں تہذیب و تمدن کی نشوونما میں نہایت شاندار کردار ادا کیا ہے۔ خوارزم شاہ اس ریاست کے حاکم اعلیٰ کا لقب تھا۔ جب عربوں نے اس علاقے کو فتح کیا تو اس وقت بھی یہاں کے حاکم خوارزم شاہ ہی کہلاتے تھے۔ بعد میں بھی یہ سلسلہ جلال الدین خوارزم شاہ کی وفات تک جاری رہا۔ مرکزی ایشیاء میں یہ واحد مثال ایسی ہے کہ جس میں عہد جاہلیت کا ایک فرمانروائی لقب اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک استعمال ہوتا رہا۔

اس شہر سے متعلق البیرونی لکھتا ہے کہ کیخسرو پہلا شہنشاہ تھا جس نے اس ریاست کے فرمانروا کو خوارزم شاہ کا لقب عطا کیا تھا۔ گویا اس نے سکندر اعظم کے حملے سے 980 برس پہلے اس ریاست کو یہ نام دیا تھا۔ چونکہ البیرونی کے سوا اور کہیں یہ روایت نہیں ملتی اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں صداقت کا کتنا عنصر ہے۔

اے بادشاہ! اسی شہر سے متعلق علامہ طبری لکھتا ہے کہ جب قتیبہ بن مسلم نے ترکستان پر چڑھائی کی تو اس وقت کے خوارزم شاہ کے بھائی کا نام خرزاد تھا۔ اصل خوارزم شاہ جس کا نام کسی کو معلوم نہیں وہ اُس وقت عضو معطل کی طرح خوارزم میں پڑا ہوا تھا۔ جب یہ علاقہ اسلامی خلافت کے تحت آ گیا تو ظاہر ہے کہ اس ریاست کا فرمانروا بھی اسی لقب کے ساتھ دربارِ خلافت سے وابستہ ہو گیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ تاریخ اس سلسلے میں رہنمائی سے قاصر ہے۔

اے بادشاہ! مؤرخ بیہقی، ابو ریحان البیرونی کے حوالے سے ہی شہر سے متعلق لکھتا ہے کہ خوارزم کا علاقہ اس وقت سے ایک علیحدہ ریاست کی صورت میں چلا آ رہا ہے جب ایران کا بادشاہ بہرام گور تھا اور اس کے ایک رشتہ دار نے موقع پا کر اس پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر بعد میں عرب اس پر قابض ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ ترکستان کی

تاریخ میں ان لوگوں کا کردار کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے مؤرخین نے انہیں قابل اعتماد نہیں گردانا۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ 944ء میں ایک شخص جس کا نام ابوسعید محمد تھا خوارزم شاہ کے نام سے جانا پہچانا گیا۔ تاریخ کے اوراق میں اس کا ذکر ملتا ہے اور امیر ساسانی کی طرف سے وہ وہاں فرائضِ حکومت انجام دیا کرتا تھا۔ لیکن مختصر سے عرصہ کے بعد ابوسعید نے امیر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا اور محصور ہو گیا۔ جب امیر کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک عسکری سالار کو جس کا نام ابراہیم تھا لشکر دے کر خوارزم شاہ کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا لیکن سوئے اتفاق سے کماندار راستہ میں مر گیا اور لشکر واپس آ گیا۔ امیر ساسانی نے ایک اور ترک سردار کو لشکر دے کر اس مہم پر روانہ کیا چنانچہ جب خوارزم شاہ نے محسوس کیا کہ وہ مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا تو اس نے امیر سے معافی مانگ لی۔

اے بادشاہ! حکمرانوں کے بدلنے سے اس شہر کی آب و تاب وہی رہی۔ 585ء میں خوارزم کی ریاست ابوعبداللہ بن محمد کی تحویل میں تھی۔ اس کے ایک بھائی کا نام مامون بن احمد تھا۔ اس نے خوارزم پر چڑھائی کر کے ابوعبداللہ کو قتل کر دیا اور خود فرمانروا بن بیٹھا۔ یہ خان جس کا نام فری کون تھا بہت عرصہ تک اس کا حکمران رہا۔ جب دو سال بعد مامون فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا علی باپ کا جانشین ہوا۔ یہ شخص سلطان محمود غزنوی کا داماد تھا اور سلطان اس کا بڑا احترام کرتا تھا۔

جب اس نے وفات پائی اور اس کے بھائی ابوعباس بن مامون نے خوارزم شاہی کا تاج سر پر رکھا تو سلطان سے درخواست کی کہ اسے اپنے بھائی کی بیوہ سے نکاح کی اجازت دی جائے۔ سلطان محمود غزنوی نے خاصی پذیرائی کی۔ 1017ء میں سلطان نے ابوالعباس خوارزم شاہ کو لکھا کہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں اس کا نام لیا جائے اور ریاست پر اس کا اقتدارِ اعلیٰ تسلیم کر لیا جائے۔ ابوالعباس نے امرائے دربار سے مشورہ کیا تو سب نے سلطان کی سیادت ماننے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس گفتگو کے دوران انہوں نے خوارزم شاہ کے عندیہ کو سمجھ لیا تھا اس لئے جونہی سلطان کے قاصد دربار سے رخصت ہوئے تو امراء نے سازش کر کے ابوالعباس کو قتل کر دیا اور اس کی جگہ اس کے بھتیجے کو جس کا نام ابوالعباس بن علی تھا ریاست کا سربراہ مقرر کر دیا۔

جب سلطان کو اپنے بہنوئی کے قتل کی خبر موصول ہوئی تو وہ ایک جرار لشکر لے کر بہ

ارادۂ انتقام غزنی سے روانہ ہوا۔ چونکہ خوارزمیوں کو سلطان کے حملے کا یقین تھا اس لئے انہوں نے بھی مقابلے کے لئے تیاری میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ جب سلطان قریب پہنچا تو التنگین نامی ایک ترک کماندار بھاری فوج لے کر سلطان کے مقابلے کے لئے نکلا اور شدید جنگ چھڑ گئی۔ اگرچہ خوارزمیوں نے سلطان کے مقابلے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی لیکن سلطان کی طوفانی یلغار کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ کثیر تعداد میں آدمی مارے گئے۔ جو گرفتار ہوئے سلطان انہیں اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ سلطان کی کمانداری میں وہ مختلف محاذوں پر لڑتے رہے اور خوارزم کا انتظام ایک ترک سردار اتون تاش کے سپرد ہوا جو سلطان کا حاجب ہوا کرتا تھا۔

سلطان کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹوں مسعود اور محمود میں ٹھن گئی تو مارواے نہر کے حکمران علی تگین نے یہ دیکھ کر کہ سلطان کے جانشین آپس میں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں ریاست پر حملہ کر کے اس کے بعد اضلاع کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

جب سلطان مسعود کو اُدھر سے فراغت ملی تو اس نے خوارزم شاہ کو حکم دیا کہ وہ مارواے نہر پر حملہ آور ہو کر علی تگین کو اس کی شرارت کا مزہ چکھائے۔ چنانچہ خوارزم شاہ نے اپنے مفتوحہ اضلاع واپس لے کر مارواے نہر کے کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ اضلاع بالکل غیر آباد تھے اس لئے جب سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود کے علم میں یہ بات لائی گئی تو اس نے خوارزم شاہ کو حکم دیا کہ جن علاقوں پر اس نے قبضہ کیا ہے وہاں سے لشکر واپس بلا لیا جائے اور غیر آباد علاقہ واگزار کر دیا جائے۔

علی تگین کو بھی اس منصوبہ کا علم ہو گیا۔ چنانچہ جب خوارزم شاہی لشکر واپس ہوا تو علی تگین نے لشکر کے عقبی حصہ پر حملہ کر دیا۔ سخت جنگ ہوئی لیکن چونکہ وہ خوارزم شاہی لشکر کے حریف نہیں ہو سکتے تھے اس لئے وہ مقابلے سے ہٹ کر ایک قریبی شہر دبوسیہ میں محصور ہو گئے۔ بعد میں جب علی تگین نے دیکھا کہ وہ زیادہ دیر تک محصور نہیں رہ سکے گا تو اس نے خوارزم شاہ سے معافی مانگ کر صلح کر لی۔

خوارزم شاہ اس جنگ کے دوران زخمی ہو گیا تھا چنانچہ وہ کچھ عرصہ بعد بیمار رہ کر فوت ہو گیا۔

اتفاق سے انہی دنوں سلطان مسعود کا وزیر حسن مہندی فوت ہو گیا اور احمد بن محمد کو دوبارہ غزنی میں وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان سونپ دیا گیا۔ احمد دربارِ خوارزم سے روانہ ہوا تو اپنے لڑکے کو جس کا نام عبدالجبار تھا خوارزم کی خدمت میں بطورِ مشیر اور وزیر اور جانشین مقرر کرتا گیا۔ چند دنوں کے بعد ہی خوارزم شاہ اور عبدالجبار کے تعلقات خوشگوار نہ رہے۔ چونکہ وزیر ہر چھوٹے بڑے معاملے میں دخل اندازی کرتا تھا اس لئے امرائے دربار نے تنگ آ کر خوارزم شاہ کو مشورہ دیا کہ وہ سلطان کے خلاف بغاوت کر کے بے تدبیر وزیر کو موت کے گھاٹ اتار دے۔ چنانچہ خوارزم نے سلطان کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ چونکہ عبدالجبار کو خوارزم شاہ کے ارادے کا علم ہو چکا تھا اس لئے گرفتاری سے بچنے کے لئے وہ روپوش ہو گیا۔

چنانچہ اس دوران مفسدوں اور فساد پردازوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے مشہور کر دیا کہ خوارزم شاہ کی بغاوت میں احمد بن محمد سابق وزیر برابر کا شریک ہے اور اس کی شہ پر ہی خوارزم شاہ نے دربارِ غزنی کے خلاف یہ انتہائی اقدام کیا ہے اور اس طرح موجودہ وزیر کی روپوشی پر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عمل کیا گیا۔ جب سلطان کو ان امور کا علم ہوا تو اس نے خوارزم پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لشکر لے کر روانہ ہوا۔ جاڑے کا موسم شروع ہو چکا تھا اور برف باری کی وجہ سے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ چونکہ خوارزم تک رسائی انتہائی مشکل تھی اس لئے سلطان نے وقتی طور پر جرجان کا رخ کیا تاکہ جاڑہ وہاں بسر کرنے کے بعد بہار کے موسم میں خوارزم پر حملہ آور ہو۔"

صدر الدین لمحہ بھر کے لئے رکا پھر وہ نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"خوارزم شاہ کے دربار میں بعض اُمراء ایسے بھی تھے جو غزنی کے سلطان کے مخلص اور ہمدرد تھے۔ ان میں سے ایک امیر نے موقع پا کر خوارزم شاہ کو قتل کر دیا اور روپوش عبدالجبار کو جب خوارزم شاہ کے قتل کا علم ہوا تو وہ جرجان سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور تمام واقعات گوش گزار کئے۔ جب اور ذرائع سے بھی وزیر کے بیان کی تصدیق ہو گئی تو سلطان کے شبہات اپنے وزیر احمد بن محمد کے بارے میں رفع ہو گئے اور غلط افواہوں کا اثر زائل ہو گیا۔

اس کے بعد عبدالجبار کو حکم دیا کہ ریاست کی زمامِ اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر حکومت کے کاروبار کو سنبھالے لیکن سلطان کی تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔ کیونکہ مقتول

خوارزم شاہ کے غلاموں نے بغاوت کر کے عبدالجبار کو قتل کر دیا اور ایک شخص اسمٰعیل کو خوارزم کا حکمران بنا دیا۔ بعد میں سلطان کی سیادتِ اعلیٰ کے خلاف بھی بغاوت کر دی۔

جب سلطان کو ان افسوس ناک واقعات کا علم ہوا تو اس نے ایک شخص شاہ ملک بن علی کو جو خوارزم سے ملحقہ علاقوں کا حاکم تھا لکھا کہ وہ خود ساختہ خوارزم شاہ کی مناسب گوشمالی کرے۔

شاہ ملک نے تعمیلِ حکم میں خوارزم پر لشکر کشی کی۔ چونکہ خوارزم شاہ مقابلے کی تاب نہ لا سکتا تھا اس لئے وہ بھاگ کر ایک قریبی حکمران طغرل بیگ کے پاس چلا گیا۔ جب سلطان کو خوارزم شاہ کے فرار اور طغرل بیگ کے ہاں اس کی پناہ گزینی کا علم ہوا تو اسے یقین ہو گیا کہ آخر الذکر ضرور خوارزم شاہ کی امداد کرے گا۔ اس لئے سلطان نے اپنے بیٹے مودود کو شاہ ملک کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ شاہ ملک اور مودود دونوں طغرل کے خلاف حرکت میں آئے۔ شدید جنگ چھڑ گئی جس میں مودود کو شکست ہوئی۔ اس موقع پر غزنی کا سلطان مسعود بھی قتل ہو گیا اور حالات اب حد درجہ نازک ہو گئے۔ مودود اب اپنی باقی ماندہ عسکری طاقت کو لے کر غزنی واپس چلا گیا اور شاہ ملک طغرل بیگ کی ملازمت میں شامل ہو گیا۔

یہ خوارزم شاہی سلسلہ کوئی تقریباً ڈیڑھ صدی تک جاری رہا۔ اس ریاست میں فرمارواا مکمل طور پر آزاد اور خود مختار نہیں تھا۔ کچھ عرصہ تک یہ لوگ سامانیوں کے ماتحت رہے پھر غزنیوں کے۔ اس عرصہ میں ان میں سے بعض نے خود مختاری کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

اے بادشاہ! بلاشبہ خوارزم شاہی سلسلے کے بعض سلاطین کچھ عرصہ تک سلجوقیوں اور ترکانِ خطا کے باج گزار بھی رہے۔ لیکن انہوں نے اپنی خود مختاری کو متاثر نہیں ہونے دیا۔ گویا یہ ان کی سیاسی چال تھی جس سے حسب ضرورت وہ فائدہ اٹھا لیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس ظاہرداری کی ضرورت نہ رہی تو انہوں نے بلا تکلّف اس طوقِ عذاب کو اتار پھینکا اور خراج وصول کرنے والی حکومتیں ان کا بال تک بھی بیکا نہ کر سکیں۔

اے بادشاہ! اب بھی خوارزم شاہی ریاست کا مرکزی شہر خوارزم ہے۔ آزاد ہے۔ گو اس کی عسکری طاقت کچھ زیادہ نہیں لیکن چونکہ اس کے اردگرد کی زمین بڑی زرخیز ہے، دریائے آمو سے چونکہ نہریں نکال کر ساری زمین کو آباد کیا گیا ہے اس بناء پر

علاقہ زرخیز ہونے کی وجہ سے فصلیں بڑی عمدہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے یہ ریاست امیر زمین خیال کی جاتی ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد صدر الدین رکا۔ دم لیا پھر غور سے نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اے بادشاہ! خوارزم سے متعلق میں جس قدر حالات جانتا تھا وہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں۔"

جواب میں نادر شاہ نے اپنے چوبدار کو بلایا۔ اس سے نقدی طلب کی۔ وہ نقدی اس نے انعام کے طور پر تاجر صدر الدین کو دی اور اسے رخصت کر دیا تھا۔

نادر شاہ ایک بار پھر اپنا لشکر لے کر مہم جوئی کے لئے نکلا۔ سب سے پہلے اس نے بخارا کا رخ کیا۔ یہاں ازبک زور پکڑ رہے تھے اور ازبکوں کی سرکوبی کے لئے ہی اس نے بخارا کا رخ کیا تھا۔ ازبک قبائل نے دریائے آمو سے پار چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ سب حکمران آپس میں قرابت دار تھے۔ بخارا اور خوارزم ان کے بہت بڑے مراکز تھے۔ ازبک ان علاقوں سے اٹھ اٹھ کر خراسان میں لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ ازبکوں کے خلاف لشکر کشی کا آغاز کرنے کے لئے نادر شاہ نے بخارا کا رخ کیا جہاں کا حکمران ان دنوں ایک شخص ابوالفیض تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ نادر شاہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر بخارا پر حملہ آور ہونے والا ہے تب اس نے مقابلے کی تاب نہ پا کر نادر شاہ کی اطاعت اختیار کر لی اور خود چل کر نادر شاہ کے پڑاؤ میں آیا۔ نادر شاہ نے اُس کا پُر تپاک خیر مقدم کیا اور بخارا کی حکومت اس کو سونپ دی۔

بخارا کے بعد اب نادر شاہ نے دوسرے بڑے شہر خوارزم یا خیوا کا رخ کیا۔ یہاں نادر شاہ کو سخت اور خونی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں کے ترکوں نے خوارزم شہر سے باہر نکل کر نادر شاہ کا مقابلہ کیا۔ ایک خون ریز معرکہ ہوا جس میں نادر شاہ کے بھی کافی لشکری مارے گئے۔ آخر میں خوارزم کا وہ لشکر پسپا ہو گیا۔ اس طرح یہاں بھی نادر شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔

بخارا اور خوارزم کی مہموں سے فارغ ہو کر نادر شاہ قلعہ قلات کو روانہ ہوا جو اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ وہاں اس نے ایک شاہی محل تعمیر کرایا اور اپنا خزانہ اس میں محفوظ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے مشہد شہر کا رخ کیا اور وہاں اپنی فتوحات کی یاد منانے کے

لئے جشنِ عظیم برپا کیا۔

اہلِ شہر نے والہانہ طور پر خوشیاں منائیں۔ یہ زمانہ نادر شاہ کے عروج کا تھا۔ اس نے صرف پانچ سال کی مختصر سی مدت میں زندگی کی بڑی بڑی مہمیں سر کر لی تھیں۔

سب سے پہلے اس نے اصفہان پر فتح پا کر ایران سے افغانوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ حسین غلزئی کو مغلوب کر کے قندھار فتح کیا پھر دہلی کی فتح اور محمد شاہ کو حکومتِ دہلی کی واپسی اس کا عظیم کارنامہ تھی۔ ترکوں کو وہ دو بار شکست دے کر دیرینہ کھوئے ہوئے علاقے واپس لے چکا تھا۔ نادر شاہ کے زمانے میں ایرانی مملکت یقیناً صفویوں کے زمانے سے کہیں زیادہ وسعت اختیار کر چکی تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان فتوحات نے نادر شاہ کو بہت مغرور بنا دیا۔ آخری ایام میں اس نے ظلم و ستم کا ہاتھ کچھ اس طرح دراز کیا کہ اس کے اعمال نامہ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ ظلم اور ستم کا اضافہ ہو گیا۔ اس لئے وہ لوگ جنہیں اس نے افغانوں سے رہائی دلائی تھی اس سے نفرت کرنے لگے۔

نادر شاہ کی زندگی کے سرسری مطالعہ سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ پیدائشی طور پر لیڈر تھا۔ اس نے زورِ بازو سے اپنا راستہ بنایا۔ وہ بہت بہادر اور آہنی عزم کا مالک تھا۔ جس بات کا ارادہ کر لیتا دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہ سکتی تھی۔ شروع شروع میں اس نے بہت فیاضی اختیار کی۔ راہزنی سے حاصل کی ہوئی دولت سے ساتھیوں کی تن پروری کی۔ ہندوستان کے معاملے میں نادر شاہ نے احتیاط کو پیشِ نظر رکھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہند کی وسیع سلطنت کو قابو میں رکھنا اور ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں آباد ہوں اور جہاں کے لوگوں کی زبانیں الگ الگ ہوں، جہاں زندگی کے آداب جدا جدا ہوں، پائیدار حکومت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اس لئے اس نے صرف یہی کوشش کی کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے۔ دوسروں کا ملک حاصل کرنے کی اسے طمع نہ تھی۔ اپنی کوئی لڑائی اس نے محض جنگجوئی کی غرض سے نہیں کی۔ کسی پر حملہ اس نے بلا سبب نہیں کیا۔ افغانوں سے جنگ کی تو ملک کو حکومتِ غیر سے نجات دلانے کیلئے کی۔ عثمانیوں سے نبرد آزما ہوا تو ایرانی علاقے واپس لینے کے لئے۔ قبائلیوں پر لشکر کشی کی تو روز روز کے حملوں سے ملک کو بچانے کی خاطر اس نے ایسا کیا۔ امیر بخارا اور والی خوارزم سے جنگ کی تو اپنی حدود کو

محفوظ رکھنے کے لئے کی۔ نادر شاہ نے حتی الوسع قتل و خون ریزی سے پرہیز کیا۔ دہلی میں قتل عام ہوا تو محض اہل دہلی کی انگیختگی کی وجہ سے ہوا تھا۔

نادر شاہ نے اب لزکی قبائل کی طرف توجہ دی اور ان پر حملہ آور ہو کر انہیں اپنا ماتحت بنانا چاہا۔ اس کی وجہ اس لئے پیش آئی کہ جن دنوں نادر شاہ اپنی ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا تو لزکی جو بنیادی طور پر ترک تھے اور داغستان کے آس پاس اور اس کے نواح میں آباد تھے انہوں نے شورش برپا کی اور نادر شاہ کے کچھ علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ نادر شاہ اس وقت ہندوستان میں تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو لزکیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے کہا لیکن لزکی جو داغستان کے آس پاس آباد تھے وہاں کے جنگجو اور نہایت ہنر مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے نادر شاہ کے بھائی کو بدترین شکست دی اور جنگ کے دوران نادر شاہ کے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اب نادر شاہ نے اپنے بھائی کا انتقام لینے کے ساتھ ساتھ اس عزم کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ لزکیوں کا رخ کیا کہ وہ لزکیوں کو بدترین شکست دے گا اور ان کا قتل عام کر کے ان سے اپنے بھائی کا انتقام لے گا۔

دوسری طرف لزکی بھی جان چکے تھے کہ نادر شاہ ایک جرار لشکر لے کر ان کی سرکوبی کے لئے کوچ کر چکا ہے لہٰذا نادر شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے بھی اپنے آپ کو مستعد کر لیا تھا۔

نادر شاہ کو چونکہ اب تک لگاتار فتوحات کا سامنا ہوا تھا لہٰذا وہ اپنے آپ کو ناقابل تسخیر خیال کرنے لگا تھا۔ وہ اس ظن و گمان میں پڑ گیا تھا کہ کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ اسی زعم میں اس نے ایک جرار لشکر کے ساتھ بحیرۂ خزر کا رخ کیا تھا تاکہ نہ صرف یہ کہ لزکیوں سے اپنے مرنے والے بھائی کا انتقام لے بلکہ لزکیوں کو شکست پر شکست دے کر انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا کر رکھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ جس وقت نادر شاہ بحیرۂ خزر کے شمال مغربی کونے کے قریب پہنچا وہاں ایک کھلی وادی میں اس نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ علاقہ داغستان تک لزکیوں کا تھا۔ وہاں جب نادر شاہ نے کسی لزکی لشکر کو اپنا سامنا کرتے نہ دیکھا تب اس نے خیال کیا کہ شاید لزکیوں کو اس کی آمد کی اطلاع ہو چکی ہے اور وہ اس کے خوف سے دور دراز کی سرزمینوں کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ اس لئے وہاں سناٹا ہی

سناٹا، خاموشی ہی خاموشی، ویرانی ہی ویرانی تھی۔

چنانچہ جب نادر شاہ کا حکم ملنے کے بعد اس کے لشکر پڑاؤ قائم کرنے لگے تب شمال کی طرف سے ایک قیامت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ لزکیوں کا ایک لشکر عمر کی سانسوں کا تسلسل توڑ کر لازوال، بے روک قوت اور ساری خود حفاظتی کو فراموش کر کے خستہ کر دینے والی برفانی ہواؤں کی طرح نمودار ہوا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ جنگجو لزکی نادر شاہ کے لشکر پر تصورات کی دنیا میں سوزِ حیات کے اضطراب، لمحوں کے لباس، خوں سے تر کر کے نا رسائی کے خون رنگ غبار اور نفرتوں کے عہد نو میں آہوں بھرا شور کھڑا کرتی ستم گزیدہ ہواؤں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

چونکہ نادر شاہ کے لشکریوں نے لزکیوں کو دور سے آتے دیکھ لیا تھا لہٰذا انہوں نے پڑاؤ قائم کرنا ترک کر دیا تھا۔ اپنے ہتھیار سنبھال کر جوابی کارروائی کے لئے وہ بھی تیار ہو گئے تھے۔ چنانچہ لزکیوں کا سامنا کرتے ہوئے نادر شاہ اور اس کے لشکری بھی انسانیت فریاد کناں کرتی قضاء کی سنسنی خیزیوں کی طرح حرکت میں آئے۔ پھر وہ بھی لزکیوں پر اعصاب کو شل کرتے دُکھوں کے ان گنت جھکڑوں، عقل و شعور میں خون کی تاثیر پیدا کر دینے والے گرم صحراؤں میں بھاگتے ہیولوں اور زندگی کے خمار تک سے محروم کرتے جبر و قہر مانیت کے افسانوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

یوں ان کوہستانی سلسلوں کے اندر لزکیوں اور نادر شاہ کے لشکر کے ٹکرانے سے جہر کے فتور اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ قدرت کے قہر نے چاروں طرف ابتلاؤں کے ہجوم، خوف و زہر آلود طوفان کھڑے کر دیئے تھے۔

میدانِ جنگ میں اب حلق کڑوے، زبان کے ذائقے تلخ، اُترتے چہروں کا رنگ خاکی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ موت زبانوں کو بے نطق، بصارت کو بے نور اور سماعت کو منجمد کرنے لگی تھی۔

جس وقت نادر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ لزکیوں پر اپنی طاقت اور قوت سے ضرب لگا رہا تھا اور اُسے یہ اُمید تھی کہ تھوڑی دیر تک وہ لزکیوں کو بدترین شکست دینے کے بعد انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا عین مغرب کی طرف سے بھوکی گِدھوں کی طرح لزکیوں کا ایک اور لشکر نمودار ہوا اور وہ نادر شاہ کے لشکر کے پہلو پر دشتِ ویران میں فکر سے سفینوں کو بے سکون کرتے سوالات، تلخ و تاریک دور میں پارہ پارہ اور زخموں سے

چھلنی کرتی بے نام وحشتوں کی کالی صدیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح نادر شاہ کے لشکر پر دو طرفہ حملے شروع ہو گئے تھے جس کے باعث میدانِ جنگ کی حالت بڑی تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ کوہستانوں سے جڑی ہوئی اس وادی کے اندر قضا کے قہر، ناکامیوں کے سراب، جدائی کی رُتیں، مجبوریوں کے دکھ، برستی نفرتیں، اعصاب کی مسافتیں، نا اُمیدیوں کے خواب، ملامتوں کے لمحے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ نادر شاہ نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ لازوال اور بے روک قوت اور تلخیوں اور محرومیوں بھرے ارادوں کی طرح لزکیوں پر ضربیں لگا کر اپنی کامیابی اور ان کی شکست کو یقینی بنا دے لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ نادر شاہ کو اپنی ناکامی اور شکست سامنے دکھائی دینے لگی تھی۔ اس صورتِ حال نے اس کے لشکریوں پر بھی گھبراہٹ، خوف اور وحشت طاری کر دی تھی۔ اس لئے کہ لزکی درندوں کی طرح دھاڑتی ہواؤں اور سمندری آندھیوں کے قافلوں کی طرح نادر شاہ کی صفوں کے اندر گھستے اور وقت کے گرتے سنبھلتے لمحوں میں ہجر مسافتوں کے آشوب کھڑے کرتے چلے جاتے تھے۔

نادر شاہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنے لشکر کے ایک حصہ کو پشت کی طرف روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ اپنے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتے ہوئے پیچھے کی طرف ہٹتے چلے جائیں اس لئے کہ نادر شاہ کو اپنے سامنے اب اپنی ناکامی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ نادر شاہ نے جب اندازہ لگایا کہ پڑاؤ کی ہر چیز اب پیچھے ہٹنی شروع ہو گئی ہے تب وہ بھی شکست اٹھا کر پیچھے ہٹا اور پسپا ہوتا چلا گیا تھا۔

نادر شاہ کی اس کارروائی کے جواب میں جنگجو لزکی بھی آندھی اور طوفان کی طرح حرکت میں آئے اور جس جس سمت سے وہ نمودار ہوئے تھے اُدھر ہی پلٹتے ہوئے سرابوں کی طرح غائب ہو گئے تھے۔

نادر شاہ نے جب دیکھا کہ لزکی اب پلٹ گئے ہیں۔ جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی چلے گئے ہیں تب اُس نے کوہستانی سلسلے میں ایک محفوظ جگہ اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ ایک تنگ وادی کے اندر تھی اور کوہستانی سلسلوں سے گھری ہوئی تھی۔ تین اطراف میں بلند چوٹیاں تھیں۔ ایک طرف راستہ تھا۔ یہاں پڑاؤ قائم کرنے کے بعد نادر شاہ نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد نادر شاہ نے جہاں اجلاس طلب کیا تھا وہاں کریم خان، علی مردان، خان بختیاری، احمد شاہ ابدالی، آزاد خان افغان، عرب سالاروں میں سے شیخ علی خان اور عالم خان اور دیگر کچھ چھوٹے بڑے سالار وہاں جمع ہو گئے تھے۔

نادر شاہ نے سب سے پہلے ایک اُداس اور افسردہ سی نگاہ باری باری اپنے سارے سالاروں پر ڈالی۔ پھر اس کی بکھرتی سی آواز بلند ہوئی۔

''آج زندگی میں پہلی بار مجھے اس طرح کی شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو الزام نہیں دیتا۔ تم میں سے کسی کی کارگزاری ناپسندیدہ نہ تھی۔ ہر ایک نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خوب کام کیا۔ میں سمجھتا ہوں ان لزکیوں کا طریقہ جنگ ہمارے لئے اجنبی اور نیا ہے جس کی وجہ سے ہمیں ان کے مقابلے میں پسپائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، پھر کہنے لگا۔ ''اب تم لوگ لزکیوں کے خلاف اگلی کارروائی کے لئے کیا مشورہ دیتے ہو؟''

سب سے پہلے چونکہ جواب طلبی کے لئے نادر شاہ نے اپنی نگاہیں کریم خان پر ڈالی تھیں لہٰذا کریم خان نادر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

''میں سمجھتا ہوں لزکیوں کے ساتھ جس قدر ہمارا ٹکراؤ ہوا ہے وہیں تک بات کو ختم کر دیا جائے۔ لزکی ہمارے ترک بھائی ہیں۔ انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ جس وقت آپ اصفہان سے چلے تھے اُس وقت بھی میں آپ سے کہنے والا تھا کہ لزکیوں پر حملہ آور نہیں ہونا چاہئے لیکن میں اس لئے خاموش رہا کہ آپ یہ خیال کریں گے کہ میں جنگ سے جی چرانے لگا ہوں۔ ہم نے لزکیوں کے خلاف اس بناء پر کارروائی کی ہے کہ لزکی ہمارے علاقوں میں داخل ہو کر ترک تاز کرتے رہتے ہیں جبکہ لزکیوں کو بھی یہی شکایت ہے کہ ہمارے سرحدی دستے ان کے علاقوں میں داخل ہو کر لوٹ مار کا بازار گرم کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے لشکریوں کی شکایت پر لزکیوں کے علاقوں میں داخل ہو کر ان کے لئے تباہی کا سامان پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن لزکیوں نے ایسا نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوا اس پر مٹی ڈال دی جائے اور لشکر لے کر واپس چلے جانا چاہئے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے ایسا کرنے سے لزکی بھی ان علاقوں میں پُر امن زندگی بسر کرتے رہیں گے اور ہمارے علاقے میں کوئی جوابی کارروائی نہیں کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عبدالکریم جب خاموش ہوا تب نادر شاہ نے تیز اور غصیلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''اور اگر انہوں نے ہمارے جانے کے بعد تمہاری پُر امن رہنے کی خواہش کا احترام نہ کیا تو پھر تم کیا کرو گے؟''

''پھر آپ مجھے ایک لشکر دیجئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ یہ لزکی کیسے ناحق ہمارے علاقوں میں ترک تاز کرتے ہیں۔''

جواب میں نادر شاہ کچھ دیر تک ناپسندیدگی کے انداز میں عبدالکریم کی طرف دیکھتا رہا پھر تیز لہجے میں کہنے لگا۔

''کریم خان! یہ پہلا موقع ہے کہ میں تمہارے اس مشورے، تمہاری اس صلاح کو ناپسند کرتا ہوں۔ مجھے تم سے ایسے جواب کی امید نہ تھی۔''

کریم خان سے ہٹ کر نادر شاہ کی نگاہیں احمد شاہ ابدالی پر جم گئیں۔ ساتھ ہی اس کی آواز بلند ہوئی۔

''احمد شاہ! تم بھی اپنے خیالات کا اظہار کرو۔''

اس پر احمد شاہ نے پہلے ایک نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے کریم خان پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔ ''آپ اس سلسلے میں مجھ سے نہ ہی پوچھیں تو اچھا ہے۔ اس لئے کہ میں نے تو اصفہان میں آپ کی روانگی کے وقت ہی کریم خان سے کہہ دیا تھا کہ ہمیں اس مہم کی ابتداء نہیں کرنی چاہئے۔ لہٰذا میں اس سلسلے میں کریم خان کی رائے کی حمایت کرتا ہوں۔ آپ برا نہ مانئے گا۔''

کریم خان اور احمد شاہ ابدالی کے بعد نادر شاہ نے باری باری آزاد خان افغان، علی مردان خان بختیاری، اپنے بھتیجے علی قلی خاں سے بھی اس موضوع پر جب استفسار کیا تو سب نے لزکیوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے اور لزکیوں پر تیز حملے کر کے ان کی قوت کو تباہ و برباد کرنے کا مشورہ دیا۔ تب نادر شاہ نے مسکراتے ہوئے ان کی رائے پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ لزکیوں کے خلاف جنگ جاری رہے گی۔ اور جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک لزکی اس کے سامنے زیر ہو کر اس کے مطیع اور فرمانبردار بن کر رہنے کا عہد نہیں کرتے۔

اصفہان سے نکل کر لزکیوں کے علاقوں کی طرف جاتے ہوئے نادر شاہ نے راستے

میں جگہ جگہ چوکیاں قائم کی تھیں اور انہی چوکیوں کے ذریعے وہ نہ صرف اصفہان سے رابطہ رکھے ہوئے تھا بلکہ انہی کے ذریعے وہ رسد و کمک اور دوسرا سامان بھی اصفہان سے حاصل کر سکتا تھا اور انہی چوکیوں میں کام کرنے والے مخبروں کے ذریعے وہاں پڑاؤ کے دوران یہ خبر بھی آئی کہ کریم خان کے ہاں روزبہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا ہے جس کا نام ابوالفتح رکھا گیا تھا۔

چند روز اپنی تیاری کو آخری شکل دینے کے بعد نادر شاہ پھر کیل کانٹے سے لیس ہو کر کوہستانی سلسلے سے گھری ہوئی اپنے پڑاؤ کی اس وادی سے نکلا۔ پڑاؤ کی حفاظت کے لئے اس نے اردگرد خندقیں کھود کر ان کے اندر چاق و چوبند تیرانداز بٹھا دیئے تھے تاکہ اس کی غیر موجودگی میں جنگجو لزکی اگر اس کے پڑاؤ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں تو انہیں وہاں سے مار بھگایا جائے۔

چنانچہ یہ سارے انتظامات کرنے کے بعد نادر شاہ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ لزکیوں کے علاقوں میں اندر گھس کر ان کے خلاف یلغار کرے گا۔ ان کی ایک بستی سے دوسری بستی ہوتا ہوا تباہی و بربادی کی دُھول اُڑاتا، بستیوں کو آگ لگاتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا۔

یہاں تک کہ اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کرتا ہوا نادر شاہ جب لزکیوں کی کچھ بستیوں کے قریب پہنچا تو ان کے قریب جانے سے پہلے ہی لزکیوں کا ایک لشکر سامنے آیا اور نادر شاہ کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

نادر شاہ کو اب لزکیوں کے خلاف انتہا درجہ کا غصہ اور غضب تھا۔ اس لئے کہ ان کے ہاتھوں اسے بدترین شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کے ساتھ ساتھ لزکیوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے آیا تھا۔ اُلٹا لزکیوں نے اسے بدترین شکست دے کر اسے مزید برانگیختہ کر دیا تھا اور اسی برانگیختگی میں وہ اب لزکیوں کے لئے تباہی اور بربادی کا طوفان بن جانا چاہتا تھا۔

نادر شاہ کو پہلے لزکیوں کے ہاتھوں اپنے بھائی کے مارے جانے کا دکھ تھا۔ اب اسے ان کے ہاتھوں اپنی ہولناک شکست کا انتقام لینے کا جذبہ بھی سوار ہو گیا تھا۔ لہٰذا جونہی لزکیوں کا لشکر اس کے سامنے آیا نادر شاہ نے انتقام بھرے انداز میں اپنے لشکر کو شعور کے خیالات سے محروم دُکھوں کے اَن گنت جھگڑوں اور آفاق کے اسرار اپنے

سینوں میں سموئے بحرِ بیکراں سے اُٹھتی برق کی طرح آگے بڑھایا۔ اس کے بعد وہ لزکیوں پر ہر قصے کہانی کو بے عنوان کرتے بنجر بانجھ بدگمانیوں اور وقت کی سرمئی آہٹوں میں خونی کردار ادا کرنے والے درندوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف لزکیوں نے نادر شاہ کے حملہ آور ہونے سے پہلے ایسے انداز میں تکبیریں بلند کیں جن سے پتھریلے کوہساروں کا جگر چیر دینے والی اُڑتی وحشتوں اور خاکستری چٹانوں تک کو پاش پاش کرتے اندھے ہولناک خونی طوفانوں کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس کے بعد لزکیوں نے بھی جوابی کارروائی کی ابتداء کی اور وہ گھروں کی رونقوں، دریچوں کی شفتگی، ہمسائیگی کی لذت کو کرب خیز ساعتوں، فنا کے خاکوں اور ظلم کی آندھیوں میں تبدیل کر دینے والے جبر کی سختیوں کے ہراول لشکر کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

کوہستانی سلسلوں کے اندر دونوں لشکریوں کے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے سے آسودگی کی راہوں پر فطرت کے جلال، پُر آشوب راحت کی سبھی راہوں پر غمگین اُداس اور دلگیر بگولے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ میدانِ جنگ کے اندر اُڑتی گرم ہواؤں کی تلخی اور گردشِ ایام کے فسوں کے اندر بڑے بڑے سورما اپنی توقیر کھونے لگے تھے۔ بڑے بڑے نایاب تیغ زن اپنے آپ سے محروم ہونا شروع ہو گئے تھے اور بڑے بڑے لاجواب قسم کے ناقابل تسخیر جنگجو اپنی انا کو زبوں حال ہوتا دیکھ رہے تھے۔

نادر شاہ نے جب دیکھا کہ لزکی اس کے سامنے ڈٹ گئے ہیں اور وہ انہیں ایک قدم بھی پسپا ہونے پر مجبور نہیں کر سکا تب اس کے اور اس کے لشکریوں کے حوصلے کسی حد تک پست ہونا شروع ہو گئے تھے۔ جبکہ دوسری طرف لزکی عجیب سے انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے خوفناک خونی داستانوں اور مقصد سے بھٹکا دینے والے سرابوں کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ برق کی طرح لہراتی ان کی تلواریں پُر فشاں ہنرمندی کا مظہر بن گئی تھیں۔ اُداس، تلخ اور تاریک کوہستانی لمحوں کے اندر موت کے جھکڑ اُٹھ رہے تھے۔

کچھ دیر کی مزید جنگ کے بعد نادر شاہ نے اندازہ لگا لیا کہ وہ جنگجو لزکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب اس نے یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ جنگ ختم ہو جائے اور وہ اپنی عزت بچا کر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اُس کی ان خواہشوں

کے برخلاف لزکی پورے جوش اور جذبے کے ساتھ حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان کا ایک ایک لشکری بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہوتا تھا جس نے ان کے حوصلوں میں پختگی اور ایک طرح کی دلیری بھر کر رکھ دی تھی۔

آخر لزکیوں کے ہاتھوں نادر شاہ کو دوسری بار بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ لزکیوں نے انتہائی خونخوار انداز میں نادر شاہ کا تعاقب کیا۔ یہ تعاقب نادر شاہ کے پڑاؤ تک جاری رہا۔ پڑاؤ کے اطراف میں جو خندقیں کھودی گئی تھیں ان کے اندر جو لشکری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے جب لزکیوں پر تیر اندازی کی تب لزکیوں کی پیش قدمی کسی قدر رُکی تھی اور اگر ان کھائیوں کے اندر مسلح جوان پہلے سے نہ بٹھا دیئے گئے ہوتے تو یقیناً لزکی نادر شاہ کے پیچھے پیچھے نہ صرف ان کے پڑاؤ بلکہ ایران کے مرکزی شہر اصفہان تک نادر شاہ کا تعاقب کرتے چلے جاتے۔

اس طرح لزکیوں کے ہاتھوں نادر شاہ کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس شکست کا نادر شاہ کو اس قدر دُکھ اور صدمہ ہوا کہ کسی کے سامنے نہ وہ اپنی شکست کا ذکر کرتا تھا نہ ہی کسی سے اس جنگ کی تفصیل کہتا تھا۔

بہرحال لزکیوں کے ہاتھوں شکست اُٹھانے کے بعد پھر نادر شاہ کی بدقسمتی اور بدبختی کہ لزکیوں نے اس کا تعاقب ترک نہیں کیا۔ نادر شاہ کا خیال تھا کہ اسے شکست دینے کے بعد لزکی پہلے کی طرح اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو جائیں گے۔ لیکن اس بار لزکیوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ بڑی جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ نادر شاہ کے پیچھے لگ گئے تھے اور یہ تعاقب نادر شاہ کے پڑاؤ تک جاری رہا۔ اگر نادر شاہ کے پڑاؤ کے اطراف میں کھائیوں کے اندر تیر انداز نہ بیٹھے ہوتے تو لزکی یقیناً نادر شاہ اور اس کی سپاہ کا خاتمہ کرنے کے بعد اس کے پڑاؤ کو بھی آگ لگا دیتے۔

گو نادر شاہ کے تیر اندازوں نے لزکیوں پر تیز تیر اندازی کی تھی اس کے باوجود بھی کچھ لزکی نادر شاہ کے پڑاؤ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پڑاؤ کی کئی قیمتی چیزیں، ساتھ ہی پڑاؤ سے کچھ عورتیں بھی ان کے زیورات سمیت اٹھا کر لے گئے تھے۔ اس جنگ کا نقشہ مؤرخین کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

"1741ء میں نادر شاہ نے داغستان پر حملہ کیا جہاں لزکی قوم آباد

تھی اور شیروان اور آس پاس کے علاقوں میں لوٹ مار کیا کرتی تھی۔
ان لزکیوں نے اپنی پوری جمعیت سے نادر شاہ کے لشکر پر حملہ کیا۔
یہاں تک کہ نادر شاہ کے پڑاؤ تک پہنچ گئے اور کچھ عورتوں کو جواہرات
سمیت اٹھا کر لے گئے۔ نادر شاہ اس پر سخت برافروختہ ہوا اور نہایت
سختی کے ساتھ لزکیوں پر حملہ کیا لیکن انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔''

بہرحال لزکیوں کے ہاتھوں نادر شاہ کو بدترین شکست کا داغ اٹھانا پڑا اور شکست کے بعد نادر شاہ نہایت مایوسی کی حالت میں دربند کی طرف پسپا ہوا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ لزکیوں کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھانا نادر شاہ کی زندگی کا وہ تلخ تجربہ تھا جس نے نادر شاہ کو احساس دلایا کہ ملک کا بحری بیڑہ بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ اس نے دیکھا کہ جس وقت وہ لزکیوں سے ٹکرایا تھا تو لزکی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر بحیرہ خزر کے اندر سے نمودار ہونے کے بعد اس کے لشکر پر اس طرح حملہ آور ہوتے تھے کہ جیسے ٹڈی دل گروہ در گروہ زمین پر نزول کرتے ہوئے اپنے سامنے آنے والی ہر ہریالی کو چاٹتے چلے جاتے ہیں۔

لزکیوں کے ہاتھوں بدترین شکست کھانے کے بعد نادر شاہ کو بحری بیڑہ بنانے کا خیال آیا۔ انہی دنوں اتفاق سے ایک انگریز جہاز راں جان الٹان تجارتی روابط پیدا کرنے کے لئے ایران آیا ہوا تھا اور وہاں ایک طرح سے مستقل قیام اختیار کر کے اس نے نادر شاہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔

نادر شاہ نے اپنا بحری بیڑہ بنانے کا کام اسی کے سپرد کیا۔ مقصد یہ تھا کہ بحری بیڑے کے ذریعے ترکمان بحری قزاقوں پر قابو پایا جا سکے اور لزکیوں کے خلاف بحری بیڑے کے ذریعے کمک پہنچائی جا سکے۔ کچھ یہ مقصد بھی تھا کہ بحیرہ خزر میں تجارت کی سہولت حاصل کی جا سکے۔ جان الٹان نے نادر شاہ کے کہنے پر جہاز سازی کے سارے انتظامات بڑی تیزی سے مکمل کرنا شروع کر دیئے تھے۔

لزکیوں سے شکست کھانے کے بعد نادر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ جب اصفہان میں آ کر مقیم ہوا تو جلد ہی اس کی سلطنت کے اندر بغاوتوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس سے پہلے لوگ نادر شاہ سے بہت ڈرتے تھے اس لئے کہ نادر شاہ ایک ناقابل شکست حکمران کی حیثیت سے مشہور تھا۔ لیکن جب لزکیوں نے دو بار نادر شاہ کو بدترین شکست دی تب لوگوں کو احساس ہوا کہ نادر شاہ کو شکست دینا یا اسے مار بھگانا ناممکن نہیں ہے۔ ان خیالات کے پھیلتے ہی سب سے پہلے نادر شاہ کے خلاف چار اہم علاقوں میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلی بغاوت شروان شہر میں، دوسری شیراز میں، تیسری استر آباد میں اور چوتھی ماذردان میں اٹھی تھی۔

ان حالات میں نادر شاہ نے بغاوتوں کو فرو کرنے کا ارادہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے شروان کا عزم کیا۔ شروان میں بہت بڑی بغاوت اٹھی تھی اور اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے نادر شاہ نے اپنے سارے بڑے بڑے سالاروں کے علاوہ اپنے عزیز و اقارب کو بھی ساتھ لیا تھا چنانچہ اس لشکر میں جہاں بڑے سالاروں میں سے کریم خان، احمد شاہ ابدالی، آزاد خان، علی مردان، خان بختیاری شامل تھے وہاں نادر شاہ کا بیٹا رضا قلی، بھتیجا علی قلی خان اور دیگر بہت سے چھوٹے بڑے سالاروں کے علاوہ بڑے عرب سرداروں میں سے شیخ علی خان اور عالم خان بھی شامل تھے۔

اس لشکر کی دوسری بڑی صفت یہ تھی کہ اس میں لشکریوں اور سالاروں نے اپنی اپنی بیویوں کو بھی اپنے ساتھ رکھا تھا۔ لہٰذا کریم خاں کی بیوی روزبہ بھی اس مہم کے دوران کریم خان کے ساتھ تھی۔ جن دنوں کریم خان نادر شاہ کے ساتھ لزکیوں کے خلاف

برسرِ پیکار تھا تو اس کی غیر موجودگی میں روزبہ نے سروج نام کی ایک خادمہ کو بھی اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اور یہ خادمہ بھی اس مہم میں روزبہ کے ساتھ تھی۔ لشکر میں سروج کے لئے ایک علیحدہ خیمے کا بھی اہتمام کر دیا گیا تھا۔

اس مہم کے دوران سب سے زیادہ افسوس ناک حادثہ نادر شاہ کے بیٹے رضا قلی کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ جس وقت نادر شاہ اپنے لشکر کے ساتھ شروان کے قریب شکار کھیلنے کے لئے اپنے لشکر سے ذرا فاصلے پر تھا اچانک دو افغانوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس حملے کے دوران نادر شاہ زخمی ہوا۔ اس کے گھوڑے کو بھی چوٹ لگی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ حملہ آور افغان اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب بھی ہو گئے اور کہیں چھپ کر اپنی جانیں بچا گئے۔ اس کے بعد وہ نادر شاہ کی دسترس سے باہر ہو گئے۔

نادر شاہ کو اس حادثہ میں زخمی ہونے کے بعد یہ شبہ ہو گیا کہ اس میں اس کے بیٹے رضا قلی مرزا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ نادر شاہ نے ایسا اپنے دل میں موجود ایک شبہ کی بنیاد پر کیا تھا۔ اس لئے کہ جس وقت نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور وہ ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں موجود تھا اور دہلی میں یہ افواہ اُڑی کہ نادر شاہ مارا گیا ہے تو اس وقت چونکہ وہ اپنے بیٹے رضا قلی کو اپنے بعد اصفہان میں حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے چھوڑ گیا تھا لہٰذا اصفہان میں جب رضا قلی کو یہ خبر ملی کہ ہندوستان میں اس کا باپ مارا گیا ہے تو اس نے ایران میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

دہلی سے واپس آ کر نادر شاہ نے رضا قلی پر اپنا غصہ نکالا۔ اسے اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اس کے زندہ ہوتے ہوئے اس کے بیٹے رضا قلی نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ چنانچہ ہندوستان سے واپسی پر وہ رضا قلی پر سخت برہم ہوا۔ اب اسے یہ خیال گزرا کہ ممکن ہے اس کے بیٹے رضا قلی نے ہی افغانوں کو حملہ کرنے پر اکسایا ہو۔ اس شک و شبہ کی وجہ سے ظالم نادر شاہ اپنے بیٹے کے خلاف حرکت میں آیا اور اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر بصارت سے محروم کر دیا۔

لشکر کے اندر یہ ایسا بڑا حادثہ تھا کہ تقریباً تمام سالاروں نے سخت بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن برملا اس کا اظہار نہیں کیا۔ صرف کریم خان نے رضا قلی کے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے پر انتہائی برہمی اور بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے

کہ رضا قلی کے ساتھ اب اس کا ایک رشتہ تھا کیونکہ رضا قلی کی بیوی الایہ اور کریم خان کی بیوی روزبہ دونوں سگی بہنیں تھیں اور پھر ان دنوں کریم خان اور روزبہ دونوں میاں بیوی نے رضا قلی اور الایہ کی حویلی کے اندر ہی قیام کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب کریم خان نے رضا قلی کے اندھا کئے جانے کی خبر سنی تب اس نے انتہائی برہمی، انتہائی ناراضگی کا اظہار کیا۔ نادر شاہ کو جب اس صورتِ حال کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً اپنا ہرکارہ بھیج کر کریم خان کو اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔

چنانچہ اس طلبی کے جواب میں کریم خان جب نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے میں اس وقت نادر شاہ کا بھتیجا علی قلی خان، بڑے سالاروں میں سے احمد شاہ ابدالی، آزاد خان، علی مردان خان، شیخ علی خان، عالم خان اور کچھ دیگر سالار اور اُمراء بیٹھے ہوئے تھے۔ کریم خان جب خیمے میں داخل ہو کر نادر شاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا تب نادر شاہ نے کچھ دیر تک بغور اس کے سراپا کا جائزہ لیا پھر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کریم خان کو مخاطب کیا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم نے میرے اس فیصلے کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جس کے تحت میں نے اپنے بیٹے رضا قلی کو اس کی بصارت سے محروم کر دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب کریم خاں کی جھکی ہوئی گردن سیدھی ہوئی۔ اس کی چھاتی تن گئی تھی۔ پھر نادر شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ بول اُٹھا تھا۔

''اے بادشاہ! آپ جانتے ہیں کہ میں جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہوں۔ اس وقت میرے سارے ساتھی سالار بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں جانتا ہوں ان میں سے کوئی بھی اب اپنی زبان سے آپ کے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کرے گا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کوئی کھل کر آپ کے سامنے یہ نہ کہے گا کہ آپ کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ لیکن میں ان سب کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ یقیناً اندر ہی اندر یہ آپ کے اس فیصلے کی وجہ سے ملول و رنجیدہ اور پریشان ہیں۔ اے بادشاہ! آپ اکیلے کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ آپ کسی پر اپنی طرف سے الزام لگانے کے بعد الزام کو خود ہی سچا قرار دیتے ہوئے خود ہی اس کے لئے سزا بھی تجویز کر دیں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت تھے جنہیں سامنے

رکھتے ہوئے آپ نے رضا قلی کو اس کی بصارت سے محروم کر دیا۔ یہ مت سوچئے گا کہ میں نے اس [illegible] کے اندر قیام کر رکھا ہے۔ یہ بھی اپنے ذہن میں بات نہ لائیے گا کہ میری بیوی روز [illegible] بیوی کی چھوٹی بہن ہے اور اس رشتہ سے میں رضا قلی کے حق میں بول [illegible]۔ [illegible] تو اس کا آپ کے ساتھ ہے۔ میں حیران اور پریشان ہوں کہ ایک باپ نے کیسے اندازہ لگالیا کہ اس کا بیٹا اس کے خلاف کسی موقع پر برسر پیکار ہو سکتا ہے۔ کیا ماضی میں کبھی رضا قلی نے ایسے ارادے کا اظہار کیا؟ آپ اس پر صرف یہ الزام رکھتے ہیں کہ جس وقت آپ ہندوستان میں تھے اور چاروں طرف آپ کے مرنے کی خبر پھیل گئی تھی تو اس نے ایران میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان غلط نہیں تھا۔ اس لئے کہ آپ کی موت کے بعد یقیناً رضا قلی ہی آپ کے تخت و تاج کا مالک بنتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، دم لیا، اس کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و جذبے میں کہہ رہا تھا۔

''اے بادشاہ! آپ کو یاد ہوگا ایران کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے آپ نے سارے سالاروں، سارے اُمراء، سارے سرکردہ لوگوں کا اجلاس طلب کیا تھا اور اس میں آپ نے سب سے یہ عہد لیا تھا کہ ایران کی بادشاہت آپ کے خاندان میں وارثت کے طور پر چلے گی۔ سب نے اس حق کو تسلیم کیا تھا یا یوں جانئے آپ نے اس حق کو تسلیم کرایا تھا۔ اگر ہندوستان میں آپ کی موت کی خبر پھیلی اور وہی خبر پھر ایران بھی پہنچی تو اس خبر کے بعد جو اعلان رضا قلی نے کیا وہ غلط تو نہیں تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، دوبارہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کھولتے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے نادر شاہ بول اُٹھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم میرے خلاف اتنی دور تک بھی جا سکتے ہو۔''

نادر شاہ کے ان الفاظ سے کریم خان کسی خوف کا شکار نہ ہوا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ جرأت مندی اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اے بادشاہ! کبھی کبھی غلط فیصلے ذلت و رسوائی کی علت اور خوف و ہراس بھری خاموشیوں کا بھی روپ دھار لیتے ہیں۔ قصابانہ چیر پھاڑ کے انداز میں کئے گئے فیصلے

کبھی کبھی دار و رسن کا سایہ بھی بن جاتے ہیں۔ ظن کے ستونوں پر کھڑے دُھندلے فیصلے، رحم نا آشنا تنہائیاں، اُکتا مارنے والی وحشت بن کر پانی کی تلاش میں سرگرداں بادلوں کی طرح انتقام کے منتظر بھی رہتے ہیں...... اے بادشاہ! وہ فیصلے جو اُبال پیدا کرتی زیست کی انتہا، گرمی میں کئے جائیں وہ محبت کے حروف کو کیوں نگل جاتے ہیں؟ تپش میں جھلتے جذبات میں کئے گئے فیصلے اپنے پیچھے بے کفن لاشے اور پچھتاووں کے سوا کچھ بھی نہیں چھوڑتے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رُکا۔ پھر دوبارہ وہ نادر شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں میرے ان الفاظ کے جواب میں آپ ویرانی کے طالب کرب، وقت کے سایوں میں حشر برپا کرتے دردناک عذاب کی طرح میرے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ میرے جسم کی دیوار گرانے کے لئے طاقت اور قوت کا ہیجان کھڑا کریں گے۔ لیکن آپ جانتے ہیں میں بزدل نہیں۔ سچائی سینہ تان کر جابر سے جابر شخص کے سامنے بھی کھلے حروف کی طرح واشگاف کر سکتا ہوں۔

آپ ذرا یہ سوچیں کے آپ کے اس غلط فیصلے سے رضا قلی کو کیا ملا؟ اب وہ بے چارہ لب بستہ حبس رُتوں کی طرح زندگی کے باقی دن گزارنے پر مجبور ہوگا۔ آنکھوں کی شعلہ بار چمک کھودینے کے بعد وہ تڑپتی سسکتی خلاؤں میں دشتِ در دشت جوش مارتی نفرتوں کی شال بنتی مسافتوں ہی میں کھویا رہے گا۔ مختلف آوازیں، نفرت کی بڑھتی اور بھڑکتی صداؤں کی طرح ظلمت شب کے حصار میں اس کے سینہ کے اندر کرب خیزیاں کھڑی کرتی رہیں گی...... کاش! کوئی کیمیا گر آگ کے ہیولوں کے عکس سے نکال کر آپ کو رشتوں کی حسین وادیوں میں کھڑا کر کے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دیتا۔ کاش! بحر و بر کا کوئی فقیہ آپ کو جمالیاتی شعور میں کھڑا کر کے صحیح فیصلہ کرنے کی رائے دیتا۔ کاش! احادیثِ مہر و وفا کا کوئی محتسب کھولتی سوچوں کے جہنم کی بجائے آپ کو کہکشاں کی خاموشیوں میں کھڑا کر کے فیصلوں کی صحیح راہ کی طرف نشان دہی کر دیتا۔ کاش! کوئی محترم قاضی وقت کے کٹہروں پر کھڑا ہو کر آپ پر یہ عیاں کر دیتا کہ محبت کے سہانے موسموں میں کھڑے ہو کر ...دوں کے خالی کشکول میں خون بھرے سکے ڈال دینا انسانیت کی توہین ہے۔''

یہاں تک سننے کے بعد کچھ دیر تک نادر شاہ کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس دوران گاہے گاہے وہاں بیٹھے اپنے بھتیجوں اور سالاروں پر بھی نگاہ ڈال لیتا تھا۔ سب لوگ خاموش تھے۔ گردنیں ان کی جھکی ہوئی تھیں۔ اس بات کی غمازی کرتی تھیں کہ وہ کریم خان کے الفاظ سے متاثر ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد نادر شاہ گرجنے کے انداز میں بولا۔

''تو تم خیال کرتے ہو کہ میں نے یہ غلط فیصلہ کیا ہے اور ذلت و رسوائی اور خوف و ہراس کی خاموشی میرا پیچھا کرے گی۔ تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یہ فیصلہ رحم آشنا تنہائیوں، ظن کے اصولوں پر کھڑے دُھندلے ماحول میں کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے تم اپنے مقام، اپنے مرتبہ کو فراموش کر گئے ہو۔ کیا تم اس وقت کو بھول گئے جب تم چھوٹے تھے۔ بے بسی کی حالت میں اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے میرے پاس آئے تھے اور میں نے تمہارے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا۔ اُس وقت کوئی تمہارا پُرسانِ حال نہیں تھا۔ قاچاری تمہارے ہی نہیں تمہارے قبیلے کے بھی درپے تھے اور میں نے صرف تمہاری خوشنودی کی خاطر قاچاریوں کے سردار کا سر قلم کر کے تمہارے مستقبل کو تابناک کیا۔ کیا تم میرے اس احسان کو فراموش کر گئے ہو؟ اور اب احسان کی چادر اتار کر میرے خلاف ہی خوفناک اور انتقام بھری لفاظی استعمال کرنے لگے ہو۔''

نادر شاہ جب خاموش ہوا تو ایک بار پھر کریم خان نے اپنی گردن سیدھی کی۔ پہلے کی طرح اس کی چھاتی تن گئی اور نادر شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''اے بادشاہ! کیا آپ بھی اپنے وقت کو بھول گئے؟ آپ جانتے ہیں آپ کا بچپن ریوڑ چراتے ہوئے گزرا۔ اپنے باپ کی وفات پر آپ گدھے اور اونٹ پر ایندھن لاد کر بیچا کرتے تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک چھاپہ مار گروہ آپ کو اور آپ کی والدہ کو اسیر کر کے خوارزم لے گیا اور وہاں کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ چار سال آپ نے غلامی میں بسر کئے اور اسی غلامی کے دور میں آپ کی والدہ انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد آپ اپنی جان بچانے کے لئے وہاں سے نکل بھاگے۔ ابیورد کے حاکم بابا علی بیگ احمد افشار کے دربار میں ملازمت کی اور اس طرح اپنی زندگی کی ترقی کے پہلے زینہ پر قدم

رکھنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد اسی ابیورد کے حاکم بابا علی بیگ کی وجہ سے آپ کو وہاں کی حکمرانی ملی۔ لیکن جب محمود سیستانی آپ کے خلاف حرکت میں آیا تو اس نے آپ کو عبرت ناک سزا دی اور آپ کو ابیورد کی حکمرانی سے محروم کر دیا۔ اس دور میں رہزنی کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے آپ نے میرے قبیلے میں میرے باپ اور میرے دادا کے ہاں جا کر پناہ لی۔

اے بادشاہ! کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میرے باپ دادا نے آپ کے سامنے آپ پر کیے گئے احسانات کو جتایا ہو؟ ..... میں گزشتہ کئی برسوں سے آپ کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ کیا کسی ایک موقع پر بھی میں نے کبھی آپ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ میرے باپ اور دادا کے آپ پر بہت احسانات ہیں؟ آپ نے صرف مجھے اپنے لشکر میں شامل کرنے اور قاچاریوں کے سردار کا خاتمہ کرنے کے بعد یہ جتا دیا ہے کہ آپ کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو اے بادشاہ! سن لیں، قاچاریوں کے سردار کا خاتمہ آپ نے خود میری خاطر نہیں، اپنا مستقبل تابناک بنانے کے لئے بھی کیا تھا۔ اس لئے کہ قاچاریوں کے سردار فتح علی کے تعلقات آپ کی نسبت ایران کے بادشاہ طہماسپ سے اچھے تھے اور آپ کی نسبت طہماسپ فتح علی پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرتا تھا اور یہ اعتماد اور بھروسہ آپ کے دل میں فتح علی کے خلاف نفرت کا باعث بن گیا اور یہی نفرت حرکت میں آئی تو آپ نے فتح علی کا خاتمہ کر دیا۔

ایک بات اور سنیں۔ میں نے آپ کے فیصلے کی نفی کر دی ہے۔ فیصلے کو غلط قرار دے کر کوئی جرم نہیں کیا۔ ایسا میں اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کے لئے نہیں کر رہا بلکہ آپ کے اس فیصلے کو میں آپ ہی کے بیٹے کے لئے غلط قرار دے رہا ہوں۔ میں اس کی طرف داری بھی نہیں کر رہا بلکہ انصاف کے ترازو کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے میں اب بھی جرأت مندی اور پوری دلیری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا یہ فیصلہ قطعی اور مکمل طور پر غیر منصفانہ ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، نادر شاہ کو مخاطب کر کے مزید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نادر شاہ دھاڑتی ہوئی آواز میں بول اُٹھا۔

''تم بکواس کرتے ہو..... تم کون ہوتے ہو میرے فیصلے کو غلط اور غیر منصفانہ قرار

دینے والے؟''

اس کے بعد کھولتے لہجے میں نادر شاہ نے اپنے چوبدار کو طلب کیا۔ جب چوبدار اس کے سامنے آیا تب کریم خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نادر شاہ دوبارہ دھاڑتے لہجے میں بول اٹھا۔

''کریم خان کو گرفتار کر کے یہاں سے لے جاؤ..... اسے اس کے خیمے میں محصور کر کے کڑا پہرہ لگا دو۔ اس کے پاس اس کی بیوی کے علاوہ کسی کو جانے کی اجازت نہیں۔ اس کے بعد چند محافظ دستے تیار کرو۔ ان محافظ دستوں کے ساتھ کریم خان کے علاوہ میرے بیٹے رضا قلی اور ان کی بیویوں کو اصفہان کی طرف روانہ کر دو۔ رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ دونوں علیحدہ اپنی حویلی میں رہ سکتے ہیں۔ کریم خان کی بیوی رضا قلی اور الایہ کے پاس زندگی بسر کر سکتی ہے جبکہ اس کریم خان کو اصفہان کے زندان میں ڈال دیا جائے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ خاموش ہو گیا جبکہ چوبدار پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا۔ اپنے ساتھ کچھ مسلح جوان لے کر آیا تھا۔ اور پھر ان کے ساتھ وہ کریم خان کو گرفتار کر کے لے گیا تھا۔

☆☆☆

رضا قلی کے خیمے میں اس کی بیوی الایہ اور روزبہ بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک لشکری جو رضا قلی کا طرف دار تھا بڑے رازدارانہ انداز میں بھاگا بھاگا خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ دائیں بائیں دیکھا، خیمے میں داخل ہوا پھر بڑی دھیمی آواز میں کہنے لگا۔

''محترم کریم خان کو گرفتار کر کے انہیں ان کے خیمے میں نظر بند کر دیا گیا ہے۔''

یہ الفاظ سن کر روزبہ کا چہرہ ہلدی ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں افسردگیوں، اداسیوں اور فکرمندی کے جھکڑ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ کی حالت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔ اس موقع پر روزبہ آنے والے اس لشکری کو مخاطب کر کے کچھ پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی رضا قلی بول اٹھا۔

''میرے عزیز! کیا ہوا؟''

جواب میں مختصر سے انداز میں اس لشکری نے نادر شاہ کے خیمے میں ہونے والی اس گفتگو سے آگاہ کر دیا تھا۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد دھیمے لہجے میں رضا قلی کہنے لگا۔

''میرے عزیز! اب تُو جا۔''

وہ لشکری فوراً وہاں سے نکل گیا۔ رضا قلی کی گردن کافی دیر تک جھکی رہی جبکہ الایہ اور روزبہ اُداسی بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھے جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ رضا قلی نے اپنی گردن سیدھی کی اور دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''اس ظالم نے مجھے تو بینائی سے محروم کر دیا لیکن سچائی کا دامن تھامنے، اس کے غیر منصفانہ فیصلوں کے خلاف یہ وضاحت کرنے پر اُسے کریم خان کو تو نظر بند نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور پھر اب وہ ہم سب کو اصفہان بھیج کر کریم خان کو اصفہان کے زندان میں بند کرنے کا حکم دے چکا ہے۔ اس ظالم انسان کے کس کس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا جائے گا؟ ..... میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ میرا اس پر کوئی احسان نہیں لیکن کریم خان کے تو پورے خاندان کے اس ظالم شخص پر اتنے احسانات ہیں کہ اگر وہ ساری عمر بھی انہیں اتارنے کی کوشش کرتا رہے تو نہیں اتار سکتا۔ جس وقت وہ رہزن بننے سے پہلے جگہ جگہ دھکے کھاتا پھرتا تھا، دشمن اس کے تعاقب میں تھا اس وقت فقط کریم خان کے باپ اور دادا نے اسے اپنے ہاں پناہ دی اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنے مستقبل کی سیڑھیاں چڑھنا شروع کر دے اور اب اُسی کریم خان کو اس نے زندان میں ڈالنے کا حکم دے دیا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رضا قلی جب خاموش ہوا تب روزبہ اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی اور انتہائی فکرمندی میں تقریباً روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

''بھائی! میرا بچہ سویا ہوا ہے۔ وہ الایہ کے پاس ہے۔ یہ اس کا دھیان رکھے گی۔ میں کریم خان کی طرف جاتی ہوں۔ اس لئے کہ اس لشکری نے بتایا تھا کہ صرف مجھے ان سے ملنے کی اجازت ہے۔''

روزبہ کے ان روتے الفاظ کو سن کر اس کی بڑی بہن الایہ بھی رو پڑی تھی۔ وہ بھی اپنی جگہ پر اُٹھ کھڑی ہوئی پھر کہنے لگی۔

میری عزیز بہن! تُو اکیلی تو نہیں ہے۔ میں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرا بچہ سو رہا ہے۔ اٹھے گا نہیں۔ چل میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں۔ کریم خان کی اس حال پر

کرتی ہیں۔"

الایہ کے ان الفاظ کے جواب میں رضا قلی فکر گیر لہجے میں بول اُٹھا۔

"الایہ! صرف روزبہ کو کریم خان سے ملنے کی اجازت ہے۔ تم نہ جانا۔ بھیڑیے کے ستم کا شکار ہو جاؤ گی۔ جو شخص ظن و گمان پر رہتے ہوئے اپنے بیٹے کو بینائی سے محروم کر سکتا ہے اس کی نگاہوں میں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

رضا قلی کے ان الفاظ پر الایہ کھل کر رو دی تھی۔ پھر اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ روزبہ اس کی حالت دیکھتے ہوئے اور زیادہ رو پڑی۔ آگے بڑھی، الایہ کو اس نے اپنے ساتھ لپٹایا، اس کی آنکھیں خشک کیں، پھر رضا قلی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ الایہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ میں روزبہ کے ساتھ جاتی ہوں۔ روزبہ خیمے میں داخل ہو گی، میں دروازے پر کھڑی ہو کر ہی کریم خان کی احوال پرسی کر لوں گی۔ آخر وہ میرا بھائی ہے۔ میں اس کی بڑی بہن ہوں اور بڑی بہن ماں کی جگہ ہے۔ اور میں اگر اس کی احوال پرسی نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟ نہ اس کی ماں ہے نہ باپ اور نہ کوئی دوسرا رشتہ دار۔ دونوں بھائی اس وقت یہاں نہیں ہیں۔"

الایہ کے ان الفاظ کے جواب میں رضا قلی پگھل گیا تھا۔ روتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ "اچھا جاؤ۔ کریم خان کے لئے تو میں تمہیں منع نہیں کر سکتا۔"

الایہ اور روزبہ کے نکل جانے کے بعد خیمے میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس کے بعد خیمے میں رضا قلی کی آواز بلند ہوئی۔ دھیمے دھیمے لہجے، روتی ہوئی آواز میں وہ ایک دعائیہ نغمہ الاپنے لگا تھا جس کا لب لباب کچھ اس طرح تھا:

"میرے معبود! کبھی تو کاش روبرو ہوتا
تیرے ہی جہان کی میں تجھ سے گفتگو کرتا
ہوتے ہیں لہو لہو اس جہاں کے روز و شب
کوئی محتسب ہی کوئی نگہدار ہوتا
پس رہے ہیں ہم لوگ وباؤں، ابتلاؤں میں
کوئی درماں گر ہی کوئی چارہ ساز ہوتا

منتظر ہیں لوگ منصفوں کے عادلوں کے
میرے مالک کوئی پرتو فاروقؓ ہوتا
آدمی تو ہیں مگر انسانیت کہاں ہے
اے کاش کہیں ظلِ صدیقؓ و مرتضیٰؓ ہوتا
بیٹھے ہیں مسندوں پر ہلاکو و چنگیز ہی
غزنوی میرے خدا کوئی ایوبی ہوتا
دیکھ بے حیائی ہے راہی چار سُو میرے
عکس عثمانؓ ہی میرے مولا کہیں ہوتا"

اس سے آگے رضا قلی کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آواز ڈوب گئی تھی۔ وہ سسک پڑا تھا۔ گردن جھک گئی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کے چند قطرے اس کے دامن میں جذب ہو گئے تھے۔ وہ اپنے خیمے میں بے حس و حرکت کسی ستون کی طرح پڑا رہا۔ جسے کوئی دیکھنے والا، جس سے کوئی ہمدردی کرنے والا نہ ہو۔

دوسری طرف روزبہ اور الایہ تقریباً بھاگتی ہوئی خیموں کے اندر اس طرف گئیں جہاں کریم خان اور روزبہ کا خیمہ ہوا کرتا تھا۔ الایہ خیمے کے دروازے پر ہی کھڑی رہی۔ روزبہ بھاگتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا کریم خان خیمے کے وسط میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہوا تھا۔ اُس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے روزبہ بارود کی طرح پھٹ پڑی اور بلند آواز میں رونے لگی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے خیمے سے باہر الایہ بے سدھ سی ہو کر خیمے کے بانس کا سہارا لیتی ہوئی ہچکیوں اور سسکیوں میں رو رہی تھی۔

کریم خان اپنی جگہ پر اُٹھا اور روزبہ کی طرف بڑھا تو خیمے کے اندر اس کو پہنائی گئی زنجیروں کی نفرت انگیز چھنچھناہٹ پھیل گئی تھی۔ روزبہ آگے بڑھی، کریم خان کے شانے پر سر رکھ کر بری طرح رونے لگی تھی۔ کریم خان نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور بڑی ہمدردی میں کہنے لگا۔

"روزبہ! تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ میں نے انصاف کا ساتھ دیا ہے۔ جرم نہیں کیا۔ اگر انصاف کا ساتھ دینے پر مجھے یہ زنجیریں پہنا دی گئی ہیں تو مجھے یہ زنجیریں پہننے پر فخر ہے۔ دیکھو! میری اس حالت پر گھبرانا اور فکرمند نہ ہونا۔ تم اپنی

بہن الایہ کی طرف دیکھو، رضا قلی کی آنکھیں ناحق ضائع کر دی گئیں۔ وہ بھی تو بے چاری صبر و تحمل کے ساتھ اپنے شوہر کا ساتھ دے رہی ہے اور اس کے ہر غم کو برداشت کر رہی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا اور دوبارہ وہ روزبہ کی طرف بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''پہلے یہ کہو کہ میرا بیٹا ابوالفتح کہاں ہے؟''

اس پر دُکھتے لہجے میں روزبہ کہنے لگی۔

''وہ بھائی کے خیمے میں سویا ہوا ہے۔ کیونکہ میرے علاوہ کسی کو آپ کے خیمے میں آنے کی اجازت نہیں۔ اس لئے الایہ باہر کھڑی رو رہی ہے۔''

روزبہ کے ان الفاظ پر کریم خان کی آنکھیں بھی نم ناک ہو گئی تھیں۔ لہٰذا جہاں وہ کھڑا تھا وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز میں الایہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''الایہ! میری بہن! تمہیں مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ میں ان حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا اور جو حکم میرے لئے جاری کیا ہے اس میں بد دیانتی بھی نہیں کروں گا۔ میری بہن! تُو اپنے خیمے میں جا کر آرام کر۔ میں جانتا ہوں میری خاطر تُو رو رہی ہے۔ تجھے جس قدر مجھ سے ہمدردی ہے وہ میں خوب جانتا ہوں۔ لہٰذا غم نہ کر۔ حالات ایک روز ہمارے حق میں ضرور پلٹا کھائیں گے۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ باہر خیمے کے بانس کو پکڑے کھڑی الایہ بلند آواز میں رونے لگی تھی۔ اس موقع پر دھیمے لہجے اور پیار بھرے انداز میں کریم خان نے روزبہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''روزبہ! تُو بڑی باہمت اور دلیر لڑکی ہے۔ دیکھ! ایسے حالات سدا نہیں رہیں گے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ایک روز نادر شاہ کو اپنی غلطی اور اپنی کوتاہی کا احساس ہو گا۔ تُو ایسا کر الایہ کو اپنے ساتھ خیمے میں لے جا۔ تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ کر اس کو ڈھارس اور تسلی دے۔ جب اس کی طبیعت سنبھل جائے تو بچے کو لے کر میرے پاس آ جانا۔ یہاں دونوں بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ ہو سکتا ہے تھوڑی دیر تک ہمیں کسی خاص دستے کے ساتھ اصفہان کی طرف روانہ کر دیا جائے۔''

روزبہ نے کریم خان کی تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ خیمے سے نکلی، الایہ کو اپنے

لپٹا کر اسے تسلی دی۔ الایہ بھی اپنے آپ کو سنبھالنے لگی تھی۔ پھر دونوں بہنیں واپس رضا قلی کے خیمے میں گئیں۔ تھوڑی دیر وہاں روزبہ، الایہ کے پاس بیٹھی رہی۔ جب وہ سنبھل گئی تب روزبہ اپنے بچے کو لے کر کریم خان کے پاس چلی گئی تھی۔ دونوں میاں بیوی نے مل کر کھانا کھایا اور اس کے تھوڑی دیر بعد ایک محافظ دستہ کریم خان، روزبہ، رضا قلی اور الایہ کو لے کر اصفہان کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

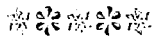

⁂⁂⁂

جس روز کریم خان، رضا قلی، الایہ اور روزبہ اصفہان کی طرف روانہ ہوئے تھے اسی روز نادر شاہ کا بھتیجا علی قلی اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا تھا اور اُس کی حالت یہ تھی کہ جیسے وہ کسی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہو۔ اتنے میں علی قلی کا چھوٹا بھائی ابراہیم خیمے میں داخل ہوا اور علی قلی خاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھائی! کیا تم نے مجھے بلایا ہے؟''

علی قلی خاں منہ سے کچھ نہ بولا۔ پہلے اس نے اثبات میں گردن ہلائی پھر اپنے قریب ہی ایک نشست پر ہاتھ مارتے ہوئے کہنے لگا۔

''بیٹھو!''

ابراہیم جو اس وقت تجسس بھرے انداز میں تھا، چپ چاپ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر علی قلی خان بڑے رازدارانہ انداز میں اپنے بھائی ابراہیم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ابراہیم! حالات بڑا ٹیڑھا بلکہ عجیب و غریب رخ اختیار کر چکے ہیں۔ میرے بھائی! جو گفتگو میں تم سے کرنے لگا ہوں اسے راز میں رکھنا، ورنہ دونوں کی گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ تم جانتے ہو ہمارا چچا ان دنوں جنون کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس کے مزاج میں ایسا اکھڑ پن، ایسی سختی آ گئی ہے کہ کسی کی بات سنتا ہی نہیں نہ اسے اب رشتوں کا کوئی احترام رہا ہے۔ ابراہیم! میرے عزیز بھائی! وہ شخص جو بغیر کسی ثبوت، شک و شبہ کی بناء پر اپنے بیٹے کو بینائی سے محروم کر سکتا ہے اس کی نگاہوں میں ہماری تو کوئی عزت کوئی احترام رہے گا ہی نہیں۔ میں اب نادر شاہ کی صحبت میں رہتے ہوئے

خطرہ محسوس کرنے لگا ہوں۔ کسی بھی وقت ہماری چھوٹی سی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے وہ ہمارے تن کو ہماری گردنوں اور سر سے محروم کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان حالات سے نکلنے کے لئے میں نے ایک منصوبہ بندی کی ہے۔ اسی منصوبہ بندی پر گفتگو کرنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ میرے عزیز بھائی! میں تم سے کہتا ہوں اسے راز رکھنا ورنہ تیری میری گردنیں دھڑ سے علیحدہ کر دی جائیں گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد علی قلی خان جب رکا تب بڑے رازدارانہ انداز میں ابراہیم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! تم نے اپنے مستقبل کے لئے کون سی منصوبہ بندی کی ہے؟ تم کہو تو سہی۔ بار بار یہ نہ کہو اسے راز میں رکھنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ نادر شاہ کی نگاہوں میں اب کسی کی جان کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہے۔''

ابراہیم کے ان الفاظ پر علی قلی نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا، خیمے سے باہر نکلا، چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ چونکہ نزدیک کوئی بھی نہیں تھا لہٰذا دوبارہ ابراہیم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ایسی آواز میں گفتگو کرنا شروع کی جو خیمے سے باہر نہ جا سکتی تھی۔ علی قلی خاں کہہ رہا تھا۔

''ابراہیم! میرے بھائی! میں نے تین طرح کی پیش قدمی کی ہے۔ اس سے نہ صرف ہم دونوں بھائیوں بلکہ ہمارے خاندان اور ہمارے لواحقین کی جانیں بھی محفوظ رہیں گی۔ پہلی منصوبہ بندی میں تم سے کہتا ہوں اگر تم نے اس سے اتفاق کیا تب دوسری اور اس کے بعد تیسری کہوں گا۔''

''ابراہیم! نادر شاہ اب اپنے سارے سالاروں کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔ اپنے بیٹے رضا قلی کو تو اس نے بینائی سے محروم کر ہی دیا تھا۔ ذرا کریم خان پر نگاہ ڈالو، اسے بھی اس نادر شاہ نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا اور اس کی معمولی سی خطا پر اسے اصفہان کی طرف بھیج کر زندان میں ڈالنے کا حکم دے دیا گیا۔ ان حالات میں ہمارے سروں پر ہمہ وقت ننگی تلوار لہراتی رہے گی۔ اب کسی نے بھی اگر معمولی سی دشمنی کی بناء پر ہمارے خلاف یہ شکایت کر دی کہ ہم کسی بغاوت اور سرکشی میں ملوث ہیں تو پھر نادر شاہ ہماری گردنیں کاٹنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔

چنانچہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جو میں نے پہلی منصوبہ بندی کی ہے وہ یہ

کہ میں اپنے کچھ مخصوص آدمی سیستان کی طرف روانہ کروں گا۔ وہ وہاں کے حاکم کو قتل کر کے وہاں کچھ ایسے حالات پیدا کریں گے کہ سیستان کے ا ر بغاوت اُٹھ کھڑی ہو گی۔ جب اس بغاوت کی خبریں نادر شاہ تک پہنچیں گی تو میں خود اس کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اپنے آپ کو اور تمہیں پیش کروں گا کہ ہم دونوں بھائیوں کو سیستان کی طرف روانہ کریں تاکہ ہم اس بغاوت کو کچل سکیں۔ میں اس موقع پر نادر شاہ سے یہ بھی کہوں گا کہ آپ نے آج تک کوئی بڑی مہم مجھے سونپی ہی نہیں کہ میں آپ کی خدمت کر سکوں۔ مجھے امید ہے کہ جب میں ایسا رویہ نادر شاہ کے سامنے پیش کروں گا تو وہ مجھے سیستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجے گا۔ چنانچہ میں اور تم اپنے لواحقین کو لے کر اس لشکر کے ساتھ جو نادر شاہ ہمیں مہیا کرے گا سیستان کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ یہ ہمارا پہلا قدم ہو گا۔ یہ قدم اٹھانے سے ہم نادر شاہ کی نگاہوں سے دور ہو کر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد دوسرا قدم اٹھائیں گے۔''

اس گفتگو کو ابراہیم نے پسند کیا تھا اس لئے کہ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ پھر جب علی قلی خاں خاموش ہوا تب ابراہیم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے تو میں مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ اب اپنی دوسری منصوبہ بندی پر روشنی ڈالو۔''

علی قلی خاں کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ پہلے جیسے دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''دوسری منصوبہ بندی یہ ہو گی کہ سیستان پہنچ کر جو لشکر ہم اپنے ساتھ لے کر جائیں گے وہ تو ہمارا وفادار ہو گا ہی، سیستان کے خزانہ پر قبضہ کرنے کے بعد جو لشکر پہلے سے سیستان میں ہو گا اسے خوب نوازیں گے اور اسے بھی اپنے ساتھ ملا لیں گے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو ہم سیستان میں نادر شاہ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دیں گے اور سیستان میں اپنی آزاد اور خود مختار حکومت کا اعلان کر دیں گے۔''

علی قلی خاں کے ان الفاظ پر ابراہیم چونکا تھا۔ پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بھائی! تمہاری جو پہلی منصوبہ بندی تھی اسے میں نے پسند کیا تھا اور مکمل طور پر اس سے اتفاق کرتا ہوں لیکن تمہاری دوسری منصوبہ بندی تو خطرات سے بھری ہوئی ہے۔ دیکھو میرے بھائی! جب سیستان پہنچ کر ہم علم بغاوت کھڑا کریں گے اور سیستان میں اپنی حکومت کا اعلان کریں گے تو کیا تم سمجھتے ہو نادر شاہ خاموش بیٹھا رہے گا

میں تمہیں وثوق سے کہتا ہوں کہ ہماری بغاوت کا سنتے ہی نادر شاہ ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اور تم جانتے ہو کہ جہاں کہیں بھی بغاوت ہوئی، بغاوت کرنے والے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں یہ منصوبہ بندی ہمارے حق میں نہیں ہو گی بلکہ ہمارے سارے خاندان کے لئے خطرے کا باعث ہو گی۔''

ابراہیم جب خاموش ہوا تب علی قلی خان اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابراہیم! تم قبل از وقت بول اُٹھے ہو۔ میں نے ابھی اپنی بات مکمل نہیں کی۔ جب تم میری تیسری منصوبہ بندی سنو گے تو یقیناً مجھ سے اتفاق کرو گے۔ اور پھر تم تینوں منصوبہ بندیوں کی تعریف کرنے پر مجبور ہو گے۔''

جواب میں ابراہیم مسکرایا۔ کہنے لگا۔ ''اچھا کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

علی قلی خاں نے پھر کہنا شروع کیا۔

''بھائی! بات یہ ہے سیستان پہنچ کر جب ہم اپنی حکومت کا اعلان کریں گے تو ساتھ ہی میں چند خطرناک آدمیوں کو مقرر کروں گا جو نادر شاہ کی طرف آئیں گے اور مناسب موقع جان کر نادر شاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اب بولو کیا اب بھی تم یہ خیال کرو گے کہ ہماری دوسری منصوبہ بندی تمہارے اور ہمارے خاندان کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہے؟''

ابراہیم مسکرایا، نفی میں گردن ہلائی، کہنے لگا۔ ''اگر نادر شاہ کا خاتمہ ہو جائے پھر تو ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ بلکہ ہم تخت و تاج کے دعوے دار بن کر بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔''

اس پر علی قلی خاں نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا پھر کہنے لگا۔ ''ابراہیم! تو نے کیا خوب میرے مزاج کی بات کی ہے۔ جب نادر شاہ کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کے قتل کے بعد ہم آندھی اور طوفان کی طرح لشکر لے کر سیستان سے نکلیں گے۔ کیونکہ نادر شاہ نے اپنی ساری جمع کی ہوئی دولت اپنے پسندیدہ قلعے کلات میں رکھی ہوئی ہے۔ وہاں اس نے اپنے عزیز و اقارب کو بھی آباد کر دیا ہے۔ لہٰذا سیستان سے نکل کر اپنے لشکر کے ساتھ ہم سیدھا قلعہ کلات کا رخ کریں گے اور اس پر حملہ آور ہو کر وہاں نادر شاہ نے جس قدر دولت جمع کر رکھی ہے اس پر قبضہ کر لیں گے۔ جب وہ دولت ہمارے ہاتھ آ جائے گی تو یاد رکھنا ایران کے اندر ہماری حالت سب سے مضبوط اور

مستحکم ہو جائے گی اور اسی دولت کی بناء پر ہم ایران کے تاج و تخت کے مالک بھی بن سکیں گے۔''

علی قلی خان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ابراہیم بول اٹھا۔

''نادر شاہ اور اس کے دوسرے عزیز و اقارب کے مارنے جانے کے بعد کون سی قوت رہ جائے گی جو ہمیں تاج و تخت کی طرف بڑھنے سے روک سکے گی؟''

ہلکا سا ایک مکروہ قہقہہ علی قلی خاں نے لگایا۔ کہنے لگا۔

''بہت سی قوتیں ہوں گی جو مزاحمت کر سکیں گی۔ ایک نادر شاہ کے مرنے کے بعد چار بڑی قوتیں ہماری راہ کی رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ سب سے پہلی اور بڑی رکاوٹ احمد شاہ ابدالی ہو گا۔ دوسری رکاوٹ آزاد خان افغان کھڑی کرے گا اس لئے کہ وہ بھی تخت و تاج کا دعوے دار بن کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ تیسری رکاوٹ علی مردان خان بختیاری کی طرف سے ہو گی اس لئے کہ بختیاری قبیلہ بھی بڑی طاقت اور قوت رکھتا ہے۔ اور چوتھی طاقت محمد حسن قاچار کی ہو گی جو ان دنوں اپنے قبیلے کے جنگجوؤں کے ساتھ شمال کے کوہستانی سلسلوں کی طرف جا چکا ہے۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد محمد حسن قاچار جنگجو لڑکیوں سے بھی مدد لے سکتا ہے۔ وہ بھی نادر شاہ کے قتل کے بعد واپس آ کر اپنے آپ کو مسلح کر کے طاقت و قوت بڑھا کر ایران کے تاج و تخت کا دعوے دار کھڑا کر سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد علی قلی خاں جب رکا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے ابراہیم کہنے لگا۔

''میرے بھائی! پانچویں قوت بھی ہے جسے تم فراموش کر رہے ہو اور وہ ان ساری چار قوتوں سے زیادہ طاقتور اور بڑی رکاوٹ ثابت ہو گی۔''

علی قلی خاں نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

''ابراہیم خان! میں جانتا ہوں تمہارا اشارہ کس طرف ہے؟ اگر میں غلطی پر نہیں تو تم کریم خان کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ کریم خان ایک علیحدہ مزاج کا انسان ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ وہ تخت و تاج کا دعوے دار بن کر کھڑا نہیں ہو گا۔''

اس پر اس کی بات کاٹتے ہوئے ابراہیم بول اٹھا۔

''آپ جانتے ہیں کریم خان کی بیوی روزبہ ایران کے سابق شہنشاہ کی بیٹی ہے اور

اس رشتہ سے کریم خان تاج و تخت کا دعوے دار بن کر کھڑا ہو سکتا ہے۔''

ابراہیم کے ان الفاظ پر علی قلی خاں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''نہیں ابراہیم! میں تمہارے ان خدشات سے اتفاق نہیں کرتا۔ جہاں تک کریم خان کا تعلق ہے تو وہ ظاہری شان و شوکت کا قائل ہی نہیں ہے، انتہا درجہ کا نیک شخص ہے۔ کسی کو رنج اور تکلیف پہنچانے سے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کھیل سے اسے نکال دو۔ وہ ہمارے راستے کی رکاوٹ ثابت نہیں ہو گا یاد رکھنا، نادر شاہ کے قتل کے بعد جو لوگ ہم سے برسرِ پیکار ہوں گے ان میں احمد شاہ ابدالی، آزاد خاں افغان، علی مردان خان بختیاری اور محمد حسن قاچار پیش پیش ہوں گے اور ان چاروں قوتوں سے ہی ہمیں نمٹنا ہو گا۔

ابراہیم میرے بھائی! شاہی خاندان سے کوئی ایسا فرد نہیں اٹھے گا جو ہماری راہ روکے۔ لے دے کے ایک رضا قلی ہی رہتا تھا تو نادر شاہ کے قتل کے بعد اگر تخت و تاج کا دعوے دار نہ بھی ہوتا تب بھی لوگ اسے تخت و تاج کا مالک بناتے۔ اس لئے کہ وہ اس قابل تھا۔ لیکن اب چونکہ وہ بینائی سے محروم ہو چکا ہے لہٰذا تخت و تاج اس کے لئے بیکار ہے۔ اس کا بھائی نصر اللہ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ نہ وہ تیغ زنی میں مہارت رکھتا ہے نہ اس میں اتنی جرأت اور ہمت ہے کہ کسی لشکر کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا اگر ہم ان چاروں قوتوں کو یکے بعد دیگرے اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میرے عزیز بھائی! ایران کا تخت و تاج ہمارے پاس ہو گا اور آنے والے دور میں ہماری ہی نسلیں اس مملکت پر حکومت کریں گی۔ اب بولو جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

جواب میں ابراہیم بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''علی قلی! میرے بھائی! میں اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ ساتھ ہی آپ سے یہ بھی کہوں گا کہ اس منصوبہ بندی کو آخری شکل دینے کے لئے آپ ابھی سے اس کی ابتداء کر دیں۔ کہیں تاخیر کی صورت میں ہمارا معاملہ چوپٹ ہی نہ ہو جائے۔''

جواب میں علی قلی خاں نے ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا۔ ''تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں کل ہی اپنے کچھ مخصوص لوگوں کو سیستان کی طرف روانہ

کروں گا اور ان کے وہاں پہنچنے کے بعد ہماری منصوبہ بندی پر آپ سے آپ عمل شروع ہو جائے گا۔ میرے بھائی! جو کچھ میں نے کہنا تھا کہہ چکا۔ اب تم جا کر اپنے خیمے میں آرام کرو۔"

اس کے ساتھ ہی ابراہیم مسکراتا ہوا اٹھا اور اپنے بھائی علی قلی خاں کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کا رخ کر رہا تھا۔

شیروان میں اپنے خلاف اُٹھنے والی پہلی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے نادر شاہ نے ایک لشکر علی مردان خان بختیاری اور آزاد خان افغان کی کمانداری میں آگے بھجوایا جبکہ بڑے سالاروں میں سے احمد شاہ ابدالی، شیخ علی خان اور عالم خان کو اس نے اپنے پاس ہی رکھا اور جس جگہ اس نے پڑاؤ قائم کیا تھا اسی لشکر کے ساتھ اس نے اپنا قیام وہیں کئے رکھا۔

چنانچہ نادر شاہ کا حکم ملنے کے بعد آزاد خان افغان اور علی مردان خان بختیاری لشکر کو لے کر شیروان کی طرف بڑھے۔ شیروان میں بغاوت کرنے والوں نے چاروں طرف اپنے مخبر دوڑا رکھے تھے۔ جس وقت انہیں خبر ملی کہ نادر شاہ ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے اصفہان سے نکل چکا ہے اسی وقت انہوں نے اپنے تیز رفتار قاصد اپنے ہمسایوں لزکیوں کی طرف روانہ کئے تھے اور نادر شاہ کے خلاف ان سے مدد طلب کی تھی۔

شیروان والوں نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ لزکی اس سے پہلے نادر شاہ سے ٹکرا چکے تھے اور نادر شاہ کو وہ بدترین شکست دے چکے تھے۔ اس کے علاوہ شیروان والوں کی نسبت وہ زیادہ جنگجو اور عمدہ تیغ زن تھے۔ چنانچہ جب شیروان والوں نے نادر شاہ کے خلاف لزکیوں سے مدد مانگی تب لزکی نادر شاہ کے خلاف شیروان کے باغیوں کی مدد کرنے پر تیار ہو گئے۔

آزاد خان افغان اور علی مردان خان بختیاری جب اپنے لشکر کو لے کر شیروان کے قریب پہنچے تب شیروان کے باغیوں اور لزکیوں کا متحدہ لشکر ان کے سامنے آیا۔ لزکی

جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ جنگجو اور نڈر بھی تھے لہٰذا انہوں نے آزاد خان افغان اور علی مردان بختیاری کے سامنے آتے ہی یہ رائے دی کہ وقت ضائع کئے بغیر جنگ کی ابتداء ہو جانی چاہئے۔ شیروان کے باغیوں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے لزکی اور شیروان کے جنگجو اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے آزاد خان اور علی مردان خان بختیاری نے بھی اپنے لشکر کو استوار کرنا شروع کر دیا تھا۔

جب دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر چکے تب حملہ آور ہونے کی ابتداء لزکیوں اور شیروان کے جنگجوؤں نے کی۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور آزاد خان افغان اور علی مردان بختیاری کے لشکر پر وہ ریگستانوں میں منڈلاتے جبر کے تیز جھکڑوں، طلسماتی سنسانیوں میں برق کے نادیدہ لپکوں اور شام کی بے انت تاریکیوں میں آندھیوں اور ہواؤں کے دوش پر رقص کرتی قضا کی خونی بارش کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

آزاد خان افغان اور علی مردان بختیاری نے بھی جوابی کارروائی کرنے میں دیر نہ کی اور وہ بھی لزکیوں اور شیروان کے باغیوں پر بے کراں صحرا کی ویرانیوں میں رگ رگ میں چبھ جانے والے خوف، گہرے شور کی آتشی صداؤں میں بے رحم اضطراب، غم کی سرخ آزمائشوں اور شب کی سلوٹوں میں آگ کے دریا، خون کی ندیاں بہاتے انقلاب کی خونی علامتوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

شیروان شہر کے نواح میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے چاروں طرف شور قیامت اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دکھ کے ستارے، درد کے طوفان رقص کرنے لگے تھے۔ یوں لگا تھا جیسے دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے زمین کے چیتھڑے اُڑا دیں گے۔ زندگی کے نغموں اور خوابوں میں زہر گھلنے لگا تھا۔ زیست کے صفحہ قرطاس پر ہجر کے لمحوں کے طوفانوں کی کہانیاں، بد امنی اور اضطراب کے افسانے، بدبختیوں کی آہوں کے نوحے اور عداوت کی روئیدادیں رقم ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر تک دونوں لشکریوں میں گھمسان کا رن پڑا پھر وقت کے چشمِ بصیرت پر فضاؤں کی آنکھ نے دیکھا، لزکیوں اور شیروان کے جنگجوؤں کے سامنے نادر شاہ کے لشکر کی حالت بربادی کے سرمئی سایوں، مدفون افسانوں کی ویرانیوں، بے تاب کر دینے والی جلن و حرارت، اُداس شام پر مسلط ہوتی تاریکیوں اور مُردہ آرزوؤں سے بھی کہیں

ابتر ہونا شروع ہو گئی تھی۔

دوسری طرف شیروان والوں اور لزکیوں نے بھی نادر شاہ کے اس لشکر کی یہ حالت دیکھ لی تھی۔ لہٰذا ایک دوسرے کو للکارتے ہوئے وہ جرأتوں کے نقیب، وقت کے محتسب بن کر بیکراں خونی مناظر بھرے ہیولوں کی طرح اُمنڈنے لگے تھے۔ اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر کے وہ لہر لہر بھرے بھنور کھڑے کرتی وقت کی بدترین آندھیوں کی طرح ضرب لگانا شروع ہو گئے تھے۔ وہ وحشت کی پت جھڑ اور ادراک کے پیچ اُدھیڑتے بے روک شوریدہ جذبوں کی طرح وارد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ کچھ دیر کی مزید جنگ کے بعد نادر شاہ کے لشکریوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس جنگ میں بھی شیروان کے باغی لزکیوں کی مدد سے نادر شاہ کے لشکر کے مقابلے میں کامیاب رہے۔

اب لزکیوں اور شیروان والوں نے نادر شاہ کے لشکر کو شکست دینے کے بعد کوئی احتیاطی تدبیر اختیار نہ کی۔ لزکی اپنے علاقوں کو چلے گئے جبکہ اہلِ شیروان اپنے شہر میں مصروف ہو کر روزمرہ کے کاموں میں لگ گئے۔

اس جنگ سے متعلق مؤرخین کچھ اس طرح سے لکھتے ہیں:

> ''لزکیوں سے نادر شاہ کے شکست کھانے کی وجہ سے بغاوتوں کا دور شروع ہوا جو 1156ھ سے 1157ھ (1743ء سے 1744ء) تک جاری رہا۔ پہلے بغاوت شیروان میں ہوئی جس میں لزکیوں نے باغیوں کا ساتھ دیا اور نادر شاہ کا دو ہزار کا لشکر تہہ تیغ کر کے رکھ دیا۔''

یوں دوسری بار لزکیوں کی وجہ سے نادر شاہ کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب شکست خوردہ آزاد خان افغان اور علی مردان بختیاری اپنے لشکر کو لے کر واپس پہنچے تب نادر شاہ نے بڑے غم اور غصہ کا اظہار کیا۔ وہ پہلے ہی لزکیوں کی کامیابی اور ان کے ہاتھوں اپنی شکست پر تپا بیٹھا تھا۔ اب جب اسے یہ بتایا گیا کہ اس بار بھی لزکیوں نے اس کے لشکر کو بدترین شکست دی ہے تو وہ پہلے لشکر کے علاوہ 25 ہزار کے ایک اور لشکر کے ساتھ شیروان شہر پر چڑھ دوڑا۔ اس وقت تک لزکی اپنے علاقوں کو واپس جا چکے تھے۔ لہٰذا نادر شاہ غیض و غضب سے بھڑک اٹھا۔ باغیوں کی سرکوبی کے لئے وہ جرار لشکر لے کر شیروان کی طرف بڑھا۔ بڑی تگ و دو کے بعد اس نے شیروان کو فتح کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس فتح کے بعد شیروان میں نادر شاہ نے قتل عام کیا اور

لاشوں اور سروں کے مینار اس نے کھڑے کر دیئے تھے۔

انہی دنوں دوسری بغاوت شیراز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے نادر شاہ خود تو نہیں گیا، اس نے آٹھ ہزار کا ایک لشکر اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس لشکر نے بغاوت کو تو ختم کر دیا ساتھ ہی بغاوت کرنے والے تقی خان کو جو بغاوت کا سرغنہ تھا، قید کر لیا۔ اس تقی خان کو جب بغاوت کے جرم میں نادر شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو نادر شاہ نے اس کی ایک آنکھ نکلوا دی اور اس کے تمام لواحقین کو قتل کرا دیا۔

تیسری اور بڑی بغاوت استر آباد میں ہوئی۔ یہ بغاوت بھی بڑی سختی سے کچل دی گئی اور بغاوت ہونے کی وجہ سے استر آباد کے پورے صوبے کو نادر شاہ نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

ان دو بغاوتوں کو ختم کرنے تک نادر شاہ کے بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم کی سازش مکمل ہو چکی تھی لہٰذا سیستان میں بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نادر شاہ کے بھتیجے علی قلی خان اور اس کے بھائی ابراہیم کو ایسے ہی لمحے کا انتظار تھا۔ چنانچہ جب سیستان کی خبریں نادر شاہ کے پاس پہنچیں تو انہوں نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ نادر شاہ اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ کلات کے نواح میں قیام کئے ہوئے تھا۔ یہی وہ قلعہ تھا جہاں اس نے اپنے سارے خزانے جمع کر رکھے تھے اور ان دنوں اس کے سارے لواحقین اور اہل خانہ بھی وہیں قیام کئے ہوئے تھے۔

جس روز سیستان کی خبریں نادر شاہ کے پاس پہنچیں اُسی روز علی قلی خان اس وقت نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہوا۔ جس وقت نادر شاہ اپنے خیمے میں اکیلا تھا، خیمے کے دروازے کے پاس جا کر علی قلی رک گیا۔ اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اُس کے یہ آدابِ فرزندگی دیکھتے ہوئے نادر شاہ بے حد خوش ہوا۔ اسے اندر آنے کی اجازت دی۔ علی قلی کو جب نادر شاہ نے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ تب علی قلی بیٹھ گیا۔ وہ بظاہر بے حد اُداس اور افسردہ دکھائی دے رہا تھا لیکن اندر ہی اندر حالات اپنے حق میں ہونے کی وجہ سے مطمئن بھی تھا۔ اس کے بیٹھنے کے تھوڑی دیر بعد نادر شاہ نے اسے مخاطب کیا۔

''تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم کسی کرب میں مبتلا ہو یا مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو یا

تمہیں مجھ سے کوئی گلہ یا شکوہ ہے۔''

جواب میں علی قلی خان نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری پھر کہنے لگا۔

''اچھا ہوا آپ نے خود ہی یہ الفاظ ادا کر دیئے..... مجھے واقعی آپ سے شکوہ اور گلہ ہے۔''

اس بار غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نادر شاہ نے پوچھ لیا۔ ''کیسا گلہ؟ کس طرح کا شکوہ؟''

جواب میں پہلے کی نسبت زیادہ مؤدب ہوتے ہوئے علی قلی کہنے لگا۔

''میں آپ کے بھائی کا بیٹا ہوں۔ پہلے یہ بتائیں کہ آج تک کسی بھی موقع پر میں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی ہو۔ کسی معاملے میں انا پرستی اور سرکشی کا اظہار کیا ہو۔ آپ کے کسی فیصلے کے خلاف اعتراض کھڑا کیا ہو؟''

علی قلی خاں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نادر شاہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہنے لگا۔

''اب تمہیں مزید اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہو معاملہ کیا ہے؟ اب تم اصل مقصد کی طرف آؤ۔''

علی قلی خاں نے ایک لمبا سانس لیا، پھر دُکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''آج تک ہمارے خلاف کئی بغاوتیں اُٹھیں لیکن کبھی کسی بھی موقع پر آپ نے کسی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے میرا انتخاب نہیں کیا۔ اس سے میں آج تک یہی اندازہ لگا پایا ہوں کہ آپ مجھ پر یا میرے بھائیوں میں سے کسی پر اعتماد اور اعتبار نہیں کرتے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے خبر ہوئی ہے کہ سیستان میں بغاوت اُٹھی ہے۔ اب میں صرف اس خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ سے یہ گزارش کروں کہ کسی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے مجھے بھی کچھ ذمہ داریاں سونپ دی جائیں۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ میں آپ کے حق میں ان ذمہ داریوں کو کس طرح پورا کرتا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد علی قلی خان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک نادر شاہ بڑے توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

''تم بڑے وقت پر آئے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں سارے سالاروں کا ایک اجلاس بھی طلب کرنے والا تھا۔ اچھا ہوا اس اجلاس سے پہلے تم میرے پاس چلے آئے

اور سیستان کی بغاوت سے متعلق مجھ سے گفتگو کر لی۔ اگر تم اجلاس کے بعد آتے تو شاید میں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کسی اور کا انتخاب کر لیتا۔ لیکن اب اس بغاوت کے خاتمے کے لئے میں تمہیں ہی روانہ کروں گا۔ اس سلسلے میں تمہیں فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

لمحہ بھر کے لئے نادر شاہ رکا، دم لیا، دوبارہ علی قلی خان کو وہ مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''علی قلی خان! اگر تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی غبار ہے تو اس کو نکال دو۔ میرا ذہن تمہارے معاملے میں بالکل صاف ہے۔ بلکہ اب تو مجھے یہ بھی احساس ہو چکا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے رضا قلی کو ناحق سزا دی ہے اور بغیر کسی ثبوت، بغیر کسی مقصد اور بغیر کسی انصاف کے میں نے کریم خان کو زندان میں ڈال دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطیاں ہیں اور اب میں ان کی تلافی کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ دیکھو علی قلی.....!''

یہاں تک کہتے کہتے نادر شاہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ساتھ ہی آدابِ شاہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے علی قلی پھر بول اٹھا۔

''آپ نے میرے حق میں فیصلہ دے کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ سیستان کی بغاوت میں آپ کے حق میں کیسے ختم کرتا ہوں اور کس قدر سختی سے کچلتا ہوں اور وہاں کے لوگوں کو کیسے آپ کا مطیع اور فرمانبردار بناتا ہوں۔ میں اُن پر ایسی ضرب لگاؤں گا کہ آنے والے دور میں سیستان کی کوئی بھی قوت کو آپ کے خلاف سر اُٹھانے کی جرأت اور جسارت نہ ہو پائے گی۔

یہ جو آئے دن ہمارے خلاف بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں اب ان کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ میں آپ کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ جب میں سیستان پہنچ کر باغیوں کے خلاف ضرب لگاؤں گا تو میں اُن کی ایسی حالت کروں گا کہ اُن کی حالت کو دیکھتے ہوئے دوسرے علاقوں کے باغی عبرت پکڑیں گے اور آپ کے خلاف سر اُٹھانے کی کبھی کوشش نہیں کریں گے۔ اس موقع پر میں آپ سے یہ بھی گزارش کروں گا کہ آپ مجھے یہ بھی اجازت دیں کہ میں اپنے بھائی ابراہیم کے علاوہ اپنے اہلِ خانہ کو بھی لشکر میں شامل کر کے اپنے ساتھ سیستان لے جاؤں تاکہ پوری دل جمعی، پورے دھیان کے

ساتھ اس بغاوت کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے اس کا خاتمہ کر سکوں۔''

علی قلی خان کے ان الفاظ کے جواب میں نادر شاہ تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا، پھر علی قلی خان کے شانے پر اس نے بڑے شفقت آمیز انداز میں ہاتھ رکھا، کہنے لگا۔

''علی قلی! تمہیں اپنے بھائی ابراہیم کے علاوہ اپنے سارے اہلِ خانہ کو بھی لشکر میں شامل کرنے اور اپنے ساتھ سیستان لے جانے کی اجازت ہے۔ دیکھو! سیستان میں اُٹھنے والی بغاوت کے سلسلے ہی میں، میں اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کرنے والا تھا لیکن اب تمہارے آنے کے بعد ضرورت نہیں رہی۔ تم ایسا کرو اپنے کوچ کی تیاری کرو میرے پاس سے نکل کر سیدھے احمد شاہ ابدالی کے پاس جاؤ۔ اسے میرے پاس بھیج دو۔ جو لشکر تمہارے ساتھ جانے والا ہے اور جو جو چیزیں تمہیں مہیا کی جانی ہیں ان سے متعلق میں احمد شاہ ابدالی کو احکامات جاری کر دیتا ہوں۔ وہ تمہاری روانگی کا اہتمام کر دے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی سنو کہ جو ماضی میں مجھ سے غلطیاں ہوئیں ان کی میں تلافی کر رہا ہوں۔ احمد شاہ ابدالی کو میں نے صرف تمہاری روانگی کا اہتمام کرنے کے لئے طلب نہیں کیا بلکہ اس کے ذمہ میں دو اور اہم کام لگانے لگا ہوں۔

پہلا کام یہ کہ وہ میرے بیٹے رضا قلی اور اس کی بیوی الایہ کے پاس جائے اور جو کچھ میری وجہ سے رضا قلی پر بیتی اس کی معذرت کرے گا۔ رضا قلی کے لئے میں کچھ سامان بھی بھیجوں گا۔ احمد شاہ ابدالی میرے پاس آتا ہے۔ اس سے کہہ کر میں کچھ قاصد اصفہان کی طرف روانہ کرنے والا ہوں جو وہاں جا کر میرے احکامات پیش کریں گے۔ کریم خان کو زندان سے نکالیں گے اور اسے اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ رضا قلی کی حویلی میں رہنے کی اجازت ہو گی۔ اس سے بھی میں اپنے رویے کی معذرت کر لوں گا۔ اس لئے کہ اُس کی کوئی غلطی، اُس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ اُس کو زندان میں ڈالنے کے بعد میں نے خاص طور پر یہ محسوس کیا کہ جو بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں ان میں ہماری کارکردگی پہلے والی نہیں تھی۔ یہ کارکردگی کریم خان ہی کی وجہ سے تھی۔ اُس کے نہ ہونے سے میں اپنے لشکر میں بہت بڑی کمی محسوس کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اسے زندان سے نکال کر چند ماہ تک اپنی بیوی روزبہ کے پاس رہنے کی اجازت ہو۔ میں چونکہ اس سے معذرت کر لوں گا لہٰذا میں چاہتا ہوں چند ہفتے تک وہ اصفہان میں پُرسکون زندگی بسر کرے۔ اس کے بعد میں اُسے کوئی مہم سونپوں گا۔ میں جانتا ہوں جس

مہم کی طرف وہ جائے گا کامیابی اور فتح مندی اس کے قدم چومے گی۔ اب تم اُٹھو۔ اپنے خیمے میں جاؤ، اپنی تیاری کو آخری شکل دو۔ جاتے جاتے احمد شاہ ابدالی کو ہمارے پاس بھیج دو۔''

اس کے ساتھ ہی علی قلی خان اُٹھا اور نادر شاہ کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

علی قلی خان جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو وہاں اُس کا بھائی ابراہیم بڑی بے چینی سے خیمے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تھوڑی دیر تک ٹہلتے ہوئے شاید اُسی کے انتظار میں بڑی بے چینی کا اظہار کر رہا تھا۔ جونہی علی قلی خان خیمے میں داخل ہوا ابراہیم بے چینی سے اُس کی طرف بڑھا اور علی قلی خان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اس نے جستجو بھرے انداز میں پوچھ لیا۔

''میرے بھائی! جس کام کے لئے گئے تھے اُس کا کیا ہوا؟''

جواب میں علی قلی خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''اتنی بے چینی اور بے تابی کا اظہار نہ کرو۔ مجھے بیٹھ جانے دو۔ اس کے بعد میں تم سے تفصیل کہتا ہوں۔''

ابراہیم ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ علی قلی خان آگے بڑھ کر ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد علی قلی خان سے ساری تفصیل جاننے کے بعد ابراہیم کسی قدر پریشان ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بھائی علی قلی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ ایک اچھی خبر کے ساتھ ساتھ کچھ خدشات بھی لے کر آئے ہیں۔''

''کیسے خدشات.....؟'' غور سے ابراہیم کی طرف دیکھتے ہوئے علی قلی خان نے پوچھ لیا تھا۔

''یہ بات تو انتہا درجہ کی خوشی کی ہے کہ نادر شاہ نے ہم دونوں کو اپنے لواحقین کے ساتھ سیستان جا کر بغاوت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں ہمارے لئے مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ اُس نے ہمیں اپنے عزیز و اقارب اور اہلِ خانہ کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ساتھ ہی وہ ہمارے لئے لشکر کے ایک حصہ کو بھی مختص کرنے والا ہے۔

لیکن یہ جو خبر ہے کہ وہ اپنے بیٹے رضا قلی کے فیصلے کے علاوہ کریم خان کے فیصلے پر شرمندہ ہے، رضا قلی سے معذرت کرنا چاہتا ہے اور ایسا رویہ وہ کریم خان کے حق میں

رکھتے ہوئے اسے زندان سے نکالنا چاہتا ہے۔ لیکن میرے بھائی! سیستان کے حالات کو اپنے حق میں درست کرنے کے بعد جب ہم وہاں اپنی حکمرانی کا اعلان کریں گے تو یاد رکھنا نادر شاہ ہمارے خلاف حرکت میں آنے میں تاخیر نہیں کرے گا۔ اگر وہ موجودہ سالاروں میں سے کسی کو ہماری طرف بھیجتا تو ہمارے لئے آسانیاں تھیں۔ احمد شاہ ابدالی کے علاوہ سارے سالاروں سے ہم ٹکرا سکتے ہیں۔ جہاں تک احمد شاہ ابدالی کا تعلق ہے نادر شاہ عموماً اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے اور اس کے مشوروں پر عمل کرتا ہے، کوئی مہم سر کرنے کے لئے اسے روانہ نہیں کرتا۔ لیکن اب جو کریم خان کو زندان سے نکالنے کا فیصلہ کیا جا رہا ہے اور نادر شاہ اپنے رویے پر نادم ہے، اپنے فیصلے پر پچھتا بھی رہا ہے تو یقیناً کریم خان کو زندان سے نکال کر اپنے لشکر میں شامل کرے گا۔ اور اگر ہم نے سیستان میں بغاوت کر دی اور کہیں نادر شاہ نے ہماری سرکوبی کے لئے کریم خان کو مقرر کر دیا تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ ظاہر ہے ہم سیستان میں اپنی حکمرانی کا اعلان کرتے ہیں تو ہمارے اس فیصلے کو نادر شاہ اپنے خلاف بغاوت خیال کرے گا اور ہماری اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے وہ یقیناً کریم خان کو ہی سیستان پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کرے گا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہم دونوں بھائی بڑے سے بڑے لشکر کے ساتھ کم از کم کریم خان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔''

اس موقع پر علی قلی خان نے اپنے سر کو جھٹکا، پھر کہنے لگا۔

''ابراہیم! جو تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ سب اندیشے اور مفروضے ہیں۔ ہو سکتا ہے جب ہم نادر خاں کے خلاف بغاوت کریں تو وہ کچھ عرصہ خاموشی اختیار کئے رکھے، ہمارے خلاف کسی کو مقرر نہ کرے اور اسی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنی طاقت کو مزید مستحکم کرتے رہیں گے۔ جہاں تک کریم خان کا تعلق ہے میرا دل کہتا ہے اب نادر شاہ احمد شاہ ابدالی کی طرح کریم خاں کو بھی اپنے پاس ہی رکھا کرے گا اور اس کے مشوروں سے مستفید ہونے کی کوشش کرے گا۔ تمہارا یہ اندیشہ.....''

علی قلی خاں کہتے کہتے رک گیا اس لئے کہ ابراہیم بول اٹھا۔

''مجھے یہ بھی فکر لاحق ہو گئی ہے کہ اگر ہم سیستان پر قبضہ کر کے طاقت اور قوت حاصل کر لیتے ہیں تب بھی ایران کے تاج و تخت کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے راستے میں رکاوٹیں ضرور رہیں گی۔ ایک رضا قلی اور دوسرا کریم خان۔''

ابراہیم کے ان خدشات کے جواب میں علی قلی خان نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا۔

''بھائی! یہ بھی تم نے خوب کہی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ہمارے لئے رکاوٹ نہیں ہے۔ جہاں تک رضا قلی کا تعلق ہے وہ اندھا ہو کر کسی کام کا نہیں رہا۔ حکمرانی نہیں کر سکتا لہٰذا اس کی بات ہی نہ کرو۔ باقی رہ گیا کریم خان تو وہ مذہبی اور بڑا مخلص انسان ہے۔ میری بات یاد رکھنا، وہ تخت و تاج کی کوئی حرص اور حکمرانی کا کوئی لالچ نہیں رکھتا۔ وہ ہمارے خلاف حرکت میں نہیں آئے گا۔ اس طرح ایران کے تاج و تخت کی طرف بڑھنے کے لئے ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔ کریم خان کے بعد احمد شاہ ابدالی کو تم پیش کرو گے تو وہ رکاوٹ بن سکتا ہے۔ دیکھو! احمد شاہ ابدالی پر نادر شاہ کے احسانات ہیں کہ اس نے اسے قندھار کے قید خانے سے نجات دلا دی۔ احمد شاہ ابدالی افغان ہے۔ اس کے پاس اٹھتے بیٹھتے میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا ہے کہ وہ صرف افغانوں کو متحد اور مجتمع کر کے افغانستان میں ان کی ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور میرا دل کہتا ہے اگر ہم نادر شاہ کو کسی اچھے موقع پر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں تو احمد شاہ اور کریم خان دونوں میں سے کوئی بھی ایران کی حکومت کی تمنا نہیں کرے گا۔ جہاں تک کریم خان کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں وہ گوشہ نشینی میں چلا جائے گا۔ جبکہ احمد شاہ ابدالی افغانوں کو اپنے اردگرد متحد کر کے افغانستان میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔

میرے بھائی! اب سب اندیشوں، سب مفروضوں کو پس پشت ڈال دو۔ اب اُٹھو، اپنی تیاری کریں۔ اپنے اہلِ خانہ کو بھی یہ خوشخبری سنائیں۔ اتنی دیر تک لشکر تیار ہو جائے گا جس نے ہمارے ساتھ جانا ہو گا۔ پھر ہم یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔''

علی قلی خان کے ان الفاظ پر ابراہیم بھی خوش ہو گیا تھا۔ دونوں خیمے سے نکل گئے تھے۔

اسی وقت احمد شاہ ابدالی، نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر نادر شاہ نے اس کا استقبال کیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا۔ احمد شاہ ابدالی جب بیٹھ گیا تب نادر شاہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگا۔

''احمد شاہ! میں نے تمہیں چند امور پر گفتگو کرنے کے لئے بلایا ہے۔ میں سمجھتا

ہوں میں نے اپنے بیٹے رضا قلی کے معاملے میں غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور اب میں اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں۔ میرے عزیز! کچھ قاصد اصفہان روانہ کرو۔ ان کے لئے میں کچھ رقوم اور تحائف بھی تمہیں دوں گا۔ وہ رقوم اور تحائف میرے بیٹے رضا قلی اور کریم خان تک پہنچائے جانے ہیں۔ اسی روز وفد کے ہاتھ میں ایک حکم نامہ بھی لکھ بھیجوں گا جس کے تحت کریم خان کو زندان سے نکال کر چند ہفتوں تک اپنی بیوی روزبہ کے پاس پُر امن زندگی بسر کرنے کا موقع دیا جائے گا اور اس کے بعد میں اُسے اپنے لشکر میں واپس بلانا چاہتا ہوں۔

احمد شاہ! میں جانتا ہوں تمہارے علاوہ آزاد خان، علی مردان خان، شیخ علی خان، عالم خان اور میرے دونوں بھتیجوں علی قلی خان اور ابراہیم خان اور کچھ دوسرے سالاروں نے دبے دبے الفاظ ہی نہیں بلکہ خاموشی کے ساتھ ہی اپنے بیٹے سے متعلق میرے فیصلے پر خدشات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن کچھ ایسے اُمراء بھی تھے کہ جنہوں نے میرے اس فیصلے کی تائید کی اور زور دے کر مجھ سے کہا کہ میرا بیٹا رضا قلی میرے خلاف بغاوت کرنے پر تُلا ہوا ہے لہٰذا اسے سزا ملنی چاہئے۔ پہلے میں رضا قلی سے معذرت کر لوں پھر میں ایسے اُمراء سے خوب نمٹوں گا۔ احمد شاہ! یہ کام میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔

دوسرا کام سیستان کی بغاوت کے سلسلے میں ہے۔ جس قدر لشکر اس وقت ہمارے پاس یہاں ہے اس کا کم از کم تیسرا حصہ علی قلی خان اور ابراہیم کے حوالے کر دینا۔ تھوڑی دیر پہلے علی قلی خان ہی مجھ سے مل کر گیا ہے اور اسی کے ذریعہ میں نے تمہیں بلایا ہے۔ وہ دونوں بھائی اپنے اہل خانہ کے ساتھ لشکر لے کر سیستان کا رخ کریں گے اور سیستان میں اٹھنے والی بغاوت کو فرو کریں گے۔ علی قلی خان نے اس بغاوت کے خاتمے کے لئے خود اپنے آپ کو میرے سامنے پیش کیا ہے اور میں اس کی پیشکش پر مطمئن اور خوش ہوں۔

جس لشکر نے ان کے ساتھ جانا ہے اسے علیحدہ کر کے احمد شاہ، علی قلی خاں اور ابراہیم کی روانگی کا اہتمام کر دینا۔ اگر وہ دونوں بھائی مل کر سیستان کی بغاوت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں ان کی طرف سے یہ ایک بہت اچھا اقدام بلکہ عمدہ اور بہترین معرکہ آرائی ہو گی۔ اب تم اٹھو۔ قاصدوں کے ایک گروہ کو تیار کرو جو اصفہان کی طرف جائے گا۔ ساتھ ہی علی قلی خان اور ابراہیم کے لئے بھی لشکر

مختص کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آؤ۔ جو چیزیں میں نے اصفہان بھجوانی ہیں وہ تمہارے حوالے کر دوں گا اور وفد کو آج شام تک اصفہان روانہ ہو جانا چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب نادر شاہ نے احمد شاہ ابدالی کو جانے کی اجازت دی تب احمد شاہ خیمے سے نکل گیا۔ احمد شاہ نے اسی روز ایک وفد اصفہان کی طرف روانہ کر دیا تھا اور لشکر کا ایک حصہ اس نے علی قلی خان اور اس کے بھائی ابراہیم کے لئے علیحدہ کیا اور وہ دونوں بھائی بھی اس لشکر کے ساتھ اپنے اہل خانہ کو لے کر سیستان کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ اس طرح علی قلی خان اور ابراہیم دونوں نے جو اپنے چچا نادر شاہ کے خلاف سازش کا جال بچھایا تھا وہ کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

سیستان پہنچ کر علی قلی خان اور اس کے بھائی ابراہیم خان نے پہلے وہاں کے حالات درست کئے، اس کے بعد سیستان سے نادر شاہ کے پاس یہ خبریں آنا شروع ہوئیں کہ اس کے بھتیجے علی قلی خان نے سیستان میں اُٹھنے والی بغاوت کو ختم کرتے ہوئے وہاں امن و امان قائم کر دیا ہے۔

سیستان کی طرف سے یہ خبر سن کر نادر شاہ بے حد خوش ہوا۔ اپنے بھتیجے علی قلی خان کی اس کارگزاری پر اس نے اطمینان کا اظہار بھی کیا۔ اب وہ یہ خیال کرنے لگا تھا کہ وہ ساری بغاوتوں کو ختم کر چکا ہے اور اصفہان کا رخ کرے گا اور وہاں پُرسکون زندگی بسر کرے گا۔

دوسری طرف اس کے دونوں بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم خان ایک روز سیستان میں اکٹھے ہوئے۔ علی قلی خان نے اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم خان کو اپنے پاس بلایا تھا۔ جب دونوں بھائی اکٹھے بیٹھ گئے تب کچھ دیر تک علی قلی خان گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اُس کی حالت دیکھتے ہوئے قدرے فکرمندی کے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے ابراہیم خان نے پوچھ لیا۔

''کیا کوئی نئی تبدیلی رونما ہوئی ہے جس نے میرے بھائی کو فکرمند اور پریشان کر دیا ہے؟''

اس پر اپنی جھکی ہوئی گردن علی قلی نے سیدھی کی اور اپنے بھائی ابراہیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ابراہیم خان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل اب میں اپنے کام کو انجام دینے

لگا ہوں۔ میرے بھائی! ایک معاملہ میں نے تم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ وہ کہیں دوسرے کانوں میں نہ چلا جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم دونوں بھائیوں کی گردنیں کاٹ دی جاتیں۔ لیکن اب ہمارا معاملہ ایک ایسی نہج پر پہنچ چکا ہے کہ میں ہر چیز تم پر عیاں کر دینا چاہتا ہوں۔

میرے عزیز بھائی! تُو جانتا ہے ہمارے چچا نادر شاہ کے محافظ دستوں کا سالار محمد قلی خان ہے۔ ایک طرح سے وہ میرا ہم نام ہی ہے جبکہ اس کے امورِ خانہ داری کا نگہبان صالح خان ہے۔ میں نے ان دونوں کے ساتھ پہلے ہی ساز باز اور پکی پختہ بات کر رکھی ہے اور انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب اور جس وقت بھی میں چاہوں گا وہ دونوں کچھ دوسرے سالاروں کو اپنے ساتھ ملا کر نادر شاہ کا خاتمہ کر دیں گے۔ میرے بھائی! یہ معاملہ مصلحت کی خاطر تم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ تم برا مت ماننا۔"

ہلکی سی مسکراہٹ ابراہیم کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

"اس میں برا ماننے والی کون سی بات ہے؟ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اب آپ نے اگلا قدم کیا اٹھایا ہے؟"

"میں نے اگلا قدم یہ اُٹھایا ہے کہ کچھ قاصدوں کو میں نے نادر شاہ کی طرف بھجوایا ہے۔ وہ وہاں دو کام کریں گے۔ پہلا کام یہ کہ وہ نادر شاہ تک یہ بات پہنچا دیں گے کہ اس کے بھتیجے علی قلی خان اور ابراہیم خان نے سیستان کے اندر ایک آزاد حکومت قائم کر کے اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اعلان آج ہو بھی جائے گا۔

اس کے علاوہ دوسرا کام وہ یہ کریں گے کہ نادر شاہ کے لشکر کے سالار محمد قلی خان اور امورِ خانہ داری کے سالار صالح خان دونوں سے ملاقات کریں گے اور انہیں میرا یہ پیغام بھجوائیں گے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو، نادر شاہ پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیں۔ احتیاطاً میں اپنا لشکر لے کر سیستان سے کچھ آگے روانہ ہو جاؤں گا اور جب مجھے نادر شاہ کے مرنے کی خبر ملے گی تو ہم آندھی اور طوفان کی طرح یہاں سے نکل کر سب سے پہلے قلعہ کلات کا رخ کریں گے۔ یہاں نادر شاہ نے اپنے سارے خزائن کو جمع کر رکھا ہے۔ اور اس کے سارے مال و دولت پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے سالاروں میں تقسیم کریں گے اور اصفہان کا رخ کرتے ہوئے اپنی حکومت کا اعلان کر دیں گے۔

اس سلسلے میں کسی سالار سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ بڑے سالاروں میں احمد شاہ ابدالی، کریم خان، شیخ علی خان، عالم خان، علی مردان خان بختیاری، آزاد خان افغان اور جتنے بھی چھوٹے بڑے سالار ہیں سب کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کریں گے اور مجھے امید ہے کہ جب ہم ایسا کریں گے تو وہ سب ہماری حکومت کو تسلیم کر لیں گے تو ہمیں ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ نادر شاہ کی طرح ہم بھی ایران پر حکومت کرتے رہیں گے۔ میرے بھائی! ایران کا حکمران بننے کے بعد سب سے پہلا کام میں یہ کروں گا کہ تمہیں اپنا نائب اور آئندہ کا حکمران مقرر کر دوں گا۔ اس طرح ہم دونوں بھائی مل کر ایران پر نادر شاہ سے کہیں زیادہ احسن اور مستحکم انداز میں حکومت کرنا شروع کر دیں گے۔"

اس کے ساتھ ہی علی قلی خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ابراہیم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ابراہیم خان! اُٹھو۔ اب دو کام کریں گے۔ پہلا یہ کہ سیستان میں اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کا اعلان کریں دوسرے اپنے لشکر کو یہاں سے کوچ کر کے کہیں نادر شاہ کے قریب لے جا کر پڑاؤ کرنے کی کوشش کریں۔"

ابراہیم خان نے مسکراتے ہوئے اپنے بھائی علی قلی کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد دونوں بھائی اُٹھ کر لشکر گاہ کی طرف چلے گئے تھے۔

اسی دوران نادر شاہ کے لئے بھی ایک تبدیلی پیدا ہوئی۔ وہ یہ کہ شمال کے کردوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ نادر شاہ اب کسی بغاوت اور سرکشی کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ اتنی بڑی سلطنت کا حکمران بننے اور پے در پے فتوحات حاصل ہونے کے بعد ایک طرح سے نادر شاہ کا ذہنی اور دماغی توازن متزلزل ہو گیا تھا۔ شک اور وہم کی بیماری میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔ بات بات پر بھڑک جاتا اور اپنے مقربین بارگاہ کو معتوب قرار دے کر انہیں لرزہ خیز اذیتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بناتا۔ اس طرزِ عمل سے وفاداروں کے قدم بھی ڈگمگانے لگے اور ان میں بھی باغیانہ جذبات پیدا ہو گئے۔ اس چیز نے اسے اور بھی زیادہ مشتعل کر دیا اور ذرا ذرا سے شبہ پر قتل و ہلاکت کا بازار گرم کرنے لگا تھا۔

ان حالات میں اس نے سب سے پہلا اور برا فعل یہ کیا کہ اپنے اُن اُمراء

سالاروں کو طلب کیا جنہوں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ اس کے بیٹے رضا قلی کو بغاوت کے جرم میں سزا ملنی چاہئے۔ چنانچہ جب وہ سارے اُمراء اور سالار اُس کے پاس جمع ہوئے تب نادر شاہ نے ان سب کی گردنیں کاٹنے کا حکم دے دیا تھا۔ ان پر الزام یہ لگایا گیا تھا کہ جب اُس نے اپنے بیٹے رضا قلی سے معلوم کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے کیوں اُسے اس فیصلے سے روکا جو فیصلہ کسی ٹھوس بنیاد پر نہ تھا۔ چنانچہ اسی جرم میں ان سارے اُمراء اور سالاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا تھا۔

اس کے بعد اُس نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا۔ یلدر اور کرمان سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ جہاں کہیں بھی وہ پڑاؤ کرتا لوگوں کو معتوب قرار دے کر طرح طرح کی اذیتیں دیتا اور بہتوں کو ہلاک کر ڈالتا۔ بعض دفعہ مقتولین کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی کہ سروں کا مینار تیار کر دیا جاتا تھا۔

کرمان میں جشنِ نوروز دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منانے کے بعد نادر شاہ مشہد کی طرف بڑھا۔ مشہد ہی میں قیام کے دوران نادر شاہ کو اپنے بھتیجے علی قلی خان کی بغاوت اور پھر سیستان میں آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کی خبر ملی۔

اس خبر نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا اور نادر شاہ کے ظلم اور جبر کے خلاف جو فضا پیدا ہو گئی تھی وہ اور زیادہ شدید ہو گئی تھی۔

کردوں کی بغاوت کی وجہ سے نادر شاہ پہلے ہی غضب ناک تھا۔ اب اسے یہ خبر ملی کہ سیستان میں اس کے بھتیجے نے بغاوت کر کے وہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی ہے تب نادر شاہ کی برہمی اور اس کے اشتعال میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جو مجرم بغاوت اور شورش کے سلسلے میں ہاتھ آتا، اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اس طرح اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہوا خطا آباد پہنچا۔

اس موقع پر نادر شاہ سے متعلق مؤرخین نادر شاہ کی دلی کیفیات سے متعلق عجیب سے الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں:

''ان حالات میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے نادر شاہ کو کسی نا معلوم حادثہ کا خطرہ اپنے سر پر منڈلاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جو اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس لئے کہ کئی دن تک اس نے اپنی حرم سرا میں ایک گھوڑا جس پر ہمہ وقت زین کسی رہتی تھی، تیار رکھا۔ اس کا ارادہ اپنے محفوظ

قلعے کلات کی طرف چلے جانے کا تھا جس کے اندر اُس نے اپنی ساری دولت اور خزانہ جمع کر رکھا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ کلات میں جا کر اپنے لشکر کے ساتھ وہ کچھ دن رہے گا اور اس دوران جو آفت اس پر نازل ہونے والی ہے وہ ٹل جائے گی۔''

لیکن اس کے محافظوں نے اسے روکا اور بتایا کہ اگر وہ چلا گیا تو حالات اور زیادہ ناسازگار اور نامساعد ہو جائیں گے۔

اس کے سالاروں نے اسے یقین دلایا کہ وہ اس کے جانثار اور سرفروش خادم ہیں اور اس کے پسینہ پر خون بہانے کو تیار ہیں۔ انہوں نے یہ بھی یقین دلایا کہ وہ اس کے دشمنوں سے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اپنے آخری قطرۂ خون تک جنگ کرتے رہیں گے اور نادر شاہ کو یہ بھی باور کرانے کی کوشش کی کہ ان میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا ساتھ چھوڑ جائے۔

اس یقین دہانی کے بعد اس نے قلعہ کلات کی طرف جانے کا اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس کے باوجود وہ اپنے لئے خطرہ محسوس کرتا تھا۔ اس لئے کہ چند ماہ پہلے اس پر افغانوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔

فتح آباد تک پہنچتے پہنچتے نادر شاہ پر کسی قدر یہ بھی عیاں ہونے لگا کہ اس کے دربار کے اشراف میں سے محمد قلی خان اور صالح خان سب سے زیادہ اس کے خلاف ہیں۔ اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہی دونوں سب سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ اس کے خلاف کر رہے ہیں۔ جہاں تک اوّل الذکر محمد قلی کا تعلق ہے تو وہ نادر شاہ کے محافظ دستوں کا سالارِ اعلیٰ تھا اور دوسرا جس کا نام صالح خان تھا، وہ نادر شاہ کے امورِ خانہ داری کا سربراہ اور ذمہ دار تھا۔ نادر شاہ کھل کر ان کے خلاف حرکت میں بھی نہیں آنا چاہتا تھا کہ کہیں لشکر کے اندر بغاوت ہی نہ اُٹھ کھڑی ہو اور اس کے لئے زیادہ خطرناک صورتِ حال پیدا نہ ہو جائے۔

اس کے علاوہ وہ صالح خان کو تو اپنے لئے زیادہ خطرہ نہیں خیال کرتا تھا اس لئے کہ اُس کی ماتحتی میں کوئی لشکر یا سپاہ نہیں تھی لہٰذا اس صالح خان کی مخالفانہ سرگرمیوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اصل خطرہ محمد قلی خان سے تھا اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ نادر شاہ خائف بھی تھا۔

یہ محمد قلی خان بڑا تیز، منچلا اور سراپا جوش و عمل تھا۔ اپنی بہادری اور دلیری کے باعث مقبولِ عام اور محبوبِ خاص تھا اور سرکاری عمال اور حکام سے بھی اس کے تعلقات زیادہ سے زیادہ دوستانہ اور یگانگت کا پہلو لئے ہوئے تھے۔ لہٰذا یہ شخص جس سے اصل خطرہ تھا نادر شاہ اس سے ہی متوحش اور بدگمان تھا۔

یہ شخص محمد قلی خان آگے چل کر نادر شاہ کے لئے قضاء کا عالم کھڑا کرنے والا تھا۔

نادر شاہ کو جب محمد قلی خان اور صالح خان دونوں سے خطرہ محسوس ہونے لگا تو اس نے ایک قدم اٹھایا۔ چونکہ صالح خان اور محمد قلی خان دونوں ایرانی تھے لہٰذا ان لوگوں کی سازشوں اور ان لوگوں کی کارروائیوں کا سدباب کرنے کے لئے نادر شاہ نے اپنے لشکر کے اندر احمد شاہ ابدالی کی سرکردگی میں جو چار ہزار کے قریب افغان لشکری کام کر رہے تھے ان کے چیدہ چیدہ سالاروں اور ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی کو بھی اپنے خیمے میں طلب کر لیا۔ یہ افغان لشکری پورے طور پر نادر شاہ کے وفادار اور ایرانیوں کے مخالف اور دشمن تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک رات نادر شاہ نے احمد شاہ ابدالی اور دوسرے افغان سالاروں کو اپنے حضور طلب کیا اور جب وہ اس کے پاس پہنچے تب نادر شاہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! میں اپنے نگہبانوں سے مطمئن نہیں ہوں۔ البتہ تمہاری وفاداری اور دلیری کا مداح اور قدر شناس ہوں لہٰذا تمہارا حمایتی، تمہارا وفادار ہونے کے باعث تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ صبح ہی صبح میرے تمام ایرانی اُمراء اور سالاروں کو گرفتار کر لینا اور ان سب کو زندان کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دینا چاہتا ہوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ کچھ دیر کے لئے رُکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہ احمد شاہ ابدالی اور اس کے ساتھی سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ان میں سے اگر کوئی مزاحمت کی جرأت کرے تو زیادہ رعایت مت کرنا۔ فوراً اُسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔ یہ میری ذاتی سلامتی اور تحفظ کا سوال ہے۔ میں اپنی زندگی کے تحفظ اور سلامتی کے بارے میں جس پر اعتماد کر سکتا ہوں وہ تم اور صرف تم لوگ ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ جب خاموش ہوا تب احمد شاہ ابدالی بڑی عقیدت

اور بڑے احترام کے ساتھ نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''آپ کو اپنی سلامتی اور تحفظ کے سلسلے میں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ہمارے لشکر میں کوئی ایسا سالار نہیں جو آپ کے خلاف بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش کرے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں آپ کی حفاظت اور سلامتی کی خاطر میں اور میرے ساتھی سینہ سپر ہو جائیں گے۔ تاہم اس موقع پر مجھے ایک کمی ضرور محسوس ہو رہی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی جب خاموش ہوا تو اس کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نادر شاہ نے تجسس بھرے انداز میں پوچھ لیا۔

''احمد شاہ! تم کس کمی کا ذکر کرنا چاہتے ہو؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر احمد شاہ کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

''میں سوچتا ہوں کاش ان حالات میں ہمارا سالار کریم خان ہمارے ساتھ ہوتا۔ آپ جانتے ہیں وہ آپ کا کس قدر وفادار اور کس قدر احترام کرنے والا ہے۔''

احمد شاہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دکھ بھرے انداز میں نادر شاہ بول اٹھا۔

''کریم خان یقیناً ایسا سالار ہے جو بے کراں اندھیروں، صداؤں کے اندھے صحرا میں زیست کی قطار کے منتشر اوراق کو جمع کر کے زندگی کو نیا رنگ دینے کی ہمت رکھتا ہے۔ وہ یقیناً ان مجاہدوں میں سے ایک ہے جو ظلم و استبداد کے جھکڑوں، موت کے طمانچے مارتی اندھیاؤ اور غم زدہ جذبوں میں خونی فطرت کی طرح زیر کر دینے والی قوت کی طرح جبر بن کر کھڑا ہو سکتا ہے۔

وہ ایک ایسا نایاب فرزند ہے جو لب بستہ حبس رُتوں کو رقص کرتی چاندنی، مجبوریوں کے روتے اشجار کو اُمیدوں کے ایوانوں، اُداس شام پر مسلط تاریکیوں اور ماورائے بیان اندھیروں کو چمک اور مُردہ آرزوؤں کو خوابوں کے پھولوں میں تبدیل کرنے کا ہُنر اور صناعی جانتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ کچھ دیر کے لئے رُکا۔ پھر وہ انتہائی دُکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''کریم خان یقیناً ایسا سالار ہے جو میرے دشمن کی خون کی حدتوں میں المناکیوں اور ان کی رگوں میں اندھی اُداسیاں لا سکتا ہے۔ وہ ایسا مہربان ساتھی ہے جو اپنی تقدیر

کے کند تیشے کو وقت ضائع کئے بغیر تقدیر کی صیقل شدہ تلوار میں تبدیل کر سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کچھ دیر کے لئے نادر شاہ کی گردن جھکی رہی۔ کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''احمد شاہ! میں سمجھتا ہوں کریم خان کو سزا دیتے وقت اُسے اصفہان کے زندان کی طرف روانہ کرتے وقت میں اپنی عقل کی معراج سے اُتر گیا تھا۔ اُس وقت میرے سامنے کریم خان اپنی زیست کو نہیں ہارا تھا بلکہ اپنے مقدر کی جنگ ہارا تھا۔ اُس کے خلاف یہ فیصلہ دے کر میں نے اُس کی ذات کے حصار میں شکست و ریخت کے لمحے نہیں بھرے بلکہ میں نے ایسا کر کے خود اپنی ذات کو شکست خوردہ اور اوہام کے زنگاروں کی نذر کر دیا تھا۔ میں نے کریم خان کو یہ سزا دے کر گویا اپنے دل کے آبگینے میں ایسی ضرب لگائی کہ چُور چُور، کرچی کرچی ہو جائے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد غمزدہ سے انداز میں نادر شاہ پھر رکا۔ پھر دوبارہ دُکھ بھرے انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔

''کاش میں نے جرأتوں کے اُس نقیب جانثاری کے اس محتسب کی قدر کی ہوتی۔ کاش! اُسے سزا دے کر میں نے زہر آلود داستانوں کی ردا اور کالی پت جھڑ کی وحشت کے سپرد نہ کیا ہوتا۔ آج اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو یقیناً جنوں کے ہجوم میں دھاڑتی شور مچاتی کف اُڑاتی موجوں اور بصارتوں کو غیر متحرک کرتے ادراک کی طرح میرے دشمنوں پر ایسی ضرب لگاتا کہ انہیں لمحوں کے اندر نیست و نابود کر کے رکھ دیتا۔

احمد شاہ ابدالی! جہاں میں زندگی بھر اپنے بیٹے رضا قلی کو آنکھوں سے محروم کرنے کے فیصلے پر پچھتاتا رہوں گا وہاں میں اپنی زندگی کے سارے دنوں میں کریم خان کو دینے والی سزا پر پچھتاوے کا اعلان کرتا رہوں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد نادر شاہ رکا، پھر دوبارہ احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اگر قدرت نے مجھے مہلت دی کہ واپس اصفہان کی طرف جاؤں تو میں خود چل کر پہلے کریم خان کے پاس جاؤں گا۔ اپنے رویے کی اس سے معذرت کروں گا۔ یہی معذرت اس کی بیوی سے بھی کروں گا۔ اس کے بعد میں اپنے بیٹے رضا قلی کے پاس جاؤں گا۔ اس سے معذرت نہیں کروں گا بلکہ معافی مانگوں گا۔ اسے اپنا ولی عہد مقرر

کروں گا۔ میرے بعد ایران کا وہی حکمران ہو گا اور اس کی رہنمائی کے لئے میں احمد شاہ ابدالی! تمہیں اور کریم خان کو اس کا اتالیق اور مددگار مقرر کروں گا۔''

نادر شاہ کی اس گفتگو سے احمد شاہ ابدالی ہی نہیں دوسرے سالار بھی بے حد متاثر دکھائی دے رہے تھے۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی بھی نادر شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ آپ نے میرے افغان لشکریوں پر اپنے اعتماد اور بھروسے کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی میں آپ سے یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ جو احکامات آپ نے دیئے ہیں ان احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے گا اور صبح کی معرکہ آرائی میں وقت دیکھے گا کہ کون غالب کون مغلوب رہتا ہے..... اب مجھے اجازت دیں تاکہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اسے کرنے کے لئے میں اپنی تیاریوں کو آخری شکل دوں۔''

نادر شاہ نے جب اس سے اتفاق کیا تب احمد شاہ ابدالی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چل دیا تھا اور صبح کی معرکہ آرائی کی تیاری کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اس معرکہ کے لئے آمادہ بھی کر لیا تھا جو صبح پیش آنے والا تھا اور کوئی شبہ نہیں حد درجہ خوفناک بھی ہو سکتا تھا۔

اس ساری گفتگو سے صاف ظاہر تھا کہ نادر شاہ اُن ایرانی سالاروں کے قتل عام کے درپے تھا جو اس کی نظر میں مشکوک اور معتوب تھے لیکن شاید اس وقت قسمت کوئی اور ہی فیصلہ کر چکی تھی۔

نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان ہونے والی یہ باتیں ایک مخبر کے کان میں پڑ گئیں اور اس نے فوراً ہی ان ساری باتوں کی اطلاع جا کر نادر شاہ کے محافظ دستوں کے سالار محمد قلی خان کو کر دی۔ ایک ایک لفظ اس ساری گفتگو کا جو نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان ہوئی تھی، بتا دیا۔

چنانچہ یہ گفتگو سن کر محمد قلی خان سخت غضب ناک ہوا۔ کوئی عملی مظاہرہ کرنے اور کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے اُس نے اپنے ساتھی صالح خاں کا رخ کیا۔ صالح خاں اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا تھا۔ اسے محمد قلی خاں نے غنیمت جانا لہٰذا اس کے خیمے میں داخل ہوا اور جو کچھ مخبر نے کہا تھا وہ تفصیل کے ساتھ صالح خاں کو بتا دیا تھا۔ محمد قلی خاں جب خاموش ہوا تب صالح بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''قلی خان! مجھے کم از کم نادر شاہ سے تو ایسی اُمید نہ تھی کہ وہ افغانوں کو ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔''

صالح خان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ محمد قلی خان اس کی بات کاٹتے ہوئے بول اٹھا۔

''صالح خان! کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں نادر شاہ کی نگاہ میں مشکوک ہو گئے ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا وہ ہماری گردنیں کاٹ دے گا۔ لیکن اپنی گردنیں کٹنے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے۔''

محمد قلی خاں کے خاموش ہونے پر صالح خاں بول اٹھا۔

''میں یہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایرانی سالاروں کے خلاف نادر شاہ اس قدر شدید جا سکتا ہے۔''

صالح کے ان الفاظ کے جواب میں قلی خان پھر بول اٹھا۔

''اس قدر شدید ہو جانے سے کوئی جذبہ، کوئی رشتہ، کوئی رابطہ اسے روک بھی نہیں سکتا۔ دیکھ! نادر شاہ ایرانی تو ہے نہیں، ترک ہے۔ لہٰذا اسے ہم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ جہاں تک افغانوں کا تعلق ہے تو میرے خیال میں افغان اُس کے جانثار اور اُس کے حمایتی ہیں۔ میرے عزیز ساتھی! اگر صبح تک ہم نے کچھ نہ کیا تو یوں جاننا اگلے روز ہم سب کی موت کا دن ہوگا۔ لہٰذا ہم نے جو کچھ کرنا ہے آنے والی شب ہی کو کرنا ہے۔''

محمد قلی خان جب خاموش ہوا تب خدشات کا اظہار کرتے ہوئے صالح خان کہنے لگا۔

''قلی خان! یہ کام میں اور تم تنہا نہیں کر سکتے۔ یاد رکھنا اگر ایسا ہوا تو ہمارے جسموں کے چیتھڑے اُڑا دیئے جائیں گے۔ اس سلسلے میں ہمیں کچھ بڑے سالاروں کے علاوہ چھوٹے سالاروں سے بھی رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ قلی خان! میں اور تم تو ہیں ہی جو احمد شاہ پر ضرب لگائیں گے۔ اس کے علاوہ نادر شاہ خفیہ دشمنوں میں محمد خان قاچار ہے جو اس وقت لشکر میں شامل ہے اس نے قاچار قبیلے کے سردار کو قتل کرا دیا تھا۔ لیکن یہ محمد خاں باطن میں ضرور نادر شاہ کے خلاف ہے لیکن بظاہر اُس نے اپنا بھرم خوب رکھا ہوا ہے اور نادر شاہ کے سامنے اُس نے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کو خوب چمکا کر پیش کیا ہے۔ دوسرا شخص جو اس وقت لشکر میں ہے اور ہمارے کام آ سکتا ہے وہ موسیٰ بن افشار ہے۔ اس کے علاوہ قوچہ بیگ بھی اس سلسلے میں ہمارے کام آ سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد صالح خان جب خاموش ہوا تب محمد قلی خان بول اٹھا۔

''اب وقت ضائع کرنے کے لئے ہمارے پاس ایک لمحہ بھی نہیں ہے۔ جس کسی سے بھی اس سلسلے میں رابطہ قائم کرنا چاہتے ہو فوراً ہی ان سے ایک خفیہ مجلس منعقد کرنی چاہئے اور فیصلہ کر لینا چاہئے کہ ہمیں فی الفور حرکت میں آنا چاہئے۔''

چنانچہ صالح خان اُٹھ کھڑا ہوا۔ قلی خان کے ساتھ ہو لیا۔ لشکر کے اندر جو ان کے ساتھی تھے ان سے ملے۔ خفیہ مجلس منعقد ہوئی اور فیصلہ کر لیا گیا کہ بغیر کسی تحریک اور تحمل اور تدبر کے جو کام کرنا ہے یہ ہے کہ اس خون آشام اور سفاک نادر شاہ کا خاتمہ کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد اسے عملی صورت دینے کا وقت آ گیا۔ آدھی رات کے سناٹے میں نادر شاہ کے لشکر میں سے 70 سربرآوردہ حکومتِ نادری محمد قلی خان، صالح خان، محمد قاچار خان، موسیٰ خان بن افشار اور قوچہ بیگ کی سیادت میں، نادر شاہ کے خیمے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھے۔

نادر شاہ کا خاتمہ کرنے کے لئے اس کے خیمے کی طرف بڑھنے والوں کی تعداد اس وقت 59 یا 60 کے لگ بھگ تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ لوگ نادر شاہ کے خیمے کی طرف بڑھے لیکن خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے ان پر ایک طرح کا لرزہ اور خوف طاری تھا۔ چنانچہ ان میں سے 17 افراد تو خوف اور وحشت کے باعث راستے سے ہی پلٹ کر داغِ جدائی دے گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ صرف محمد قلی خان اور صالح خان آگے بڑھے۔ نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہوئے اور کسی کو نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔ صالح خان اور قلی خان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا مقصد پورا کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

چنانچہ خیمے میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے صالح خان حرکت میں آیا۔ اپنی تلوار خیمے میں داخل ہوتے وقت اس نے بے نیام کر لی تھی لہٰذا نادر شاہ پر اُس نے تلوار کا وار کیا اور اس کے دونوں ہاتھ اس نے قطع کر دیئے اور قبل اس کے کہ نادر شاہ جنبش بھی کر سکے، دوسرا ساتھی محمد قلی خان حرکت میں آیا۔ اس نے اپنی تلوار کا ایک مہلک وار کر کے نادر شاہ کی گردن اُڑا دی تھی۔

ان قاتلوں اور سازشیوں نے فیصلہ کیا کہ صبح تک نادر شاہ کے قتل کی خبر افشا نہ

ہونے دی جائے اور لشکر کو اس کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہونے پائے کہ وہ افغانوں سے بالکل بے خبری کے عالم میں نمٹ سکیں۔

لیکن اسی اثناء میں نادر شاہ کی بیوی جو اُس وقت لشکر میں شامل تھی اُسے نادر شاہ کے قتل کی خبر ہوگئی۔ لہٰذا اُس نے احمد شاہ ابدالی کو ایک پیغام بھجوایا۔ یہ پیغام نادر شاہ کی بیوی نے ایک باندی کے ذریعے بھیجا تھا۔ اس پیغام میں اُس حادثۂ جاں گداز کی اطلاع نادر شاہ کی بیوی نے احمد شاہ ابدالی کی بیوی کو دی تھی۔

احمد شاہ کی فوج چار ہزار ابدالیوں پر مشتمل تھی۔ وہ بالکل چوکس تھی اور ہر طرح سے مسلح تھی اور ہر ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کی دسترس رکھتی تھی اور جو اپنے آقا کے تحفظ اور سلامتی کے لئے ہر خطرہ مول لینے اور ہر قوت سے ٹکرانے کے لئے تیار تھی۔

پہلے پہل تو احمد خاں کو یقین ہی نہ آیا کہ واقعی نادر شاہ کو قتل کر دیا گیا ہے لیکن پھر بھی وہ بالکل تیار رہا۔ صبح ہوئی تو احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ ریلا کر کے نادر شاہ کے خیمے کے قریب پہنچ گیا تھا تاکہ اپنے آقا کی لاش کا دیدار کر سکے اور اگر ہو سکے تو اُس کے اس بے رحم اور سفاکانہ قتل کا انتقام بھی لے۔

دوسری طرف ایرانی اپنی دُھن میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے جو ابدالی لشکریوں کو آتے دیکھا تو ان پر حملہ آور ہوئے لیکن احمد شاہ ابدالی کی سرکردگی میں اس کے لشکری ایرانیوں کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور نادر شاہ کے خیمے تک پہنچ گئے۔

قبل اس کے کہ احمد شاہ باہر نکلے اس نے نادر شاہ کی انگلی سے شاہی انگشتری اتار لی۔ نیز کوہ نور ہیرا جو اس وقت نادر شاہ کے پاس تھا اس پر بھی احمد شاہ ابدالی نے قبضہ کر لیا۔ دوسری قیمتی چیزیں بھی لے لیں اور اپنے آقا کی لاش کو آخری سلامی دی۔ شاہی خیمے میں اُس وقت ہر طرف افراتفری، شور وغل اور ہنگامہ کا عالم تھا۔

اسی اثناء میں کچھ ایرانی لشکری بھی سرگرداں تھے کہ نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہو کر ہر چیز کو سمیٹ لیا جائے۔ لشکریوں کو جب پتہ چلا کہ ان کا بادشاہ نادر شاہ فوت ہو گیا ہے تو ایک ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ اس لوٹ مار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس حادثہ کے صرف چار گھنٹے کے اندر اندر نہ کہیں شاہی خیمہ تھا نہ اس کا پتہ ونشان تھا۔ شاہی ہیرے جواہرات اور دوسرے املاک کا نادر شاہ کے ساتھ ہی خاتمہ کر دیا گیا۔ ہر چیز کو لوٹ لیا گیا اور یہ ساری چیزیں غائب ہو گئی تھیں۔

دوسری طرف نادر شاہ کا بھتیجا علی قلی خان جس نے سیستان میں اپنی حکومت قائم کر لی اور جو قاتلوں سے ملا ہوا تھا وہ بھی اپنے اُس لشکر کو لے کر اصفہان پہنچ گیا۔ چنانچہ نادر شاہ کی لاش اس کے بھتیجے علی قلی خان کی طرف روانہ کر دی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ قتل کے بعد نادر شاہ کو مسجد مشہد میں دفن کر دیا گیا۔ مشہد میں نادر شاہ کی تدفین کے لئے مقبرہ پہلے سے تیار ہو چکا تھا اور نادر شاہ کا حکم بھی تھا کہ مرنے کے بعد اسے مشہد ہی میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ نادر شاہ کی خواہش کے مطابق اسے تدفین کے لئے مشہد روانہ کر دیا گیا اور وہاں خیابانِ اعلیٰ میں پہلے سے تیار شدہ مقبرے کے اندر سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یہ مقبرہ اسی مقصد کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

نادر شاہ کی وفات سے افغانستان کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس تماشا گاہ کا سب سے بڑا اور ممتاز اداکار احمد شاہ ابدالی تھا جسے بجا طور پر افغانستان کا معمار اور بانی کہا جا سکتا ہے۔

وہ پہلا شخص تھا جس نے پہلی مرتبہ افغانستان کا جداگانہ سیاسی وجود قائم کیا۔ جس نے اپنی قوم کو غلامی کی پستی سے نکالا اور آزادی کے تخت پر بٹھا دیا۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ نادر شاہ ہلاک ہو چکا تھا۔ کوئی تخت شاہی کا دعوے دار بھی موجود نہیں تھا لہٰذا وفاداری کے منقسم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب افغانوں کے لئے صرف ایک ہی راستہ کھلا تھا اور وہ اپنے وطن میں واپسی کا اور غیر ملکی جوئے سے نجات حاصل کر کے آزادی اور حریت سے بہرہ ور ہونے کا۔

نادر شاہ کی وفات تک ایک شخص نور محمد خان علی زئی قندھار کا حاکم تھا۔ وہ قندھار کی فتح سے لے کر اب تک فرمانروا چلا آتا تھا۔ لیکن اب صورت حال بالکل بدل گئی تھی۔ نادر شاہ کی وفات نے اور ایران سے افغانوں کی قندھار کی طرف یورش نے پانسہ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔

اب افغانوں کے سامنے آزادی کی منزلِ مقصود تھی۔ غیر ملکی اقتدار اب دم توڑ رہا تھا۔ اس کا قائم کیا ہوا نظام، اس کے اعلیٰ عہدہ دار سب ہی اپنا مقام کھو چکے تھے۔ افغانوں نے ایک فوج تیار کر لی جو ہر مخالف قوت سے ٹکرانے اور مزاحمت کرنے کا دم رکھتی تھی۔

اب غیر ملکی اقتدار کا بھرم لمحہ بہ لمحہ کھلتا جا رہا تھا۔ احمد شاہ ابدالی اب ایک غیر ملکی

حکومت کے سپاہی نہیں تھے اب وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کے سرفروش فدائی تھے اور اب یہ ابدالی اور غلزئی اپنے سابق مقتول فاتح کے نامزد کردہ گورنر کے احکامات کی بجا آوری اور اس کی اطاعت کے پابند نہیں تھے۔ نادر شاہ کی وفات نے راستے کا ہر پتھر ہٹا دیا تھا۔ اب یہ آزاد تھے اور کسی کے احکامات کی مطابقت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ یوں نادر شاہ کی وفات کے بعد افغانوں کو آزادی ملی۔ اس آزادی کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے افغانوں کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

نادر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا علی قلی خان عادل شاہ کے لقب سے ایران کے تخت و تاج کا مالک ہوا۔ اس وقت تک کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ نادر شاہ کو قتل کرنے والا اس کا بھتیجا علی قلی خان تھا لیکن جب وہ تخت نشین ہو گیا اس وقت یہ راز کھلا کہ نادر شاہ کا قاتل کون تھا کیونکہ اس نے خود ہی ظاہر کر دیا کہ عوام نادر شاہ کے ظلم و ستم سے نالاں تھے۔ اس لئے اس کے قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔

اپنے چچا کو تو اس نے ظلم و ستم کے خلاف احتجاج کے طور پر قتل کرایا تھا لیکن خود بھی کچھ کم سفاک نہ تھا۔ اس نے نادر شاہ کے محبوب قلعے کلات پر حملہ کر کے نادر شاہ کے لواحقین کے خون سے ہاتھ رنگین کئے۔ اس نے نادر شاہ کے بصارت سے محروم بیٹے رضا قلی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کی بیوی الایہ کو بھی مار دیا۔ تاہم اس قتل و غارت گری میں صرف رضا قلی اور الایہ کا چودہ سالہ بیٹا بچ سکا۔ یوں علی قلی خان نے کلاتِ نادری سے وہ خزانے سمیٹے جو نادر شاہ نے وہاں جمع کئے ہوئے تھے۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد ایران کی مملکت کے اندر افراتفری کا سماں برپا ہو گیا تھا۔ نادر شاہ کے خزانے اور کلات نام کے قلعے میں قتل و غارت گری مکمل کرنے کے بعد علی قلی خان اور اس کا بھائی ابراہیم خان اپنے لشکر کو لے کر وہاں سے نکلے۔ راستے میں اچانک ابراہیم کو کوئی تجویز سوجھی اور اپنے بھائی علی قلی خان کے قریب اپنا گھوڑا لے گیا۔ پھر گھوڑے کو ہلکی سی ایڑھ لگا کر وہ مزید قریب ہوا اور رازداری کے انداز میں کہنے لگا۔

''میرے بھائی! نادر شاہ کے قلعے قلات سے ہمیں بہت کچھ مل گیا ہے۔ اس وقت ہم اصفہان کا رخ کر رہے ہیں۔ کیا ہمارے لئے وہاں خطرات نہیں ہیں؟''

جواب میں علی قلی خاں نے زین پر بیٹھے ہی بیٹھے اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی پھر تجسس بھری ایک نگاہ اس نے اپنے بھائی ابراہیم پر ڈالی، کہنے لگا۔

''کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اور کس خطرے کی طرف تمہارا اشارہ ہے؟''

جواب میں ابراہیم خان نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

''میرا اشارہ کریم خان کی طرف ہے۔ کریم خان اس وقت اپنی بیوی روزبہ کے ساتھ اصفہان میں مقیم ہے۔ اسے ہم پر دو طرح کی برتری ہے۔ پہلی یہ کہ نادر شاہ کے دور میں وہ لشکریوں کا ایک طرح سے سپہ سالار تھا اور ساتھ ہی نادر شاہ نے اسے اپنا فرزند قرار دیا تھا۔

اُسے ہم پر دوسری فوقیت یہ ہے کہ اس کی بیوی روزبہ ایران کے سابق حکمران حسین کی بیٹی ہے۔ لہٰذا مجھے خدشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی بیوی کے بہکانے پر وہ تخت و تاج کا دعوے دار بن کر اُٹھ کھڑا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے لئے انتہا درجہ کا برا ہو گا۔ اس لئے کہ کریم خاں کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔

''میرے بھائی! جہاں تک کریم خاں کی ذات کا تعلق ہے تو تم جانتے ہو ہم سب کی نسبت وہ جنگ کا بہترین تجربہ اور ہنرمندی رکھتا ہے۔ اور پھر میں یہ بھی کہوں کہ اچھے سالاروں میں سے عرب سالار شیخ علی خان اور عالم خان مکمل طور پر کریم خان کے شیدائی اور اس کے ہمنوا ہیں۔ جہاں تک احمد شاہ ابدالی کا تعلق ہے تو وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہتا تھا اسے حاصل کر کے قندھار کی طرف جا چکا ہے۔ اُس کی طرف سے اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ اس لئے کہ جو خبریں اس سے متعلق آئی ہیں ان کے مطابق وہ افغانوں کو متحد کر کے افغانستان میں اب اپنی مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ ہاں! نادر شاہ کی موت کے بعد اگر احمد شاہ ابدالی یہیں رہتا تو پھر ہمارے خلاف یقیناً احمد شاہ ابدالی اور کریم خان اتحاد کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ کریم خان اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان میں ایک طرح کا بھائی چارہ بنا ہوا تھا۔

علی قلی خان! میرے بھائی! تم جانتے ہو کہ نادر شاہ کے مرنے کے بعد اکثر لشکری اصفہان کی طرف بھاگ چکے ہیں اور وہ سو فیصد یا میں یوں کہوں کہ تمام کے تمام کریم خان کے حق میں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو اصفہان میں ہم داخل ہوں تو کریم خان ہمیں نادر شاہ کے قتل کے جرم میں گرفتار کر کے زندان میں ڈال دے۔ اگر ایسا ہوا تو پھر یاد رکھنا

وہ ہماری گردنیں کاٹنے میں تاخیر سے کام نہیں لے گا۔''

جب تک ابراہیم بولتا رہا مسکراتے ہوئے علی قلی خان اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''ابراہیم خان! تمہارے اندیشے درست نہیں ہیں۔ کریم خان ایک درویش صفت آدمی ہے۔ اسے حکمرانی سے کوئی غرض و غایت نہیں۔ اس کا ثبوت تمہیں اصفہان میں داخل ہونے کے بعد بھی مل جائے گا۔ تم جانتے ہو اس وقت وہ اصفہان میں ایک طرح سے گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور میرے خیال میں وہ ایسی ہی زندگی بسر کرتا رہے گا۔ ہم سے کوئی تعرض نہیں کرے گا۔ اور پھر ہمیں اس کی دشمنی مول نہیں لینی چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یاد رکھنا ہم ہی نہیں ہمارے اہل خانہ بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ لہٰذا کریم خان کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس موقع پر میں تم سے یہ بھی کہوں گا کہ آزاد خان افغان اور علی مردان خان بختیاری کریم خان سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد علی قلی خان تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ اس کے بعد خدشات بھری آواز میں ابراہیم کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''ابراہیم! میرے بھائی! اس وقت ایک اور خطرہ ہمارے ساتھ تانک جھانک کرنے لگا ہے۔''

''ابراہیم چونک سا پڑا۔

''کون سا..... کیسا خطرہ؟''

علی قلی کسی قدر تفکرات بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''بھائی! اب یہ خبریں آنے لگی ہیں کہ نادر شاہ کے ہاتھوں مرنے والے فتح محمد قاچار کا بیٹا محمد حسن قاچار بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ کوہستانی گمناموں سے نکل کر ایران کی مملکت میں داخل ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ محمد حسن قاچار اپنے باپ فتح محمد قاچار کے نادر شاہ کے ہاتھوں مارے جانے کے بعد بھاگ گیا تھا۔ تقریباً سارے قاچاری ہی محمد حسن قاچار سے جا ملے تھے۔ اس کے علاوہ بھی اس نے بھاری رقوم خرچ کر کے بہت بڑا لشکر تیار کر لیا تھا۔ اب سننے میں یہ آ رہا ہے کہ اسی لشکر کے ساتھ وہ ایرانی حصوں کا رخ کر رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس حصہ کو اپنا ہدف بناتا ہے۔

لہٰذا اس موقع پر میں تم سے یہ کہوں کہ ہمیں کسی بھی صورت میں کریم خان سے نہیں بگاڑنی چاہئے۔ اس لئے کہ اگر ہمارے سالاروں میں سے محمد حسن قاچار کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے تو وہ صرف کریم خان زند ہے۔ کریم خان کو مملکت اور حکومت کا نہ کوئی شوق ہے نہ لالچ و ہوس۔ وہ شاید کسی کے خلاف نادر شاہ کے مرنے کے بعد ہاتھ بھی نہ اٹھائے لیکن چونکہ محمد حسن قاچار سے اس کے قبیلے کی دشمنی چلی آ رہی ہے لہٰذا محمد حسن قاچار نے اگر اپنے لشکر کے ساتھ ایران میں داخل ہو کر اصفہان کا رخ کرنے کی کوشش کی تو میں ابھی سے تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ کریم خان اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور کمربستہ ہو جائے گا اور یہ صرف کریم خان ہی ہے جو محمد حسن قاچار کو شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر سکتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اپنے دشمنوں میں کریم خان کا اضافہ نہ کرو۔ کریم خان کی نسبت ہمیں آزاد خان افغان اور علی مردان خان بختیاری سے زیادہ خطرہ ہے۔"

اس گفتگو سے ابراہیم کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ اس طرح وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اصفہان میں داخل ہو گئے۔

اب ایرانی مملکت کی حالت عجیب و غریب ہو گئی۔ ایران کے اندر اب چار بڑی قوتیں تھیں جن میں سے تین قوتیں بڑے بڑے علاقوں پر قابض ہو چکی تھیں۔ یہ چار قوتیں گویا چار سالار تھے۔ ان میں سے پہلا کریم خان، دوسرا محمد حسن قاچار، تیسرا آزاد خان افغان اور چوتھا علی مردان خان بختیاری۔ جہاں تک کریم خان کا تعلق تھا تو وہ ابھی تک گوشۂ گمنامی میں اصفہان کے اندر پڑا ہوا تھا۔ تاہم اصفہان شہر کے مستقر میں جو ایک لشکر قیام کئے ہوئے تھا وہ سارے کا سارا ہی کریم خان کا حمایتی تھا۔

دوسرا سالار محمد حسن قاچار جو بڑی طاقت اور قوت رکھتا تھا۔ نادر شاہ نے جب طہماسب کے نائب سلطنت فتح محمد خان کو قتل کیا تو اس کا بیٹا محمد حسن قاچار بھاگ کر ترکمانوں کے پاس چلا گیا اور ان کی مدد سے استر آباد میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد وہ ایران کا تخت و تاج حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگا تھا۔ اس طرح محمد حسن قاچار نے استر آباد کو اپنی طاقت و قوت کا مرکز بنا کر ایران کے تاج و تخت کو حاصل کرنے کی تگ و دو شروع کر دی تھی۔

تیسری قوت آزاد خان افغان تھا۔ آزاد خان افغان نادر شاہ کا مشہور سپہ سالار تھا

جس نے نادر شاہ کی وفات کے بعد آذر بائیجان میں خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ اب اس نے گرجستان کے حکمران کے خلاف فوج کشی کی۔ بالآخر دونوں کے درمیان معاہدۂ صلح ہو گیا۔ جس کی رو سے دریائے اوس آذر بائیجان اور گرجستان کی مشترکہ حد مقرر ہوئی۔ آزاد خان ایران کے تاج و تخت کو حاصل کرنے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ یوں تیسرا سالار آزاد خان افغان بھی آذر بائیجان کو اپنا مرکز بنانے کے بعد ایرانی علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پَر تولنے لگا تھا۔

چوتھا سالار علی مردان خان بختیاری تھا۔ اس علی مردان خان بختیاری نے ایک عجیب و غریب کام کیا۔ یہ بھی نادر شاہ کے عمدہ اور بہترین سالاروں میں سے ایک تھا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح صفوی خاندان کے ایک شہزادے اسمٰعیل کو ڈھونڈ نکالا جو اب تک گمنامی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اس کا تعلق ایران کے بادشاہ سلطان حسین سے تھا۔ چنانچہ اس علی مردان بختیاری نے اسی صفوی شہزادے اسمٰعیل کے نام پر علمِ بغاوت یا علمِ آزادی اٹھایا اور اصفہان پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے سب سے پہلے کریم خان سے رابطہ قائم کیا۔ علی مردان خان بختیاری جانتا تھا کہ اگر اس کے ارادوں کی مخالفت کریم خان نے کر دی تو پھر وہ کسی بھی صورت نہ خود اصفہان میں داخل ہو سکے گا نہ ہی اسمٰعیل کو وہاں کا بادشاہ بنا سکے گا۔ ان حالات کے تحت علی مردان بختیاری نے اپنا ایک قاصد اصفہان میں کریم خان کی خدمت میں بھیجا اور اس سے یہ التماس کی کہ وہ صفوی شہزادے اسمٰعیل کو ایران کا بادشاہ بنانا چاہتا ہے اور اگر اسمٰعیل بادشاہ بنتا ہے تو شاید اس کی حکمرانی میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے سارے سالار اکٹھے ہو جائیں اور ایرانی مملکت کا استحکام اور اس کی مضبوطی نادر شاہ کے دور جیسی ہو جائے۔

کریم خان اپنے معاملات میں بڑا مخلص تھا۔ جب علی مردان بختیاری کا نمائندہ اس کے پاس آیا تو اس نے علی مردان بختیاری کے ارادوں سے اتفاق کیا۔ چونکہ اسمٰعیل نام کے جس شخص کو ایران کا بادشاہ بنایا جانا تھا وہ کریم خان کی بیوی روز بہ کا رشتہ دار بھی تھا چنانچہ کریم خان نے جب علی مردان سے ان خیالات سے اتفاق کیا تب علی مردان اپنا لشکر لے کر اصفہان میں داخل ہوا اور کریم خان سے معاملہ طے کر کے آخر کار اسمٰعیل کو ایران کا بادشاہ بنا کر تخت تفویض کر دیا گیا۔

جس روز علی مردان خان کا نمائندہ کریم خان سے بات کر کے واپس گیا اسی روز دونوں عرب سالار شیخ علی خان اور عالم خان اس وقت کریم خان کی حویلی میں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جس وقت کریم خان اپنی بیوی روز بہ اور بیٹے ابوالفتح کے ساتھ بیٹھا کسی موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔

کریم خان نے شاندار انداز میں دونوں کا استقبال کیا اور انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز شیخ علی نے کیا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! ہمارے محترم! ہم نے آج تک نادر شاہ کے دور میں جس قدر جنگیں لڑی ہیں ان میں سے زیادہ تر آپ کی کمانداری میں ہی ہم نے اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کیا۔ اب ایران کے حالات ابتر ہوتے جا رہے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات کہ آپ نے علی مردان خان بختیاری کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر اصفہان شہر میں داخل ہو سکتا ہے اور اسمٰعیل نام کے ایک شخص کو ایران کا بادشاہ بنا سکتا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ اسمٰعیل کون ہے؟''

کریم خان مسکرایا، پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں تو نہیں جانتا یہ اسمٰعیل کون ہے۔''

اس پر شیخ علی خان دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہ علی مردان خان بختیاری جانے کس شخص کو پکڑ کر لایا ہے اور اسے اسمٰعیل کے نام سے تاج و تخت کا مالک بنانا چاہتا ہے۔ آپ علی مردان خان بختیاری کے مزاج سے واقف ہیں۔ وہ آپ سے یہ معاہدہ کر کے صرف اصفہان میں داخل ہونے کی راہ بنا رہا ہے اور میں آپ کو پہلے سے بتائے دیتا ہوں کہ اصفہان میں داخل ہونے کے بعد یہی علی مردان خان بختیاری جب طاقت و قوت پکڑے گا تو سب سے پہلے آپ ہی کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ ان حالات میں، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ جو یقین دہانی آپ نے علی مردان بختیاری کے نمائندوں کو دلائی ہے اسے واپس لے لیں اور خود ایران کے تخت و تاج کے دعوے دار بن کر اٹھ کھڑے ہوں۔ اس لئے کہ آپ کی بیوی شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے آپ تاج و تخت کے وارث بن سکتے ہیں۔ جہاں تک اسمٰعیل کا تعلق ہے جسے علی مردان خان بختیاری حکمران بنانا چاہتا ہے تو ہماری بہن روز بہ اس وقت آپ کے قریب بیٹھی ہے اس سے پوچھیں کیا یہ اسمٰعیل کو

جانتی ہے؟''

جواب میں کریم خان نے جب اپنے پہلو میں بیٹھی روز بہ کی طرف سوالیہ سے انداز میں دیکھا تب مسکراتے ہوئے روز بہ نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

''میں ایسے کسی اسمٰعیل کو یقیناً نہیں جانتی۔''

روز بہ کے اس جواب پر تھوڑی دیر کے لئے کریم خان کی گردن جھکی رہی۔ کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد ایک غائر نگاہ اس نے باری باری شیخ علی خان اور عالم خان پر ڈالی، اس کے بعد وہ ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! مجھے تمہاری جانثاری، تمہارے خلوص اور وفاداری پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے۔ دیکھو! علی مردان خان بختیاری کا جو نمائندہ آیا تھا اس کے ساتھ میں وعدہ کر چکا ہوں۔ اس وعدے سے اگر میں پھروں تو وعدہ خلافی ہے جسے میں پسند نہیں کرتا۔

میرے عزیز ساتھیو! پہلے علی مردان بختیاری کو ہی یہاں آنے دو۔ اگر وہ ہمارے ساتھ ٹھیک چلا تو درست اور اگر اس نے ہمارے ساتھ ٹیڑھا پن اختیار کرنے کی کوشش کی تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ علی مردان خان بختیاری کے خلاف حرکت میں آ جاؤں گا۔''

کریم خان کا یہ جواب سن کر شیخ علی خان اور عالم خان دونوں کسی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اس بار عالم خان نے علی مردان خان بختیاری کے موضوع کو چھوڑ کر ایک نیا موضوع چھیڑا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس موقع پر میں یہ بھی چاہوں گا کہ آپ بذاتِ خود ایران کے تاج و تخت کے دعوے دار اور وارث ہونے کا اعلان کریں۔ اس لئے کہ آپ کا ایسا کرنا حق پر ہے۔''

ہلکا سا تبسم کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا اور عالم خان کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''عالم خان! تم مجھے کن چکروں میں ڈالتے ہو۔ میں نے ایران کی بادشاہت لے کر کیا کرنی ہے؟ سالار کی حیثیت سے تمہارے ساتھ اتنا عرصہ کام کیا ہے۔ کبھی کسی بھی موقع پر میں نے لالچ و لوبھ یا حرص و ہوس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں جیسے گزر رہی ہے ایسے ہی بہتر ہے۔''

اس موقع پر لحہ بھر کے لئے شیخ علی خان اور عالم خان دونوں نے مشورہ کیا اس کے بعد شیخ علی خان کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر آپ کا یہی خیال ہے تو پھر ایک نیا حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔''

''وہ کون سا.....؟'' کریم خان نے غور سے شیخ علی خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

شیخ علی خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے عزیز بھائی! ٹھیک ہے آپ علی مردان کو جو وعدہ دے چکے ہیں اس پر عمل پیرا ہوں۔ علی مردان یہاں آتا ہے اور اگر وہ ٹیڑھا پن اختیار کرتا ہے تو ٹھیک ہے ہم بھی اس کے خلاف ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ اس کے باوجود اگر آپ ایران کے تخت و تاج کے وارث ہونے کا اعلان نہیں کرتے تو میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں، محمد حسن قاچار نے شمال کے کوہستانی سلسلوں میں جا کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے اور اب وہ جنوب کی طرف رواں دواں ہے۔ اور اگر اس نے کبھی ایران کا شہنشاہ بننے کے لئے اصفہان کا رخ کیا تو کیا علی مردان خان بختیاری کی طرح اسے بھی کھلی چھٹی دے دیں گے کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے۔''

کریم خان نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر ایک دم وہ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔

''شیخ علی خان! علی مردان خان بختیاری اور محمد حسن قاچار میں بڑا فرق ہے۔ وہ تو میرے پرانے دشمن ہیں۔ علی مردان خان سے تو میں کچھ نہیں کہتا تاہم میں تم دونوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں نہ صرف محمد حسن قاچار کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوں گا بلکہ تخت و تاج کے وارث کی حیثیت سے بھی ساری قوتوں کے سامنے آ جاؤں گا۔''

کریم خان کا یہ جواب سن کر شیخ علی خان اور عالم خان دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کریم خان کا دونوں نے شکریہ ادا کیا پھر شیخ علی خان کہنے لگا۔

''اس وقت تو ہم دونوں جاتے ہیں۔ جاتے جاتے میں آپ سے یہ بھی گزارش کرتا ہوں کہ اس سے پہلے آپ نے کبھی مستقر کی طرف جانا گوارا نہیں کیا۔ اب چونکہ حالات تبدیل ہونا شروع ہو گئے ہیں تو آپ گاہے گاہے مستقر کا چکر لگاتے رہیں تاکہ لشکریوں کو پتہ چل جائے کہ آپ کا ہاتھ اُن کے سروں پر قائم و دائم ہے۔ ایسی صورت میں وہ آپ کے خلاف اُٹھنے والی کسی بھی بغاوت یا سرکشی کو فرو کرنے میں اپنی پوری تن

دہی سے کام لے سکتے ہیں۔''

کریم خان نے جب اس سے بھی اتفاق کیا تب شیخ علی خان اور عالم خان دونوں مطمئن ہو کر اس کے ہاں سے چلے گئے تھے۔

***

اس واقعہ کے چند ہی دنوں بعد علی مردان خان بختیاری اپنے لشکر اور نئے حکمران اسمٰعیل کے ساتھ اصفہان میں داخل ہوا۔ اپنے لشکر کے لئے اس نے ایک علیحدہ مستقر قائم کیا۔ اس لئے کہ پہلے مستقر کے اندر کریم خان کا حامی لشکر موجود تھا۔ چنانچہ اصفہان میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلی کارروائی جو کی گئی وہ یہ تھی کہ اسمٰعیل کو ایران کے تاج و تخت کا مالک بنا دیا گیا۔

لیکن اس تخت نشینی پر ابھی چند ہی دن گزرے ہوں گے کہ علی مردان خان بختیاری نے کریم خان کو راستے سے ہٹانے اور اس کا کام تمام کرنے کے لئے سازشیں شروع کر دیں۔

اصفہان شہر کے اندر چونکہ کریم خان کے جاسوس اور مخبر بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے لہٰذا انہوں نے نئی صورتِ حال سے کریم خان کو آگاہ کر دیا۔ چنانچہ ایک رات بڑی رازداری کے ساتھ اپنے بیوی بچے اصفہان کے اندر اپنے سارے لشکر کے علاوہ اپنے ساتھی سالاروں میں سے شیخ علی خان، عالم خان اور دیگر سالاروں کو لے کر اصفہان شہر سے باہر نکل گیا۔ اُس وقت کسی سالار نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ اصفہان شہر کیوں چھوڑ رہا ہے۔ تاہم اصفہان شہر کے اندر جس قدر اس نے جمع جتھا کر رکھا تھا اور جو مستقر میں لشکریوں کے پڑاؤ کرنے کے لئے خیمے اور دیگر ضروریات کا سامان تھا وہ اپنے ساتھ لیتا چلا گیا تھا۔ اصفہان سے چند میل دور جا کر اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

پڑاؤ جب قائم ہو گیا اور کریم خان پڑاؤ کا جائزہ لے رہا تھا تب شیخ علی خان، عالم خان اور کچھ دوسرے سالار اس کے پاس آئے۔ شیخ علی خان کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! ہمارے محترم! جس وقت آپ اصفہان سے نکل رہے تھے اس وقت ہم نے آپ سے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ شہر کو کیوں چھوڑ رہے ہیں۔ اب

جبکہ آپ اصفہان سے نکل کر اپنے لشکر اور اپنے اہلِ خانہ اور سارے لشکریوں کے اہلِ خانہ کے ساتھ یہاں آ کر پڑاؤ کر گئے ہیں تو کیا اس میں کوئی بہتری، کوئی راز، کوئی افادیت ہے؟ میں سمجھتا ہوں ایسا کر کے آپ نے غلطی کی ہے۔ ہمیں اصفہان شہر نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ وہیں رہ کر علی مردان خان کا مقابلہ کرنا چاہئے تھا۔"

جواب میں کریم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"شیخ علی خان! تمہارے اندازے اپنی جگہ درست ہیں۔ لیکن میں نے جو کچھ سوچا ہے برا وہ بھی نہیں ہے۔ مجھے میرے مخبروں نے یہ اطلاع کر دی تھی کہ علی مردان خان بختیاری میرا خاتمہ چاہتا ہے اور میرا خاتمہ کرنے کے بعد وہ اسمٰعیل کے بجائے ایران کی مملکت کا بلا شرکت غیرے بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ اس موقع پر اگر میں اصفہان شہر کے اندر ہی علی مردان بختیاری سے نمٹتا تو یقیناً میں اسے گرفتار کر کے اس کی گردن کاٹ سکتا تھا۔ لیکن ایسی صورت میں شہر کے بے گناہ لوگوں کا بھی قتل عام ہوتا۔ ان گنت شہری بغیر کسی جرم کے مارے جاتے۔ لہٰذا اس بات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے میں اپنے لشکر اور ضروریات کے سارے سامان کو لے کر اصفہان سے نکل کر یہاں آ کر پڑاؤ کر گیا ہوں۔ اب اس کے بعد علی مردان خان بختیاری کو سزا دینے کے لئے میرے فیصلوں کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا۔"

اس کے بعد کریم خان نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے ہاتھ سے قریب آنے کے لئے کہا۔ جب وہ قریب ہوئے تب بڑی رازداری سے کریم خان انہیں مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

"میرے عزیز ساتھیو! اب تک علی مردان بختیاری کو یہ خبر ہو چکی ہوگی کہ میں نے اصفہان سے اتنے میل پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا ہوگا۔ وہ یقیناً میری تاک میں رہے گا۔ اس لئے کہ ہمہ وقت مجھے اپنے لئے خطرہ خیال کرتا رہے گا۔ چند دن کا وقفہ ڈال کر میں اپنے مخبروں کے ذریعے اصفہان کے اردگرد یہ خبر پھیلا دوں گا کہ کریم خان کے زیادہ لشکری اسے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ چند دستے ہی اس کے پاس رہ گئے ہیں۔ جب یہ خبریں اصفہان شہر میں علی مردان بختیاری کے پاس پہنچیں گی تو یاد رکھنا اس کا فوراً ردِعمل ہوگا۔ وہ یہ کہ علی مردان بختیاری اصفہان شہر سے باہر نکل کر مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ کیونکہ اس کے ذہن میں یہ بات آ چکی ہوگی کہ میرے ساتھ چھوٹا سا ایک لشکر ہے لہٰذا

وہ پسند کرے گا کہ مجھ پر حملہ آور ہو کر میرا خاتمہ کر کے اپنی حکومت کو مضبوط بنائے۔ چنانچہ جب وہ شہر سے باہر نکلے گا تو میرے مخبر اس کے باہر نکلنے کی خبر مجھ تک پہنچاتے رہیں گے۔ اس کے بعد میں اس علی مردان خان سے ٹکراؤں گا اور ایسا ٹکراؤں گا کہ اس کی پشتیں یاد رکھیں گی۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو؟"

سارے سالاروں نے کریم خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد ایسے مخبروں کا چناؤ ہونے لگا جنہوں نے چاروں طرف یہ خبر پھیلا دینی تھی کہ کریم خان کے لشکر کے اکثر لشکری اسے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد کریم خان نے خصوصیت کے ساتھ شیخ علی خان اور عالم خان کو ہاتھ کے اشارے سے مزید اپنے قریب ہونے کے لئے کہا۔ جب وہ قریب ہوئے تو کریم خان انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز اور مخلص ساتھیو! جس قدر لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے اسے تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جب اصفہان اور آس پاس کے علاقوں میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ شیخ علی خان اور عالم خان دونوں سالار ایک خاصے بڑے لشکر کو لے کر کریم خان سے علیحدہ ہو گئے ہیں تب علی مردان خان بختیاری میرے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش کرے گا۔ اسی دوران ہمارے مخبر چاروں طرف سرگرداں رہیں گے۔ علی مردان کی نقل و حرکت سے مجھے آگاہ کرتے رہیں گے۔ جب ہمیں یہ پتہ چلا کہ علی مردان ہم پر ضرب لگانے کے لئے اصفہان سے نکلا ہے تو میرے بھائیو! تم اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دائیں بائیں سے علی مردان کے لشکر پر حملہ آور ہو جانا۔ سامنے کی طرف سے میں اس پر ضرب لگاؤں گا۔ پھر میں دیکھوں گا علی مردان خان بختیاری کیسے ہماری گرفت سے نکلکر بھاگتا ہے۔ علی مردان خان نے ہم سے دھوکا کیا ہے۔ اس نے ہمیں شہر میں داخل ہو کر اسمٰعیل کو ایران کا حکمران بنانے کی تجویز پیش کی۔ میں نے اس تجویز کو اس بناء پر تسلیم کر لیا کہ اسمٰعیل کا تعلق ہی شاہی خاندان سے ہے لہٰذا تخت و تاج کا یقیناً وہ وارث ہے۔ لیکن میری اس نرمی، میرے اس وعدے سے علی مردان نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ چند دن تو وہ میرے ساتھ مخلص رہا ہر بات، ہر معاملے میں وہ مجھ سے مشاورت کرتا رہا۔ آخر اس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اور اندر ہی اندر وہ میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اگر میرے مخبر بروقت مجھے اطلاع نہ دیتے تو یقیناً وہ میرا خاتمہ کر

چکا ہوتا۔ لیکن اب اُسے اُس کے ناکردہ گناہوں کی سزا ضرور ملے گی۔ وہ یہ سمجھ رہا ہوگا کہ اس نے مجھے اصفہان سے نکل جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں یہاں پڑاؤ کرنے کے بعد اب اسے اصفہان سے نکالوں گا اور اصفہان شہر کو اس کے لئے چوہے دان جیسا خطرناک بنا کر رکھ دوں گا۔ میرے عزیز بھائیو! جس وقت علی مردان خان ہم سے ٹکرائے گا، سامنے کی طرف سے میں اور دائیں بائیں سے تم دونوں حملہ آور ہو گے۔ علی مردان شکست کی صورت میں بھاگنے کا بڑا عادی ہے۔ چنانچہ میں کچھ دستوں کا ایسا اہتمام کر دوں گا جو پشت کی جانب رہیں گے اور جب علی مردان خان نے بھاگنے کی کوشش کی تو اس کا کام تمام کر کے رکھ دیں گے۔"

کریم خان کی اس تجویز سے جب عالم خان، علی خان کے علاوہ باقی سالاروں نے بھی اتفاق کیا تب سب اٹھ کھڑے ہوئے اور لشکر کی تقسیم کا کام سرانجام دینے لگے تھے۔

اصفہان شہر میں علی مردان خان بختیاری آہستہ آہستہ اسمٰعیل پر حاوی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے لشکر میں بھی اضافہ شروع کر دیا تھا۔ اصفہان شہر کے اندر سے نئے لشکری بھرتی کرتے ہوئے ان کی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا تھا۔

ایک روز وہ تربیت ہی کے میدان میں اپنے چند سالاروں کے ساتھ موجود تھا کہ نیا حکمران اسمٰعیل اُدھر آ نکلا۔ اُسے دیکھتے ہی علی مردان خان نے اسے سطحی سی تعظیم دی ساتھ ہی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہمارے مخبر کچھ اچھی خبریں لے کر آئے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر تک نہ آتے تو ہم خود آپ کے پاس آتے اور اس خبر پر آپ سے تبادلہ خیال کرتے۔"

جواب میں اسمٰعیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

"خبر سے مطلب؟..... اگر کوئی خبر کریم خان سے متعلق ہے تو ایسی ایک خبر میں نے بھی سنی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ کریم خان کے کچھ خاص ساتھیوں میں سے شیخ علی خان اور عالم خان دونوں اس کا ساتھ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ اس وقت کریم خان نے جو اصفہان سے چند میل دور پڑاؤ کر رکھا ہے اس کے پاس ایک چھوٹا سا لشکر ہے۔ بس یہی نئی خبر ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل جب خاموش ہوا تب علی مردان خان بختیاری بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ خبر سننے کے بعد سب سے پہلا خیال آپ کے دل میں کیا آتا ہے؟"

جواب میں اسمٰعیل مسکرایا اور کہنے لگا۔

"پہلا خیال یہی آتا ہے کہ ہمیں کریم خان کی کمزوری سے فی الفور فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ اس طرح ہمارے علاوہ لشکر کے تین دعوے داروں میں سے ایک کا خاتمہ ہو جائے گا۔ باقی دو رہ جائیں گے۔ وہ ابھی شمال کے دور دراز علاقوں کی طرف ہیں۔ اتنی دیر تک اصفہان شہر کے اندر ہم اپنے لشکر میں خوب اضافہ کر لیں گے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو تخت و تاج کے باقی دو امیدواروں یعنی آزاد خان افغان اور محمد حسن قاچار سے بھی ہم خوب نمٹیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد اسمٰعیل جب خاموش ہوا تب علی مردان خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"جو خبر ہم نے سنی ہے وہی آپ نے کہی ہے اور آپ کی آمد سے پہلے میں اپنے چھوٹے سالاروں سے مشورہ کر چکا ہوں کہ آنے والی شب کو میں ایک لشکر لے کر اصفہان سے نکلوں گا اور کریم خان پر شب خون ماروں گا۔ میرے خیال میں کریم خان ہمارے ارادوں سے آگاہ ہونے سے پہلے ہی ہمارے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اس طرح تین خطروں میں سے ایک جو سب سے بڑا خطرہ ہے اسے ہم اپنے لئے ٹالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں دن کے وقت بھی کریم خان سے ٹکرا کر اسے پسپا ہونے پر مجبور کر سکتا ہوں۔ ایسی صورت میں معرکہ بڑا بھیانک ہو گا۔ چنانچہ میں آسان طریقہ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رات کے وقت جبکہ اس کی سپاہ غفلت کی گہری نیند سو رہی ہو گی، میں شب خون ماروں گا اور کریم خان سمیت اُس کے سالاروں اور لشکریوں کو کاٹ کر رکھ دوں گا۔ پھر آزاد خان افغان اور محمد حسن قاچار کے علاوہ میرے سامنے تخت و تاج کا کوئی اور دعوے دار نہیں رہے گا۔"

اسمٰعیل کے علاوہ وہاں جس قدر سالار تھے سب نے علی مردان کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ پھر علی مردان وہاں سے ہٹ گیا اور آنے والی شب کو کریم خان پر شب خون مارنے کے لئے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دینے لگا تھا۔

***

رات ہر شے میں پیوست ہو کر سوختہ فکر کی خاک اُڑاتی، زخم خوردہ تصورات کو جنم دیتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ہراساں اور شکستہ کر دینے والے کثرتِ آلام سے لپٹ کر

اندھیرے چار سُو ناچ اُٹھے تھے۔ رات کے سایوں کا فرغل صدیوں کے پیاسے وصل کی طرح پھیلتا چلا گیا تھا۔

ایسے میں چاروں طرف صبر کی چٹانوں، تھکے ہارے جگنو جیسی خاموشی، صحرا صحرا اُڑتے ذرّوں، ساگر ساگر بکھرتی موجوں جیسی چپ چاپ جاگتے لمحوں کی گہرائیوں میں بے منزل کرتے سنسان صحرا کا سا گہرا سکوت طاری تھا۔ ایسے میں علی مردان خان بختیاری اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان شہر سے نکلا۔ پھر وہ بڑی رازداری کے ساتھ دہکتی، سلگتی آتش بے بسی کے بے روک جھکڑوں، دل شکستگی کی غماز آوازوں، تغیر کی رصد گاہوں میں دہکتی سلگتی آگ کی طرح آگے بڑھا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اچانک کریم خان کے لشکر پر شب خون مارے گا اور اس کے چھوٹے سے لشکر کو تہہ تیغ کر کے اپنی فتح مندی کا اعلان کرے گا۔

لیکن علی مردان خان کی بدقسمتی کہ وہ کریم خان کے پڑاؤ کے قریب گیا، تب اپنے پڑاؤ سے کچھ آگے کریم خان صحرا کے اندر اپنے لشکر کی صفیں درست کر کے اس طرح کھڑا تھا جیسے تیرگی کے صحرا میں صدیوں پرانے دیولاخوں کے اندر کسی سورما کو مجسم کر کے کھڑا کر دیا گیا ہو۔ وہ ایسا مستعد اور تیار تھا جیسے لمحوں کے اندر گھوڑوں کی ٹاپوں، عقابوں کی پھڑپھڑاہٹ اور درندوں کی درندگی کی طرح حرکت میں آتے ہوئے حملہ آور ہو گا اور اپنے دشمن کو آسمانی نعمتوں، خدائی برکتوں سے محروم کر کے مارگزیدہ انسانوں کی صف میں کھڑا کر دے گا۔

کریم خان کو مستعد دیکھتے ہوئے علی مردان خان اپنی جگہ ٹھٹکا۔ اپنے لئے اسے خطرات دکھائی دیئے لیکن اب ٹکرائے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ لہٰذا فوراً حرکت میں آیا اور مخالف لشکر پر وہ ہوائی بگولوں میں رقصاں دلوں کو پامال کرتے خناس کے وسوسوں، زوال و فنا کا شکار کر کے غم گزیدہ، قلب دریدہ کرتی بے پناہ لہروں کی سنگ دلی کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف کریم خان نے بھی کسی تاخیر کے بغیر اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ بھی عزیمت و استقلال کو پامال کرتی غموں کی یلغار، رات کی گہری اُداسی میں بے کراں صحرا کی ویرانیوں کے اندر موت کی گہری تلخیاں پھیلاتے طوفانوں کی یلغار اور کرب کی منہ زور موسلا دھار بارش کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے رات کی گہری تاریکی میں ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ علی مردان اپنی جگہ بڑا خوش اور مطمئن تھا۔ اس لئے کہ کریم خان کے مقابلے میں اس کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اب اسے اس بات کا بھی کوئی غم و صدمہ نہیں تھا کہ وہ کریم خان پر شب خون مارنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ نہ ہی اُسے اس کی فکرمندی تھی کہ جب وہ اصفہان شہر سے باہر نکل کر کریم خان پر ضرب لگانے کے لئے آیا تو کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور مستعد تھا۔ اس کے ظن و گمان میں اب صرف ایک ہی جذبہ تھا کہ اُس نے ہر صورت میں کریم خان کو شکست دینی ہے اور اس کے اپنے خیال کے مطابق شکست دینے کی اس کے پاس ایک وجہ بھی تھی۔ وہ یہی کہ اس کے پاس جو لشکر تھا وہ کریم خان کے لشکر سے دگنے سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ اس بناء پر رات کی تاریکی میں علی مردان اپنے لشکر کے وسطی حصہ میں رہتے ہوئے زور زور سے اور تقریباً چلاّتے ہوئے انہیں للکار کر جان لیوا حملہ کرنے کی ترغیب دے رہا تھا اور اپنے سالاروں کو جنگ میں اچھی اور بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے انہیں انعامات کے لالچ بھی دے رہا تھا۔ لیکن سسکتے اندھیروں کے اندر علی مردان یہ نہیں جانتا تھا کہ کبھی کبھی قدرت ایسے فیصلے بھی کر گزرتی ہے جو انسان کے ذہن و گمان تک میں بھی نہیں ہوتے۔ علی مردان خان بختیاری ابھی اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے فتح مندی کو اپنے حق میں کرنے کی جستجو اور لگن ہی میں مصروف تھا کہ اس کے حق میں تقدیر کا پہلا وار نمودار ہوا۔

وہ اس طرح کہ دائیں جانب سے اچانک عرب سردار شیخ علی خان نمودار ہوا۔ پھر علی خان اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ زمانے کے قافلے میں زندگی کی آخری رمق تک کو روندتی خوفناک تقدیر، اجل کے نگار خانوں میں بے چینی اور بیزاری اور خوفناک وحشت کھڑی کرتے تند و سفاک لمحوں اور قضا کے حلقوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

شیخ عالم خان کا یہ حملہ انتہائی شدت بھرا تھا اور اپنے تیز حملوں کے باعث عرب سالار شیخ عالم خان نے علی مردان بختیاری کے لشکر کے ایک پہلو کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

عالم خان کے اس طرح حملہ آور ہونے سے وقتی طور پر علی مردان فکرمند ہوا تھا۔ تاہم اس نے لشکر کے ایک حصہ کو تو بدستور کریم خان کے ساتھ ٹکرانے میں رہنے دیا جبکہ لشکر کا ایک حصہ اس نے شیخ عالم کا مقابلہ کرنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ وقت

ضائع کئے بغیر علی مردان بختیاری نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے حملہ آوروں کو پھر پیچھے ہٹانے کا عزم کر لیا تھا۔ لیکن اسی دوران تقدیر نے علی مردان خان بختیاری کے خلاف اپنے تیسرے وار کا ظہور کیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بائیں جانب سے بھی ایک طوفان اٹھا اور یہ طوفان دوسرے عرب سالار عالم خان کی سرکردگی میں ظاہر ہوا تھا۔ جو حصہ اس وقت عالم خان کے پاس تھا اس کے ساتھ وہ بائیں جانب سے نمودار ہوا اور علی مردان کے لشکر کے دوسرے پہلو پر وہ سکون زاری میں آہوں کی دلسوزی، ہلاکت کی اندھی داستانوں، خاموشی کے ساغر، دل کے آنگن، وصل کی اتھاہ خاموشیوں میں دکھ درد کی جوئے رواں اور موت کے کاروانوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ علی مردان خان بختیاری کے لشکر پر سہ طرفہ حملے شروع ہو گئے تھے۔ سامنے کی طرف سے کریم خان نے بھی اب پہلے کی نسبت اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی۔ دائیں جانب سے شیخ علی خان، بائیں جانب سے عالم خان نے علی مردان بختیاری کے لشکر پر جان لیوا ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔

یوں رات کی تاریکی میں دلی کے گلدانوں میں موت کی سوداگری کے خار بھرنے لگے تھے۔ ظلم بھری رزم گاہ میں لہو کی دھول اُڑاتے اندھیاؤ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک ایک لمحے کو لہولہو کرتے طغیان اور جبروت اپنے جوبن، اپنے عروج پر آ گئے تھے۔

یہ صورتِ حال یقیناً علی مردان کے لئے بڑی مایوس کن تھی۔ اس کا لشکر بڑی تیزی سے کٹنے لگا تھا اور اتنی ہی تیزی کے ساتھ اس کے لشکر کی تعداد کم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے لشکری اب کریم خان کے لشکریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جی چرانے لگے تھے۔ ساتھ ہی دیکھنے والے کی ہر آنکھ نے دیکھا، ٹمٹماتے ستاروں نے بھی جھانکا کہ کریم خان کے مقابلے میں علی مردان بختیاری کے لشکر کی حالت سسکتے، معدوم ہوتے لمحوں۔ حسرتوں کے منتشر حروف، ظلمتوں کی بکھری چادر میں جرم عصیان کے جملوں اور برہم بگولوں کے تازیانوں کے سامنے خیموں کی اُڑتی دھجیوں سے بھی زیادہ بری ہونا شروع ہو گئی تھی۔

علی مردان نے دیکھا کہ اس کے لشکر کی حالت لمحہ بہ لمحہ بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ گو اس وقت وہ اپنے لشکر کے وسط میں تھا لیکن اس کے اردگرد جو اس کے

لشکریوں کا حصار تھا بڑی تیزی سے اس کی سمت سمٹتا چلا جا رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہوتی جا رہی تھی۔

اس صورتِ حال نے علی مردان خان بختیاری کو پریشان کر دیا تھا لہٰذا اب اپنی شکست کو قبول کرتے ہوئے وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن اب شاید بھاگنا بھی اس کے مقدر میں لکھا ہوا نہ تھا۔

بظاہر وہ پلٹا تھا اور اصفہان کی طرف لپکا تھا لیکن زیادہ سے زیادہ ایک فرسنگ گیا ہوگا کہ بے بس ہو گیا۔ اس لئے کہ پشت کی جانب سے کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ اس کی پشت پر تھا جبکہ دائیں بائیں جانب سے شیخ علی خان اور عالم خان نے اس پر ضربیں لگانا شروع کی تھیں۔ پھر ایک دم علی خان اور عالم خان اپنے لشکر کو پھیلاتے ہوئے حصار سا قائم کر گئے تھے۔ کریم خان نے نہ صرف اپنے لشکر کو پیچھے رکھا بلکہ اپنے لشکر کے کچھ دستوں کو اپنے بازو کی طرف پھیلا دیا تھا۔ اسی طرح علی خان اور عالم خان نے بھی جب اپنے لشکر کے کچھ حصے کو پھیلایا تو ان کے لشکر کے کچھ دستے بھاگتے علی مردان خان اور اس کے لشکریوں کے سامنے آ گئے تھے اور ان کی راہ روک کھڑے ہوئے تھے۔

یہ صورتِ حال یقیناً علی مردان کے لئے بڑی مایوس کن تھی۔ وہ ابھی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ اس موقع پر جبکہ کریم خان کے لشکریوں نے اس کا محاصرہ کر لیا تھا اور ایک طرح سے اسے گھیر لیا تھا اسے کیا اقدام کرنا چاہئے کہ عین اسی لمحے چاروں طرف سے اس پر حملہ آور ہو گیا اور اس کے لشکریوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ علی مردان خان بختیاری کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اپنے پورے لشکر کے ساتھ کریم خان پلٹا۔ اُس جگہ آیا جہاں اس نے پڑاؤ کیا تھا۔ سب سے پہلے جنگ میں کام آنے والوں کی تدفین کا کام سرانجام دیا گیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ اس کے بعد شیخ علی خان اور عالم خان علی مردان بختیاری کو پکڑ کر اس جگہ لے کر آئے جہاں ایک بلند پتھر کے اوپر کریم خان بیٹھا ہوا تھا۔ علی مردان کو جب اس کے سامنے کھڑا کیا گیا تو علی مردان کی گردن اس لمحہ ایک مجرم کی طرح جھکی ہوئی تھی۔ کریم خان کچھ دیر تک اس کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا، پھر دھیمے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"علی مردان خان! تو نے مجھ سے ایسی بے وفائی کی کہ میں تجھ سے امید اور توقع ہی نہیں رکھتا تھا۔ نادر شاہ کے دور میں لڑی جانے والی جنگ میں، میں جانتا ہوں تُو میرا مخلص دوست اور ایک طرح سے میرے ساتھی کی حیثیت سے میرے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔ انہی تعلقات کو سامنے رکھتے ہوئے جب تُو نے مجھ سے یہ کہا کہ تم ایران کے بادشاہ شاہ حسین کی نسل سے ایک شخص اسمٰعیل کو بنانا چاہتے ہو تو میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اُس وقت میں اصفہان میں مقیم تھا۔ اصفہان میں جو اس وقت لشکر تھا وہ سارے کا سارا میرا طرف دار تھا۔ میں چاہتا تو تمہارے نمائندوں کو ناکام بھیج دیتا بلکہ اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان سے نکلتا، تم پر ضرب لگاتا اور لمحوں کے اندر تمہارا خاتمہ کر دیتا۔ لیکن تُو جانتا ہے میں نے ایسا نہیں کیا۔

جب تُو نے اپنے نمائندے میری طرف بھجوائے تو میں نے انہیں اس بات کی اجازت دے دی کہ علی مردان خان اصفہان میں رہ کر اسمٰعیل کو اپنی مرضی کے مطابق ایران کا بادشاہ بنا سکتا ہے جبکہ میں اصفہان میں گوشہ گیری کی زندگی بسر کروں گا۔ جب تُو اصفہان میں آیا، اصفہان میں آنے کے بعد تُو انسان نہیں، حیوان ہو گیا۔ آدمیت کو پسِ پشت ڈال دیا اور حیوانیت کو اپنا لیا۔ جب میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں گوشہ گیری کی زندگی بسر کرتا رہوں گا، میں کسی کے آڑے نہیں آؤں گا، تمہارے لئے خطرہ نہیں بنوں گا تو پھر تم نے مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیوں کیا؟ یہ کوشش تم نے ایک بار نہیں کی۔ کئی بار مجھے ہلاک کرنا چاہا لیکن مجھے مخبر بروقت مطلع کرتے رہے اور میں تمہاری سیاہ کارروائیوں سے بچتا رہا۔

علی مردان خان! خدا گواہ ہے مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی کہ تم میرے خلاف ہی سینہ سپر ہو جاؤ گے۔ میں جانتا ہوں تم اس وقت بھی خوش ہوئے ہو گے۔ بڑے اطمینان کا اظہار کیا ہو گا کہ میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اصفہان شہر چھوڑ کر چلا گیا ہوں اور تُو یہ سمجھنے لگ گیا ہو گا کہ اب کوئی طاقت تیرے آڑے نہیں آئے گی اور تُو اسمٰعیل کی جگہ خود ایران کا شہنشاہ بن جائے گا۔ میں چونکہ تیرے ارادوں کو بھانپ گیا تھا لہٰذا میں سمجھ گیا تھا کہ اسمٰعیل کی آڑ میں تُو خود خونی اور سیاہ کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔ لیکن اب تیرے کھیل کے دن تمام ہوئے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ علی مردان خان نے

اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کریم خان! تم ایک عزیز اور رحم دل بھائی ہو۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ معاف کر دو۔ آئندہ میں تمہارے آڑے نہیں آؤں گا۔ زندگی کے باقی دن گزارنے کے لئے جہاں کہو گے چلا جاؤں گا اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر دوں گا اور مملکت کے امور میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد علی مردان جب خاموش ہوا تو ہلکا سا تبسم کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا پھر علی مردان خان کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

"علی مردان! اگر کسی شخص نے بھیڑیا پال رکھا ہو، اس کی اس نے خوب خاطر خدمت بھی کی ہو اور اس سے وفاداری کی امید بھی رکھتا ہو، وہی بھیڑیا اگر رات کی گہری تاریکی میں ایک موقع جان کر اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اس پر چڑھ دوڑے اور وہ اس سے بچ نکلے، اس کے بعد وہ بھیڑیا کسی طرح اس کی تدبیر کے جال میں پھنس جائے؟ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ جال میں پھنسانے کے بعد وہ اس بھیڑیئے کو چھوڑ دے گا تاکہ اسے کھلی چھٹی مل جائے اور اس کے بعد دوبارہ کبھی وہ کوئی مناسب موقع جان کر اپنے دانت اس کے خون سے رنگین کرے۔

علی مردان خان! اگر کوئی مسافر کسی شاہراہ پر سفر کر رہا ہو اور کسی ذیلی راستے سے کوئی زہریلا سانپ نکل کر اس کی راہ روکے اور وہ سانپ سے بچ کر نکل جائے، دوبارہ جب اس راستے پر آئے تو سانپ اگر سامنے آ کر اسے ڈسنے کی کوشش کرے تو کیا وہ مسافر اس سانپ کو کھلی چھٹی دے دے گا کہ اسے ڈستا پھرے؟ اس کی زندگی کا کام تمام کرتا پھرے؟..... نہیں! تمدن کا اصول کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ وہ مسافر تو اس سانپ کا سر کچل دے گا تاکہ پھر کبھی وہ ان راستوں کی طرف آئے تو اس جیسے زہریلے سانپ سے پالا ہی نہ پڑے۔"

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ پہلے کی طرح منت کرنے کے انداز میں علی مردان خان بختیاری پھر بول اٹھا تھا۔

"محترم کریم خان! اگر آپ مجھے اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں تو مجھے امان دیں کہ میں شمال کے کوہستانی سلسلوں کی طرف چلا جاؤں گا۔ باقی زندگی گمنامی میں گزار دوں گا۔"

جواب میں کریم خان نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

"یہ بھی تم نے خوب کہی۔ تُو شمال کے کوہستانی سلسلے کی طرف چلا جائے، وہاں اپنے لئے لشکر جمع کرے یا آزاد خان اور محمد حسن قاچار دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے، ان کے ساتھ مل کر مجھ سے انتقام لینے کے لئے پھر اصفہان کا رخ کرے۔

علی مردان خان! تجھے رہا کر دوں؟ تاکہ آنے والے دور میں تُو سناٹوں کے جنگل میں میرے لئے موت کے کنوئیں کھودتا پھرے۔ ٹھہرے وقت کے جلال میں میرے خون سے اپنے خنجر دھوئے۔ جرائم کا فرستادہ، عصیان کا گماشتہ، بربادی کا نقیب، امن کا حریف، تباہی کا حلیف بن کر دوبارہ میرے خلاف اٹھ کھڑا ہو۔ علی مردان خان! تجھ جیسے جفاپروروں، تجھ جیسے دھوکا بازوں، تجھ جیسے بے وفا ساتھیوں کے فیصلے تلوار کی دھار، نیزے کی انی اور خنجر کی نوک سے لکھے جاتے ہیں۔ تُو کہتا ہے میں تجھے رہا کر دوں تاکہ آنے والے دور میں تُو میری خودنوشت کے ماتھے پر آہوں کی تحریریں رقم کرے۔ میری جبیں پر خون کے دائرے ثبت کرنے کی تیاریاں کرے۔ ایسا کر کے میں اپنے رفتگان کی عظمت کو ذلت میں اور اپنے ساحلوں، اپنے سفینوں کو بربادی کے حوالے تو نہیں کر سکتا۔ علی مردان خان بختیاری! قبل اس کے کہ تُو میرے لئے سلگتی قیامت، جلتا عذاب اور نا آسودگی اور نا خوشگواری کا لمحہ ثابت ہو، قبل اس کے کہ کالی راتوں کے طول میں تُو میری ذات کو زمین پر بکھرے اوراق اور راکھ کی طرح کرنے کی کوشش کرے میں کیوں نہ تیرے جرم، تیرے عصیان کو سامنے رکھتے ہوئے تیرے متعلق فیصلہ کروں۔"

اس کے بعد اپنے دائیں جانب بیٹھے سالار شیخ علی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

"شیخ علی خان! یہ تمہارے سامنے علی مردان کھڑا ہے۔ تم اس کے جرائم سے واقف ہو۔ ذرا اس کا فیصلہ کرو۔"

شاید کریم خان کی طرف سے عرب سالار شیخ علی خان کے لئے مخصوص اشارہ تھا۔ مسکراتے ہوئے شیخ علی خان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک جھٹکے سے اُس نے اپنی تلوار بے نیام کی۔ اُس کے ایسا کرنے سے علی مردان خان لرز کانپ گیا تھا۔ چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ پھر بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے علی خان، علی مردان کو ایک طرف لے گیا اور اس پر تلوار لہراتے ہوئے اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔

علی مردان کے خاتمہ کے بعد شیخ علی خان، عالم خان اور دوسرے سالار کریم خان کے پاس بیٹھ گئے، پھر گفتگو کا آغاز علی خان نے کیا۔ کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بھائی! اس سے پہلے اصفہان شہر میں، میں نے آپ سے گفتگو کی تھی اور اصفہان شہر سے نکلنے سے پہلے بھی میں نے آپ سے کچھ گزارشات کی تھیں لیکن آپ نے میری کوئی بات نہیں مانی۔ اب ایران کی مملکت کے اندر ایک بڑی خطرناک تبدیلی اُٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں قیام کے دوران ہمارے مخبر یہ خبر لے کر آئے تھے کہ محمد حسن قاچار جو نادر شاہ کے دور میں شمال کے کوہستانی سلسلوں کی طرف چلا گیا تھا اب وہ باہر نکلا ہے۔ جو اطلاع مخبروں نے دی ہے اس کے مطابق اس کے پاس ایک جرار اور ایسا لشکر ہے جو ہمارے لشکر سے کہیں زیادہ ہے۔ اس بناء پر اب کیا آپ اپنے ارادوں میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ اصفہان میں، میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اپنی بیوی روزبہ کی نسبت سے آپ کا شاہی خاندان سے ایک تعلق ہے۔ اسی تعلق سے آپ ایران کے تاج وتخت کے دعوے دار بن کر کھڑے ہوں۔ اپنی طاقت وقوت میں اضافہ کریں اور ایران کی حکومت، تخت اور تاج کے مالک بن جائیں۔ آپ ایسا نہیں کریں گے تو یہی کام محمد حسن قاچار کرے گا جو آپ کے قبیلے کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ اور اگر اس کشمکش، اس جدوجہد میں آپ کی بجائے محمد حسن قاچار کامیاب ہو گیا تو جانتے ہیں وہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ کیا وہ آپ کو ایران کی سرزمین میں رہنے دے گا؟ آپ کی وجہ سے نادر شاہ نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا لہٰذا وہ تو آپ کا جانی دشمن بن جائے گا۔ اور اس سے بھی بری خبر جو ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں وہ یہ کہ محمد خاں قاچار جو اس سے پہلے نادر شاہ کے لشکر میں ہمارے ساتھ کام کرتا رہا ہے اور بظاہر نادر شاہ کا مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے اس دور میں آپ سے بھی بڑے خلوص کا اظہار کیا میرے خیال میں وہ ایک خاص مقصد کے تحت نادر شاہ کے لشکر میں شامل تھا اور اب جو خبریں آئی ہیں ان کے مطابق ایک خاصا بڑا لشکر لے کر وہ اپنے بھائی محمد حسن قاچار سے جا ملا ہے۔ اس طرح محمد حسن قاچار اور محمد خاں قاچار دونوں آپ کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ ان حالات میں اگر آپ نے پھر بھی کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا.....''

یہاں تک کہتے کہتے شیخ علی خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اُس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کریم خان بول اٹھا تھا۔

''اگر میں نے کوئی مثبت قدم نہ اٹھایا تو آگے کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم اور عالم خان دونوں میرا ساتھ چھوڑ جاؤ گے؟''

کریم خان کے اس سوال کے جواب میں شیخ علی خان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس بار دوسرا سالار عالم خان بول اٹھا۔

''کریم خان! خدا کے لئے ایسے الفاظ نہ کہئے۔ ہم تو آپ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر چکے ہیں۔ مجھے اور شیخ علی خان دونوں کو موت اور قضا ہی آپ سے جدا اور علیحدہ کر سکتی ہے۔ ہم جو کچھ کہیں گے وہ آپ کی بہتری اور آپ کے تحفظ کے لئے ہو گا۔ اگر آپ ایران کے تخت و تاج کے دعوے دار بن کر اُٹھ کھڑے ہوں تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں اور اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو اپنے لشکر کے ساتھ جہاں کہیں بھی جائیں گے ہم تو آپ کا ساتھ دیں گے۔ جس کے خلاف بھی سینہ سپر ہونے کے لئے کہیں گے ہم اس پر آپ کی خواہش کے مطابق ضرب لگائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عالم خان جب رکا تب لمحہ بھر کے لئے کریم خان نے خاموشی اختیار کئے رکھی، اس کے بعد ایک غائر نگاہ باری باری اس نے علی خان اور عالم خان پر ڈالی، اس کے بعد ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے عزیز! میرے جانثار! میرے مخلص ساتھیو! میں موت کے ہر میدان، قضا کے ہر وار میں بھی تم دونوں پر اعتماد اور بھروسہ کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارے مشورے کو ٹھکراؤں گا نہیں۔ پہلے شاید میں ایران کے تاج وتخت کو نظر انداز کر دیتا لیکن اب چونکہ محمد حسن قاچار ایک بہت بڑا لشکر لے کر ایران میں داخل ہو چکا ہے اور ایک خاصا بڑا لشکر لے کر محمد خاں قاچار بھی اس سے جا ملا ہے لہٰذا مجھے ان کے سامنے دیوار بننا ہے۔ تم دونوں گواہ رہنا آج سے میں ایران کے تاج وتخت کا دعوے دار بن کر اٹھتا ہوں۔ تھوڑی دیر تک یہاں سے اصفہان کا رخ کیا جائے گا۔ اصفہان میں قیام کے دوران میں اپنے حکمران ہونے کا اعلان کروں گا اور شمال میں اس وقت دو بڑی طاقتیں ہیں۔ محمد حسن قاچار اور آزاد خان افغان۔ میں دیکھتا ہوں شمال میں وہ کس طرح کے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی آمد سے پہلے پہلے جنوبی ایران

میں اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کر لینا چاہتا ہوں۔"

کریم خان کے ان الفاظ پر علی خان اور عالم خان دونوں عرب سالاروں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دونوں آگے بڑھے۔ باری باری انہوں نے کریم خان سے لپٹ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ مؤرخین بھی علی مردان خان بختیاری کی کریم خان کے ہاتھوں شکست کے بعد کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

"علی مردان خان کو شکست دینے اور اس کا خاتمہ کرنے کے بعد کریم خان نے جنوبی ایران پر اپنے حکمران ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا۔"

عالم خان اور علی خان دونوں باری باری کریم خان سے گلے مل کر علیحدہ ہوئے۔ تب کریم خان نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"میرے عزیز ساتھیو! یہاں لشکر کو ستانے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔ پہلے لشکر کے کھانے کا اہتمام کرو، اس کے بعد اصفہان کی طرف رخ کیا جائے گا۔"

کریم خان کے ان الفاظ پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے علی خان اور عالم خان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کریم خان بھی اپنے خیمے کا رخ کر رہا تھا۔

کریم خان جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے میں اس وقت روزبہ اور اس کی خادمہ دونوں بیٹھیں کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ کریم خان کو دیکھتے ہی دونوں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے دونوں نے آگے بڑھ کر باری باری کریم خان کو علی مردان کے خلاف شاندار فتح پر مبارکباد دی، اس کے بعد خادمہ اس کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کی طرف چلی گئی تھی۔ کریم خان نشست پر بیٹھ گیا۔ روزبہ بھی وہاں ہو بیٹھی تھی۔ دونوں کا بیٹا ابوالفتح خیمے کے کونے میں گہری نیند سو رہا تھا۔

کریم خان کے سامنے نشست پر بیٹھنے کے بعد روزبہ نے انتہائی محبت اور چاہت میں کریم خان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"میں آپ کو آپ کی شاندار فتح پر مبارکباد تو دے چکی ہوں لیکن ابھی تک مجھے ایک فکرمندی اور پریشانی لاحق ہے۔ پہلے مجھے یہ بتایئے کہ علی مردان کو شکست دینے کے بعد اگلا قدم کیا اٹھایا گیا؟ کیا علی مردان خان اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ ہماری شاندار فتح اور کامیابی نہیں ہے۔ اس

لئے کہ آنے والے دور میں یہی علی مردان خان بختیاری زخمی سانپ کی طرح ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اس لئے کہ اس کا بختیاری قبیلہ شمال کے کوہستانی سلسلوں میں طاقت اور قوت رکھتا ہے اور اسی طاقت اور قوت کو وہ ہمارے خلاف بھی استعمال کر سکتا ہے۔ لہٰذا اگر علی مردان خان نے بھاگنے کی کوشش کی تھی تو آپ کو چاہئے تھا اس کا تعاقب کرتے۔ اس کا خاتمہ انتہائی لازمی تھا۔"

روزبہ کے ان الفاظ کا جواب کریم خان دینا ہی چاہتا تھا کہ ان کا بیٹا ابوالفتح اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اب بڑا ہو چکا تھا۔ اٹھنے کے بعد وہ سیدھا کریم خان کی طرف آیا۔ کریم خان کی گود میں بیٹھا اور پھر اپنا ہاتھ کریم خان کے شانے پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا! آپ کا لباس سارا خون سے تر ہے۔ آپ کے کہیں زخم تو نہیں آئے ہیں؟"

جواب میں کریم خان نے ہلکا سا ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

"اے فرزند مہربان! اگر میں زخمی ہوتا تو یوں سکون کے ساتھ تیرے سامنے کیوں بیٹھا ہوتا؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اس پر ابوالفتح پھر بول اٹھا۔ "مجھے اماں نے بتایا تھا کہ آپ علی مردان خان بختیاری کے خلاف جنگ کے لئے گئے ہیں۔ بعد میں اماں نے مجھ پر یہ بھی انکشاف کیا کہ آپ نے اسے بدترین شکست دی ہے۔ لہٰذا آپ کی فتح کی خبر سن کر میں پُرسکون انداز میں لیٹ گیا اور سو گیا تھا۔"

جواب میں کریم خان نے پہلے ابوالفتح کا سر چوما پھر گال تھپتھپایا۔ اس پر ابوالفتح کریم خان کی گود سے اٹھ کر روزبہ کی گود میں جا بیٹھا تھا۔ کریم خان روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"روزبہ! تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بھی جانتا تھا کہ آنے والے دور میں علی مردان خان بختیاری میرے لئے ڈسنے والا سانپ ثابت ہو سکتا تھا لہٰذا میں نے اسے بھاگنے نہیں دیا۔ اس کا گھیراؤ کر لیا تھا، اسے زندہ گرفتار کیا اور اب علی مردان خان اس دنیا میں نہیں ہے۔ اس کا خاتمہ کیا جا چکا ہے۔"

کریم خان کے یہ الفاظ سن کر روزبہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مسکراتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے وہ میٹھی میٹھی نگاہوں سے کریم خان کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

"آپ نے میری خوشیوں کو دوچند کر دیا ہے۔"

کریم خان نے پھر روزبہ کو مخاطب کیا۔ ''تمہاری خوشیوں میں اضافہ کرنے کے لئے میں نے ایک اور قدم بھی اٹھایا ہے۔''

روزبہ ایک دم تجسس بھرے انداز میں کریم خان کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر پوچھا۔

''کیسا قدم؟''

''تم اصرار کرتی تھیں کہ تمہارے حوالے سے میں ایران کے تاج وتخت کا وارث ہوں اور مجھے تاج وتخت کا دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ میں اس معاملے کو ٹالتا رہا۔ میں ایران کا حکمران بننا بھی نہیں چاہتا تھا۔ نہ ہی میرے ایسے ارادے تھے۔ میں تو بس پُرسکون زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں لیکن اب حالات نے ایک دم میرے خلاف پلٹا کھایا ہے۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر روزبہ جستجو اور فکرمندی میں پڑ گئی تھی۔ پریشانی بھرے انداز میں کہنے لگی۔

''کیسی مصیبت ہمارے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے؟''

اس پر کریم خان کہنے لگا۔

''اُلجھن یہ اُٹھی ہے کہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ محمد حسن قاچار شمالی راستوں سے نکل کر ایران کے میدانوں میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کا بھائی محمد خاں قاچار جو اس سے پہلے نادر شاہ کے لشکر میں میرا معاون، میرا مخلص بن کر وقت گزارتا رہا وہ بھی اب پھر چکا ہے۔ اس کے اقدام سے لگتا ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت نادر شاہ کے لشکر میں کام کرتا رہا تھا اور نادر شاہ کے لشکر میں اپنا حلقہ بناتے ہوئے جن لشکریوں کو اس نے اپنے ساتھ ملایا تھا ان سارے لشکریوں کو لے کر وہ اپنے بھائی محمد حسن قاچار سے جا ملا ہے۔ اب دونوں نے اپنی قوت کو یکجا کر لیا ہے اور ان کے ارادے ہیں کہ وہ اپنے لشکر کو لے کر اصفہان کی طرف بڑھیں گے اور ایران کی حکمرانی کے دعوے دار بن کر کھڑے ہوں گے۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ بیزاری اور غصہ کا اظہار کرتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

''وہ ایران کے تاج وتخت کے کیسے دعوے دار اور وارث ہو سکتے ہیں؟ اگر انہوں نے تخت وتاج پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو ہم مزاحمت کریں گے۔ میں آپ سے پہلے

بھی کہتی رہی ہوں کہ آپ خود ایران کے تخت وتاج کے مالک ہونے کا دعویٰ کریں۔ ساتھ ہی اپنی عسکری طاقت وقوت میں بھی اضافہ کریں لیکن آپ نے میری بات آج تک مانی ہی نہیں ہے۔''

مسکراتے ہوئے کریم خان نے کہنا شروع کیا تھا۔

''دیکھو روزبہ! حالات کو سامنے رکھتے ہوئے میں اپنے دونوں عرب سالاروں علی مردان اور عالم خان کے سامنے ایران کے تخت وتاج اور حکمرانی کا دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہونے کا اعلان کر چکا ہوں۔ تھوڑی دیر تک لشکر کے کھانے کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس کے بعد لشکر اصفہان کا رخ کرے گا۔ اس لئے کہ میں ایران کے جنوبی حصوں کا حکمران ہونے کا اعلان کر چکا ہوں۔ شمال میں اس وقت ہمارے مقابل دو بڑی قوتیں ہیں۔ ایک آزاد خان افغان دوسرا محمد حسن قاچار۔ اب ہمیں دونوں قوتوں سے ٹکرانا ہوگا اور مجھے امید ہے خداوند قدوس کی حمایت اور نصرت مجھے حاصل رہی تو دونوں قوتوں کو زیر کر کے میں ایران کے تاج وتخت کا مالک بنوں گا۔''

یہاں مؤرخین بھی تفصیل کے ساتھ رقم طراز ہیں کہ کریم خان نے علی مردان کو بدترین شکست دینے اور پھر اس کا خاتمہ کرنے کے بعد ایران کے جنوبی حصوں کا حکمران بننے کا اعلان کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لشکر کے کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کی طرف چلا گیا تھا۔ اب وہ ایران کے جنوبی علاقوں کا، دوسرے الفاظ میں جنوبی ایران کا حکمران تھا۔

❋❋❋

نادر شاہ کی وفات کے بعد ایران کے تخت و تاج کے چار امیدوار تھے۔ کریم خان، علی مردان خان بختیاری، محمد حسن قاچار اور آزاد خان افغان۔

اب جبکہ کریم خان کے ہاتھوں علی مردان خان بختیاری کا خاتمہ ہو چکا تھا اور اس کا کوئی لاؤلشکر نہ رہا تھا، اپنی طرف سے علی مردان خان بختیاری نے اسمٰعیل نام کے جس شخص کو جنوبی ایران کا حکمران بنایا تھا وہ بھی لاپتہ ہو گیا تھا لہٰذا جنوبی ایران پر اب کریم خان کی حکومت تھی۔ علی مردان خان بختیاری کے قتل کے بعد اب ایران کے تاج و تخت کے تین دعوے دار رہ گئے تھے۔ پہلا کریم خان جو ایران کے مرکزی شہر اصفہان پر قبضہ کر چکا تھا، وہیں مقیم تھا اور جنوبی ایران پر اس کی حکمرانی تھی۔ دوسرا آزاد خان افغان جس نے آذر بائیجان پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اور تیسرا محمد حسن قاچار جس نے اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کر رکھی تھی اور استر آباد کو اس نے اپنا مرکز قرار دے رکھا تھا۔ وہاں قیام کے دوران دن رات محنت کرتے ہوئے محمد حسن قاچار نے اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کر لیا تھا اور پھر مزید یہ کہ محمد خاں قاچار بھی اس سے جا ملا تھا۔ اب ایک طرح سے تینوں قوتیں ایران کے تخت و تاج پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف اپنی عسکری طاقت کو مضبوط اور مستحکم کرنے لگی تھیں۔

جہاں تک آزاد خان افغان کا تعلق تھا تو بحیرۂ کیسپین کے آس پاس کا سارا علاقہ اس کی گرفت میں تھا۔ ایک روز وہ اپنے لشکر کے ساتھ بحیرۂ کیسپین کے قریب ہی اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا کہ اس کے محافظ دستوں کا سالار اس کے خیمے کے دروازے پر آیا اور آزاد خان افغان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''محمد حسن قاچار کی طرف سے دو قاصد اس کے سفیر بن کر آئے ہیں اور کسی اہم مسئلہ پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی طرف سے میں نے انہیں کریدنے کی بہت کوشش لیکن کچھ بتاتے ہی نہیں۔ میں نے ان سے تفصیل جاننا چاہی تاکہ ملاقات سے پہلے وہ تفصیل میں آپ سے کہہ دوں تاکہ آپ کو ان کے ساتھ گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔ لیکن وہ کوئی انکشاف کرنے سے گریزاں ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محافظ دستوں کا وہ سالار جب خاموش ہوا تب آزاد خان افغان کے لبوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے وہ مجھ سے مدد مانگنے کے لئے آئے ہوں گے۔ لیکن جس کے خلاف وہ مدد مانگنا چاہتے ہیں میں اس کے خلاف ان کی مدد نہیں کروں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان افغان جب خاموش ہوا تب بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے سپہ سالار نے اس سے پوچھ لیا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''اس میں سمجھنے والی کون سی بات ہے جو تمہارے دماغ میں نہیں آ رہی۔'' غور سے اپنے محافظ دستوں کے سالار کی طرف دیکھتے ہوئے آزاد خان نے کہنا شروع کیا تھا۔

''سنو! ایران کے تخت و تاج کے اس وقت تین ہی دعوے دار ہیں۔ چوتھا تھا علی مراد خان بختیاری جو کریم خان کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ باقی بچنے والے تین میں سے ایک میں، دوسرا کریم خان اور تیسرا محمد حسن قاچار ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ محمد حسن قاچار نے اپنے یہ دو سفیر اس غرض سے میری طرف روانہ کئے ہوں گے کہ میں کریم خان کے خلاف ان کی مدد کروں۔ لیکن مجھے ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے کہ قاچاریوں پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور پھر کریم خان ایک ایسا شخص ہے کہ اس کی دشمنی کو بھی قاچاریوں کی دوستی پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ میں ایک عرصہ کبھی کریم خان کے ماتحت اور کبھی اس کے ساتھ اور کبھی لشکر میں ایک علیحدہ کمانداری رکھتے ہوئے کام کر چکا ہوں۔ میں جہاں اس کی جرأت مندی، جوانمردی اور تیغ زنی میں اس کی مہارت سے متاثر ہوا، وہاں اس کا اخلاق و کردار بھی بڑا مثالی ہے۔ وہ نیک اور خود دار شخص ہے۔ وہ دشمن کی حدود پر شب خون مارنے والا نہیں ہے۔ اس بناء پر اس کے اخلاق اور کردار کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے یہ کہا کہ کریم خان کی دشمنی کو بھی قاچاریوں کی دوستی پر

ترجیح دی جا سکتی ہے۔ بہرحال محمد حسن قاچاری نے جو اپنے دو قاصد بھیجے ہیں ان کو میرے پاس لے کر آؤ۔ میں دیکھتا ہوں وہ کیا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اور اگر میرے اندازے درست ہیں تو وہ کریم خان کے خلاف کوئی مدد یا حمایت چاہتے ہیں تو پھر وہ کیا شرائط پیش کرتے ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان خاموش ہو گیا۔ اس کا اشارہ پا کر اس کے محافظ دستوں کا سالار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ محمد حسن قاچار کے دو قاصدوں کو لے کر خیمے میں داخل ہوا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر آزاد خان نے ان کے ساتھ پُرجوش مصافحہ کیا، پھر انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی وہ خود بھی ان کے سامنے ہو بیٹھا تھا۔ محافظ دستوں کا سالار بھی آزاد خان کے قریب ہی نشست سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

گفتگو کا آغاز آزاد خان افغان نے کیا اور خیمے میں اس کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دونوں محمد حسن قاچار کے سفیر بن کر آئے ہو اور اس کی طرف سے میرے لئے کوئی پیغام لے کر آئے ہو۔ تمہارے پاس حسن قاچار کی طرف سے میرے نام کیا پیغام ہے؟"

جواب میں دونوں قاصدوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ان میں سے ایک بول اٹھا۔

"محترم آزاد خان! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کریم خان اصفہان پر قابض ہو چکا ہے اور ایسا کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ علی مردان خان بختیاری نے اپنی طرف سے شاہی خاندان کے ایک شخص اسمٰعیل کو ایران کا حکمران بنایا تھا۔ اس بناء پر ہم خاموش رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ علی مردان خان بختیاری کی نگرانی میں اسمٰعیل حکومت کرتا رہے گا اور اگر ایران کو کسی موقع پر کسی قوت کی طرف سے خطرہ ہوا تو ہم اسمٰعیل کی مدد کو پہنچیں گے لیکن اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ کریم خان نے علی مردان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جس کے نتیجہ میں شاہی خاندان کا فرد اسمٰعیل نہ جانے کہاں روپوش ہو چکا ہے۔ کریم خان اب اصفہان پر قابض ہے اور جنوبی ایران کا حکمران بھی کہلاتا ہے۔ جبکہ اسے ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ نہ ہی وہ ایران کے تخت و تاج کا دعوے دار بن کر اٹھ سکتا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ قاصد جب خاموش ہوا تو گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے آزاد خان بول اٹھا۔

"تمہارے خیال میں ایران کے تخت و تاج اور حکمرانی کا اصل وارث کون ہو سکتا ہے؟"

قاصد نے پہلے آزاد خان کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی پھر باتامل وہ کہہ اٹھا۔

"ہمارے خیال کے مطابق ایران پر اس وقت صرف قاچاریوں کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہے اس لئے کہ قاچاریوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ ہے جو ایران کے نہ صرف نہیں باہر بھی بہت سے علاقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا بڑے قبیلے کی حیثیت سے ایران پر حکومت کرنے کا حق انہیں ہی حاصل ہے۔ قاچاریوں کو یہ حق اگر پیش کرتے ہوئے مل گیا تو کسی کے خلاف کوئی بھی تادیبی کارروائی نہیں کریں گے۔ اور اگر نہ ملا تو محترم آزاد خان! استر آباد میں قاچاریوں نے ایک ایسا بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے جو اس سے پہلے ایران کی سرزمینوں نے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ اس لشکر کے ساتھ جب قاچاری استر آباد سے نکل کر کوہستانی سلسلوں کو روندتے ہوئے اصفہان کا رخ کریں گے تو کریم خان ان کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ قاصد جب خاموش ہوا تب اسے غور سے دیکھتے ہوئے آزاد خان افغان کہنے لگا۔

"اگر قاچاریوں نے استر آباد کے اندر ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے جس کی طاقت و قوت کا بھی اب کوئی اندازہ نہیں تو پھر وہ کیوں نہیں اصفہان کی طرف پیش قدمی کرتے اور آگے بڑھ کر کریم خان کو شکست دے کر اصفہان پر قبضہ کیوں نہیں کر لیتے؟ اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ محمد حسن قاچار نے تمہیں کس مقصد سے میری طرف روانہ کیا ہے؟"

"ہمارے ہاتھ محمد حسن قاچار نے آپ کو یہ پیغام بھجوایا ہے کہ آپ اپنی طاقت و قاچاریوں میں ضم کر لیں۔ آپ کی حیثیت ایک بڑے اور عمدہ سالار کی ہو گی۔ جب آپ اور قاچاریوں کی طاقت جمع ہو گئی تو پھر اصفہان کی طرف پیش قدمی کی جائے گی اور کریم خان جو ایران کے تخت و تاج کا کسی بھی صورت دعوے دار نہیں بن سکتا ہے یا

تو ملک بدر کر دیا جائے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو پھر اس کا خاتمہ کر کے ایران میں نئی حکومت قائم کی جائے گی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد قاصد جب خاموش ہوا تب آزاد خان نے گھورنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

"یہ تم کس بناء پر کہہ سکتے ہو کہ کریم خان ایران کے تخت و تاج کا دعوے دار نہیں بن سکتا؟"

قاصد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

"اس کا قبیلہ ایران میں سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اور اس کا ایک حصہ ابھی تک خانہ بدوشانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس کے قبیلے کا نہ کوئی مرکزی شہر ہے نہ کوئی طاقت وقوت۔"

یہاں تک کہتے کہتے اس قاصد کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ احتجاجی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے آزاد خان کہنے لگا۔

"میں سمجھتا ہوں تمہاری اور تمہارے حکمران محمد حسن قاچار کی معلومات بہت کم اور محدود ہیں۔ جہاں تک کریم خان کے قبیلے زند کا تعلق ہے تو وہ بڑا قبیلہ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ماضی میں محمد حسن قاچار کا باپ دھوکا دہی سے اس قبیلے پر حملہ آور ہوا، کریم خان زند کے باپ کو موت کے گھاٹ اتارا، ان گنت زندیوں کو قتل کیا اور ان کی تعداد کو کم کیا۔ ورنہ زندی قبیلہ کسی بھی صورت قاچاریوں سے کم نہیں تھا۔ چلو میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان دنوں قاچاری قبیلہ زند قبیلے سے بڑا ہے لیکن قاچاریوں کا شاہی خاندان سے کوئی تعلق تو نہیں ہے۔ جبکہ تم جانتے ہو ایران کے سابق بادشاہ حسین کی بیٹی روزبہ کریم خان کی بیوی ہے۔ اس نسبت، اس رشتے سے کریم خان ایران کے تخت و تاج کا دعوے دار بن کر کھڑا نہیں ہو سکتا؟"

آزاد خان کی اس گفتگو کا قاصد کوئی جواب نہ دے پایا۔ شرمندہ سا ہو گیا تھا۔ آخر آزاد خان نے بات کا رخ بدلا اور دونوں قاصدوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اچھا اگر محمد حسن قاچار نے تم دونوں کو سفیر بنا کر میری طرف بھیجا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں کریم خان کے خلاف ان کا اتحادی بن جاؤں اور کریم خان سے تخت و تاج چھیننے میں ان کی مدد کروں تو پھر اس سلسلے میں قاچاریوں کی شرائط کیا ہوں گی؟"

دونوں قاصدوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ایک بول اٹھا۔

"شرائط کیا ہونی ہیں؟ جب آپ دونوں مل کر کریم خان کے خلاف حرکت میں آئیں گے تو کامیابی کے بعد دونوں کے حقوق عسکری قوت کے لحاظ سے واضح رہیں گے۔"

اس موقع پر طنزیہ سی مسکراہٹ آزاد خان افغان کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ پھر قاصدوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے کہا ہے کہ کریم خان زند کا قبیلہ چونکہ چھوٹا ہے لہٰذا وہ ایران کے تخت و تاج کا دعوے دار نہیں بن سکتا۔ قاچاری قبیلہ چونکہ بڑا ہے۔ تخت و تاج کا وہی وارث ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے پاس بھی قاچاریوں کی نسبت چھوٹا لشکر ہے۔ آج میں اگر قاچاریوں کے ساتھ مل کر کریم خان کے خلاف حرکت میں آتا ہوں اور اگر ہمیں کامیابی ہوتی ہے اور اگر ہم اصفہان پر قبضہ کر لیتے ہیں تو کیا محمد حسن قاچار اصفہان پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے یہی جملہ مجھ سے نہیں کہے گا کہ میرے لشکر کی تعداد تھوڑی ہے۔ لہٰذا میں ایران کے تخت و تاج کا امیدوار نہیں ہو سکتا۔ اس موقع پر کون میرے حقوق کا ضامن بن کر اٹھے گا؟ کیا قاچاریوں کے اندر کوئی ایسا ہے جو مجھ سے کئے گئے وعدوں کی پاسداری کرے گا اور ان وعدوں کو پورا کرنے کے لئے ضامن بن کر اٹھے گا؟"

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔

"میں قاچاریوں میں بھی زندگی بسر کر چکا ہوں۔ انہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کے مزاج و سرشت سے بھی واقف ہوں۔ کریم خان کسی دور میں میرا سالار اور کماندار بھی رہا ہے۔ اُس کے حُسنِ اخلاق، اُس کے کردار سے بھی میں آگاہی رکھتا ہوں۔ میرے عزیز! سن، گفتگو کے شروع میں تُو نے جو یہ کہا کہ قاچاری اب تک اس بناء پر چپ رہے کہ علی مردان خان بختیاری نے اسمٰعیل کے ذریعے ایک حکومت قائم کر لی تھی اور قاچاری چاہتے تھے کہ اسمٰعیل ایران کے اندر حکومت کرتا رہے، قاچاری اس کا دفاع کریں گے۔ یہ تُو نے جھوٹ کہا ہے۔ اگر تُو نے جھوٹ نہیں کہا تو پھر قاچاریوں نے تجھ سے جھوٹ کہلوایا ہے۔ قاچاری اب تک اس بناء پر خاموش نہیں رہے کہ علی مردان نے اسمٰعیل کو بادشاہ بنا لیا تھا تو وہ خاموش ہو کر بیٹھ رہے تھے تاکہ اسمٰعیل حکومت

کرتا رہے۔ قاچاری اب تک اس لئے خاموش رہے ہیں کہ وہ اپنی عسکری تیاریوں میں مصروف رہے ہیں۔ اب جبکہ انہوں نے اپنی عسکری طاقت اور قوت کو بھی اپنے عروج پر پہنچا لیا ہے، ساتھ ہی اصفہان کے حالات میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی ہے اور کریم خان نے علی مراد قاچاری کو ٹھکانے لگانے کے بعد اصفہان پر قبضہ کر لیا ہے۔ جنوبی ایران کا وہ حکمران بن گیا ہے تو اب قاچاریوں کے سینہ پر سانپ لوٹنے لگا ہے۔ کریم خان کو وہ اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ اس لئے کہ کریم خان کی وجہ سے ہی نادر شاہ نے محمد حسن قاچار کے باپ فتح محمد قاچار کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور ایسا نادر شاہ نے بلاوجہ اور غلط نہ کیا تھا۔ فتح محمد قاچار نے زند قبیلے پر حملہ کیا، ان گنت زندیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کریم خان کے باپ کو بھی قتل کرا دیا۔ جواب میں اگر کریم خان نادر شاہ کے ذریعہ فتح محمد قاچار کے خلاف حرکت میں آیا تو کریم خان حق بجانب تھا۔ تم نے اپنی گفتگو میں یہ بھی تاثر دیا ہے کہ قاچاری علی مردان خان بختیاری کے حق میں تھے اور کریم خان نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جو خبریں اب تک مجھ تک پہنچی ہیں تو یہ تاثر بھی غلط ہے۔ کریم خان نے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی مردان کو اصفہان شہر میں رہنے اور اسمٰعیل کا اتالیق بن کر حکومت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن علی مردان خان بختیاری نے بد دیانتی و غداری سے کام لیتے ہوئے کریم خان کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہا جس کی بناء پر کریم خان نے عمدہ قدم اٹھایا، اپنا لاؤ لشکر لے کر اصفہان شہر سے باہر نکل گیا۔ شہر سے باہر ہی اس کا ٹکراؤ علی مردان خان سے ہوا۔ یہاں بھی کریم خان کی نیک نیتی اور اس کی بلند کرداری سامنے آتی ہے۔ وہ چاہتا تو اصفہان شہر کے اندر بھی علی مردان خان سے ٹکرا کر اس کا خاتمہ کر سکتا تھا اور تخت و تاج پر قابض ہو سکتا تھا لیکن اس نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ ایسا کرنے سے شہر کے لوگوں کو بے پناہ نقصان اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس لئے اس نے علی مردان خان بختیاری کے ساتھ ٹکراؤ کے لئے اصفہان کے فوجی میدانوں کا انتخاب کیا۔ وہاں اس نے اسے شکست دی، اسے موت کے گھاٹ اتارا اور اب وہ اصفہان کے تاج و تخت پر قابض ہو چکا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان رکا، اس کے بعد ان قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ مت خیال کرنا کہ میں کریم خان کا حمایتی یا طرف دار ہوں۔ میں خود اس

وقت ایران کے تخت و تاج کا دعوے دار ہوں اور عنقریب تم دیکھو گے کہ میں کریم خان کے خلاف حرکت میں آؤں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ کریم خان کو شکست دے کر میں ایران کے تاج و تخت پر قابض ہو جاؤں گا۔

اس موقع پر میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ اگر حالات اور وقت نے مجھے کریم خان کے خلاف کامیابی عطا کی تو میں کریم خان کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اسے اپنا بھائی بنا کر اپنے ساتھ رکھوں گا۔ حکومت خود کروں گا لیکن اس کے مشورے پر عمل کروں گا۔ اس لئے کہ اگر ایک بار اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا کہ وہ میرے ساتھ پُرخلوص رہتے ہوئے دن گزارے گا تو میں اس کے مزاج کو سمجھتا ہوں۔ کسی بھی موقع پر وہ میرے ساتھ غداری نہیں کرے گا جبکہ قاچاریوں کی سرشت میں ایسی بلند کرداری نہیں ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان خاموش ہوا، اس کے بعد آنے والے قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''میرے محافظ دستوں کا سالار تمہیں ابھی لے جائے گا۔ تمہارے قیام و طعام کا وہ بہترین بندوبست کرے گا۔ تم لمبا سفر طے کر کے آئے ہو، چند روز یہاں ہمارے پاس قیام کرو، پھر واپس محمد حسن قاچار کے پاس جاؤ اور میری طرف سے جا کر اسے یہ پیغام دینا کہ میں کسی بھی صورت قاچاریوں کے ساتھ اتحاد کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میری طرف سے یہ بھی انہیں بتانا اگر میری زندگی نے وفا کی اور موقع ملا تو میں قاچاریوں کی دوستی پر کریم خان کی دشمنی کو ترجیح دوں گا۔''

اس کے ساتھ ہی آزاد خان افغان نے اپنے محافظ دستوں کے سالار کو ایک مخصوص اشارہ کیا جس پر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور قاچاریوں کے ان دونوں قاصدوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

وہی قاصد ایک روز استر آباد شہر میں داخل ہوئے۔ یہ شہر بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی گوشے سے قریباً 63 میل مشرق میں واقع ہے۔ آج کل اسے گوگوآن کا نام دے دیا گیا ہے۔ دونوں قاصد قاچاریوں کے سربراہ حسین قاچار اور محمد خاں قاچار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ دونوں بھائی قاصدوں کی آمد پر خوش تھے۔ انہیں یقین تھا کہ کریم خان کے خلاف آزاد خان افغان ضرور ان کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ دونوں قاصد جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تب بڑی بے چینی کا اظہار کرتے

ہوئے محمد خاں نے انہیں مخاطب کر کے پوچھ لیا۔

''میرے عزیز ساتھیو! آزاد خان کی طرف سے تم کیا پیغام لے کر آئے ہو؟''

اس پر ان دو قاصدوں میں سے ایک نے آزاد خان کے ساتھ جس قدر گفتگو ہوئی تھی اس کی تفصیل کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر حسین قاچار اور محمد خاں قاچار دونوں گہری سوچوں میں ڈوب گئے تھے۔ پھر حسین قاچار ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب تم جاؤ، آرام کرو۔''

اس کے ساتھ ہی وہ دونوں قاصد وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تھے۔ پھر ان کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حسین دھیمے سے لہجے میں محمد خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بھائی! ہم نے جو آزاد خان سے اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ تو بالکل ہی رائیگاں گئیں۔ میں تو یہ اندازہ لگائے بیٹھا تھا کہ ہمارے قاصد جس وقت آزاد خان افغان کے پاس پہنچیں گے اس پر یہ انکشاف کریں گے کہ ہم اس کے ساتھ مل کر کریم خان کے خلاف ایک محاذ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی خوشی اور طمانیت کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔ لیکن قاصدوں کا کہنا ہے کہ اس نے تو ہمارے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ میرے بھائی! آزاد خان افغان کا یہ جملہ تو میرے لئے زہریلے تیر سے بھی بدتر ہے۔ وہ کس بناء پر کہتا ہے کہ وہ کریم خان کی دشمنی کو ہماری دوستی پر ترجیح دیتا ہے۔ آزاد خان کو شاید ہماری عسکری طاقت وقوت کا ابھی تک اندازہ نہیں ورنہ وہ اس لہجے میں ہم سے گفتگو کرتا نہ ہمارے قاصدوں کو ایسا جواب بھیجتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار جب خاموش ہوا تب محمد خاں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم وقت ضائع کئے بغیر آزاد خان افغان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں؟ اسے شکست دیں؟ اس کا کام تمام کرنے کے بعد کریم خان کا رخ کریں؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں سے کوئی بھی ہماری طاقت و قوت کے سامنے ٹھہر نہیں پائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد خاں جب خاموش ہوا تب اس کی طرف کچھ دیر تک

حسین قاچار غور سے دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''نہیں، میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ ہمیں کسی بھی صورت ان دنوں میں نہ آزاد خان افغان نہ ہی کریم خان کے خلاف حرکت میں آنا چاہئے۔ اگر تم پوچھو اس کی وجہ کیا ہے تو میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔

سن میرے بھائی! اگر ہم پہلے کریم خان پر ضرب لگانے کے لئے اصفہان کا رخ کرتے ہیں تو یاد رکھنا آزاد خان افغان ہمارے لئے وبالِ جان بن جائے گا۔ جو تفصیل ان قاصدوں نے بتائی ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد خان افغان ہم پر کریم خان کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ ہم نے کریم خان پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو آزاد خان ہماری پشت کی طرف سے نمودار ہو کر اور ہم پر ضرب لگاتے ہوئے ہمارے لئے نقصان کا باعث بن سکتا ہے جبکہ سامنے کی طرف سے کریم خان ہمیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر ہم اس کا الٹ کرتے ہیں یعنی کریم خان کو نظر انداز کرتے ہیں اور آزاد خان کا رخ کرتے ہیں تو یاد رکھنا آزاد خان پہلے تو ہمیں اپنے ساتھ اُلجھائے رکھے گا، حملے کو طول دے گا، ساتھ ہی ہمارے خلاف وہ کریم خان سے مدد طلب کرے گا۔ نادر شاہ کے دور میں کریم خان اور آزاد خان افغان کے درمیان بڑا تعاون، بڑی یکجہتی اور اتفاق رہا ہے۔ اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ہمارے خلاف جب آزاد خان کریم خان سے مدد مانگے گا تو کریم خان وقت ضائع کئے بغیر ہمارے خلاف حرکت میں آنے کے لئے اپنا لشکر لے کر چل دوڑے گا۔ لہٰذا فی الوقت نہ ہم آزاد خان پر ضرب لگا سکتے ہیں نہ کریم خان کو اپنا ہدف بنا سکتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب حسین قاچار خاموش ہوا تب سوالیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد خاں کہنے لگا۔

''تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے لشکر کے ساتھ یوں ہی بے کار استر آباد میں پڑے رہیں اور یہ دیکھیں کہ حالات آپ سے آپ کیسے ہمارے حق میں پلٹا کھاتے ہیں۔''

حسین قاچار نے ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا۔ ''نہیں! تم میری باتوں کا غلط مطلب لے رہے ہو۔ ہم اس وقت ایران کی مملکت کے سب سے بڑے دعوے دار ہیں اور میں تمہیں یہ بھی یقین دلا دوں تخت و تاج حاصل کرنے میں ہم ہی کامیاب اور کامران

رہیں گے۔لیکن اپنی اس منزل کو ہم نے کسی طریقے اور سلیقے سے حاصل کرنا ہے۔

محمد خاں! تم نے اپنے قاصدوں کی گفتگو پر شاید غور نہیں کیا۔ جہاں آزاد خان یہ کہتا ہے کہ وہ کریم خان کی دشمنی کو ہماری دوستی پر ترجیح دیتا ہے وہاں وہ ایران کے تاج وتخت کا بھی دعوے دار ہے۔ لہٰذا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ کریم خان سے ضرور ٹکرائے گا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کریم خان پر قابو پانے کے لئے وہ کریم خان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور جیسا کہ قاصدوں نے کہا ہے وہ کریم خان پر قابو پانے کے بعد اسے اپنے مشیر کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھے گا۔ میرے بھائی! آزاد خان کا کریم خان کے ساتھ ٹکرانا ہی ہمارے لئے سودمند ہے۔

فی الحال استر آباد میں اپنے لشکر کے ساتھ خاموش بیٹھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ آزاد خان چند ہفتے بعد مطمئن ہو جائے گا۔ ہماری طرف سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ اس لئے کہ ہماری طرف سے جب کوئی نقل وحرکت نہیں ہو گی تو پھر اس کے مخبر اسے بتا دیں گے کہ ہم استر آباد میں پہلے کی طرح بے کار پڑے ہیں۔ تب آزاد خان کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ آذر بائیجان سے نکلے گا اور اصفہان کا رخ کرے گا۔

محمد خاں! میرے بھائی! اس موقع پر میں تم سے یہ بھی کہہ دوں کہ ہم سے ٹکر لینے سے پہلے آزاد خان افغان ہر صورت میں یہ چاہے گا کہ کسی نہ کسی طرح وہ کریم خان پر قابو پا کر اصفہان میں اپنی طاقت اور قوت کو جمع کرے، اس کے بعد ہم سے ٹکرائے۔ ساتھ ہی میں تم سے یہ بھی کہوں کہ کریم خان کوئی ایسا تر نوالہ نہیں جسے یہ آزاد خان اتنی آسانی سے نگل جائے گا۔ دونوں کے درمیان تصادم بڑا سخت اور کڑا ہو گا۔ یہاں آذر بائیجان میں قیام کے دوران آزاد خان نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے اور اپنے لشکر کو اُس نے خوب کیل کانٹے سے لیس بھی کر دیا ہے۔ کریم خان بھی بے کار تو نہیں بیٹھا ہوا۔ اور پھر ہمارے اور آزاد خان کی نسبت کریم خان کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہیں۔ اس لئے کہ کریم خان نے تو یونہی اصفہان شہر کے اندر قیام کرتے ہوئے گوشہ گیری کی زندگی بسر کرنا شروع کی تھی۔

یہ تو برا ہوا علی مردان خان بختیاری کا کہ اس نے اصفہان شہر میں داخل ہو کر اسمٰعیل کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ کریم خان کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ آخر دونوں کا

ٹکراؤ ہوا جس کے نتیجہ میں کریم خان نے علی مردان خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ علی مردان کا خاتمہ کرنے سے کریم خان کو دو فائدے ہوئے۔

اول یہ کہ وہ اپنے ایک حریف کو ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرا سب سے بڑا فائدہ اسے یہ ہوا کہ علی مردان کے خلاف کامیابی اور علی مردان کے قتل کی وجہ سے اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو چکے ہیں اور اب وہ یہ ظن وگمان بھی کر سکتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے علی مردان بختیاری جیسے تاج وتخت کے وارث کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، وہاں وہ ہم سے اور آزاد خان افغان سے ٹکرانے کے بعد ہمارا انجام بھی انہی جیسا بنا کر رکھیں گے۔

محمد خاں! میرے بھائی! میں نے آج تک اس کریم خان کے ساتھ کہیں کام نہیں کیا۔ اس لئے کہ میں نادر شاہ کے لشکر میں شامل ہی نہیں رہا۔ میرے خیال میں تم کریم خان کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ تعصب کو ذہن سے نکال کر اپنی ایمانداری سے بتاؤ وہ کیسا سالار ہے؟''

اس موقع پر طنزیہ سی مسکراہٹ محمد خاں کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! آپ کا کہنا درست ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کریم خان ایک نایاب تیغ زن، عمدہ سالار اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والا شخص ہے۔ لیکن ہمیں اس پر یہ فوقیت ہے کہ ہمارے پاس اس سے بڑا اور بہتر تربیت یافتہ اور آراستہ لشکر ہے اور اسی لشکر سے ہم کریم خان کو شکست دے کر ایران کے تاج وتخت پر قابض ہو سکتے ہیں۔''

محمد خاں کی اس گفتگو سے حسین قاچار خوش ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

''ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی بیچ میں تم سے کریم خان سے متعلق تمہارے خیالات جانچنے کی کوشش کی تھی۔ میرے بھائی! ہمارے لئے آخری منصوبہ بندی یہی ہونی چاہئے کہ خاموش رہیں۔ ہماری خاموشی کو دیکھتے ہوئے یاد رکھنا آزاد ان افغان، کریم خان کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ پہلے دونوں کو ٹکرانے دو، میرا اپنا اندازہ ہے کہ آزاد خان افغان کو کریم خان کے مقابلے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ لیکن ایک بار شکست اُٹھانے کے بعد آزاد خان انتقام لینے والے سانپ کی صورت اختیار کر جائے گا۔ بار بار کریم خان سے ٹکرائے گا اور اپنی شکست کا انتقام لینے کی کوشش کرے گا۔ اس

بار بار کے ٹکرانے سے جہاں آزاد خان افغان کی طاقت وقوت کمزور ہو جائے گی وہاں کریم خان کی عسکری حیثیت بھی نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی۔ جب ایسا ہو جائے گا تب ہم اگر باری باری آزاد خان اور کریم خان پر ضرب لگائیں تو وہ ہماری راہ نہیں روک سکیں گے بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ جب وہ آپس میں ٹکرا کر تھک جائیں گے اور ہم بیک وقت دونوں کے خلاف حرکت میں آ جائیں تب بھی وہ ہماری طاقت و قوت کا رخ نہیں موڑ سکیں گے۔ ہم انہیں زیر کر لیں گے اور ایران کے تاج و تخت کے مالک و وارث ہم ہی ہوں گے۔

لہٰذا میرے بھائی! صبر کرو اور دیکھو آزاد خان افغان اور کریم خان کے ٹکرانے سے کس عجوبے کا ظہور ہوتا ہے اور ردِ عمل کے طور پر کیسے حالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ میرے بھائی! کیا تم میری اس منصوبہ بندی سے اتفاق کرتے ہو؟''

جواب میں محمد خاں مسکرایا اور کہنے لگا۔

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ پہلے آزاد خان اور کریم خان کو ایک دوسرے سے ٹکرانا چاہئے اور ہمیں استر آباد میں بیٹھ کر اس ٹکراؤ کا تماشا دیکھنا چاہئے۔ جب ہم اندازہ لگائیں کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ٹکراتے تھک چکے ہیں تب ہم اپنے کام کی ابتداء کریں گے۔ اپنا لشکر لے کر استر آباد سے نکلیں گے اور ان دونوں کی تھکاوٹ پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ انہیں سنبھلنے کا موقع دیں گے اور نہ سستانے دیں گے۔ دونوں کا کام تمام کر کے رکھ دیں گے۔ اور جب ایسا ہوگا تو ایران کی وسیع مملکت ہمارے سامنے ہوگی۔ اور ہم جیسا چاہیں گے اس پر تصرف کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب محمد خاں قاچار خاموش ہوا تب حسین خان قاچار نے اس کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر دونوں بھائی بڑی رازداری کے ساتھ اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے اور اس کی تربیت کے امور پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

اصفہان کے قصر میں ایک روز روزبہ اکیلی بیٹھی تھی کہ اس کی خادمہ گھر کے کام نمٹا کر روزبہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کمرہ اصفہان کے قصر کا تھا اس لئے کہ کریم خان چونکہ اب جنوبی ایران کا حکمران تھا، اصفہان اس کا مرکزی شہر تھا اور اس کی رہائش اصفہان کے اسی قصر میں تھی جہاں اس سے پہلے ایران کے مختلف شہنشاہ قیام کیا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ خادمہ سروج جب آگے بڑھی تب روزبہ نے خوش دلی سے اسے اپنے سامنے ایک نشست پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ سروج چپ چاپ وہاں بیٹھ گئی۔ اس دوران کسی معاملے کے سلسلے میں اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے روزبہ نے چند ثانیوں تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا آخر اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''میں دیکھتی ہوں تم آج خلافِ معمول زیادہ سنجیدہ ہو اور تمہاری حالت سے لگتا ہے تم کسی معاملے پر غور و فکر کر رہی ہو یا کسی معاملے نے تمہیں پریشان اور فکرمند کر دیا ہے۔''

روزبہ کے اس سوال پر سروج چونکی تھی۔ ایک اداس سی نگاہ اس نے روزبہ پر ڈالی پھر کہنے لگی۔

''مالکن! آپ کا اندازہ یقیناً درست ہے۔ ان دنوں میں عجیب و غریب پریشانی اور فکرمندی میں مبتلا ہوں۔''

''کیسی فکرمندی؟'' روزبہ نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں سروج نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگی۔

''آپ جانتی ہیں نادر شاہ کی وفات کے بعد ایران کے تاج وتخت کے چار وارث اٹھے جن میں سے ایک یعنی علی مردان خان بختیاری کا خاتمہ ہو چکا، باقی تین رہتے ہیں۔ ایک ہمارے مالک کریم خان، دوسرا حسن قاچار اور تیسرا آزاد خان افغان۔ آپ کے شوہر محترم کریم خان کی خوش قسمتی کہ علی مردان پر قابو پا چکے ہیں۔ اب ان کے سامنے دو حریف ہیں۔ جہاں تک میں اندازہ لگا پائی ہوں اس کے مطابق شاید آزاد خان زیادہ عرصہ تک کریم خان کے سامنے نہیں ٹھہر پائے گا، شکست کھا کے بھاگ جائے گا یا مارا جائے گا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑی طاقت بن کر قاچار ہم سے ٹکرائیں گے۔ بس اسی بات نے مالکن! مجھے فکرمند کر دیا ہے کہ کیا بنے گا؟

اس میں شک نہیں علی مردان کی طرح آزاد خان بھی کریم خان کے سامنے زیر اور چت ہو جائے گا۔ لیکن جہاں تک قاچاریوں کا تعلق ہے تو قاچاری نہ صرف ایک بہت بڑا قبیلہ ہے بلکہ استر آباد کے آس پاس اور اردگرد جس قدر جنگجو قبائل ہیں ان سب کو انہوں نے اپنے لشکر میں شامل کر لیا ہے اور جو خبریں استر آباد سے اصفہان میں پہنچ رہی ہیں ان کے مطابق وہ ایک ایسا جرار لشکر تیار کر رہے ہیں جس کے ساتھ وہ ایران کا تاج وتخت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بس آج میں اسی موضوع پر سوچتی رہی اور انہی سوچوں نے مجھے پریشان اور فکرمند کر دیا۔''

سروج کی یہ گفتگو سن کر لمحہ بھر کے لئے خود روزبہ بھی پریشان اور سنجیدہ سی ہو گئی تھی پھر کہنے لگی۔

''فکرمندی والی بات تو ہے لیکن سروج! ہم کچھ کر بھی تو نہیں سکتیں۔''

روزبہ کے ان الفاظ کے جواب میں سروج کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی تھی اور اس چمک میں خلوص کم، عیاری زیادہ تھی۔ عجیب سے انداز میں چند لمحوں تک اس نے روزبہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

''آپ کے ان الفاظ نے مجھے اور پریشان کر دیا ہے لہٰذا میرے پاس ایک تجویز ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو محترم کریم خان پورے ایران کے بلا شرکت غیرے شہنشاہ بن سکتے ہیں اور آپ کی حیثیت صفوی خاندان کی عظیم الشان خواتین سے بھی بڑھ جائے گی۔''

سروج کی ان باتوں میں روزبہ نے دلچسپی کا اظہار کیا۔ فی الفور پوچھ لیا۔

''وہ کیسے؟''

''وہ اس طرح کہ حسن قاچار کے ساتھ ہم کوئی معاملہ کر کے حسن قاچار کی شکست و بدبختی اور محترم کریم خان کی کامیابی اور فتح مندی کے لئے کام کر سکتی ہیں۔''

کھل کر کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس طرح کی پیچیدہ گفتگو مجھے مزید پریشان کر دیتی ہے۔'' روزبہ نے غور سے سروج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

جواب میں سروج سوچنے کے انداز میں تھوڑی دیر خاموش رہی، پھر کہنے لگی۔

''جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکی ہوں آزاد خان ہر صورت میں کریم خان کے ہاتھوں پٹ جائے گا، شکست کھا جائے گا لیکن قاچاریوں کی بڑی طاقت ہے۔ میں نے اپنے دل میں یہ ٹھان رکھی ہے کہ جب ہمارے مالک کریم خان کے ساتھ قاچاریوں کا ٹکراؤ شروع ہو گا تو اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں محترم کریم خان کامیاب اور کامران رہے تو ہمیں تو پھر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر قاچاریوں کے مقابلے میں کریم خان کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی ہے اور قاچاری تعاقب کرتے ہوئے اصفہان تک آ جاتے ہیں تو اس موقع پر میں نے یہ ٹھان رکھی ہے کہ میں بذاتِ خود اصفہان سے نکل کر قاچاریوں کے سردار حسن قاچار کے پاس جاؤں گی اور اس سے گفتگو کر کے معاملے کو محترم کریم خان کے حق میں انجام دینے کی کوشش کروں گی۔''

سروج کی اس گفتگو پر روزبہ نے اطمینان کا اظہار کیا۔ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اگر تم ایسا کر گزرو تو میں سمجھتی ہوں یہ تو تمہارا ہم پر بہت بڑا احسان ہو گا۔''

''اس معاملے میں اگر آپ میرا ساتھ دیں تو کام نہ صرف آسان ہو جائے گا بلکہ وقت بھی کم لگے گا۔''

''کیسا ساتھ؟'' روزبہ نے غور سے سروج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں سروج نے کچھ دیر سوچا، پھر کہنے لگی۔

''جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ اگر تو کریم خان، حسن قاچار کے مقابلے میں کامیاب رہے تو پھر ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر حسن قاچار خدانہ کرے کامیاب رہتا ہے اور اصفہان کا گھیراؤ کرتا ہے تو میں تو کریم خان کا معاملہ نمٹانے حسن قاچار کے پاس ضرور جاؤں گی۔ لیکن اس معاملے میں اگر آپ بھی میرا

ساتھ دیں اور میرے ساتھ حسن قاچار کے پاس چلیں، دونوں مل کر اگر ہم حسن قاچار سے اس معاملہ پر گفتگو کریں تو حسن قاچار آپ کی بات کو ٹالے گا نہیں۔ اس لئے کہ آپ کا تعلق ایران کے صفوی شاہی خاندان سے ہے جبکہ قاچار صفوی خاندان کی بڑی عزت اور اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ حسن قاچار آپ کی بات ٹالے گا نہیں۔ ایسا معاملہ صرف اس وقت کریں گی جب اللہ نہ کرے حسن قاچار ہمارے خلاف جارحیت کرتے ہوئے اصفہان کا محاصرہ کر لیتا ہے۔ اس کڑے وقت میں، میں اور آپ حسن قاچار کے پاس جائیں اور اس کے سامنے یہ تجویز پیش کریں کہ لڑائی جھگڑے میں کوئی فائدہ نہیں۔ جنوبی ایران میں محترم کریم خان کی حکومت رہنے دو۔ شمالی علاقوں پر تم حکومت کرتے رہو۔ ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میرے خیال میں اگر آپ اپنی طرف سے یہ الفاظ حسن قاچار سے کہیں تو حسن قاچار آپ کی عزت افزائی کرتے ہوئے آپ کی اس پیشکش کو منظور کر لے گا۔ ایسی صورت میں شمال پر قاچاری حکومت کرتے رہیں گے اور جنوب پر ہماری حکومت ہو گی۔ اس طرح ایران کی مملکت کے اندر جہاں امن ہو جائے گا وہاں دونوں گروہ اپنے اپنے علاقوں میں پُرسکون انداز میں حکومت کرتے رہیں گے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد سروج جب خاموش ہوئی تب روزبہ بے انتہا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"سروج! تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ یہ بات پہلے کبھی میرے ذہن میں آئی ہی نہ تھی لیکن ابھی اس معاملے کو مکمل طور پر راز میں رکھنا، کسی پر عیاں نہیں کرنا۔ ہو سکتا ہے اس کی نوبت ہی نہ آئے۔ میری تو دعا ہے میرے شوہر کریم خان ہر میدان اور ہر معرکہ میں اپنے ہر دشمن کے خلاف کامیاب و کامران رہیں تاہم اگر قاچاریوں کی قوت کے سامنے ہمیں محصور ہونا پڑتا ہے تو سروج! میں اس معاملے کو اپنے شوہر کے حق میں حل کرانے کے لئے تمہارے ساتھ حسن قاچار کے پاس ضرور جاؤں گی۔"

روزبہ کی اس گفتگو سے سروج نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ اس کمرے کے دروازے پر کریم خان اور ابوالفتح دونوں باپ بیٹا داخل ہوئے تھے۔ اس موقع پر ابوالفتح نے کریم خان کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے روزبہ اور سروج اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ سروج فوراً

آگے بڑھی۔ ابوالفتح کا ہاتھ پکڑ کر وہ قصر سے باہر باغ کی طرف لے گئی تھی جبکہ کریم خان آگے بڑھ کر ایک نشست پر ہو بیٹھا تھا۔ پھر روزبہ نے اسے مخاطب کیا۔

"جس وقت آپ یہاں سے مستقر کی طرف گئے تھے تو آپ نے کہا تھا کہ آپ ایک انتہائی اہم معاملہ نمٹانے کے لئے جا رہے ہیں۔ میں نے اس معاملے کی تفصیل آپ سے جاننا چاہی لیکن آپ نے کہا تھا کہ واپسی پر بتاؤں گا۔ اب بتائیں وہ کون سا اہم معاملہ تھا جسے نمٹانے کے لئے آپ قصر سے مستقر کی طرف گئے تھے؟"

جواب میں کریم خان کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

"روزبہ! اس سے پہلے میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ بڑے رازدارانہ طریقے سے میں شیراز شہر کی مضبوطی اور استحکام کے لئے کام کرتا رہا۔ دراصل میں نے شروع میں ہی ارادہ کر رکھا تھا کہ جو علاقے اس وقت میرے تصرف میں ہیں، میں ان کا مرکزی شہر اصفہان کی بجائے شیراز شہر کو رکھوں گا۔ اس معاملے میں اس سے پہلے میں نے اپنے سالاروں سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ شیراز کے سارے انتظامات اور اس کے استحکامات کے انصرام مکمل ہو چکے ہیں لہٰذا اب میں نے ارادہ کیا کہ آج اپنے ساتھی سالاروں سے مشورہ کروں گا کہ ہمیں اب اپنے دارالحکومت کو اصفہان سے شیراز میں منتقل کر دینا چاہئے۔ اور مجھے خوشی ہے کہ میرے سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ دارالحکومت وقت ضائع کئے بغیر اصفہان سے شیراز منتقل کر دینا چاہئے۔"

لہٰذا یہ فیصلہ ہوا ہے کہ اگلے ہفتے اس منتقلی کے عمل کو شروع کر دیا جائے گا۔ شیراز میں سارے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں اور بہت جلد ہمارا مرکزی شہر اصفہان کی بجائے شیراز ہو گا۔ اصفہان میں شاید حفاظت کے لئے ہم ایک چھوٹا سا لشکر رکھیں گے اور ساری قوت کو شیراز کے اندر جمع کریں گے۔ اس لئے کہ آنے والے دور میں ہمیں دو بڑی قوتوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ ایک آزاد خان افغان اور دوسرا حسن قاچار۔

ان میں سے آزاد خان افغان زیادہ خطرناک نہیں، آزاد خان افغان کی حالت اس بھیڑیئے جیسی ہے جو خون کا عادی نہ ہو اور جس سے اگر پیار و محبت سے پیش آیا جائے تو وہ وفاداری پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قاچاری بہت تیز ہیں۔ قاچاری وقت کو دھوکا دینے والے، پیٹھ کی طرف سے وار کرنے والے اور دوستی کو استعمال کرتے

ہوئے صرف اپنا مطلب نکالنے والے لوگ ہیں۔ لہٰذا میرے اصل حریف قاچاری ہیں۔ جہاں تک آزاد خان کا تعلق ہے اس سے مجھے امید ہے کہ میں اسے اپنے سامنے زیر کرلوں گا۔ قاچاریوں کے ساتھ ہمارا معاملہ بڑا سخت رہے گا اور مجھے امید ہے کہ خداوند قدوس نے چاہا تو ایک روز علی مردان خان بختیاری کی طرح یہ قاچاری بھی میرے سامنے مفتوح ہوں گے اور انہیں اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کے بعد میں نادر شاہ کی طرح پورے ایران پر حکومت کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب روزبہ کہنے لگی۔

''دارالحکومت کی منتقلی اچھا عمل ہے۔ لیکن کیا آپ کو اپنے مخبروں کے ذریعے یہ خبر ملی ہے کہ قاچاری اور آزاد خان ہمارے خلاف حرکت میں آنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسی کوئی خبر ہے تو وہ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو وہ دونوں آپس میں اتحاد کر جائیں اور ان کے مقابلے میں ہماری طاقت وقوت ماند پڑ جائے۔''

جواب میں ہلکا سا تبسم کریم خان کے لبوں پر نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

''قاچاری اور آزاد خان افغان مل نہیں سکتے۔ جس طرح کسی دریا کے دو کنارے باہم ایک نہیں ہو سکتے اسی طرح آزاد خان اور قاچاری بھی کبھی ایک مقصد پر متفق نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ آزاد خان شروع سے ہی قاچاریوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن خیال کرتا رہا ہے اور کبھی بھی کسی بھی موقع پر اس نے قاچاریوں سے کبھی تعاون کی بات نہیں کی۔ آزاد خان افغان کبھی بھی میرے خلاف قاچاریوں سے اتحاد نہیں کرے گا۔ تاہم وہ تخت وتاج کا مالک بننے کے لئے مجھ سے ٹکرائے گا ضرور۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب رکا تب تفکرات اور پریشانیوں کا اظہار کرتے ہوئے روزبہ بول اٹھی۔

''جہاں تک آزاد خان افغان کا تعلق ہے تو جس قدر اس سے متعلق میری معلومات ہیں ان کے مطابق تو ہم اس پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور پھر وہ ہمارا اتنا بڑا دشمن بھی نہیں ہے۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ فکرمندی قاچاریوں کی طرف سے ہے۔ حسن محمد قاچار، نادر شاہ کے دور ہی میں استرآباد کی طرف چلا گیا تھا اور وہاں اس نے کوہستانی جنگجوؤں کو لگاتار اپنے گرد جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اب جو خبریں شمال کی طرف سے آ رہی ہیں ان کے مطابق اس نے ایک بہت بڑا لشکر بھی تیار کر لیا ہے

جس کے ساتھ وہ کسی بھی وقت ہمارے خلاف حرکت میں آ سکتا ہے۔''

روزبہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بیچ میں کریم خان بول اٹھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم اس سلسلے میں زیادہ پریشانی اور تفکرات میں نہ پڑو۔ میں تمہیں تفصیل تو نہیں بتانا چاہتا تھا لیکن اب جبکہ تم نے قاچاریوں کی طرف سے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا ہے تو میں تمہیں کچھ ایسی تفصیل بتاتا ہوں کہ جو آج ہی میرے مخبر شمال کی طرف سے لے کر آئے ہیں اور یہ خبر حقیقت میں ہمارے حق میں اچھی اور بہتر ہے۔ ہمارے آنے والے مخبروں کا کہنا ہے کہ قاچاریوں نے اپنا ایک وفد آذر بائیجان میں آزاد خان افغان کی طرف بھجوایا تھا اور اسے پیشکش کی تھی کہ وہ ہمارے خلاف قاچاریوں کا ساتھ دے۔ لیکن آزاد خان نے انہیں مایوس کیا ہے، ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ آزاد خان افغان کا ایک جملہ مجھے بے حد پسند آیا ہے جو کہ مخبروں نے آ کر مجھے بتایا ہے وہ یہ کہ قاچاریوں کے دو قاصد آزاد خان افغان کی طرف گئے تھے، انہیں مخاطب کرتے ہوئے آزاد خان نے کہا تھا کہ وہ کریم خان کی دشمنی کو قاچاریوں کی دوستی پر ترجیح دیتا ہے۔ آزاد خان کا قاچاریوں سے اتحاد نہ کرنا ہمارے حق میں جاتا ہے اور مجھے امید ہے کہ ان قوتوں سے باری باری ہم بڑے احسن طریقے سے نمٹنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عین اسی لمحہ اس کے محافظ دستوں کا ایک سالار دروازے پر نمودار ہوا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! ہندوستان سے کچھ انگریز تاجر آپ سے ملنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے انہیں قصر کے مہمان خانے میں بٹھا دیا ہے۔ شیخ علی خان اور عالم خان دونوں بڑے سالاروں کے علاوہ دوسرے سالار بھی ان کے ساتھ مہمان خانے میں موجود ہیں اور سب آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ آنے والے ان انگریز تاجروں کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کس موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں انہوں نے شاید علی خان اور عالم خان سے کسی موضوع پر گفتگو کی ہے۔ بہرحال مہمان خانے میں آپ کا شدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔''

کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور روزبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم بیٹھو یا ابوالفتح کی طرف چلی جاؤ۔ میں مہمان خانے میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں آنے والے وہ انگریز کیا کہتے ہیں۔''

سر کو مثبت انداز میں ہلاتے ہوئے روزبہ نے جب کریم خان کی ہاں میں ہاں ملائی تب کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ اصفہان کے قصر کے مہمان خانے میں داخل ہوا تب جس قدر لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی طرف دیکھتے ہوئے جو غیر ملکی افراد تھے وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ اس موقع پر سب سے پہلے عرب سالار شیخ علی خان حرکت میں آیا۔ اس نے وہاں تین اجنبیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے دو ڈھلی ہوئی عمر کے انگریز تھے۔ تیسری ان کے ساتھ ایک نوعمر انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔ ان کا تعارف کراتے ہوئے شیخ علی خان کہنے لگا۔

''یہ ہندوستان کے شہر بمبئی سے آنے والے دو انگریز تاجر ہیں۔ جو دائیں جانب ہے اس کا نام آکسون اور دوسرے کا نام ایان ہے۔ دونوں سگے بھائی ہیں۔ اور ان کے ساتھ جو لڑکی ہے وہ آکسون کی بیٹی اور ایان کی بھتیجی ہے۔ نام اس کا مالتینس ہے۔''

کریم خان پہلے آکسون کی طرف بڑھا۔ پُرجوش انداز میں اس سے مصافحہ کرنے کے بعد ویسے ہی انداز میں ایان سے بھی اس نے مصافحہ کیا۔ پھر مالتینس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ شاید وہ بھی مصافحہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کریم خان نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے نہیں بڑھایا۔ ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا، انہیں بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بھی شیخ عالم خان اور علی خان دونوں کے درمیان ہو بیٹھا تھا۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز کریم خان نے ہی کیا اور آکسون اور ایان دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔

''کیا آپ دونوں بھائی کسی خاص مقصد کے تحت میری طرف آئے ہیں؟ جبکہ آپ جانتے ہیں میں ایران کا نہ بادشاہ ہوں نہ پورے ایران کا حکمران۔ بہرحال آپ لوگ جس مقصد کے لئے آئے ہیں کہیں۔ اگر وہ میرے بس میں ہوا تو میں اسے ضرور پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔''

جواب میں ایک گہری نگاہ آکسون نے اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بھائی ایان پر ڈالی۔ دونوں نے کوئی فیصلہ کیا، پھر آکسون بول اٹھا۔

''ہم کسی غلط کام کے لئے نہیں آئے۔ ہمارا تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہے جو اس وقت ہندوستان میں اپنے کئی کارگھر قائم کر چکی ہے۔ ہم یہاں آپ کے پاس بھی اسی مقصد کے لئے آئے ہیں۔ اس وقت جو آپ کے زیر نگین علاقے ہیں ان میں سے ہم نے بوشہر کو سب سے مناسب خیال کیا ہے کہ وہاں کچھ کارگھر تعمیر کئے جائیں جہاں مختلف اشیاء بنائی جائیں اور آہستہ آہستہ پیداوار میں اضافہ کرتے چلے جائیں گے۔ اس کے آپ کو دو فائدے ہوں گے۔

پہلا یہ کہ جس قدر بھی کارگھر ہم تعمیر کریں گے ان سب میں مقامی لوگ ہی کام کریں گے اور جس قدر آمدنی ہو گی اس میں سے ایک معقول حصہ ہم آپ کو بھی پیش کریں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آکسون جب رکا، اس کے اشارے پر اس کا چھوٹا بھائی ایان بول اٹھا۔

''اس سے پہلے ہم آپ کے سالاروں میں سے شیخ علی خان اور عالم خان دونوں سے اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ ان دونوں کا کہنا ہے کہ انہیں ہماری اس تجویز سے کوئی اختلاف نہیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بہرحال آخری فیصلہ آپ ہی نے کرنا ہے۔ اسی بناء پر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا اور وہ کہنے لگا۔

''جہاں تک شیخ عالم خان اور شیخ علی خان کا تعلق ہے تو یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ ان کا کہا میرے لئے آخری خیال کیا جاتا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے کارگھر تعمیر کرنے کے لئے ہمارے شہر بوشہر کا انتخاب کیا ہے تو ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی شرط رکھتا ہوں کہ صرف کارخانے ہی تعمیر کئے جائیں، ان کے اندر کوئی مسلح دستے یا لشکری باہر سے لا کر ایران میں آباد نہیں کئے جائیں گے۔ اور دونوں بھائی ایک بات غور سے سن لیں۔ آپ نے جو بوشہر میں پیداواری کارخانے لگانے ہیں ان میں مقامی لوگ کام کریں گے۔ آپ اپنی حفاظت کے لئے کہیں سے مسلح دستے نہیں لے کر آئیں گے بلکہ آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے میں خود کچھ مسلح جوان مقرر کروں گا۔ ایک بات اور آپ اپنے ذہن میں لکھ لیجئے جس دن مجھے یہ پتہ چلا کہ آپ لوگوں نے اپنی حفاظت کے لئے غیر ملکی دستے منگوا لئے ہیں یا یہ کہ بوشہر کے اندر آپ لوگوں

نے کارخانے لگانے کی بجائے اسلحہ کے انبار جمع کرنا شروع کر دیئے ہیں تو یوں خیال کرنا وہ روز بوشہر میں آپ لوگوں کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔ اس بناء پر میں پہلے سے آپ کو تنبیہہ کر دیتا ہوں کہ صرف اپنے آپ کو کارخانوں تک محدود رکھئے گا۔ میرے علاقوں کو اسلحہ خانہ بنانے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ اگر آپ لوگ ایسا کریں گے تو میں نہ صرف آپ کی حفاظت کروں گا بلکہ آپ کے سارے کاموں اور کوششوں کی حوصلہ افزائی بھی کروں گا۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے آکسون اور ایان دونوں بھائی خوش ہو گئے تھے۔ مالتینس کے چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم تھا۔ پھر آکسون، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''ہمیں آپ کی ہر شرط منظور ہے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم اپنے ساتھ کوئی مسلح گروہ لے کر نہیں آئیں گے۔ اپنے آپ کو صرف کارخانوں تک محدود رکھیں گے تاہم ہم آپ سے ایک وضاحت چاہتے ہیں۔ سنا ہے کہ آپ اپنا مرکزی شہر اصفہان سے شیراز منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کام آپ چند ہی دنوں میں مکمل کر لینا چاہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟''

''ہاں! یہ درست ہے۔'' کریم خان نے آکسون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔ ''میں شیراز شہر کو اپنے لئے زیادہ محفوظ اور زیادہ سودمند خیال کرتا ہوں۔ اس بناء پر میں اصفہان کی بجائے شیراز کو اپنا مرکزی شہر بنانا چاہتا ہوں۔ بوشہر میں کام کرنے کے دوران اگر آپ لوگوں کو کوئی شکایت ہو تو آپ لوگ بلا جھجک مجھ سے شیراز شہر میں ملاقات کر سکتے ہیں۔''

کریم خان کے اس جواب کو بھی آکسون اور ایان دونوں بھائیوں نے پسند کیا تھا۔ یہاں تک کہ اس بار ایان بول اٹھا۔

''ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ اس وقت آپ کے دو بڑے دشمن ہیں۔ جبکہ آپ اپنے تیسرے دشمن علی مردان کو زیر کرنے کے بعد اس کا خاتمہ کر چکے ہیں۔ باقی دو دشمنوں نے اگر آپ پر یلغار کر دی اور انہوں نے آپ پر قابو پا لیا تو کیا.....''

یہاں تک کہتے کہتے ایان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کریم خان بول اٹھا۔

''جہاں تک میرے دو دشمنوں حسن قاچار اور آزاد خان افغان کا تعلق ہے تو وہ

ضرور مجھ سے ٹکرائیں گے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میں ان دونوں قوتوں پر قابو پا لوں گا۔ تاہم جو زمانہ میرا ان کے ساتھ ٹکراؤ میں گزرتا ہے اس دور میں بوشہر کے اندر نہ صرف آپ لوگوں کی بلکہ آپ کے کارخانوں اور ان کی پیداوار سب کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں آپ لوگوں کو فکرمند رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

کریم خان جب خاموش ہوا تب اس بار حسین اور خوب صورت مالتینس اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''امیر! کیا ایسا ممکن ہے کہ بوشہر میں ہم جو مال تیار کریں اسے بحری جہازوں کے ذریعہ ہندوستان بھی روانہ کر سکیں؟''

کریم خان نے پہلی بار غور سے مالتینس کی طرف دیکھا۔ وہ انتہا درجہ کی خوبصورت لڑکی تھی۔ کریم خان نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

''خاتون! جو سامان یا جو مال آپ بوشہر میں تیار کریں گے اسے آپ لوگ جہاں چاہیں بھجوا سکتے ہیں اور اس مال کی تیاری کے لئے اگر آپ باہر سے کچھ سامان منگوانا چاہیں تو اس کی بھی آپ لوگوں کو اجازت ہو گی۔ لیکن جو سامان یہاں سے جائے گا یا جو آپ کا سامان باہر سے آئے گا اس سب کی میرے کچھ سالار نگرانی کیا کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ محسوس نہیں کریں گے۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم مالتینس کے خوبصورت ہونٹوں پر نمودار ہوا تھا۔ ساتھ ہی کہنے لگی۔

''ہم آپ کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہیں کہ جو سامان ہم باہر بھیجیں گے اسے بھی آپ دیکھ سکتے ہیں اور جو سامان یا خام مال ہم باہر سے منگوائیں گے اس کا بھی جائزہ آپ لے سکیں گے۔''

مالتینس کے خاموش ہونے پر کریم خان نے اکسون کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''محترم اکسون! جب تک آپ تینوں اصفہان شہر میں قیام کرتے ہیں، آپ کی حیثیت ہمارے معزز مہمانوں کی سی ہو گی۔''

اکسون نے شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ مزید کتنے دن اصفہان میں قیام کریں گے؟''

اس پر کریم خان نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

''میرے خیال میں دو تین دن تک میں اپنے لشکر اور دیگر ضروری ساز و سامان کو لے کر اصفہان سے شیراز شہر منتقل ہو جاؤں گا۔''

جواب میں اکسون مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''تو پھر ہم بھی اصفہان میں دو تین دن قیام کریں گے۔ آپ کے ساتھ ہی یہاں سے رخصت ہوں گے۔ آپ شیراز چلے جایئے گا، ہم بوشہر کا رخ کریں گے۔''

کریم خان نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ ساتھ ہی کہنے لگا۔

''آپ کی تجویز درست ہے۔ میرے ساتھ ہی یہاں سے رخصت ہو جایئے گا اور بوشہر کی طرف جاتے ہوئے آپ کے ساتھ آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے کچھ دستے بھی مقرر کر دوں گا تاکہ آپ اب اپنے تحفظ سے بالکل مطمئن ہو کر بوشہر میں اپنے فرائض انجام دے سکیں۔''

کریم خان کے ان الفاظ سے اکسون، ایان اور مالتینس تینوں خوش ہو گئے تھے یہاں تک کہ کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور شیخ علی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''علی خان! ان تینوں مہمانوں کی رہائش اور ان کی ضروریات کا بہترین اہتمام کرو۔ میں مستقر کی طرف جاتا ہوں۔ تم بھی میرے پیچھے مستقر کی طرف آؤ تاکہ اصفہان سے شیراز کی طرف منتقلی کو آخری شکل دی جا سکے۔''

شیخ علی خان نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر وہ اکسون، مالتینس اور ایان کو اپنے ساتھ شاہی مہمان خانے کی طرف لے گیا تھا جبکہ کریم خان باقی سالاروں کے ساتھ مستقر کی طرف چلا گیا تھا۔ تین روز بعد کریم خان اپنے لاؤ لشکر اور سارے ضروریات کے سامان کے ساتھ اصفہان سے نکلا تھا۔ اکسون، مالتینس اور ایان بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ تینوں بوشہر کی طرف چلے گئے جبکہ کریم خان اپنے لشکر اپنے سارے لواحقین اور لشکریوں کے اہلِ خانہ کے ساتھ شیراز شہر چلا گیا تھا۔

آذر بائیجان میں ایک روز آزاد خان اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ شاید اس نے مجلس مشاورت طلب کی تھی۔ اس موقع پر آزاد خان کا ایک سالار اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے خیال میں ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے اس کی ابتداء فوراً کر دینی چاہئے ورنہ جو کچھ کر کے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ حسن قاچار اور محمد خاں قاچار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر آپ میری تجویز پر عمل کریں تو ہمیں فی الفور کریم خان کے خلاف حرکت میں آ جانا چاہئے۔ کریم خان نے اب اپنا مرکزی شہر تبدیل کر لیا ہے۔ اصفہان کی بجائے اب اس کا مرکزی شہر شیراز ہے۔ لہٰذا آذر بائیجان سے نکل کر ہمیں کریم خان کے علاقوں کا رخ کرنا چاہئے۔ اور قبل اس کے کہ حسن قاچار اور محمد خاں قاچار ہم سے پہلے کریم خان کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے اپنے لئے فوائد حاصل کریں ہمیں ابھی اسی وقت اپنے کام کی ابتداء کر دینی چاہئے۔ اگر قاچاریوں کے حرکت میں آنے سے پہلے پہلے ہم کریم خان پر قابو پانے کے بعد شیراز پر قبضہ کر لیتے ہیں تو ہمیں قاچاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کچھ وقت مل جائے گا اور اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنے لشکر میں اضافہ کر کے بڑے احسن طریقے سے قاچاریوں کے خطرے کو ٹال سکتے ہیں اور اگر ہم نے تاخیر کر دی تو ہمارے پاس پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ جو فوائد ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، ہماری سستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہی فوائد قاچاری حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

آزاد خان کا وہ سالار جب خاموش ہوا تب اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے آزاد خان کہنے لگا۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ پھر جو کچھ حاصل کرنا ہے اسے حاصل کرنے میں سرعت سے کام لینا چاہئے۔ میرے عزیز ساتھیو! میں تم لوگوں کو اپنی تیاری کے لئے صرف پندرہ دن کی مہلت دیتا ہوں۔ ان پندرہ دنوں کے دوران اپنی طاقت وقوت کو عروج پر لے آؤ۔ جنگ کے دوران جو جو سامان چاہئے اس کا اہتمام کر لو۔ ہمارا لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ قزوین کے راستے شیراز کا رخ کرے گا۔ قبل اس کے قاچاری حرکت میں آئیں ان سے پہلے ہی ہم اپنے لئے فوائد حاصل کر لینا چاہتے ہیں تاکہ آنے والے دور میں ہم قاچاریوں کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں۔ میں آپ سب لوگوں پر یہ بھی واضح کر دوں کہ آذر بائیجان سے کوچ کرتے وقت کوئی لشکری اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ نہیں لے کر جائے گا۔ اس لئے کہ کریم خان کے ساتھ جنگیں طول بھی پکڑ سکتی ہیں۔ ہمیں ایک جگہ سے دوسری جگہ فی الفور اور سرعت کے ساتھ منتقل بھی ہونا پڑ سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ہم لشکریوں کے اہل خانہ کو نہ اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی اتنا بڑا خطرہ برداشت کر سکتے ہیں لہٰذا ٹھیک پندرہ دن بعد لشکر یہاں سے کوچ کرے گا اور قزوین کا رخ کرے گا۔ میں تم لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جو سالار بھی اپنی پوری طاقت، قوت اور ذہانت کے ساتھ ان کارروائیوں میں حصہ لے گا اسے میں اس کی کارگزاری کے مطابق نوازوں گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں کروں گا۔ کسی کا حق نہیں ماروں گا۔''

آزاد خان کے ان خیالات سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ پندرہ دن بعد لشکر آذر بائیجان سے کوچ کرے گا اور کریم خان سے ٹکرا کر حالات کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرے گا۔

آزاد خان افغان کے یہ ارادے، اس کا یہ منصوبہ جب شیراز میں مخبروں کے ذریعے پہنچا تب کریم خان نے آزاد خان کا سد باب کرنے کے لئے اپنے سالاروں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب ساری صورت حال سالاروں کے سامنے پیش کی گئی تب ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے سب سے پہلے شیخ علی خان، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''محترم کریم خان! آزاد خان اگر ہمارے ساتھ ٹکراؤ چاہتا ہے تو یوں ہی سہی۔ لیکن جہاں تک میں چاہتا ہوں یا میری خواہش اور ارادہ ہے، آزاد خان کو قزوین سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ وہ قزوین کے راستے ہمارے علاقوں پر شب خون مارنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں ہم وقت ضائع کئے بغیر حرکت میں آئیں اور قزوین میں رک کر آزاد خان کا انتظار کریں اور پھر اسے بتائیں کہ یوں منہ اٹھا کر اور آذر بائیجان سے نکل کر ہمارے علاقوں میں کامیابی کا سورج اور اپنی فتح مندی کا مہتاب نہیں دیکھ سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شیخ علی خان جب خاموش ہوا تب مسکراتے ہوئے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان کہنے لگا۔

''علی خان! میرے بھائی! میں مکمل طور پر تمہاری اس تجویز سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں خود اس بات کا حامی ہوں کہ آزاد خان کو قزوین کے آس پاس کھلے میدانوں میں روکا جائے۔ اس کے لئے ہمیں جلد شیراز سے نکل کر پیش قدمی کرنا ہوگی۔ میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ آزاد خان کے قزوین پہنچنے سے پہلے ہی پہلے ہم قزوین کے نواح کے کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیں۔ اپنے سالاروں کو اردگرد پھیلا دیں اور پھر قزوین کے نواح ہی میں آزاد خان کا استقبال کریں اور پھر فیصلہ ہماری تلواریں، ہمارے نیزے اور ہمارے تیر نہیں کریں گے۔ فیصلہ میرا خداوند محترم کرے گا کہ کامیابی آزاد خان کو ملنی چاہئے یا ہمیں۔ حکمرانی کی روشنی ہمارے سر پر لہرانی چاہئے یا آزاد خان کو حکمرانی کا تاج پہنانا چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! میں ایک منصوبہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہ آخری نہیں ہے۔ یہ میری طرف سے ایک تجویز ہے۔ پہلے اسے غور سے سنو۔ اگر تم میں سے کوئی بھی اس میں اچھی تبدیلی کرنا چاہے گا تو اس کا دل سے خیر مقدم کیا جائے گا۔ جہاں تک آزاد خان کا مقابلہ کرنے کے لئے میں تجویز مرتب کر سکا ہوں اس کے مطابق میں، شیخ علی خان اور شیخ عالم خان تینوں اپنے لشکر کو لے کر شیراز سے نکلیں گے۔ قزوین کا رخ کریں گے۔ اصفہان میں اس وقت میرا بھائی ذکی خان

ایک لشکر کے ساتھ موجود ہے اور وہ اصفہان کا چند دن تک دفاع کر سکتا ہے۔ لہٰذا کسی اور قوت کی طرف سے اصفہان کو کوئی خطرہ نہیں۔ جہاں تک اپنے مرکزی شہر شیراز کا تعلق ہے تو جب میں، عالم خان اور علی خان تینوں یہاں سے کوچ کریں گے تو لشکر کا ایک حصہ شیراز شہر میں متعین کیا جائے گا اور شہر کی حفاظت کے لئے میرا دوسرا بھائی صادق خان یہاں موجود رہے گا۔ اس طرح اپنے علاقوں کے تحفظ اور ان کی سلامتی کے لئے مطمئن ہونے کے بعد ہم آزاد خان کا رخ کریں گے تو اس طرح نہ صرف ہمارے سالار طمانیت محسوس کریں گے بلکہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے بھی بلند ہوں گے کہ پشت پر ان کے اہلِ خانہ کے علاوہ ان کے سارے علاقے محفوظ اور مامون ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رک گیا۔ پھر سارے سالاروں جن میں چھوٹے بڑے سب شامل تھے کو غور سے دیکھنے لگا تھا۔ جب کوئی کچھ نہ بولا تب مسکراتے ہوئے کریم خان بول اٹھا۔

''میں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش کریں لیکن آپ لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔''

اس پر عالم خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''کریم خان! ہمارے محترم بھائی! اس خاموشی کا مطلب ہے کہ جو منصوبہ بندی آپ نے پیش کی ہے وہ ہم سب کے لئے حرفِ آخر ہے۔ میرے خیال میں آزاد خان کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ آزاد خان کسی دھوکے اور فریب میں پڑ گیا ہے کہ وہ ہمارے علاقے ہم سے چھین سکتا ہے۔ اس ظالم کو چاہئے تھا کہ ہمارے ساتھ اتحاد و تعاون کرتا۔ ایک عرصہ تک وہ نادر شاہ کے لشکر میں ہمارے ساتھ کام کرتا رہا ہے بلکہ اکثر مواقع پر اس نے اپنے لشکر میں آپ کے نائب کی حیثیت سے کام کرنے کو ترجیح دی اور بحیثیت سالار آپ کو قبول کرتے ہوئے وہ ہمیشہ فخر محسوس کرتا تھا لیکن اب نہ جانے اس کے ذہن میں کیا خناس بیٹھ گیا ہے کہ وہ تاج و تخت کا دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عالم خان جب خاموش ہوا تب کریم خان کچھ دیر خاموش رہا، اس کے بعد وہ علی خان اور عالم خان دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہو

کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! ابھی اور اسی وقت اپنے کچھ مخبر شمال کی طرف روانہ کر دو تاکہ وہ قزوین کے آس پاس کے علاقوں کا جائزہ لیں۔ یہ بھی دیکھیں کہ آزاد خان اپنے لشکر کے ساتھ کس سمت سے قزوین کا رخ کرتا ہے۔ ساتھ ہی مخبروں کے ذمہ یہ کام لگانا، انہیں یہ بھی تاکید کرنا کہ صرف آزاد خان کی نقل و حرکت پر نگاہ نہیں رکھیں؛ یہ بھی دیکھیں کہ ہمارے اور آزاد خان کے ٹکراؤ کی خبریں سن کر قاچاریوں کا کیا ردِعمل ہے۔ حسین قاچار اور محمد خان قاچار دونوں ہمارے اور آزاد خان کے ٹکراؤ سے فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ قاچاری کسی بھی صورت ہمارا تو ساتھ نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ میرے قبیلے کے وہ ازلی ابدی دشمن ہیں۔ وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ آزاد خان کے مقابلے میں ہمیں کمزور کریں جیسا کہ آزاد خان نے ان کے ساتھ تعاون کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں وہ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ جس وقت آزاد خان ہمارے ساتھ ٹکرائے وہ آزاد خان کی مدد کے لئے کوئی لشکر روانہ کر دیں جو ہم پر حملہ آور ہو۔ اس طرح قاچاری آزاد خان کے سامنے ہمیں کمزور بنا کر ہمیں ناکام کرنے کی کوشش کریں اور بعد میں وہ یہ پسند کریں کہ ہم سے فارغ ہونے کے بعد وہ آزاد خان سے آسانی سے نمٹ لیں گے۔ لہٰذا ان مخبروں کو چاروں طرف نگاہ رکھنا ہوگی۔ جو راستے آذر بائیجان سے قزوین کی طرف آتے ہیں ان کی بھی نگرانی کریں اور وہ شاہراہیں جو استر آباد سے قزوین کا رخ کرتی ہیں ان کو بھی اپنی نگاہ میں رکھیں تاکہ دونوں دشمنوں کی نقل و حرکت سے ہم آگاہ رہیں اور مطمئن انداز میں ہم آزاد خان سے ٹکرا کر اسے اپنے سامنے زیر اور مفتوح کرنے میں کامیاب رہیں۔''

سارے سالاروں نے کریم خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس مجلس کے بعد لشکر کی ترتیب کو آخری شکل دی گئی۔ لشکر کا ایک چھوٹا حصہ شیراز شہر کی حفاظت کے لئے متعین کیا اور اسے یہ ہدایات جاری کر دیں کہ جب آزاد خان اس سے ٹکرائے اور اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں حسین قاچار، محمد خاں قاچار یا ان کے قبیلے کا کوئی لشکر شیراز پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے تو صادق خان شیراز شہر میں محصورہ کر حملہ آوروں کا مقابلہ کرتا رہے۔ ایسی ہی ہدایات کریم خان نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اپنے دوسرے بھائی ذکی خان کو اصفہان میں روانہ کر دی تھیں۔

اس کے بعد لشکر کو لے کر کریم خان، عالم خان اور علی خان تینوں شیراز سے نکل کر قزوین کا رخ کر گئے تھے۔

***

استر آباد میں حسین قاچار اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ محمد خاں قاچار تیز تیز چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس موقع پر محمد خاں بڑا خوش تھا۔ مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ حسین قاچار کے قریب بیٹھ گیا اور پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بھائی! میں آپ کے لئے ایک اچھی بلکہ انتہائی خوش کن خبر لے کر آیا ہوں۔''

(گو محمد خاں قاچار حسن قاچار کا بیٹا تھا لیکن اکثر مواقع پر وہ حسن قاچار کو بھائی کہہ کر ہی مخاطب کرتا تھا۔ حسن قاچار کے دو بیٹے تھے۔ حسین قلی خان اور محمد خان قاچار)

محمد خاں قاچار کے اس طرح مخاطب کرنے پر کچھ دیر تک حسن قاچار مسکراتا رہا پھر شفقت سے محمد خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''محمد خان! دیکھو تم چھوٹے تھے تب سے تم مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتے رہے ہو۔ لیکن تمہارا بڑا بھائی حسین علی قلی خان مجھے باپ کہہ کر ہی مخاطب کرتا ہے۔ لہٰذا میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں بھائیوں میں تفریق ہو۔ آج سے تم مجھے بھائی نہیں، باپ کی حیثیت سے ہی مخاطب کرو گے۔ میرے بیٹے! یہ تم سے میری محبت اور جانثاری ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے اس طرح مخاطب کرنے سے میں یہ سمجھوں کہ میں ابھی تم لوگوں جیسا جوان ہوں، تمہارا بھائی ہوں۔ لیکن حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جس شخص کے تم جیسے جوان بیٹے ہوں اس کی توانائیاں پہلی جیسی تو نہیں رہتیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے حسن قاچار کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ محمد خان قاچار بیچ میں بولتے ہوئے کہنے لگا۔

''اچھا بابا! آج سے بھائی نہیں کہوں گا، بابا ہی کہہ کر مخاطب کروں گا۔ پر جو خبر میں لے کر آیا تھا آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی۔''

''میں نے اس کی طرف سے توجہ نہیں ہٹائی۔ تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' حسن قاچار نے بڑی شفقت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

کچھ کہنے کے لئے محمد خاں قاچار نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر کہنے لگا۔

''بابا! بہترین، عمدہ اور خوش کن خبر یہ ہے کہ آزاد خان افغان اپنے لشکر کے ساتھ

آذر بائیجان سے نکل کر قزوین کا رخ کر رہا ہے۔ دوسری طرف اُس کے ان ارادوں کی خبر کریم خان کو بھی ہو چکی ہے۔ لہٰذا کریم خان بھی اپنے دو بڑے سالاروں شیخ عالم خان اور شیخ علی خان کے ساتھ شیراز سے نکل چکا ہے۔ آزاد خان کا ارادہ ہے کہ وہ قزوین کے ذریعے شیراز کا رخ کرے گا، کریم خان سے ٹکرائے گا جبکہ جو خبریں کریم خان کی طرف سے آئی ہیں، ان کے مطابق کریم خان کا ارادہ ہے کہ وہ آزاد خان کو قزوین کے نواح ہی میں روکے گا اور اس سے ٹکرائے گا اور مار بھگائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد محمد خان جب خاموش ہوا تب اس کا باپ حسن قاچار بول اٹھا۔

''اس سے آگے شاید تم یہی کہنا چاہو گے کہ اس ٹکراؤ سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اپنے لشکر کو حرکت میں لانا چاہئے، اس کے دو حصے کرنا چاہئیں۔ ایک حصہ برق رفتاری سے اصفہان کا رخ کرے اور اصفہان پر قبضہ کر لے۔ دوسرا حصہ اسی جیسی سرعت اور تیزی کے ساتھ شیراز کا رخ کرے۔ شیراز کا سختی کے ساتھ محاصرہ کرے اور جب تک آزاد خان اور کریم خان ایک دوسرے سے فارغ نہیں ہوتے شیراز پر بھی ہمارا قبضہ ہو جائے۔ کریم خان کے دو بڑے شہروں کو فتح کرنے کے بعد جب ان پر ہماری گرفت ہو جائے گی تو کریم خان ہمارے سامنے بے بس ہو جائے گا۔ ان حالات میں کریم خان اگر آزاد خان کو شکست دینے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے تب بھی کریم خان کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔ ہمارے سامنے بے بس اور مجبور ہو گا۔

میرے بیٹے! اگر تیرے یہ خیالات ہیں تو پھر میں تمہارے ان خیالات سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔ ہمیں دونوں کے ٹکراؤ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصفہان اور شیراز دونوں شہروں پر ضرب لگا دینی چاہئے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار جب خاموش ہوا تب اس کے دونوں بیٹے حسین قلی قاچار اور محمد خان قاچار کچھ دیر تک آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے، پھر بڑا بیٹا حسین قلی قاچار اپنے باپ حسن قاچار کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''بابا! جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ آپ کے اندازے کے مطابق درست ہی ہو گا۔ لیکن شاید آپ کو اصفہان اور شیراز دونوں شہروں کی موجودہ کیفیت کا صحیح علم نہیں ہے۔ کریم خان آپ جانتے ہیں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ دشمن کو پچھاڑنے کے ہنر سے

کی واقف ہے۔ تیغ زنی کا بھی دھنی ہے۔ میدان مارنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا اس لئے اب وہ اپنے لشکر کے ساتھ آزاد خان سے نمٹنے کے لئے قزوین کا رخ کر رہا ہے۔ اس نے اپنے دونوں بڑے شہروں اصفہان اور شیراز کو حالات کے سپرد نہیں کیا بلکہ ان کی حفاظت اور ان کے تحفظ کا بہترین اہتمام کیا ہے۔

بابا! شاید آپ کو علم نہیں کہ اس وقت ایک لشکر اصفہان میں بھی ہے اور دوسرا شیراز میں ہے۔ جو لشکر اس وقت اصفہان میں ہے اس کی کمانداری کریم خان کا بھائی ذکی خان اور جو لشکر شیراز میں ہے اس کی کمانداری کریم خان کے دوسرے بھائی صادق خان کے سپرد ہے۔ ان دونوں کے لئے جیسا کہ مخبر ہمیں بتا چکے ہیں کریم خان نے احکامات بھی جاری کر دیئے ہیں، صادق اور ذکی اپنے دونوں بھائیوں کے نام اس نے جو پیغام دیئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں کہ اس کی قزوین کی طرف روانگی کے بعد اگر کوئی بھی اس کا دشمن اصفہان اور شیراز پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے تو صادق خان اور ذکی خان دونوں جگہ پر محصور رہتے ہوئے اپنے آپ کو صرف دفاع تک محدود رکھیں گے۔ سب کی حفاظت کا سامان کریں گے۔ کریم خان کا خیال ہے کہ اس وقت تک وہ آزاد خان سے نمٹ چکا ہوگا۔

بابا! اب آپ ہی غور کریں اگر ہم ایک لشکر اصفہان اور دوسرا شیراز کی طرف بھیجتے ہیں تو یقیناً صادق خان اور ذکی خان معاملے کو طول دیں گے۔ محصور رہ کر محاصرے کو سختی میں تبدیل کریں گے، مدافعت پر اترے رہیں گے، اتنی دیر تک اگر کریم خان، آزاد خان کو شکست دینے کے بعد فارغ ہو گیا اور اس نے یہ سنا کہ اس کے شہروں پر حملہ ہو گیا ہے تو بابا! یاد رکھنا یہ کریم خان جو بظاہر بڑا شریف اور نیک سیرت دکھائی دیتا ہے، درندے کی صورت اختیار کر لے گا۔ پہلے اپنے مرکزی شہر کا رخ کرے گا۔ ہمارے لشکر کو وہاں یقیناً صادق خان نے اپنے ساتھ مصروف رکھا ہو گا، اسے اپنے ساتھ اُلجھائے ہوئے ہوگا۔ اور جب وہاں سے اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ کریم خان پر حملہ آور ہوگا تو بابا! ہمارے اس لشکر کا تو مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے گا۔

اور پھر بات یہیں تک ختم نہیں ہو گی۔ یہ خبریں جب اصفہان میں پہنچیں گی تو ہمارے جس لشکر نے اصفہان کا محاصرہ کر رکھا تھا، وہ تو بد دل ہو جائے گا۔ لیکن ا

میں جو کریم خان کے لشکری ہوں گے وہ یہ خبر سن کر کہ شیراز کے باہر ہمارے لشکر کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، خوش ہوں گے۔ ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور ذکی خان پہلے کی نسبت زیادہ طاقت اور قوت کے ساتھ مدافعت پر اُتر آئے گا۔ اتنی دیر تک ہو سکتا ہے کریم خان شیراز سے نکل کر اصفہان کا رخ کرے اور ہمارے جس لشکر کی حالت اس نے شیراز کے باہر کی تھی اس سے بھی بری حالت اصفہان والے لشکر کی کرے۔ اگر اصفہان کا ہمارا لشکر اصفہان کا محاصرہ ترک کر کے شمال کی طرف اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ کریم خان اسے راستے ہی میں جا لے اور ہمارے اس لشکر کا بھی خاتمہ کر دے۔

بابا! اگر ذرا غور سے سنو۔ اگر اصفہان، شیراز شہروں کے باہر ہمارے دو لشکروں کا خاتمہ ہو گیا تو کیا ہماری طاقت و قوت میں ضعف نہ آئے گا؟ ہماری عسکری حیثیت پہلے سے کمزور نہ ہو جائے گی؟ اور پھر اس سے ایک اور خطرناک پہلو بھی نکلتا ہے۔ بابا! جب کریم خان آزاد خان کو شکست دے دے گا تو آزاد خان کچھ عرصہ تو اس کے مقابل جانے کی جرأت و جسارت نہیں کرے گا، دوسری طرف جب ہمارے دو لشکریوں کا بھی شیراز اور اصفہان کے نواح میں خاتمہ کر دیا جائے گا تو کیا کریم خان کے لئے میدان صاف نہ ہو جائے گا؟ کیا وہ یہ جان نہیں جائے گا کہ ہمارے دو لشکروں کے خاتمہ کے بعد ہماری عسکری حیثیت کمزور ہو گئی ہے۔ لہٰذا وہ شیراز میں بیٹھ کر وقت کی کسی تبدیلی اور کسی جانب دار انقلاب کا تو انتظار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ اب اس کے سامنے ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہوگا۔ آزاد خان بھاگ چکا ہوگا۔ لہٰذا بلا جھجک یا بلا تامل کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ استر آباد کا رخ کرے گا اور اگر ایک بار اس نے اپنے علاقوں سے نکل کر استر آباد کا رخ کر لیا تو استر آباد کے نواح میں جس قدر ہمارے علاقے ہیں ان کو تباہ و برباد کرتا ہوا وہ استر آباد پہنچے گا اور اگر اس نے کسی طرح استر آباد کا محاصرہ کر لیا تو بابا! ایران کی سرزمینوں کے اندر ہماری رہی سہی حیثیت اور وقار خاک میں مل کر رہ جائے گا۔ ایسی صورت میں ہمیں باہر کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ جبکہ کریم خان کا اپنے دونوں بڑے شہروں شیراز اور اصفہان سے رابطہ ہوگا۔ وہاں سے اُسے رسد اور کمک برابر ملتی رہے گی اور اگر ان حالات میں استر آباد کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو ہمارے لئے زیادہ مصیبتیں اُٹھیں گی۔ کریم خان فائدے میں رہے گا۔ وہ استر آباد کے اردگرد

کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر نہ صرف یہ کہ تباہی و بربادی پھیلائے گا جس سے وہاں کے لوگ ہمارے مخالف ہو جائیں گے بلکہ وہ وہاں سے اپنے لئے رسد کے علاوہ ضروریات کا دوسرا سامان بھی فراہم کرتا رہے گا۔ یوں محاصرے کی طوالت اس کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنے گی بلکہ ہم استر آباد شہر میں محصور رہتے رہتے آخر تنگ آ کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور جس روز ایسا ہوا، بابا! اس روز یوں سمجھئے گا کہ ہمارے قبیلے کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار کا بڑا بیٹا حسین قلی قاچار جب خاموش ہوا تب لمحہ بھر کے لئے حسن قاچار کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر اپنے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے بچو! آپس میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد جو گفتگو تم نے کی ہے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ واقعی اس صورت میں کریم خان ہمارے لئے مصیبت و عذاب اور اذیت بن کر نمودار ہو گا۔ لیکن یہ تو کہو جب آزاد خان اور کریم خان قزوین کے میدانوں میں آپس میں ٹکرائیں گے تو کیا ہمیں کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کرنا چاہئے؟"

"کرنا چاہئے اور ضرور کرنا چاہئے۔" حسین قلی قاچار مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "اور ردِ عمل یہ ہو گا کہ ہم ایک لشکر کو تیار اور مستعد رکھیں گے۔ بابا! جہاں تک میرا اور میرے بھائی محمد خاں کا اندازہ ہے کریم خان آزاد خان کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس سے پہلے آزاد خان، کریم خان کے تحت کام کرتا رہا ہے۔ اکثر مواقع پر وہ اس کے نائب کی حیثیت سے بھی کام کر چکا ہے۔ اس طرح آزاد خان پر کریم خان کا پہلے سے ایک رعب و دبدبہ ہے۔

یاد رکھئے گا جب کریم خان خم ٹھونک کر قزوین کے میدانوں میں آزاد خان کے سامنے آئے گا تو اسے دیکھتے ہی آزاد خان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھئے گا کہ آزاد خان کے ساتھ اس وقت کوئی تجربہ کار، جہاندیدہ اور تیغ زنی کی مہارت رکھنے والا عمدہ سالار نہیں ہے۔ جبکہ کریم خان کی حالت اس سے مختلف ہے۔ کریم خان کے ساتھ اس وقت شیخ علی خان کے علاوہ شیخ عالم خان دونوں عرب سالار ہیں اور وہ جنگ کا بہترین تجربہ رکھنے کے ساتھ ساتھ تیغ زنی کی ہنرمندی پر بھی

عبور رکھتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ عقیدت اور ارادت مندی کی حد تک کریم خان کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا کریم خان، عالم خان اور شیخ علی خان تینوں مل کر آزاد خان پر ضرب لگائیں گے تو میں پہلے سے کہے دیتا ہوں کہ آزاد خان کے پاس ان کے سامنے سے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔ اس موقع پر میں اور میرے بھائی محمد خاں نے جو لائحہ عمل تیار کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ ہم اپنا ایک لشکر تیار اور مستعد رکھیں گے۔ جب ہمارے مخبر بتائیں گے کہ کریم خان قزوین کے میدانوں میں پہنچنے والا ہے تب ہمارا وہ لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ اس لشکر کی کمانداری ہمارا ایک اچھا سالار کرے گا اور قزوین کے میدانوں کے قریب ہی کہیں کوہستانی سلسلے میں گھات میں چلا جائے گا۔ جب کریم خان اور آزاد خان آپس میں ٹکرائیں گے تو کسی مناسب موقع پر ہمارا وہ لشکر ہمارے سالار کی کمانداری میں اپنی گھات سے نکل کر کریم خان کے لشکر پر اس کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو جائے گا۔ ہمارے لشکر کے حملہ آور ہونے سے کریم خان کے لشکر کے اندر افراتفری پھیل جائے گی۔ اس افراتفری کا جہاں کریم خان کو نقصان ہو گا وہاں آزاد خان اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ کریم خان پر چڑھ دوڑے گا اور اسی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آزاد خان، کریم خان کو شکست دے کر مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اس کے بعد ہمارے دوسرے اور بڑے کام کی ابتداء ہو گی۔ ہمارا وہ لشکر جو اپنی گھات سے نکل کر کریم خان پر حملہ آور ہو گا، کریم خان کے شکست کھانے اور بھاگ نکلنے کے بعد وہ لشکر دوبارہ اپنی گھات میں چلا جائے گا۔ فتح مندی حاصل کرنے کے بعد آزاد خان دو قدم اٹھا سکتا ہے۔

اول یہ کہ اپنے لشکر کے ساتھ وہ کریم خان کے پیچھے پیچھے شیراز کا رخ کرے گا تاکہ ایک بار پھر کریم خان سے ٹکرائے اور اس کے دونوں بڑے شہروں شیراز اور اصفہان پر قبضہ کر لے۔ ایسی صورت میں ہمارا ایک اور لشکر جس کی کمانداری محمد خان کرے گا یہاں سے فی الفور کوچ کرے گا اور اُس لشکر سے جا ملے گا جو گھات میں بیٹھا ہو گا۔ اس طرح ہمارے دونوں لشکر اکٹھے ہو کر شیراز کی طرف کوچ کریں گے۔ ایسی صورت میں حالات کچھ یوں ہو جائیں گے کہ آگے آگے کریم خان شیراز کی

طرف بھاگ رہا ہوگا، اس کے پیچھے آزاد خان ہوگا اور آزاد خان کے پیچھے ہم لگے ہوں گے۔

میرا اندازہ ہے کہ جب آزاد خان کو یہ خبر پہنچے گی کہ اس کے پیچھے ہمارا لشکر لگ گیا ہے تو وہ کریم خان کا تعاقب ترک کر کے ہم سے نمٹنا پسند کرے گا۔ چنانچہ جب وہ ہم سے ٹکرائے گا تو مجھے پکا پختہ یقین ہے کہ آزاد خان کو ہم بدترین شکست دے دیں گے، اسے بھاگنے نہیں دیں گے، اس کا تعاقب کریں گے۔ نہ صرف اس کے لشکریوں کا قتل عام کریں گے بلکہ آزاد خان کو بھی پکڑ کر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس طرح ہمارے راستے کا ایک بڑا کانٹا ہٹ جائے گا۔ اس کے بعد محمد خان اپنے پورے لشکر کو لے کر شیراز کا رخ کرے گا۔ جب ایسا ہو چکے گا تو بابا! میں ایک اور لشکر لے کر نکلوں گا اور اصفہان کا رخ کروں گا۔ اب صورتِ حال بڑی عجیب ہو گی۔ آزاد خان کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد کریم خان کے لشکر کی حالت ابتر ہو چکی ہوگی۔ اس کی عسکری حیثیت پہلے کی نسبت کمزور کی جا چکی ہوگی۔ لہٰذا وہ کھلے میدان میں محمد خاں کا مقابلہ نہیں کرے گا بلکہ شیراز شہر کے اندر محصور ہو جائے گا۔ محمد خاں اپنے لشکر کے ساتھ شیراز کا محاصرہ کر لے گا۔ دوسری طرف میں بھی اس وقت تک اصفہان پہنچ چکا ہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اصفہان کو میں چند دنوں ہی میں فتح کر لوں گا۔ وہاں ذکی خان کے پاس چھوٹا سا ایک لشکر ہوگا۔ اُسے جب خبر ملے گی کہ اس کے دونوں بھائی ذکی خان اور کریم خان شیراز شہر کے اندر محصور ہو گئے ہیں اور یہ کہ آزاد خان کے ہاتھوں کریم خان کو شکست ہوئی ہے تو یاد رکھنا ذکی خان ہی نہیں، اس کے لشکریوں کے بھی حوصلے پست ہو جائیں گے۔ لہٰذا میں اصفہان کو فتح کرنے میں زیادہ دن نہیں لوں گا۔

بابا! اصفہان کو فتح کرنے کے بعد میں شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گا۔ سب سے پہلے کام یہ کروں گا کہ کریم خان کے بھائی ذکی خان کی گردن کاٹوں گا۔ اس طرح کریم خان کے کہنے پر نادر شاہ کے ہاتھوں مارے جانے والے ہمارے دادا کا انتقام پورا ہو جائے گا۔ میں اصفہان شہر میں زیادہ دن قیام نہیں کروں گا۔ بس چند دن وہاں ٹھہر کر وہاں کے نظم و نسق کو اپنے حق میں کر کے کسی سالار کے انتظام میں دینے کے بعد میں تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ شیراز کا رخ کروں گا۔ میرے خیال میں

اس وقت تک میرے بھائی محمد خاں نے شیراز کا بری طرح محاصرہ کر رکھا ہوگا اور جب میں وہاں پہنچوں گا تو پھر کریم خان اور صادق خان دونوں بھائی زیادہ دن تک ہمارے سامنے شیراز شہر کا دفاع نہیں کر پائیں گے۔ بہت جلد شہر کو بزورِ قوت اور بزورِ شمشیر ہم فتح کر لیں گے۔ اس طرح اصفہان کو فتح کرنے کے بعد میں سب سے پہلا کام ذکی خان کی گردن کاٹنے کا کروں گا۔ شیراز شہر کو فتح کرنے کے بعد میں چار سرکردہ آدمیوں کو اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دوں گا۔ ایک کریم خان، دوسرا اس کا بھائی صادق خان، تیسرا عرب سالار علی خان، چوتھا عرب سالار عالم خان۔ ان چاروں کو اپنے سامنے بلا کر پہلے ان کی اہانت کروں گا، اس کے بعد ان چاروں کی گردنیں کاٹ دوں گا۔ بابا! جب آزاد خان کے بعد ذکی خان، صادق خان، کریم خان، عالم خان اور علی خان سب کا صفایا ہو جائے گا تو کیا ایران کی مملکت کے اندر کوئی ایسی قوت رہ جائے گی جو ہماری راہ روک سکے گی؟ کوئی ایسا آدمی رہ جائے گا جو ایران کے تخت و تاج کی طرف بڑھنے کے لئے ہمارے سامنے کوئی رکاوٹ، کوئی ناقابل عبور دیوار کھڑی کر سکے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد حسین قلی قاچار جب خاموش ہوا تب حسن قاچار نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپتھپایا، پھر کہنے لگا۔

''میرے بیٹے! تُو واقعی میری نسبت جنگ کی ہنرمندی زیادہ رکھتا ہے۔ جو تُو نے اپنے بھائی محمد خان کے ساتھ منصوبہ بندی کی ہے، اسے آخری شکل دو۔ میرے خیال میں اسی میں ہماری بہتری اور ہماری کامیابی ہے۔ ان معرکوں میں، میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

اس پر حسن خان کھڑا ہوا، اس کی طرف دیکھتے ہوئے محمد خاں قاچار بھی کھڑا ہو گیا۔ پھر حسین قلی قاچار اپنے باپ حسن قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بابا! آپ یہیں بیٹھیں۔ میں اور محمد خاں جاتے ہیں اور اس لشکر کو علیحدہ کر کے اس کی روانگی کا اہتمام کرتے ہیں جس نے قزوین کے میدانوں میں کریم خان کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر ابتری اور تباہی پھیلائی ہے۔ اور ساتھ ہی اصفہان اور شیراز کی طرف۔ ہماری فتح مندی اور کامیابی کے در کھولنے ہیں۔''

حسن خان نے اپنے دو بیٹوں کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ حسین قلی

قاچار اور اس کا چھوٹا بھائی محمد خاں قاچار دونوں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ سیدھے مستقر کی طرف گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قاچاریوں کا ایک لشکر استر آباد سے بڑی برق رفتاری کے ساتھ قزوین کے رخ پر کوچ کر رہا تھا۔

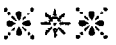

حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ آزاد خان افغان پہلے ہی ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قزوین کے نواحی کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر چکا تھا اور اسے اب کریم خان کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ آزاد خان اپنی جگہ ڈرا ڈرا، سہا سہا بھی تھا۔ اس لئے کہ کریم خان کا اس پر ایک طرح سے رعب اور دبدبہ تھا۔ اس لئے کہ ماضی میں آزاد خان افغان نہ صرف کریم خان کے ساتھ کام کرتا رہا تھا، اس کی شجاعت، اس کی جوانمردی اور اس کی ہمتِ مردانہ سے واقف تھا بلکہ اکثر مواقع پر یہی آزاد خان افغان کریم خان کے نائب کی حیثیت سے بھی کام کر چکا تھا۔ اس بناء پر کریم خان کا اس پر ایک رعب اور دبدبہ تھا۔

اب تین قوتیں متحرک ہو چکی تھیں۔ آزاد خان افغان اپنی تیاری کو آخری شکل دے چکا تھا اور بڑی بے چینی سے کریم خان کی آمد کا منتظر تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ جونہی کریم خان اس کے سامنے آئے گا وہ جنگ کی طرح ڈال دے گا۔ دوسری قوت قاچاریوں کی تھی۔ قاچاریوں کا ایک خاصا بڑا لشکر اپنے سالار کی کمانداری میں قزوین کے علاقوں کی طرف بڑھا اور کوہستانی سلسلوں سے محفوظ ایک جگہ میں اس نے گھات لگا لی تھی۔ جس جگہ قاچاریوں نے گھات لگائی تھی وہ جگہ اس مقام سے بالکل نزدیک ہی تھی جہاں آزاد خان افغان نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ اب قاچاری اور آزاد خان افغان دونوں ہی کریم خان کی آمد کے منتظر تھے۔ دونوں ہی کریم خان کو زیر کر کے اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف کریم خان کے مخبر بھی بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ اپنا کام کر رہے تھے۔ چنانچہ کریم خان ابھی قزوین کے میدانوں

سے بہت دور تھا کہ اس کے وہ مخبر جو قزوین کے آس پاس کے میدانوں اور کوہستانی سلسلوں کے اندر کام کر رہے تھے وہ کریم خان کے پاس پہنچے۔ اس وقت کریم خان نے کوہستانی سلسلے سے گھری وادی میں قیام کر رکھا تھا اور کریم خان اپنے لشکر میں گھومتے پھرتے نہ صرف پڑاؤ کا جائزہ لے رہا تھا بلکہ لشکریوں کے کھانے کا بھی اہتمام کروا رہا تھا کہ اسی لمحہ ان مخبروں میں سے کچھ اس کے پاس پہنچے جو قزوین کے علاقوں میں دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔

جب وہ کریم خان کے سامنے گئے تو کریم خان انہیں دیکھ کر خوش ہوا۔ اس وقت کریم خان کے ساتھ شیخ علی خان اور شیخ عالم خان دونوں سالار بھی موجود تھے۔ چنانچہ مخبروں کی آمد پر کریم خان نے خوشی کا اظہار کیا اور پھر انہیں دیکھتے ہی بڑی اپنائیت میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز ساتھیو! کیا قزوین کی طرف سے تم ہمارے لئے کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو؟''

کریم خان کے اس استفسار پر آنے والوں میں سے ایک اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

''امیر! بس ہمارے پاس کچھ کام کی خبریں ہیں۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے گا کہ وہ خبریں اچھی ہیں یا بری۔ پہلی خبر یہ ہے کہ آزاد خان ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ قزوین کے کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر چکا ہے اور اس نے یہ ٹھان رکھی ہے کہ جونہی آپ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے جائیں گے وہ جنگ کی ابتداء کر دے گا۔

دوسری اہم خبر یہ ہے کہ جس جگہ آزاد خان افغان نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے اس سے ذرا فاصلے پر کوہستانی سلسلے کے اندر قاچاریوں کے ایک لشکر نے بھی گھات لگا رکھی ہے۔ دراصل قاچاری اس لئے سب سے زیادہ خطرہ آپ کی طرف سے محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ ٹھان رکھی ہے کہ جب آپ آزاد خان سے ٹکرائیں گے تو وہ پشت کی جانب سے آپ پر حملہ آور ہو کر آپ کی شکست کو یقینی بنائیں گے۔ قاچاریوں کا خیال ہے کہ اگر آپ کو زیر کر لیا جائے تو پھر آزاد خان ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کا خاتمہ کر کے وہ ایران کے بلا شرکت غیرے حکمران بن جائیں گے۔

قاچاریوں نے یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ جس وقت آزاد خان آپ سے ٹکرائے گا اچانک وہ پشت کی طرف سے نمودار ہو کر ہمارے لشکر پر حملہ آور ہوں گے اور آزاد خان کے مقابلے میں وہ ہماری شکست کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ قاچاریوں کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ آپ کو زیر کرتے ہیں تو آپ کے زیر ہونے کے بعد وہ آزاد خان کو اپنے سامنے بڑی آسانی سے زیر کر کے ایران کی مملکت کے حکمران بن جائیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب وہ مخبر خاموش ہوا تب کریم خان نے آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

''جو خبریں تم لے کر آئے ہو اس کے لئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج کی شب لشکر گاہ میں آرام کرو اور آنے والی رات کے پچھلے حصہ میں صبح سے تھوڑی دیر پہلے پھر قزوین کے نواحی علاقوں کی طرف چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ کچھ مسلح جوان بھی روانہ کروں گا۔ ان کے ذمہ یہ کام ہو گا کہ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے ان علاقوں میں آزاد خان افغان یا قاچاریوں کے جو بھی مخبر متحرک ہوں گے ان کا وہ خاتمہ کرتے چلے جائیں گے تاکہ قاچاریوں کے لشکر کے علاوہ آزاد خان افغان سے جس طرح ہم نمٹنا چاہتے ہیں ہماری وہ تدبیر، ہمارا وہ جتن کسی پر عیاں نہیں ہونا چاہئے۔''

باقی سالاروں نے بھی کریم خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ کریم خان اپنے مخبروں کو مخاطب کر کے پھر کہہ رہا تھا۔

''میرے عزیز ساتھیو! جو مسلح دستے میں تمہارے ساتھ روانہ کروں گا ان کے ساتھ مل کر تم نے ان سارے علاقوں کے اندر بڑی تیزی اور سرگرمی کے ساتھ یہ خبر پھیلانا شروع کر دینی ہے کہ کریم خان ایک لشکر لے کر شیراز سے قزوین کے ان علاقوں کی طرف ضرور آیا تھا لیکن اس کے مخبروں نے اسے آزاد خان کے لشکر کی تعداد سے آگاہ کر دیا ہے۔ چونکہ کریم خان کے پاس چھوٹا سا لشکر تھا اس لئے کہ اپنے لشکر کا کچھ حصہ اسے اصفہان میں اور کچھ حصہ شیراز میں مقرر کرنا پڑا تھا جس کی بناء پر اس کے لشکر کی تعداد آزاد خان کے لشکر سے چونکہ کم بتائی گئی تھی اس بناء پر کریم خان نے آزاد خان کے ساتھ ٹکرانے کا عزم ترک کر دیا ہے اور اب وہ واپس شیراز کی طرف چلا گیا ہے تاکہ نئے سرے سے اب اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچائے۔ اپنے لشکر کی تعداد مزید بڑھائے، اس کے بعد خم ٹھونک کر آزاد خان اور دوسری دشمن قوتوں کے خلاف حرکت

میں آئے۔

میرے عزیز ساتھیو! جب تم یہ دو کام کرو گے پہلا یہ کہ دشمن کے کسی مخبر کو اپنے علاقوں میں سرگرداں دیکھتے ہوئے اس کا خاتمہ کرتے چلے جاؤ۔ دوسرے یہ خبر بھی پھیلا دو کہ میں لشکر لے کر واپس شیراز کی طرف چلا گیا ہوں۔ جب یہ دو کام مکمل ہو جائیں گے تو عنقریب تم سنو گے کہ ہم اپنے دونوں دشمنوں کو تہس نہس کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

آنے والے مخبر کریم خان کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئے تھے۔ وہ رات کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ وہیں بسر کی اور اسی رات کے پچھلے پہر چند مخبر چند مسلح دستوں کے ساتھ ان دو کاموں کی تکمیل کے لئے نکل گئے تھے جو کام کریم خان نے ان کے ذمہ لگائے تھے۔

جبکہ کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ اگلا پورا دن بھی وہیں پڑاؤ کئے رکھا اور اگلی رات جب گہری ہو گئی تب کریم خان حرکت میں آیا۔ اپنے پڑاؤ کو اس نے ختم کر دیا اور لشکر کو سمیٹتا ہوا وہ اپنی نا معلوم منزل کی طرف چلا گیا تھا۔

کریم خان کے مخبروں کی وجہ سے جہاں قاچاریوں اور آزاد خان کے مخبروں کا کافی حد تک خاتمہ کر دیا گیا تھا وہاں چاروں طرف یہ خبریں بھی پھیلا دی گئی تھیں کہ کریم خان آزاد خان کے مقابلے پر نہیں آ رہا۔ اس لئے کہ کریم خان کے لشکر کی تعداد کم ہے لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کریم خان واپس شیراز چلا گیا ہے۔

یہ خبر سن کر آزاد خان کی خوشی اور اس کے اطمینان کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ماضی میں آزاد خان چونکہ کریم خان کے ماتحت کام کرتا رہا تھا اور اس کی تیغ زنی میں ہنرمندی اور سپہ سالار کی حیثیت سے لشکر کی کمانداری میں اس کی صناعی کو تسلیم کرتا تھا، اس سے بڑا متاثر بھی تھا اور اسے جب یہ خبر ملی کہ کریم خان ایک لشکر لے کر اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو آزاد خان ایک طرح سے خوف زدہ بھی تھا کہ نہ جانے کریم خان کے ساتھ ٹکراؤ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اس کے پاس یہ خبریں پہنچیں کہ کریم خان نے شیراز سے نکل کر اس کی طرف پیش قدمی ضرور کی تھی لیکن اپنے لشکر کی قلت کی وجہ سے وہ واپس چلا گیا ہے۔

دوسری طرف قاچاری بھی اب اپنی جگہ مطمئن تھے۔ وہ شاید یہ خیال کرنے لگے

تھے کہ کریم خان کے پاس اتنی طاقت و قوت نہیں کہ آزاد خان کا مقابلہ کر سکے لہٰذا وہ اپنے ان ارادوں پر بھی مطمئن تھے کہ اگر کریم خان آزاد خان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا یا اس سے دب گیا ہے، خوفزدہ ہے تو قاچاری ضرور آزاد خان سے ٹکرائیں گے اور اسے زیر کرنے کے بعد پھر ایک ساتھ اصفہان اور شیراز کا رخ کریں گے۔

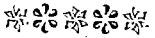

***

وقت کی متحرک کوکھ میں خونی لمحوں میں ڈھلتی رات درد و کرب کی ردا اوڑھے سرگرداں بپھرتی موجوں کی طرح بھاگتی جا رہی تھی۔ فضاؤں کے اندر ہر سُو تار تار دامن، داستانوں کے بکھرے اوراق جیسی چپ، بپھرتے تند دھاروں میں چھپے ڈس لینے والے زہریلے حروف جیسی خاموشی اور ظلم کی اندھی کھائیوں اور جبر کے تاریک اندھے کنوؤں جیسا سکوت طاری تھا۔ قاچاریوں کا لشکر کوہستانی سلسلے کی ایک وادی کے اندر نغموں کے برستے ساون میں ذوق کی خود آرائی اور پیڑوں کی سہمی سہمی شاخوں میں خوف و خون کی کہانیوں سے بے خبر پرندوں کی طرح پُرسکون گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ آزاد خان افغان اور قاچاریوں تک یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ شیراز سے قزوین کی طرف کوچ ضرور کیا تھا لیکن وہ راستے ہی سے اپنے لشکر کی قلت کو دیکھتے ہوئے واپس جا چکا ہے۔ اس بناء پر قاچاری خوشی کا اظہار کرتے ہوئے گہری نیند سو گئے تھے۔

ایسے میں اچانک سہمی سہمی اور رکی رکی فضاؤں اور موت کی غضب ناک داستانوں کے اندر سے کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ پھر وہ قاچاریوں کے اس پڑاؤ پر خونی دستک دیتی اُٹھتی موجوں، مچلتی لہروں، نگاہوں میں موت کے سراب کھڑے کرتی کھولتی آتش کے رقص اور اندھی کالی راتوں میں طوفانوں کی ہولناک دستک کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کریم خان کا یہ بڑا شدید اور بڑا ہولناک شب خون تھا۔ اس کے حملہ آور ہونے سے قاچاریوں کے لشکر میں ضمیر کی پستی، خون بھری سرنوشت، قہر کے تصورات، لہو لہو

تلاطم، بدترین خوں ناب مناظر اور نفرت کے سلگتے سپنے ناچ اٹھے تھے۔ اس اچانک حملے کے باعث گہری نیند سوئے ہوئے قاچاری لشکری سٹپٹا گئے تھے۔ چیخنے چلّانے لگے تھے۔ اس لئے کہ حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی کریم خان نے ان کے اندر موت کا رقص شروع کر دیا تھا اور ان کے لشکریوں کو بڑی تیزی سے موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا تھا۔

قاچاریوں کو جب خبر ہوئی کہ اُن پر شب خون مارنے والا کریم خان ہے تب قاچاری سالاروں نے کسی نہ کسی طرح اپنے لشکر کو سنبھالا، پھر جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی ظلم و ستم کے کوہِ گراں، نفرت بکھیرتی آندھیوں، مجبوریاں، رسوائیاں اور سنسان ویرانیاں کھڑی کرتے خونی طوفانوں کے زہریلے لمحوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے لیکن اس وقت تک کریم خان نے ان پر زوردار حملے کرتے ہوئے ان کے لشکر کی خاصی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ عین اسی لمحہ قاچاریوں کے لئے ایک اور مصیبت اُٹھ کھڑی ہوئی وہ یہ کہ دوسری سمت سے دونوں عرب سالار عالم خان اور علی خان لشکر کے دوسرے حصوں کے ساتھ رشتوں کی ڈوریں منقطع کرتے انضطراب کے خلفشار، بھاگتی اذیتوں کی بے نیازی کی ادا، محرومیوں کی دلدلیں کھڑی کرتی لہو بھری کروٹوں کی طرح قاچاریوں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

اب ایک طرف سے کریم خان اور دوسری طرف سے عالم خان اور علی خان قاچاریوں پر حملہ آور ہو گئے تھے اور یہ دو طرفہ شب خون ایسا ہولناک تھا کہ رات کی گہری تاریکی میں دیکھتے ہی دیکھتے قاچاریوں کی حالت بڑی تیزی سے دہکتے سورج تلے غبار آلود دشتِ مردار میں بگولوں کی طرح بھٹکتے سربریدہ مسافروں، دل کبیدہ تن دریدہ آرزوؤں اور بے سطوت و بے نام ہوتے جذبوں، لذت کی گراں باری سے محروم اثاثے سے بھی زیادہ بری ہونا شروع ہو گئی تھی۔

قاچاریوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح جوابی کارروائی کرتے ہوئے کریم خان کے ان حملوں سے بچ نکلیں لیکن کریم خان نے انہیں پوری طرح اپنے سامنے جکڑ کر رکھ دیا تھا۔ قاچاریوں کی ہر کوشش، ان کے ہر جتن کو اس نے ناکام بنا کر رکھ دیا تھا اور رات کی گہری تاریکی میں قاچاریوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ بہت کم قاچاریوں کو اِدھر اُدھر بکھرتے ہوئے اپنی جانیں بچا کر

واپس استر آباد کی طرف جانا نصیب ہوا تھا۔

اپنی جانیں بچانے والے یہ قاچاری لشکری جب لٹے پٹے، زخموں سے سجے استر آباد میں حسن خان قاچار اور اس کے دونوں بیٹوں حسین اور محمد خان قاچار کے پاس پہنچے تب ان تینوں باپ بیٹوں کی حالت بڑی قابلِ رحم تھی۔ اس کے بعد جب میدانِ جنگ سے بچنے والوں سے پوری روداد اور تفصیل ان تینوں سے کہی تب ان تینوں کی حالت پہلے سے بھی زیادہ المناک ہو کر رہ گئی تھی۔ حسن خان قاچار نے ان سے ساری تفصیل جاننے کے بعد انہیں آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔

ان کے جانے کے بعد تینوں باپ بیٹا چپ، خاموش اور اداس بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز حسن قاچار نے کیا اور اپنے دونوں بیٹوں حسین اور محمد خان قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بچو! جو لائحہ عمل، جو منصوبہ بندی ہم کریم خان اور آزاد خان کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے اُسے تو اس کریم خان نے لمحوں کے اندر غبار کی طرح ہوا میں اُڑا اور بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ میں امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اتنا بڑا لشکر جو ہم نے روانہ کیا تھا، اس قدر بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں کریم خان کے ہاتھوں پس کر رہ جائے گا۔ مجھے اس بات نے بھی پریشان کر دیا ہے کہ آخر ان علاقوں کے اندر کس نے یہ خبریں اُڑائیں کہ کریم خان اپنے لشکر کی قلت کو دیکھتے ہوئے آزاد خان سے نہیں ٹکرایا اور واپس شیراز کی طرف چلا گیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ ساری کارروائی کریم خان کی ہے۔ اس نے یہ کارروائی کر کے جہاں ایک طرف آزاد خان افغان کو مطمئن کر دیا ہو گا کہ کریم خان اس سے نہ ٹکرانا چاہتا ہے نہ ٹکرا سکتا ہے، دوسری طرف یہ خبریں سن کر ہمارا لشکر بھی اب مطمئن ہو گیا تھا کہ اب انہیں کریم خان سے ٹکرانا نہیں پڑے گا اور وہ ہماری طرف سے کسی دوسرے حکم کا انتظار کریں گے۔ اس طرح کریم خان نے دوہرے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک فائدہ تو وہ حاصل کر چکا ہے، اس نے شب خون مار کر ہمارے لشکر کا خاتمہ کر کے اپنی کامیابی کی طرف جانے والی آدھی شاہراہ کو صاف کر دیا ہے۔ اب اس کے سامنے آزاد خان ہے۔ اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آزاد خان پر ضرب لگانے میں کریم خان تاخیر سے کام نہیں لے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار جب خاموش ہوا تب اس کا بیٹا محمد خان قاچار بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''بابا! جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ میں نے پہلے بھی ایک روز آپ سے کہا تھا کہ یہ کریم خان کوئی معمولی سالار نہیں ہے۔ اپنے باپ کی طرح وہ پیدائشی جنگجو تو تھا ہی لیکن نادر شاہ کے ساتھ کام کرتے ہوئے مختلف مہموں اور جنگوں سے اس کے اندر چھپی ہوئی عسکری صناعی اور عمدہ سالار کی ہنرمندی کو جلا مل گئی ہے۔ اب اسے زیر کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ لیکن ہم اسے اپنے لئے مصیبت اور عذاب بن کر پھیلنے بھی نہیں دیں گے۔ ہم نے ہر صورت میں ایران کے تاج و تخت کا مالک بننا ہے اور اس کے لئے ہمیں ان گنت کریم خان بھی اپنے پاؤں کی ٹھوکروں پر رکھنے پڑے تو ہم گریز نہیں کریں گے۔

کریم خان نے اگر ہمارے اس لشکر کا صفایا کر دیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ماضی میں جس قدر بڑا لشکر نادر شاہ کے پاس ہوا کرتا تھا، اس وقت ہمارے پاس اس سے بھی بڑا لشکر ہے اور ہمارے لشکر کا وہ حصہ جو شب خون کے نتیجہ میں کریم خان کے ہاتھوں ضائع ہو گیا ہے اس کی کمی تو ہم چند دن ہی میں پوری کر لیں گے۔ کریم خان نے یہ شب خون مار کر ہمارے انتقام کو اور ہوا دی ہے اور عنقریب جب ہم اس سے ٹکرائیں گے تو بڑے ہولناک انداز میں اس سے اپنے اس نقصان کا انتقام لیں گے۔

اے میرے باپ! پہلے مرحلے میں بے شک کریم خان کے مقابلے میں ہمیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے لیکن ہم ہمت نہیں ہاریں گے۔ نئے لشکری بھرتی کرتے ہوئے اپنی کمی کو بہت جلد پورا کر لیں گے۔ اتنی دیر تک ہم یہ دیکھیں گے کہ اگر کریم خان اور آزاد خان آپس میں ٹکراتے ہیں تو اس ٹکراؤ کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فتح محمد قاچار جب خاموش ہوا تب اس کا بڑا بھائی حسین قاچار بول اٹھا۔

''میرے عزیز بھائی! ہونا کیا ہے۔ اگر کریم خان اور آزاد خان آپس میں ٹکراتے ہیں تو یاد رکھنا کامیاب کریم خان ہی ہو گا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ کریم خان آزاد خان کے مقابلے میں زیادہ ہنرمند اور تجربہ کار سالار ہے اور اس نے اپنے

کام کرنے والے لشکریوں کو بھی بہتر انداز میں تربیت دے رکھی ہے۔

دوسری بڑی وجہ کریم خان کے سامنے آزاد خان کے زیر ہو جانے کی یہ ہے کہ ماضی میں آزاد خان ایک خود مختار سالار کی حیثیت سے کم اور کریم خان کے نائب اور اس کے ماتحت سالار کی حیثیت سے زیادہ مہموں میں کام کر چکا ہے۔ لہٰذا کریم خان کا ایک طرح سے اس پر رعب اور دبدبہ ہے۔ اسی رعب اور دبدبہ کے سامنے یقیناً آزاد خان افغان زیر ہو جائے گا اور کامیابی کریم خان ہی کو ملے گی۔

بہر حال اگر یہ دونوں ٹکراتے ہیں اور آزاد خان زیر ہوتا ہے تو کریم خان کے ساتھ ٹکراؤ کے نتیجہ میں آزاد خان کی عسکری قوت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس طرح ہمارے سامنے صرف ایک ہی بڑا دشمن کریم خان رہ جائے گا اور مجھے امید ہے کہ ہم اس سے خوب نمٹیں گے۔ اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ ایران کے تخت و تاج کی طرف بڑھتے ہوئے کریم خان ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن پائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد حسین قاچار جب خاموش ہوا تب ان دونوں کا باپ حسن خان قاچار اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

"میرے بچو! ہمارے جو لشکری میدانِ جنگ سے زخمی ہو کر آئے ہیں، ان کی دلجوئی کریں، ان کی دیکھ بھال کریں۔ ایسا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس طرح ہمارے لشکریوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔"

حسین قاچار اور محمد خان قاچار دونوں نے اپنے باپ کے ان الفاظ سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے اور میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والے لشکریوں کی دلجوئی و دیکھ بھال کے لئے نکل گئے تھے۔

* * *

قاچاریوں کے پڑاؤ کی ہر چیز سمیٹنے اور اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے بعد کریم خان، عالم خان، علی خان اور دوسرے سالار ایک جگہ جمع ہوئے۔ اس موقع پر عالم خان نے پہلے اپنے ساتھی سالاروں پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس کے بعد بڑے غور اور انہماک سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"کریم خان! میرے عزیز بھائی! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ قاچاریوں کو ہم بدترین

شکست دینے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ان کے لشکر کے ایک خاصے بڑے حصے کو ہم نے کاٹ دیا ہے اور اب قاچاری سوچ کر ہمارے مقابل آنے کی جرأت و جسارت کریں گے۔ میرا خیال ہے کچھ عرصہ تک تو وہ اپنی تیاری میں لگے رہیں گے۔ اس وقت تک ہم اپنی ساری مقابل قوتوں کو زیر کرنے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ خم ٹھونک کر قاچاریوں کے سامنے آسکیں۔"

جب تک عالم خان بولتا رہا، کریم خان مسکراتا رہا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے سالار بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

عالم خان کے خاموش ہونے پر کریم خان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"عالم خان! میرے عزیز بھائی! تُو ٹھیک کہتا ہے۔ سب سے پہلے میں تم سب کو قاچاریوں کے خلاف اس شاندار فتح پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی عالم خان اور تم سے یہ بھی کہوں گا کہ شاید تم نے قاچاریوں کی طاقت و قوت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ عالم خان! پانی سے بھرے ہوئے ایک پیالے سے اگر ایک قطرہ پانی کا گرا دیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی حالت اس وقت قاچاریوں کی ہے۔ قاچاریوں کے پاس اس وقت اس لشکر سے بھی بہت بڑا لشکر ہے جو کبھی نادر شاہ کی کمانداری میں ہوا کرتا تھا۔ اس بناء پر تمہارا یہ کہنا کہ قاچاری سوچ سمجھ کر ہمارے مقابل آئیں گے اور اپنی تیاریوں میں لگے رہیں گے، میرے عزیز بھائی! میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ قاچاری ایک عرصہ سے جنگی تیاریوں ہی میں مصروف رہے ہیں۔ استر آباد اور اس کے شمالی اور کوہستانی سلسلوں کے اندر وہ لگاتار اپنی عسکری طاقت میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ نادر شاہ کو بھی اپنے دور میں احساس تھا کہ قاچاری کسی بھی وقت اس کے لئے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن نادر شاہ جنگوں میں کچھ ایسا مصروف رہا کہ قاچاریوں کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اگر وہ اپنے بھتیجے کے ہاتھوں قتل نہ کر دیا جاتا تو شاید خم ٹھونک کر قاچاریوں کے مقابل آتا اور قاچاریوں کی ساری عسکری طاقت کو کچل مسل کر رکھ دیتا۔ لیکن ایسا چونکہ نہیں ہو سکا لہٰذا قاچاریوں کی طاقت ویسے کی ویسے ہی رہی۔ عالم خان! میرے بھائی! ہمیں انتہائی سوجھ بوجھ اور سوچ سمجھ کر ان قاچاریوں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ لیکن میرے عزیز بھائی! یہ بعد کی بات ہے۔ سب سے

پہلے تو ہمارے سامنے ایک بڑے مسئلے کی صورت میں آزاد خان اپنے لشکر کے ساتھ کھلے میدانوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ پہلے ہم نے آزاد خان سے نمٹنا ہے، اس کے بعد ہم دیکھیں گے قاچاری کیسے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ کس کس جگہ، کس کس مقام، کس کس شہر کو ہمارے خلاف اپنی طاقت وقوت کا مرکز بناتے ہیں۔ چنانچہ باری باری ان کی طاقتوں، ان کی قوتوں کے مراکز پر حملہ آور ہو کر ہم انہیں تدریجی انداز میں کمزور کرتے چلے جائیں گے۔ اسی میں ہماری بھلائی، اسی میں ہماری فوزمندی ہو گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب عالم خان دوبارہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بھائی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ جس طرح ان کوہستانی سلسلوں کے اندر اچانک ہم نے قاچاریوں پر دوطرفہ شب خون مارا، یہ کھیل اگر ہم آزاد خان کے خلاف کھیلیں تو کیا قاچاریوں کی طرح ہم اسے بھی اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں گے؟''

عالم خان جب خاموش ہوا تب کریم خان نے پہلے تو نفی میں گردن ہلائی پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''عالم خان! میرے عزیز بھائی! تمہارا اندازہ درست ہے۔ یاد رکھنا اب تک آزاد خان کے پاس اس کے مخبر یہ خبریں پہنچا چکے ہوں گے کہ کوہستانی سلسلوں کے اندر ہم نے کس طرح قاچاریوں پر دوطرفہ شب خون مارا اور ان کے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا۔ لہٰذا آزاد خان مستعد ہو جائے گا۔ اور جو کھیل ہم نے قاچاریوں کے خلاف کھیلا وہ کھیل ہمیں اب اپنے خلاف کھیلنے کی مہلت نہیں دے گا۔ چنانچہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے پورے لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے آزاد خان کے سامنے پڑاؤ کریں گے۔ خم ٹھونک کر اس کے سامنے آئیں گے۔ پھر دیکھیں گے آزاد خان کتنی دیر تک اور کب تک ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد اسے ہم اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میرے عزیز بھائی! اس کے بعد ہمیں اپنی ساری توجہ اپنی ساری عسکری طاقت وقوت کو قاچاریوں کے خلاف استعمال کرنا ہو گا۔ میرے عزیز بھائیو! آؤ اٹھ کر لشکریوں کے کھانے کا اہتمام کریں۔ آنے والی شب کو لشکریوں کو مکمل

طور پر آرام کرنے کا موقع فراہم کریں اور پھر کوچ کریں اور آزاد خان کے سامنے جا کر پڑاؤ کریں۔''

کریم خان کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا سب وہاں سے اٹھ کر اس سمت ہو لئے تھے جہاں لشکریوں کے لئے کھانا تیار کیا جا رہا تھا۔

❋❋❋

ایک روز صبح ہی صبح کریم خان، عالم خان اور علی خان، آزاد خان کے لشکر کے سامنے نمودار ہوئے اور وہاں انہوں نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

ان کی آمد کے ساتھ ہی آزاد خان نے اپنے لشکر میں جنگ کے طبل پیٹنے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ حکم ملتے ہی آزاد خان کے لشکر میں بڑے بڑے طبل، بڑی بڑی دفیں انتہائی ہولناک آوازوں کے ساتھ گونج اٹھی تھیں۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے کریم خان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ کریم خان نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ وسطی حصہ اپنے پاس رکھا، دائیں جانب کی کمانداری عالم خان کو اور لشکر کے بائیں حصہ کا سپہ سالار علی خان کو مقرر کیا گیا تھا۔

دوسری طرف آزاد خان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد کریم خان اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہوا اس جگہ آیا جہاں عالم خان اور علی خان باقی سالاروں کے ساتھ کھڑے تھے۔ انہیں مخاطب کر کے کریم خان کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! میں انفرادی مقابلے کے لئے میدان میں اترنے لگا ہوں اور میں آزاد خان کو انفرادی مقابلے کے لئے للکاروں گا۔ تم لوگ اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ آزاد خان میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے نہیں نکلے گا۔ اور اگر وہ نہیں نکلے گا تو یاد رکھنا اُس کے ایسا کرنے پر اُس کے لشکریوں اور سالاروں پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اور اگر وہ مقابلے کے لئے نکلے گا تو مجھے امید ہے کہ میں اسے زیر کر لوں گا۔ اور اگر وہ زیر ہو گیا تو یوں جانو

اس کا پورا لشکر ہمارے سامنے زیر ہو جائے گا۔ تم حملہ آور ہونے کے لئے بالکل تیار اور مستعد رہنا۔ اگر اس انفرادی مقابلے کے لئے آزاد خان نہ نکلا تو میں پلٹ کر اپنے لشکر کے وسطی حصے کے سامنے آن کھڑا ہوں گا اور پھر ہم آزاد خان پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کر دیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب عالم خان چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے بھائی! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ اگر آزاد خان کو انفرادی مقابلے کی دعوت دینا اتنا ہی ضروری ہے تو میرے عزیز بھائی! آپ اپنے لشکر کے ساتھ کھڑے رہیں۔ آپ اس وقت نہ صرف لشکر کے سپہ سالار اعلیٰ ہیں بلکہ جنوبی ایران کے حکمران بھی ہیں۔ لہٰذا آپ کا لشکر میں رہنا ضروری ہے۔ انفرادی مقابلے کے لئے میں نکلتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میں بڑی آسانی سے آزاد خان کو اپنے سامنے زیر کر لوں گا۔''

گھوڑے کو آگے بڑھا کر کریم خان نے عالم خان کا شانہ تھپتھپایا، کہنے لگا۔

''عالم خان! میں تیری جانثاری، تیری فدا کاری کو سلام پیش کرتا ہوں۔ لیکن انفرادی مقابلے کے لئے مجھے ہی اترنا ہے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے لشکر کے سامنے چلے جاؤ۔ میں میدان میں اترنے لگا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی کریم خان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں لشکروں کے درمیانی حصے کی طرف بڑھا تھا۔

عین وسط میں آ کر کریم خان نے زوردار انداز میں اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور اس طرح باگیں کھینچنے پر اس کا گھوڑا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھاتا ہوا وحشت خیز انداز میں ہنہنایا تھا۔ اس کے بعد کریم خان نے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار فضا میں بلند کی اور ساتھ ہی تیز آواز میں اس نے آزاد خان کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔

اس کے ایک دفعہ پکارنے پر آزاد خان نہ نکلا۔ تب اس نے دوسری بار، پھر تیسری بار انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔ آزاد خان پھر بھی انفرادی مقابلے کے لئے نہ نکلا۔ تب ہلکا سا تبسم اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ اس نے پہلے اپنے

گھوڑے کی اکڑی ہوئی گردن تھپتھپائی، گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے ایڑ لگاتے ہوئے واپس اپنے لشکر میں آ گیا تھا۔ لشکر کے وسطی حصے میں کھڑا ہونے کے بعد پیچھے مڑ کر کریم خان نے پہلے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ جب دائیں بائیں سے عالم خان اور علی خان دونوں نے اپنی تیاری کی تکمیل اور حملہ آور ہونے کے لئے مستعد ہونے کا اشارہ کیا تب کریم خان نے اپنے لشکر کو آزاد خان پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھانا شروع کیا تھا۔

اس کے بعد فضاؤں کی بصارت۔ وقت کی آنکھ نے دیکھا، کریم خان، عالم خان اور علی خان تینوں اپنے لشکر کو خاموشیوں کی چھاؤں میں غموں کی جھلساتی دھوپ، حروف کو سماعت میں سیسے کی طرح پگھلا دینے والی کھولتی آتش کے طوفان کی طرح حرکت میں لائے تھے۔ اس کے بعد وہ آزاد خان کے لشکر پر لہو کے بادل کھڑے کرتے سرخ تلاطم خیز آشوب، نارسائی اور ناتمامی کی ہر تحریر کو کالعدم کر دینے والے آگ و خون کے خونی کھیت اور اُٹھتے کالے دھوئیں میں انتقام کی بھڑکتی آگ کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف آزاد خان بھی بالکل تیار اور مستعد تھا۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ سوچوں کے پیمانوں میں خواہشوں کے عذاب، موت کے لفظوں کی گرہ کھولتے نادیدہ خوف ناک بگولوں، وقت کی کڑی لہراتی پریشان خیالی کو بے نام وحشت اور جبر کی سختی میں تبدیل کر دینے والی ظلم کی آندھیوں کے جھکڑوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

یوں قزوین کے ان میدانوں میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدانِ جنگ کے اندر لہو کے تازہ چمکتے اُجالوں میں انسانیت دھواں دھواں، آدمیت غبار غبار ہونا شروع ہو گئی تھی۔ زندگی کے ہنر سے اُلجھتے پُرشور بگولے اور بربادی کا زہر گھولتے وقت کے خدوخال کو ریزہ ریزہ کرنا شروع ہو گئے تھے۔

آزاد خان دیر تک کریم خان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ شروع کے چند لمحوں میں ہی آزاد خان کا لشکر کریم خان کے سامنے دبتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لئے کہ آزاد خان ہی نہیں اس کے لشکریوں پر بھی ماضی میں کریم خان کے تحت کام کرنے کی وجہ سے ایک رعب اور دبدبہ تھا۔ لہٰذا تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد ہی کریم خان کے مقابلے میں آزاد خان کے لشکریوں اور سالاروں کی حالت غم کی تاریک شب میں بربادی کی داستانوں اور ظلم

کے زندان میں مجبوریوں کے قصوں سے کہیں المناک ہونا شروع ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جب اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے ہوئے کریم خان نے سانسوں میں محرومیوں کی آگ، اعصاب میں ہیجان خیزیاں، جسموں کی دھیمی حرارت میں خوف و وحشت بھرنے کے عمل کی ابتداء کی تب آزاد خان اس عمل، اس جوش، اس جذبے، اس دباؤ کو برداشت نہ کر سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔

کریم خان کے ہاتھوں آزاد خان اور اس کے لشکریوں کی یہ بدترین شکست تھی۔ بڑے پُرتشدد انداز میں کریم خان، عالم خان اور علی خان نے آزاد خان اور اس کے لشکریوں کا تعاقب کیا اور ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بقول مؤرخین اس ٹکراؤ کے نتیجہ میں آزاد خان افغان کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

اس ٹکراؤ کے بعد سب سے پہلے کریم خان نے جنگ کے دوران زخمی ہونے والوں کی دیکھ بھال کی۔ آزاد خان کے جو لشکری زخمی ہوئے تھے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھے، ان کی دیکھ بھال بھی کریم خان نے ویسے ہی شروع کی جیسے اس نے اپنے لشکریوں کی کی تھی۔

اس سارے کام سے فارغ ہونے کے بعد کریم خان جب ایک جگہ آن کر بیٹھا تب اس کے سالاروں میں سے عالم خان اور علی خان دونوں نے آزاد خان کو اس کے سامنے پیش کیا۔ اس موقع پر آزاد خان کے کچھ سالار جو جنگ کے دوران زخمی ہوئے تھے اور ان کی بہترین دیکھ بھال کی جا چکی تھی، وہ بھی قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ آزاد خان کو جب کریم خان کے سامنے پیش کیا گیا تب کریم خان نے لمحہ بھر کے لئے اس کا بغور جائزہ لیا، پھر عالم خان کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''عالم خان! تم اور علی خان دونوں آزاد خان کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اگر یہ زخمی ہے تو اس کے زخموں کی خوب دیکھ بھال کی جائے اور اگر یہ زخمی نہیں ہے تو پھر اسے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے کھانا کھلانے کے بعد ایک عمدہ گھوڑا مہیا کیا جائے۔ میری طرف سے اسے زادِ راہ کے طور پر نقدی کی ایک تھیلی بھی پیش کی جائے۔ اس کے بعد آزاد خان ہماری طرف سے آزاد ہوگا۔ جہاں یہ چاہے جا سکتا ہے، ہم اس سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ ماضی میں چونکہ یہ میرے بھائی کی حیثیت سے میرے پہلو بہ پہلو دشمن کے خلاف کام کرتا رہا ہے لہٰذا میں اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں

کرنا چاہتا اور نہ ہی کر سکتا ہوں۔ لہٰذا اسے کھانا کھلانے اور اس کی دیکھ بھال کرنے اور اسے نقدی کی تھیلی دینے کے بعد باعزت طور پر پڑاؤ سے رخصت کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ جو اس کے لشکری گرفتار ہوئے ہیں اور وہ سفر کرنے کے قابل ہیں ان میں سے جو بھی اس کے ہمراہ جانا چاہے اسے روکا نہ جائے۔ اور جو بخوشی ہمارے لشکر میں شامل ہونا چاہے اس کی عزت ویسی ہی رہے گی جیسی میرے ساتھ پہلے سے کام کرنے والے لشکریوں کی ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ آزاد خان ایک دم حرکت میں آیا، گھٹنوں کے بل زمین پر گرا، اس کے بعد اُس نے کریم خان کے پاؤں پکڑ لئے۔ پھر انتہائی انکساری اور عاجزی سے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے محترم بھائی! تم سے ٹکرا کر میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ میرے بھائی! مجھے معاف کر دو۔ شاید میرا ضمیر سو گیا تھا یا میرے شعور میں وہ رشتے، وہ ناطے، وہ تعلقات جو تمہارے ساتھ تھے، واپس لاشعور کی طرف چلے گئے تھے اور میں تمہاری حیثیت، تمہارے ساتھ اپنے تعلق کو فراموش کر گیا تھا۔ میں اپنے ضمیر کو بھی ملامت کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے خلاف یہ کارروائی کیوں کی؟ میرے بھائی! میں کہیں نہیں جانا چاہتا۔ میری تم سے استدعا ہے کہ ایک عام لشکری کی حیثیت سے مجھے اپنے لشکر میں شامل کر لو اور تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں انسان اور مسلمان کا بچہ ہوا تو آنے والے دور میں جب تک میری سانسوں کا تسلسل جاری رہا، تمہارا جانثار اور مخلص بن کر رہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ آزاد خان کے ان الفاظ پر میرا بھائی کریم خان اعتبار اور اعتماد کرے گا۔''

جب تک آزاد خان بولتا رہا، ہلکی ہلکی مسکراہٹ، دھیمے دھیمے انداز میں کریم خان اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آزاد خان جب خاموش ہوا تب ایک غائر نگاہ کریم خان نے اس کے چہرے پر ڈالی، اس کی آنکھوں میں جھانکا، اس کے بعد اسے پیچھے ہٹایا۔ اس کا شانہ تھپتھپایا، پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا۔

''اگر تم ایک سالار، ایک بھائی کی حیثیت سے میرے لشکر میں شامل ہونا چاہتے ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ تمہاری حیثیت میرے ہاں وہی رہے گی جو پہلے تھی۔ اور تمہارا مقام میرے لشکر میں عالم خان اور علی خان جیسا رہے گا۔''

اس کے ساتھ ہی آزاد خان کو پکڑ کر کریم خان نے اٹھایا، خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی کریم خان نے اپنے بازو پھیلا دیئے تھے۔ اُس کے اس طرح بازو پھیلانے پر آزاد خان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر وہ آگے جھپٹا اور بڑی گرم جوشی سے کریم خان سے گلے مل گیا تھا۔

کچھ دیر تک یونہی دونوں گلے ملے رہے۔ اس موقع پر کریم خان کے شانے پر اپنا چہرہ رکھتے ہوئے آزاد خان رو دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے کریم خان نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، بڑی اپنائیت اور شفقت میں کہنے لگا۔

''آزاد خان! تمہاری آنکھوں سے گرنے والے ندامت کے یہ آنسو میرے لئے نایاب گوہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب پچھتاؤ نہیں، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس ٹکراؤ کو بھول جاؤ۔ ذہن سے یہ حادثہ نکال دو۔ بس یوں جانو اب میں اور تم دونوں نے اپنے متحدہ دشمنوں کے خلاف حرکت میں آنا ہے۔''

پھر آزاد خان علیحدہ ہوا، اپنی آنکھیں اس نے خشک کیں اور کہنے لگا۔

''خداوند قدوس نے زندگی دی تو میرے عزیز بھائی! پہلے کی طرح تمہارے تحت تمہاری بہتری اور بھلائی کے لئے کام کرتا رہوں گا۔''

اس کے بعد کریم خان کے کہنے پر سب حرکت میں آئے اور لشکریوں کے لئے وہاں پڑاؤ قائم کیا جانے لگا تھا۔

⁂

حسن قاچار اور اس کے دونوں بیٹے حسین قاچار اور محمد خاں ایک روز یکجا ہوئے۔ پھر حسن قاچار اپنے دونوں بیٹوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے بچو! جو اندازے تم لگا رہے تھے وہی ہوا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ایک بات ہمارے اندازوں کے خلاف ہوئی اور وہ ہمارے لئے نقصان کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ ہمارا یہ اندازہ تو درست ثابت ہوا کہ آزاد خان کو کریم خان کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور یہ شکست آزاد خان کو ہو چکی ہے۔ لیکن دوسری بات ہمارے اندازوں کے خلاف ہوئی ہے۔ اس لئے کہ آزاد خان شکست اٹھانے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ اس کے بہت سے لشکری بھی اسیر ہوئے اور حیرت کی بات ہے کریم خان نے اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی، اسے معاف کر دیا بلکہ اسے کچھ مراعات دینے کا بھی اعلان کیا جس سے آزاد خان متاثر ہوا اور آزاد خان اب ایک سالار کی حیثیت سے کریم خان کے لشکر میں شامل ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ جو اس کے بچے کھچے ساتھی تھے وہ بھی کریم خان کے لشکر کا حصہ بن چکے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار رکا، پھر کہنے لگا۔

''میرے عزیز بیٹو! جو کچھ میں نے کہا ہے اس تک کی خبر تم دونوں کو بھی ہے۔ اب آگے میں وہ کچھ کہنے لگا ہوں جسے اپناتے ہوئے ہم کریم خان کے خلاف فتح مندی اور کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس وقت استر آباد میں ہمارے پاس ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ ایسا لشکر تو کسی دور میں نادر شاہ کے پاس بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ کریم خان کو اپنے سامنے زیر کرنے کے لئے

میں چاہتا ہوں اس کی طاقت وقوت کو بکھیر دیا جائے۔ دیکھو! یہ بات تم دونوں بھائی بھی تسلیم کرتے ہو کہ کریم خان جنگ کا بہترین تجربہ رکھتا ہے اور وہ ایک نایاب سالار بھی ہے۔ اور اب آزاد خان بھی اس کے ساتھ مل گیا ہے۔ اس طرح سے اس کی طاقت و قوت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں ہم بیک وقت کریم خان کے لئے دو محاذ کھولیں۔ پہلا ہرات کا، دوسرا مازندران کا۔ ایک لشکر ہرات کی طرف روانہ کریں تاکہ ہرات پر قبضہ کر لیا جائے اور اگر ہرات پر ہم قابض ہو گئے تو یاد رکھنا کریم خان کو اپنے سامنے زیر کر لینا ہمارے لئے کوئی مشکل مرحلہ نہیں رہے گا۔ ہرات ایک ایسا شہر ہے جس پر قبضہ کرنے سے ہمیں نہ صرف شہرت حاصل ہو گی بلکہ ہماری طاقت وقوت میں بھی ایسا اضافہ ہو گا کہ کریم خان کو ہمارے سامنے جھکنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ ہرات ایک قدیم اور برکت والا شہر ہے اور لوگوں کا خیال ہے کہ اس شہر پر حکمرانی کرنے والا ہی فتح مند اور کامیاب رہتا ہے۔ اس لئے اس شہر سے کچھ روایات وابستہ ہیں جن کا کچھ کچھ تعلق اس شہر کی تعمیر سے بھی ہے۔''

یہاں تک کہتے کہتے حسن خان قاچار کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کا بیٹا محمد خان قاچار بول اٹھا۔ کہنے لگا۔

''بابا! گو میں آپ کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتا نہ اس پر میرا اعتقاد اور یقین ہے کہ جو ہرات کا حکمران ہو، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ اس سلسلے میں یا ہرات کی تعمیر سے متعلق آپ کے پاس کوئی خاص یا اہم تفصیل ہو تو میں اور میرا بھائی حسین اسے سننا پسند کریں گے۔''

محمد خاں قاچار کے اس سوال پر لمحہ بھر کے لئے حسن قاچار نے باری باری اپنے بیٹے حسین اور محمد خاں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''میرے بچو! میں تمہیں ہرات شہر سے متعلق تمہاری خواہش کے مطابق تفصیل بتاتا ہوں۔ میرے بچو! ہرات شہر سے متعلق ایک عجیب وغریب روایت مشہور ہے۔ جہاں تک اس شہر اور اس کی تعمیر کا تعلق ہے تو اس سے متعلق مختلف روایات ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ شہر ہرات کی بنیاد ایران کے بادشاہ طہمورس بن ہوشنگ بن فرست بن کیومرث کے عہد میں رکھی گئی۔ طہمورس کی زندگی ناز ونعم سے گزری تھی اور اس نے لمبی عمر بھی پائی تھی۔ اس کے ایامِ سلطنت میں جب اسے فتوحات کی وجہ سے نہایت

عظمت وعزت حاصل ہوئی تو وہ اپنے آپ سے باہر نکل بیٹھا۔ چونکہ اس نے اپنے سارے دشمنوں کو اپنے سامنے سرنگوں کر دیا تھا لہٰذا تکبر و گھمنڈ نے اسے ابلیس کے دامِ فریب میں ڈال دیا۔ اسی گھمنڈ، تکبر، تمرد میں اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ چنانچہ یہ دعویٰ کرنے کے بعد اس نے رعایا پر بھاری خراج عائد کر دیئے جس سے غریب لوگوں کے علاوہ متوسط طبقہ ہی نہیں، امراء اور اشراف بھی کبیدہ خاطر ہونے لگے تھے۔

چنانچہ بادشاہ کے اس رویے سے تنگ آ کر لوگ اس کے علاقوں سے نکل نکل کر دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہونے لگے تھے تاکہ سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔

انہی دنوں قندھار کے تقریباً پانچ ہزار صحرانشین بادشاہ طہمورس کے ظلم وستم سے تنگ آ کر قندھار شہر سے نکلے اور موجودہ شہر کابل کی طرف منتقل ہوئے۔

وہاں کچھ عرصہ ٹھہرنے کے بعد جب اس جگہ بھی انہیں عشرت کی بجائے عسرت کا سامنا کرنا پڑا اور وہاں کی آب و ہوا بھی انہیں راس نہ آئی تو وہ غور کے علاقے کی طرف بڑھ گئے۔ غور میں بھی جب خوشحالی نہ پائی تو آگے چل کر انہوں نے ایک اور مقام پر بود و باش اختیار کر لی۔ وہ علاقہ انہیں راس آیا، خوشحالی بھی نصیب ہوئی اور وہاں انہوں نے عالی شان عمارتیں تعمیر کیں اور وہاں انہیں بے شمار نعمتیں بھی میسر ہوئیں۔

بہرحال وہاں رہتے ہوئے وہ لوگ صاحب ثروت اور متمول ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے اندر باہمی تنازعات اور اختلافات پیدا ہو گئے۔ ہوا یوں کہ ان لوگوں کے اشراف میں سے ایک نوجوان نے وہاں کے ایک صحرائی قبیلے کی حسین و خوبصورت دوشیزہ پر دست اندازی کی جس کے نتیجہ میں وہ لڑکی ماں بننے والی ہو گئی۔ جب اس قوم کے مشائخ اور بزرگ شخصیات کو اس معاملے کا پتہ چلا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا نکاح اسی نوجوان سے کر دیا جائے تاکہ بدنامی اور فتنہ اور انتشار سے بچا جا سکے۔ مگر نوجوان کے قبیلے والوں نے کہا کہ ہم ایک اعلیٰ حسب ونسب رکھنے والے لوگ ہیں جبکہ اس لڑکی کے حسب ونسب کا کوئی پتہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نوجوان کی اس سے شادی نہیں کی جا سکتی۔ اس بناء پر قبیلے کے لوگ نوجوان سے اس لڑکی کے نکاح پر رضامند نہ ہوئے۔

آخر معاملہ جنگ و جدل تک پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ ایک فریق غالب آ گیا اور شکستہ فریق ان سے نکل کر وادیٔ شط میں گواشان الوپان کے مقام پر آ گیا جہاں کئی سال قیام کیا

مگر وہاں سے بھی غالب فریق ان سے مویشیوں کی صورت میں ہر سال خراج لیتا رہا۔ وہ اس مقام پر بھی نہایت ذلت اور خواری کی زندگی بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ان کے قبیلے کی تعداد کافی بڑھ گئی۔ چنانچہ ان حالات میں ایک انتہائی خوبصورت اور پُر جمال عورت اُن کی حکمران بن گئی اور اس خوبصورت حسینہ کا نام شمیرہ بنت جسمان افریدون تھا۔ اور یہ کیومرث کی اولاد تھی جو ایران کے شروع کے حکمرانوں میں سے ایک تھا۔

شمیرہ نام کی یہ عورت جب اپنے قبیلے کی حکمران بنی تو اس نے اپنی قوم کے ساتھ انتہائی مہربانی، انتہائی شفقت سے پیش آنا شروع کیا۔ کچھ عرصہ تک اپنی قوم پر حکمرانی کرنے کے بعد اس خوبصورت عورت نے اپنی قوم کے سرکردہ لوگوں کو بلایا اور کہا۔

''ہم کب تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ اپنے مخالف گروہ کے باج گزار بنے رہیں گے؟ میرے ذہن میں ایک ترکیب آتی ہے۔ تم لوگ بدستور میرے ساتھ اتفاق کرو تو بہت جلد ہم اس ذلت کی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔''

اپنی حکمران خاتون شمیرہ کے یہ الفاظ سن کر قوم کے سارے سرکردہ لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا اور اپنی حکمران شمیرہ کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''ملکہ عالیہ کی ہر بات کے سامنے ہم اپنا سر تسلیم خم کر دیں گے اور ایسا کرنا ہم اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔ ہم اب ایک قوی اور صاحبِ ثروت قوم ہیں۔ اب ہماری عزت کی بحالی کے لئے جو مصلحت بھی بہتر سمجھیں کریں، ہم آپ کا پوری طرح ساتھ دیں گے۔''

چنانچہ شمیرہ اپنی قوم کے جواب سے مطمئن ہو گئی۔ پھر کہنے لگی۔

''اے میری قوم! مصلحت یہ ہے کہ ہم یہاں پر آہستہ آہستہ ایک مضبوط قلعہ بنا لیں تاکہ حملہ آوروں کے سامنے مدافعت کر سکیں۔ ہمیں چاہئے کہ فریق ثانی کو چار سال کا خراج اکٹھا دے دیں تاکہ وہ اس عرصہ میں ادھر نہ آئیں اور ہم اپنے قلعے کی تعمیر پُرسکون انداز میں اپنے انجام تک پہنچا دیں۔''

قوم کے سارے افراد اور سرکردہ لوگوں نے اپنی حکمران خاتون شمیرہ سے اتفاق کیا تھا۔ اس وقت ان کے مخالف قبیلے کے حکمران کا نام حیاتلہ تھا۔ چنانچہ شمیرہ نے حیاتلہ کے نام ایک خط لکھا جس میں اسے تحریر کیا۔

''آپ کے ہر سال خراج وصول کرنے والے کارندے آتے

ہیں اور زحمت اٹھاتے ہیں۔ ہم ان کو شایانِ شان تحفے نہیں دے پاتے۔ اس لئے اب ہم نے سوچا ہے کہ چار سال کا اکٹھا مال آپ کے حوالے کر دیں تاکہ آپ کی طرف سے ہمیں پریشانی نہ رہے اور آپ بھی مطمئن رہیں۔''

شمیرہ کا یہ پیغام سن کر مخالف قوم کا حکمران حیاتلہ بڑا خوش ہوا اور اس نے بہتر اور غنیم سمجھتے ہوئے چار سال کا خراج وصول کرنے کے لئے اپنی قوم کے ایک شخص فرون بن کونان کو بھیجا جو ایران کے بادشاہ ہوشنگ کی اولاد سے تھا۔

چنانچہ خراج ادا کرنے کے بعد شمیرہ کی قوم نے اس عرصہ میں موجودہ ہرات شہر کے شمال میں قلعہ شمیران کو ایک خندق کے ساتھ متصل کر کے تعمیر کر دیا جس کی دیواریں نہایت بلند اور باشکوہ بنائی گئی تھیں۔ اس طرح تین فرسنگ کی حدود میں ایک نہایت پسندیدہ دیوار قائم کر دی گئی تھی۔ ہر فرسنگ پر ایک دروازہ آہنی بنا دیا گیا تھا۔ ہر دروازے پر دربان اور دس نگہبان مقرر کر دیئے گئے تھے۔

چنانچہ چار سالوں کے بعد جب مخالف قبیلے کے بادشاہ حیاتلہ کے عمال خراج کے لئے آئے تو انہوں نے اپنے مخالفوں کا جو وہ قلعہ دیکھا تو دنگ رہ گئے اور خراج وصول کرنے کے بعد واپس لوٹ گئے اور اپنی قوم کو جا کر حال سنایا جس سے وہ لوگ بے حد متاثر ہوئے اور آئندہ خراج لینے کے لئے نہ آئے۔

چنانچہ وہ قوم کئی سال اپنی حکمران شمیرہ کی کمانداری میں اسی کے نام سے آباد کردہ قلعے اور شہر شمیران میں گزر بسر کرتی رہی۔ حتیٰ کہ ایران کے بادشاہ منوچہر کے زمانے میں یہ قوم اپنی کثرتِ تعداد میں بھی بے حساب ہوگئی۔ اس وقت شمیران کے بعد ان پر ایک شخص جو حکومت کرتا تھا اس کا نام خرنوش تھا۔ اسی خرنوش کے دور میں ایک شخص خرنوش کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا تعلق اسی قوم سے تھا اور وہ سرکردہ لوگوں میں سے تھا۔ اس نے خرنوش کو مشورہ دیا کہ وہ ایران کے بادشاہ کو تحریر کرے کہ وہ ہمیں اجازت دے کہ ہم ایک نیا شہر بسائیں کیونکہ شمیران میں اب ان کی آبادی بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ مکان تنگ ہو گئے ہیں اور جن سے ہم خود بھی تنگ آ گئے ہیں۔

چنانچہ خرنوش نے ایران کے بادشاہ کو خط لکھا جس کے جواب میں ڈیڑھ ماہ کے بعد ایران کے بادشاہ کی طرف سے اجازت نامہ آ گیا اور نیا شہر تعمیر کرنے کی اجازت مل

گئی۔ یہ اجازت اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ملی تھی۔

اجازت ملنے کے بعد خرنوش نے شہر کی بنیاد ڈالنے کا عزم کر لیا اور خزانے کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ماہرین و کاریگروں کو بہت مال و متاع دیا تاکہ نیا شہر تعمیر ہو اور شہر کا نام قندر رکھا جائے۔ چنانچہ شہر کی تعمیر شروع ہوئی اور شہر کے گرد عظیم دیوار بھی بنا دی گئی۔ اس شہر کی تعمیر اس طرح کی گئی کہ پہلے سے تعمیر ہونے والا شمیران کا قلعہ شہر کے اندر آ گیا اور نیا تعمیر ہونے والا شہر قندر کے نام سے مشہور ہوا اور قلعہ شمیران اس کا ایک حصہ بن گیا۔

جو شہر تعمیر ہوا اس کی فصیل کا عرض 30 گز رکھا گیا اور بلندی 50 گز بنائی گئی تھی۔ اس پر برج نصب کر دیئے گئے تھے جس کے گرد عظیم خندق بنائی گئی تھی جس میں پانی بھر دیا جاتا تھا۔ اس کی اندرونی اور بیرونی دیواروں کو مستحکم بنایا گیا تھا۔

قندر نام کے اس شہر کے اندر ایک بڑا میدان چھوڑ دیا گیا تھا۔ ساڑھے بارہ سال تک اس شہر کی تعمیر کا کام ہوتا رہا اور مکمل ہوا۔ اس طرح ایک مضبوط اور بلند شہر، محکم قلعہ اور مضبوط برجوں والی فصیل بھی اپنے اختتام کو پہنچی۔

آخر کار ان کی آبادی ایسی بڑھی کہ قندر شہران کے لئے تنگ دکھائی دینے لگا اور وہ اس سے بھی گھبرانے لگے۔ اس وقت ان کا بادشاہ ارغاغوش تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بادشاہ ارغاغوش سے کہا کہ وہ ایران کے بادشاہ سے اجازت لے کر ان کے لئے قندر سے بھی بڑا شہر تعمیر کرے۔ کیونکہ موجودہ شہران کی آبادی کے لئے ناکافی ہوگیا ہے۔

چنانچہ ان کے نئے بادشاہ ارغاغوش نے ایران کے بادشاہ سے نئے شہر کی تعمیر کے لئے اجازت طلب کی۔ اس وقت ایران کا بادشاہ بہمن تھا۔ ارغاغوش کی عرض داشت کے جواب میں بہمن نے جواب دیا۔

''نئی عمارات کے لئے خزانہ متحمل نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر رعیت خود تعمیر کرنا چاہے تو نئے شہر کی تعمیر کی اجازت دی جاتی ہے۔''

چنانچہ اہالیانِ قندر نے کہا کہ ہم ازخود یہ کام کریں گے۔ چنانچہ ان کے بادشاہ ارغاغوش نے ماہر کاریگروں، صناعوں کو یکجا کیا تاکہ وہ اندازہ لگائیں کہ ہر روز کتنے آدمی کام کر سکتے ہیں کہ شہر کی تعمیر جلد از جلد مکمل ہو جائے۔

چنانچہ ہر روز سولہ ہزار افراد کام پر لگائے گئے۔ چاروں طرف چار چار ہزار آدمی

مقرر کر دیئے گئے تا کہ شہر کی تعمیر کو انجام تک پہنچایا جا سکے۔ شہر کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے ماہر نجومی اور ستارہ شناسوں کو جمع کیا گیا تا کہ وہ ستاروں کا حساب لگا کر بتائیں کہ کون سا وقت مناسب ہے کہ شہر کی تعمیر کی بنیاد رکھی جا سکے۔

چنانچہ تعمیر کی ابتداء کرنے کے لئے سولہ ہزار مزدوروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اینٹیں اٹھا لیں۔ حساب لگانے کے لئے نجومی بیٹھ گئے تھے کہ جونہی نجومی اپنا فیصلہ دیں اسی وقت شہر کی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے۔

کہتے ہیں جس وقت نجومی اپنا حساب کتاب لگا رہے تھے اسی وقت وہاں جو مزدوروں کے اہل خانہ تھے ان میں سے ایک عورت روٹیاں پکا رہی تھی جس کے سامنے بچہ کھیل رہا تھا۔ اچانک بچے نے پکنے والی روٹیاں اُٹھا لیں تو عورت غصہ میں زور سے چلّائی اور کہنے لگی۔

''رکھ دو۔''

اس آواز پر وہ سولہ ہزار مزدور چونکے، ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ چنانچہ سب یہی سمجھے کہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ اینٹیں رکھ دو۔ بس یہ لفظ سنتے ہی تمام مزدور ایک دم حرکت میں آئے اور وہ شہر کی بنیادیں جو کھودی جا چکی تھیں ان کے اندر اینٹیں رکھ دیں۔

جس وقت اینٹیں رکھی گئیں مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ ستارہ ثور کے طلوع کا وقت تھا۔ چنانچہ جب اس حقیقت کا علم ان کے بادشاہ ارغاغوش کو ہوا تو اس نے اسے ایک بدشگونی سمجھا۔ چنانچہ یہ معاملہ نجومیوں اور ستارہ شناسوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ نجومیوں نے بتایا کہ ان کے ملک پر ثور پر زہرہ کے اثرات مرتب ہیں اس لئے اس شہر کے لوگ ہمیشہ عیش پسند ہوں گے اور خوش الحان ہوں گے۔ چونکہ مریخ ان کے طالع پر نظر رکھتا ہے اس لئے دلیر اور جنگجو بھی ہوں گے۔ یہ لوگ جنگ و جدل کو پسند کریں گے۔ ان کی اولاد کم عمری ہی سے بہادر ہو گی اور یہ لوگ اسی شہر میں کئی بادشاہوں اور حملہ آوروں کو قتل بھی کریں گے۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں دولت نہ ٹھہرے گی۔ اکثر درویش حال ہوں گے۔ سخاوت اور کھانا کھلانا ان کا شعار ہو گا۔ غرباء اور اہلِ صنعت کے لئے یہ شہر سازگار ہو گا۔ اس شہر میں اولیاء، علماء، زاہد اور عابد قیام کریں گے۔ یہاں کی خوشگوار آب و ہوا کے باعث جو کوئی بھی چند روز کے لئے آئے گا کئی ماہ تک بلکہ کئی

سال تک اسی میں رہ جائے گا۔ جو شخص اس شہر اور یہاں کی بربادی کا سوچے گا وہ خود ہی مٹ جائے گا۔

نجومیوں اور ستارہ شناسوں کے یہ الفاظ سن کر ارغاغوش بڑا مطمئن اور خوش ہوا اور لوگوں کو تعمیرات شروع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سولہ ہزار آدمی آٹھ سال تک اس کام پر لگے رہے اور عمارتیں جب بلندی کو پہنچ گئیں تو چار سال تک کام روک دیا گیا تا کہ دیواریں جہاں تک زمین میں بیٹھنا چاہیں بیٹھ جائیں۔ اس کے بعد پھر ان پر آٹھ سال کام ہوا اور عمارتیں مکمل کی گئیں۔

شہر میں ہزار گلیاں رکھی گئیں۔ قلعے کے اندر 211 کمرے رکھے گئے جن کے اندر چار دروازے قائم کئے گئے اور ہر دروازے کا علیحدہ نام رکھا گیا۔ پہلے دروازے کا نام فیروز آباد، دوسرے کا باب سرا، تیسرے کا دروازۂ خشک اور چوتھے کا دروازۂ قندر رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے یہ ایک ایسا شہر تھا جس کی دنیا میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک مثال نہ ملتی تھی اور اسی شہر کا نام ہرات رکھا گیا تھا۔

اس شہر سے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ ہرات اور قندر دراصل پانی کی گزرگاہ تھے۔ آنے جانے والوں کے راستے یہیں سے گزرتے تھے اور اس کا نواح و اطراف نشیبی تھا۔ وہاں بھیڑیوں اور گورخروں کی بھی چراگاہیں بن چکی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وحشیوں کا وطن ہو یا شور و غوغا کی وادی ہو۔ وہاں موسم سرما، خزاں اور گرمی میں چیتوں اور درندوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہاں انگور کے باغات اور گل لالہ کی بجائے کانٹے دار سرکنڈے اور خاردار جھاڑیاں اُگتی تھیں۔ انہی خارزاروں میں جب سکندر کی بادشاہی مسلّم ہو گئی تو اس نے ہرات کی تعمیر مکمل کرائی۔ اس نے برج بنوائے جو صلیبی مربع شکل میں تھے۔ جب ایران میں اشک بن دارا کی حکومت آئی جو ہرات کا رہنے والا تھا تو اس نے سکندر کے برجوں کی ہیئت بدل کر انہیں مدوّر کر دیا تھا تا کہ سکندر کے نشانات نہ رہیں۔ دیواروں کو اس نے زیادہ بلند کر دیا اور خندق کو مزید گہرا کیا گیا۔

ہرات شہر سے متعلق تیسری روایت یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد سب سے پہلا قلعہ شمیران تعمیر کیا گیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہرات ایران کے بادشاہ ضحاک کی بیٹی کا نام تھا جس نے ہرات شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس نے پہلے قصبہ اُوبا کو آباد کیا، اس کے

بعد شہر ہرات اور بادویس تعمیر کروایا۔

ہرات شہر سے متعلق چوتھی روایت یوں ہے کہ سکندرِ اعظم نے اپنی والدہ سے مشورہ کیا کہ ہرات آ کر شہر بسائے اور قلعہ تعمیر کرائے۔ اس وقت شہر قندر کے بغیر کوئی اور وہاں آبادی نہ تھی۔ چنانچہ سکندر نے قندر پر حملہ آور ہو کر وہاں کی آبادی کو خوب ہلاک کیا۔ مال مویشی اور غلاموں کو پکڑ کر اپنی گرفت میں کر لیا۔ اس وجہ سے قندر کے لوگ بڑی مصیبت میں آئے۔

کہتے ہیں سکندر کی والدہ نے ایک سال سے زیادہ سکندر کو وہاں قیام کرنے کی اجازت نہ دی۔ سکندر نے قندر پہنچ کر ہرات شہر کی تعمیر شروع کرا دی تو اہالیانِ ہرات نے بڑی خوشامد سے اس کی تعریف شروع کر دی۔ انہوں نے سکندر کو مخاطب کر کے کہا۔

''اے بادشاہ! دنیا کے میدان سے تیری سلطنت کی ابتداء ہوتی ہے اور تیری مملکت سلیمانؑ کی مملکت سے کچھ کم نہیں اور تیرے انصاف کے بغیر یہ جہان ظلمت کدہ بن جائے گا۔ تیری شان و شوکت والی سواری کے بغیر آسمان بے رونق دکھائی دیتا ہے۔ تُو اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے اور تیرے حکم کے بغیر کسی شخص کو سورج کے بغیر رنگ و بُو حاصل نہیں ہوتی۔ نہ آنے جانے والا تیری گلی میں وارد ہوتا ہے۔ تیری رحمت و انصاف کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوتا۔''

قندر والوں نے اس قسم کے الفاظ سے سکندر کی بے حد تعریف کی۔ ساتھ ہی انہوں نے چپکے چپکے ہرات شہر کی تعمیر پر اپنی نارضامندی کا بھی اظہار کر دیا اور اس کام میں بادشاہ کی معاونت بھی نہ کی۔

ان کے اس رویے سے سکندر بڑا مایوس ہوا اور دو سال تک اس نے وہاں قیام کئے رکھا۔ سکندر کی والدہ نے اس دوران خط لکھا اور اسے طلب کیا۔

سکندر کو خط ملنے پر پریشانی ہوئی۔ وہ جس دروازے پر بیٹھا ہوا تھا اس دروازے کا نام خوش تھا۔ چنانچہ ماں کا خط پڑھ کر وہ ایسا پریشان ہوا کہ دروازے کا نام اس نے باب خوش سے خشک رکھ دیا۔ مگر اس روایت کو کچھ مؤرخین صحیح خیال نہیں کرتے۔ کیونکہ بادشاہ کسی چیز کو فال کے طور پر مبارک یا منحوس نہیں کہتے تھے۔ ہرات کے دروازوں میں سب سے زیادہ صاف و شفاف بھی وہی دروازہ رہا ہے اور تمام متقدمین، شعراء اور

مؤرخین نے بھی اس دروازے کو خوش کے نام سے لکھا ہے اور کسی نے اسے خشک نہیں لکھا۔

سکندر اعظم کو جب اس کی ماں کا خط ملا تو اس نے جواباً اپنی ماں کو لکھا کہ اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندے اس کے احکام نہیں مانتے اور شہر ہرات کی تعمیر پر راضی نہیں ہیں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ان سے یہ کام سختی سے کرایا جائے۔ کیونکہ ایسا کروں گا تو میرا نیک نام ظلم اور تعدی میں بدل جائے گا۔

سکندر اعظم کے اس خط کے جواب میں اس کی ماں نے لکھا۔

''اے بیٹے! اس شہر کے ہر کونہ کی مٹھی بھر مٹی میرے پاس بھیج دے تاکہ میں اس مسئلہ کی اصلاح کے لئے تدبیر سوچوں۔''

چنانچہ سکندر نے وہاں کی مٹی کا ایک انبار ماں کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس کی ماں نے اس مٹی پر کچھ نرم، کچھ گرم اور سخت الفاظ کہے، بعد ازاں کہا کہ اس مٹی میں فرمانبرداری کی علامت موجود ہے۔ پھر اس مٹی کو فرش پر بکھیر دیا۔ اس پر قالین اور چادریں بچھوائیں۔ اس کے بعد یونان کے اشراف اور اہلیان کو اس پر بٹھایا اور دریافت کیا کہ ان کے خیال میں سکندر کو ہرات کا شہر تعمیر کرنا چاہئے یا نہیں؟

تمام درباریوں نے مختلف جملے کہنے شروع کر دیئے اور ان جملوں کے بعد انہوں نے کہا۔

''ملکہ عالم! اس شہر کی تعمیر قرین مصلحت نہیں۔ کیونکہ وہ سرحدی علاقہ ہے اور بادیس کی وجہ سے جو اس کے قریب ہے اکثر وہاں فتنے کھڑے ہوتے ہیں اور حملے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سبب سے ہرات کے لوگ وہاں کی ملکیت کو پسند نہیں کرتے۔''

اس کے بعد ملکہ نے وہ مجلس برخواست کر دی۔ دوسرے روز ملکہ یعنی سکندر کی ماں نے فرش سے وہ مٹی اُٹھوا کر بوروں میں بھروا دی۔ درباری اور مشیر یکجا ہوئے۔ اسی جگہ ملکہ نے انہیں بٹھایا پھر ملکہ نے ان سے وہی سوال کیا تو سب نے با اتفاق کہا کہ سکندر نہایت ایک عمدہ مقصد میں مصروف ہے اور اسے وہ کام کرنا ہی چاہئے۔

اس پر ملکہ نے سکندر کو لکھا۔

''اے بیٹے! جو مٹی تُو نے میری طرف بھیجی ہے اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ہرات کے لوگ متذبذب اور پریشان ہیں۔ تُو

ان سے مدد مانگ اور نہ ان سے امداد لے۔ خود ہی اپنے طور پر شہر کی تعمیر کا کام مکمل کر لے۔ اور کوئی عمارت عدل و سیاست کے بغیر نہیں ٹھہرتی کے مصداق تُو عمل پیرا رہ۔''

سکندر کو جب اپنی ماں کا یہ خط ملا تو خوش ہوا اور خزانوں کے منہ کھول دیے۔ ہرات کی تعمیر پایہ تکمیل تک پہنچائی۔

ایک روایت کے مطابق جس روز ماں کا خط اسے ملا اس وقت وہ ایک ہزار سات سو افراد کو سیاست کی بناء پر قتل کر چکا تھا۔ بعض کو ڈنڈوں سے مروایا اور بعض کو قلعہ کی دیوار میں چن دیا۔ جب شہر مکمل ہو گیا تو خراسان اور ہرات کے علاوہ دیگر مقامات سے بھی لوگوں کو ہرات میں جمع کیا گیا۔ اس طرح ہرات آباد ہوا۔

ہرات شہر سے متعلق پانچویں روایت یہ ہے کہ شہر ہرات کو نمرود بن کنعان کے وقت میں بسایا گیا اور ہرات خراسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام بھی تھا۔

اس شہر سے متعلق چھٹی روایت یہ ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے تعمیر کیا تھا۔ پہلے بنیاد اور تعمیر کے بعد کا کام پادریوں نے اپنے ذمہ لیا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی منتشر ہو گئے تو ان میں سے چار حواری ہرات آئے اور ہرات میں چند سال قیام کیا۔ ان لوگوں پر حاکم ہو گئے اور ہرات کی تعمیر کی خواہش کی کہ اس وقت ہرات برباد ہو چکا تھا اور وہاں بہت تھوڑے لوگوں کے رہنے کی گنجائش تھی۔ چنانچہ اس طرح ان لوگوں نے ہرات کو پھر آباد کیا۔

ہرات شہر سے متعلق ساتویں روایت یہ ہے کہ ہرات کی دیوار کو تین افراد نے تعمیر کیا۔ سب سے پہلے ایران کے بادشاہ طاؤس بن کیکاؤس نے شہر کی اندرونی دیوار کو تعمیر کیا۔ سکندر اعظم نے بیرونی دیوار تعمیر کروائی اور دارا بن دارا نے برجوں کو مدوّر کرایا۔ اس طرح روایت کے مطابق ہرات شہر کی تعمیر ہوئی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جب حسن قاچار خاموش ہوا تو اس کے سامنے بیٹھے اس کے دونوں بیٹے حسین قاچار اور محمد خاں قاچار کچھ دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے اس کے بعد فتح محمد قاچار نے اپنے باپ حسن قاچار کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''اے میرے باپ! جو حالات آپ نے ہمیں ہرات شہر سے متعلق بتائے ہیں ان

سے نہ صرف یہ کہ ہمارے علم میں اضافہ ہوا ہے بلکہ میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ تفصیل ہم پہلے دونوں بھائی نہیں جانتے تھے۔ ہرات کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں ہرات پر حملہ آور ہو کر اس پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ اس طرح ہماری عسکری قوت بہتر اور مستحکم ہو جائے گی اور پھر دیر اور تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ فی الفور لشکر کو ہرات کی طرف پیش قدمی کرنی چاہئے اور ہرات شہر پر قبضہ کر لینا چاہئے۔''

اپنے بیٹے محمد خان قاچار کی اس گفتگو سے حسن قاچار بڑا خوش ہوا تھا۔ کچھ دیر مسکراتا رہا، پھر کہنے لگا۔

''میرے بیٹے! تم نے میری دلی کیفیت کی ترجمانی کر دی ہے۔ ہرات کے ساتھ ساتھ میں ایک اور مقام پر بھی اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھنا وہ مازندان ہے۔ مازندان بڑی اہمیت کا علاقہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ بیک وقت ہرات اور مازندان دونوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا جائے، اس کے بعد اپنی طاقت اور قوت کو یکجا کر کے کریم خان کے خلاف حرکت میں آیا جائے۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو میں تم دونوں بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ کریم خان اس کے بعد ہمارے سامنے زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے گا اور اس کی طاقت و قوت ہمارے سامنے شیراز ہی نہیں، اصفہان کے سامنے بھی سرنگوں ہو جائے گی۔ جس روز ایسا ہوا میں جانوں گا وہ میری زندگی کا سب سے اہم دن ہو گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار جب خاموش ہوا تب اس کا بڑا بیٹا حسین قاچار اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہوئے کہنے لگا۔

''اے میرے باپ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم دو بڑے لشکر ترتیب دیں۔ لشکر کا ایک حصہ ہرات کی طرف کوچ کرے، دوسرا مازندان کا رخ کرے اور بیک وقت دونوں علاقوں پر قبضہ کر لینا چاہئے؟''

حسین قاچار جب خاموش ہوا تب حسن قاچار تھوڑی دیر تک نفی میں گردن ہلاتا رہا پھر کہنے لگا۔

''میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا۔ میرے بچو! میں نہیں چاہتا کہ ہم اپنی عسکری طاقت و قوت کو تقسیم کر دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے اس کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اسے ہرات پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کر دیا جائے۔ باقی قوت کو

استر آباد میں محفوظ رکھا جائے۔ ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے اُظم ونسق کو درست کیا جائے گا۔ اس کے بعد مازندان کا رُخ کیا جائے گا۔ ہمیں صبر وتحمل سے کام لیتے ہوئے اپنی کارروائیوں کو انجام دینا ہوگا۔ بلکہ اس موقع پر میں یہ کہوں گا کہ کریم خان کو زیر کرنے کے لئے ہمیں اس کی طرف تدریجی انداز میں پیش قدمی کرنا ہوگی۔''

اس کے بعد حسن قاچار اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دونوں بیٹوں حسین قاچار اور فتح محمد قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اب اُٹھو۔ میرے ساتھ آؤ۔ ایک لشکر ترتیب دیتے ہیں اور اسے چند روز تک ہرات شہر کی طرف روانہ کریں گے۔ ان چند روز میں وہ لشکر اپنے کوچ کی تیاریوں کو آخری شکل دے لے گا۔ اور مجھے امید ہے ہرات میں اس وقت کوئی بڑی مخالف قوت نہیں ہے۔ جو لشکر ہم اس کی طرف روانہ کریں گے، میرا اندازہ ہے کہ بڑی آسانی سے وہ لشکر ہرات شہر پر قابض ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہماری اور کریم خان کی طاقت میں توازن آ جائے گا۔ جس طرح کریم خان کے پاس اس وقت اصفہان اور شیراز دو بڑے شہر ہیں اور وہاں اس نے اپنی عسکری قوت کو جمع کر رکھا ہے، ہرات کو فتح کرنے کے بعد ہمارے پاس بھی عسکری قوت کے دو بڑے شہر ہرات اور استر آباد ہو جائیں گے۔ اور اگر ہرات پر گرفت کرنے کے بعد ہم مازندان پر بھی حملہ آور ہو کر اسے زیر کر لیتے ہیں تو پھر کریم خان کے مقابلے میں ہماری عسکری حیثیت مضبوط اور مستحکم ہو جائے گی۔''

حسین اور محمد خان قاچار دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا ہرات پر حملہ آور ہونے والے لشکر کا تعین کرنے کے لئے وہ مستقر کی طرف ہو لئے تھے۔

کریم خان اور اس کا ننھا بیٹا ابوالفتح ایک روز گھڑ دوڑ کے بعد شیراز کے قصر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ تھوڑا سا ہی آگے گئے ہوں گے کہ قصر کے خدام میں سے کچھ بھاگتے ہوئے آئے اور ان دونوں کے گھوڑوں کو لے کر اصطبل کی طرف چلے گئے۔

کریم خان اپنے بیٹے ابوالفتح کا ہاتھ پکڑ کر قصر کے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ اس کمرے میں پہلے سے روزبہ اور اس کی خادمہ سروج بیٹھی کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ دونوں نے جب کریم خان اور ابوالفتح کو دیکھا تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دونوں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سب سے پہلے روزبہ آگے بڑھی، بڑے پیارے انداز میں اپنے بیٹے ابوالفتح کے سامنے جھک کر اس کی پیشانی چومی، پھر بیٹھ گئی، اسے گلے لگایا۔ اس کے بعد کھڑی ہو کر ایک میٹھی اور پیار بھری نظر اپنے شوہر کریم خان پر ڈالی اور کہنے لگی۔

''تھوڑی دیر پہلے قصر میں یہ خبر گردش کرنا شروع ہوئی ہے کہ آپ ایک لشکر لے کر شیراز سے نکلنے لگے ہیں۔ کیا آزاد خان کو زیر کرنے کے بعد جو علاقے اس وقت ہمارے تسلط میں ہیں ان پر ہماری حکومت مضبوط اور مستحکم نہیں ہوگئی؟''

جواب میں کریم خان نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''نہیں روزبہ! ابھی ان علاقوں میں بھی ہمیں استحکام نصیب نہیں ہوا۔ قاچاری برابر ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ یہ تو تم جانتی ہو قاچاریوں نے استر آباد کو اپنا مرکز بنا رکھا ہے اور اب جو خبریں ہمارے مخبر لے کر آئے ہیں ان کے مطابق چند روز تک قاچاریوں کا ایک لشکر ہرات پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوگا۔ قاچاری چاہتے

ہیں کہ جس طرح ہمارے پاس دو شہر اصفہان اور شیراز ہیں، ان کے پاس بھی دو شہر استر آباد اور ہرات ہونے چاہئیں۔ چنانچہ وہ ہرات پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور مجھے میرے مخبروں نے یہ بھی اطلاع کر دی ہے کہ ہرات پر گرفت کرنے کے بعد قاچاری یہ سوچ رہے ہیں کہ مازندان پر حملہ آور ہو کر مازندان پر بھی قبضہ کر لیں۔ اس طرح میرے مقابلے میں ان کی عسکری حیثیت بہتر اور مضبوط اور پُر قوت ہو کر رہ جائے گی۔

قصر کے اندر اگر یہ خبر گردش کر رہی ہے کہ میں لشکر لے کر نکلنا چاہتا ہوں تو یہ درست ہے۔ میں اور ابوالفتح پہلے گھڑ دوڑ کے لئے گئے تھے، پھر اس کے عسکری مکتب کا رخ کیا، وہاں سے میں مستقر گیا۔ سارے سالاروں سے بات کی اور اب میں لوٹ کر گھر آ رہا ہوں اور تم پر انکشاف کروں کہ کل لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ ہم ہرات کا رخ کریں گے اور قاچاریوں کے کسی بھی لشکر کو ہرات پر قبضہ نہیں کرنے دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہرات غیر جانبدار رہے۔ نہ ہم اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے اور نہ قاچاریوں کو اس پر قبضہ کرنے دیں گے۔ اس کے بعد قاچاری مازندان کو اپنا ہدف بنانا چاہتے ہیں تو یہاں بھی میں ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہوں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ میں قاچاریوں کو جنوب کی طرف پیش قدمی نہیں کرنے دوں گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے روزبہ پھر میٹھی آواز میں بول اٹھی۔

''آپ کی آمد سے پہلے میں اور سروج اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں اور ہم دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں گی۔''

روزبہ کے ان الفاظ پر کریم خان نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

''روزبہ! اگر تم لشکر میں شامل ہوتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ دوسرے سالاروں اور لشکریوں کے اہلِ خانہ بھی لشکر میں شامل ہوں گے۔ لیکن سروج کے لشکر میں شامل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ خواہ مخواہ ہمارے ساتھ جگہ جگہ دھکے کھاتی پھرے گی اور خیموں کی زندگی سے تنگ آ جائے گی۔''

اس پر سروج جھٹ سے بولی اور کہنے لگی۔

''میں قصر اور مکانوں کی زندگی سے خیموں کی زندگی کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ میں حضراتی زندگی پر خانہ بدوشانہ زندگی کو بھی ترجیح دیتی ہوں۔ آپ میری فکر نہ کریں

میں آپ لوگوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں گی۔ جب آپ جنگ میں مصروف ہوا کریں گے اور پڑاؤ میں روزبہ اکیلی ہو گی تو میں کم از کم اس کا دل تو بہلاتی رہوں گی۔''

سروج جب خاموش ہوئی تب کریم خان کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر تم دونوں لشکر میں شامل ہونا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن ابوالفتح یہیں رہے گا۔ اس لئے کہ اگر اسے بھی ہم ساتھ لے کر جاتے ہیں تو عسکری مدرسہ میں اس کی تربیت بری طرح متاثر ہو گی اور میں ایسا نہیں چاہتا۔''

روزبہ نے بھی اس سے اتفاق کیا کہ وہ اور سروج دونوں لشکر میں شامل ہوں گی جبکہ ان کا بیٹا شیراز ہی میں قیام رکھے گا۔ عسکری درس گاہ میں عملی تعلیم کو جاری رکھے گا۔

جب یہ فیصلہ ہو چکا تب کریم خان کہنے لگا۔

''میں ابوالفتح ہی کو چھوڑنے آیا تھا۔ میں ذرا مستقر کی طرف جاتا ہوں۔ سارے لشکر کا جائزہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر یہ طے کروں گا کہ کتنے بڑے لشکر کو ساتھ لے کر جانا ہے۔''

''آپ اپنے سالاروں میں سے کس کس کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے؟'' روزبہ نے بڑے غور سے کریم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں کریم خان کہنے لگا۔

''بڑے سالاروں میں سے عالم خان، علی خان، آزاد خان میرے ساتھ لشکر میں شامل ہوں گے۔ اس کے علاوہ کچھ مزید چھوٹے سالار بھی ہوں گے۔ اور مجھے امید ہے کہ ان کے ساتھ ہم ہرات شہر کی طرف قاچاریوں کی پیش قدمی کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی کریم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ روزبہ، سروج اور ابوالفتح کو وہیں بیٹھنے کے لئے کہا جبکہ خود وہ مستقر کی طرف چلا گیا تھا۔

اگلے روز کریم خان نے اپنے لشکر کے ساتھ ہرات کی طرف کوچ کیا تھا۔ روزبہ اور اس کی خادمہ سروج بھی کئی دوسری عورتوں کے ساتھ لشکر میں شامل تھیں۔

***

ہرات شہر سے دور ہی کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ قاچاریوں کے لشکر کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

چنانچہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہونے لگے تھے۔ اسی دوران کریم خان اپنے سالاروں میں سے آزاد خان، شیخ علی خان اور کچھ دوسرے چھوٹے بڑے ساتھیوں کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوا، اس کے بعد انہیں مخاطب کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں ہمارے مقابلے میں قاچاریوں کے لشکر کی تعداد زیادہ ہے لیکن ہم نے ان سے نمٹنا ہے۔ ماضی میں ہم اس سے بھی بڑے بڑے لشکروں سے ٹکرا کر اپنی فتح مندی اور اپنی کامیابی کا اعلان کر چکے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم جانفشانی، پوری جانثاری سے سرفروشانہ انداز میں اپنے خداوندِ قدوس کا نام لے کر اسے یاد کرتے ہوئے اور مدد کے لئے پکارتے ہوئے ضرب لگائیں تو کامیابی اور فتح مندی ہماری ہی ہوگی۔ اس موقع پر میں آپ سب لوگوں کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہوں اگر آپ لوگ اسے پسند کریں تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ اسے ختم کر دیا جائے گا۔

جس قدر لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے! اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا آزاد خان، تیسرا علی خان کی سرکردگی میں ہوگا۔ میں وسطی حصہ میں، میرے دائیں جانب عالم خان اپنے حصہ کے ساتھ ہوگا۔ بائیں جانب علی خان اور علی خان کے بائیں جانب آزاد خان اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے خلاف اپنی کارروائی کی ابتداء کرے گا۔ اس سے پہلے پورے کا پورا لشکر قاچاریوں پر حملہ آور ہوگا اور ان کے حملوں کو روکے گا اور جارحیت اختیار کرتے ہوئے جوابی کارروائی بھی کرے گا۔ اور جب جنگ کی بھٹی خوب بھڑک اٹھے گی تب آزاد خان اپنے کام کی ابتداء کرے گا۔ جو لشکر اس کی کمانداری میں ہوگا اور جو اس وقت ہمارے لشکر کے بائیں جانب دشمن کے خلاف برسرِ پیکار ہوگا اس لشکر کو یہ اپنے بائیں جانب آہستہ آہستہ ہٹائے گا۔ ساتھ ہی دشمن کا مقابلہ کرتا رہے گا۔ اس کے ایسا کرنے پر شیخ علی بھی اپنے کام کی ابتداء کرے گا۔ یہ بھی اپنے لشکر کو آہستہ آہستہ بائیں جانب بڑھائے گا۔ اس طرح شیخ علی خان دشمن کے دائیں پہلو سے پوری طرح ٹکرا جائے گا۔ اس طرح آزاد خان اپنے حصہ کے لشکر کو لے کر مزید بائیں جانب بڑھے گا اور تھوڑا سا چکر کاٹ کر اپنی پوری طاقت وقوت کے ساتھ قاچاریوں کے لشکر کے دائیں پہلو پر ضرب لگائے گا۔

اسی وقت سامنے کی طرف سے ہم بھی اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کر دیں گے۔ اور جب سامنے کی طرف سے بھی زور پڑے گا اور دائیں جانب سے آزاد خان بھی اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ قاچاریوں پر حملہ آور ہونا شروع ہوگا تو میرے خیال میں اتنی دباؤ کو، حملوں کو قاچاری ذرا دیر برداشت نہیں کر سکیں گے اور شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوں گے۔

اس موقع پر میرے عزیز ساتھیو! ایک بات یاد رکھنا۔ اگر ہرات کی طرف جاتی ہوئی شاہراہ کی طرف ہم قاچاریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو آنے والا دور ہمارے لئے سنہری ہوگا۔ اس شکست سے قاچاریوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے جبکہ ہمارے لشکریوں کے حوصلے جوان اور عروج پر آ جائیں گے اور آنے والے دور میں یہ جذبے قاچاریوں کے خلاف ہماری فتح مندی اور کامیابی کی ضمانت بنیں گے۔ میں تم لوگوں پر یہ بھی واضح کروں کہ قاچاریوں کے ساتھ ہماری جنگوں کو ایک طویل سلسلے میں سے گزرنا ہوگا۔ قاچاریوں کے پاس استر آباد میں اس وقت بہت بڑا لشکر ہے اور یہ جو لشکر ہمارے مقابلے کے لئے قاچاری لے کر آئے ہیں یہ تو ان کے بڑے لشکر کا ایک معمولی سا حصہ بھی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ قاچاریوں کو شمال کے کوہستانی جنگجو قبائل کی طرف سے بھی رسد اور کمک ملنے کے امکانات ہیں جن کی بناء پر ہمارے ساتھ وہ جنگوں کو طوالت دیں گے اور ہر صورت میں کوئی نہ کوئی حربہ، کوئی نہ کوئی جتن کرتے ہوئے وہ ہمارے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ جبکہ ہمارا کام یہ ہوگا کہ ان کی ہر تدبیر، ان کی ہر جدوجہد کو ناکام بنا دیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا، اس کے بعد آزاد خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آزاد خان! میرے عزیز بھائی! جو کچھ میں نے کہا ہے اگر تم اس سے اتفاق نہیں کرتے ہو تو پھر تمہاری جگہ میں یہ کام شیخ علی خان کے سپرد کرتا ہوں اور تم علی خان کی جگہ دشمن کا مقابلہ کرنا۔''

اس موقع پر آزاد خان، کریم خان کے قریب آیا اور بڑی عاجزی اور انکساری سے کہنے لگا۔

''میرے محترم! آپ کس قسم کی گفتگو کرتے ہیں۔ جو کام آپ میرے ذمہ لگا رہے

ہیں اس پر تو میں فخر کروں گا کہ مجھے آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے ایک ایسی مہم سونپی جارہی ہے جس مہم کی کامیابی پر دشمن پر ذلیل اور ذلت آمیز شکست طاری ہو جائے گی۔ میں بخوشی اس کام کو قبول کرتا ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس کام کو اس احسن طریقے سے انجام دوں گا کہ قاچاری دنگ رہ جائیں گے اور ان کے پاس ہمارے سامنے سے بھاگنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔"

آزاد خان کا یہ جواب سن کر کریم خان خوش ہو گیا تھا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ قاچاریوں کے لشکر کے اندر بڑے بڑے طبل بج اٹھے تھے جو اس بات کی نشاندہی تھے کہ قاچاری جنگ کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا کریم خان نے جلدی جلدی اپنے لشکر کی تقسیم اور ترتیب درست کی پھر سارے سالار اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے چلے گئے تھے۔

اس کے بعد قاچاریوں نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ ستم کے ابر سے برستے انتقام کے سرگرداں بگولوں کی طرح حرکت میں آئے اور پھر وہ وحشت کا وحشت سے سلسلہ ملاتے ہر شے کی ویرانیوں میں جھانکتے جبر و الم کے عذابوں، نشاطِ حرارت کی آشنائی اور سینوں میں جاگتی دھڑکنوں کو ماند کرتے سیاہ گھناؤنے عزائم کی طرح کریم خان کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

جواب میں کریم خان اور اس کے ساتھی سالار بھی جبر میں کھولتی آوازوں، آگ بھڑکاتی ہواؤں اور تشدد کے گہرے نشان چھوڑتے خونی انقلاب کی کروٹوں کی طرح حرکت میں آئے اور ایک ساتھ وہ بھی سماعتوں اور بصارتوں کی دہلیز کو اُلانگتی قضا کی آندھیوں، آرزوؤں کے صنم خانوں میں لہو کی شبنم بکھیرتے خوف و وحشت کے نوفانوں اور یادوں کے اُجالوں تک کو ادھیڑ دینے والے وقت کے آگے چلتے جھکڑوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکر بری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ گھنے آسمان تلے موت آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اِدھر اُدھر رقص کرنے لگی تھی۔ زیست کے دروازوں پر تالے پڑنے لگے تھے۔ انا کے بڑے بڑے بت ٹوٹنے اور عزائم کے قصر مسمار ہونے لگے تھے۔ انسانی عظمتوں کے افکار نفرت پرستی کے طوفانوں کی صورت اختیار کرتے چلے گئے تھے۔ زندگی کی آوازیں میدانِ جنگ میں بڑی تیزی سے ناتمام ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

جس وقت جنگ اپنے عروج پر آئی اچانک کریم خان کے لشکر میں ایک تبدیلی رونما ہوئی۔ آزاد خان نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ بائیں جانب ہٹنا شروع کیا تھا اور اس کی جگہ آہستہ آہستہ شیخ علی خان نے لینا شروع کر دی تھی۔ اس طرح دشمن کے دائیں پہلو کے سامنے مکمل طور پر اب شیخ علی خان آ گیا تھا۔

آزاد خان ایک طرح سے اپنے لشکر کے ساتھ ذرا ہٹ گیا تھا۔ پھر اچانک آزاد خان مزید بائیں ہٹتا ہوا بڑی تیزی اور برق رفتاری سے قاچاریوں کے لشکر کے دائیں پہلو کی طرف بڑھا۔ آزاد خان چاہتا تھا کہ اچانک اور پوری شدت کے ساتھ قاچاریوں کے پہلو پر ضرب لگائے اور ان کی شکست کو یقینی بنا دے۔ لیکن حیرت کی بات کہ آزاد خان ابھی قاچاریوں کے اس پہلو کے قریب ہی گیا تھا کہ سامنے کی طرف سے ازخود کے سے انداز میں ایک لشکر علیحدہ ہوا۔ اس لشکر کا سالار اس کے آگے آ گیا اور قاچاریوں کے لشکر کا وہ حصہ بڑی تیزی سے آزاد خان کی طرف بڑھا تھا۔ قاچاریوں کے لشکر کے اس طرح علیحدہ ہونے سے یوں لگتا تھا جیسے قاچاریوں کو آزاد خان کے اس طرح حملہ آور ہونے کی خبر ہو گئی تھی اور انہوں نے آزاد خان کی راہ روکنے کے لئے پہلے ہی بندوبست کر لیا تھا۔ چنانچہ آزاد خان آگے بڑھا اور قاچاریوں کا جو لشکر علیحدہ ہو کر اس کی طرف بڑھا تھا اس پر وہ قطرہ قطرہ قہر ٹپکاتی آتش صفت اذیتوں اور موت کی حمد گاتی لامحدود آتش زنی کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جواب میں اس قاچاری لشکر نے بھی کمال جرأت مندی کا مظاہرہ کیا اور وہ بھی یخ بستہ ٹھٹھرتی راتوں میں اُبال پیدا کرتے گرم کھولتے دوزخ اور زیست کے ایندھن کو جلا مارنے والی آتش صفت یلغار کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

قریب تھا کہ آزاد خان قاچاریوں کے علیحدہ ہونے والے اس لشکر کو بدترین شکست دے کر پیچھے ہٹائے اور پھر قاچاریوں کے پہلو پر ضرب لگا دے، عین اسی لمحہ قاچاریوں کا ایک اور لشکر علیحدہ ہوا اور وہ اس انداز میں آزاد خان کی طرف بڑھا جیسے وہ آزاد خان کے پہلو پر ضرب لگانے کا تہیہ کئے ہوئے ہو۔

یہ صورت حال آزاد خان کے لئے بڑی خطرناک اور اذیت دہ تھی۔ لہٰذا وہ پیچھے ہٹا اور پسپا ہوتا ہوا اپنے لشکر سے آن ملا تھا۔ کچھ دیر تک ہرات کی طرف جانے والی اس شاہراہ کے نواح میں دونوں لشکر بری طرح ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔ قاچاریوں

کا لشکر تعداد میں زیادہ تھا اور انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح کریم خان کو شکست دے کر مار بھگائیں۔ یہ معرکہ، یہ رن شام سے کچھ دیر پہلے تک گرم رہا۔ کریم خان، اس کے سالاروں اور لشکریوں نے کافی قاچاریوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا اور شام ہونے سے پہلے پہلے قاچاری شکست اٹھا کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔

یہ گویا کریم خان کے ہاتھوں قاچاریوں کو پہلی عبرت خیز شکست تھی۔ اس شکست کے بعد کریم خان نے اپنے زخمی ساتھیوں کی دیکھ بھال کی اور وہاں اس نے پڑاؤ قائم کر لیا تھا۔ لشکر کا ایک حصہ بھاگنے والے دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کر دیا گیا تھا۔ بھاگتے دشمن کا کریم خان نے تعاقب نہیں کیا اس لئے کہ سورج غروب ہو رہا تھا۔ قاچاریوں کے لشکر کی تعداد اب بھی کافی تھی اور وہ کسی بھی مناسب جگہ مڑ کر کریم خان کے لئے خطرے کا باعث بن سکتے تھے۔ لہٰذا کریم خان نے انہیں جانے دیا۔

قاچاری لشکر زِک اور شکست اٹھا کر وہاں قیام کرنے کی بجائے استر آباد کی طرف چلا گیا تھا اور اس کے پڑاؤ کی ہر چیز پر کریم خان نے قبضہ کر لیا تھا۔

جس وقت لشکر کے طبیب جنگ میں زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے، کریم خان اپنے سالاروں کے ساتھ دشمن کے پڑاؤ سے ملنے والی ہر شے کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اس موقع پر کریم خان کو کچھ خیال گزرا پھر اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! قاچاریوں کی ایک حرکت کی مجھے سمجھ نہیں آئی۔ اگر میں اس حرکت پر غور کروں تو یوں لگتا ہے جیسے ہمارے اپنے لشکر میں کوئی ایسا ہے جو ہماری خبریں دشمن تک پہنچاتا ہے۔

میرے بھائیو! جنگ شروع ہونے سے پہلے میں نے تم لوگوں کے ساتھ مل کر جو جنگ کا لائحہ عمل طے کیا تھا، جو منصوبہ بندی کی تھی وہ صرف میرے اور تمہارے اور کچھ چھوٹے سالاروں کے درمیان تھی۔ کسی لشکری کو اس کی خبر نہ تھی اور پھر یہ کیسے ہو گیا کہ جب جنگ اپنے عروج پر آئی اور آزاد خان لشکر کا ایک حصہ لے کر علیحدہ ہوا اور چاہتا تھا کہ دشمن کے پہلو پر ضرب لگائے کہ اسی لمحے قاچاریوں کے پہلو سے ایک لشکر علیحدہ ہوا اور آزاد خان پر ٹوٹ پڑا۔ ایک اور لشکر علیحدہ ہوا اور اس نے آزاد خان کے پہلو پر ضرب لگانا چاہی۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے آزاد خان کو ناکام واپس آنا پڑا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ میں قاچاریوں کے مقابلے میں ہمیں فتح مندی اور کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن قاچاریوں کے ایک حصہ کا اچانک علیحدہ ہو کر آزاد خان پر حملہ آور ہونا اور پھر ایک دوسرے لشکر کا آزاد خان کے لشکر کے پہلو پر ضرب لگانے کے لئے آگے بڑھنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قاچاریوں کو ہماری جنگی منصوبہ بندی کی خبر ہو چکی تھی۔ یہ خبر اگر ان تک پہنچی ہے تو پھر ہمارے لشکر سے کسی نے پہنچائی ہے ورنہ آزاد خان کے جنگ کرنے کا طریقہ، اس کی مجاہدانہ کوششوں، اس کی جانبازی اور جانثاری سے میں پوری طرح واقف ہوں۔ ایک عرصہ سے یہ میرے ساتھ کام کرتا چلا آ رہا ہے۔ اگر دشمن تک ہماری اس منصوبہ بندی کی خبر نہ ہوئی ہوتی تو مجھے یقین ہے آزاد خان قاچاریوں کے پہلو پر حملہ آور ہو کر ان کے ان گنت لشکریوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو جنگ کا یہ فیصلہ بہت پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔ اور اگر ہم دن کے کسی حصہ میں قاچاریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے تو پھر پوری طاقت و قوت کے ساتھ قاچاریوں کا تعاقب کرتے۔ ہمیں شام تک ان کے خلاف جدوجہد نہ کرنا پڑتی۔ اور یہ جو میں نے قاچاریوں کو شکست دے کر تعاقب نہیں کیا تو اس میں بھی میری سوچیں حائل تھیں۔ مجھے شک ہو گیا تھا کہ کوئی ہماری خبریں ان تک پہنچاتا ہے۔ اس بنا پر میں ان خدشات کا بھی شکار ہو گیا تھا کہ اگر قاچاری شکست اٹھا کر بھاگے ہیں اور وہ یہ چاہ رہے ہوں گے کہ ہم ان کا تعاقب کریں تو یہ بھی ان کی ایک جنگی چال ہو گی۔ اچانک پلٹ کر کہیں سے ہم پر جوابی کارروائی کریں گے اور ہماری فتح مندی کو شکست میں تبدیل کر دیں گے۔ اس بناء پر میں نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ پر میرے عزیز ساتھیو! ہمیں اپنے اردگرد نگاہ رکھنا ہو گی۔ یہ دیکھنا ہو گا کہ وہ کون ہے جو ہماری خبریں قاچاریوں تک پہنچاتا ہے۔“

اس کے بعد کریم خان نے آزاد خان کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔

”آزاد خان! میرے بھائی! تم ایسا کرو لشکر کے کھانے کے انتظامات کی نگرانی کرو۔ علی خان! تم جو طبیب زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں ان کی نگرانی کرو۔ جبکہ میں اور شیخ عالم خان قاچاریوں کے پڑاؤ سے ملنے والی ہر چیز کی فہرستیں تیار کرواتے ہیں اور پھر اس سامان کا بیشتر حصہ لشکریوں میں تقسیم کرنے کا اہتمام کیا جائے گا۔“

جب آزاد خان اور علی خان دونوں وہاں سے ہٹ گئے تب عالم خان نے کچھ سوچا

اور دھیمی سی آواز میں وہ کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان! میرے عزیز بھائی! کہیں ایسا تو نہیں یہ آزاد خان ہی ہمارے خلاف قاچاریوں کے ساتھ مل کر کارروائیاں کرنے کی ابتداء کر چکا ہو۔ اگر ایسا ہے تو یہ ہمارے لئے ایک بہت بڑے خطرے کی علامت ہے اور ہمیں آزاد خان کی طرف سے چوکنا رہنا ہوگا۔''

عالم خان کے ان الفاظ پر کریم خان کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''عالم خان! میں تمہارے ان خدشات، ان شکوک سے اتفاق نہیں کرتا۔ آزاد خان ان سب شکوک سے بالا ہے۔ میں اس کے مزاج، اس کی طبیعت سے واقف ہوں۔ وہ ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ کام کسی اور کا ہے۔ اس معاملہ میں تم فکرمند نہ ہو۔''

کریم خان کی اس گفتگو سے عالم خان خوش ہو گیا تھا۔ لہٰذا دونوں آگے بڑھ کر قاچاریوں کے پڑاؤ سے ملنے والی ساری اشیاء کا جائزہ لینے لگے تھے۔ اُسی شام کریم خان نے اپنے سارے سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے ساتھیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہرات کی طرف جانے والی اس شاہراہ کے کنارے قاچاریوں کے مقابلے میں ہمیں فتح مندی نصیب ہوئی ہے لیکن اس ٹکراؤ کے دوران کچھ شکوک و شبہات بھی اُٹھے ہیں۔ فی الحال میں انہیں ظن و گمان کا نام دیتا ہوں۔ اس پر میں یقین سے اعتبار اور اعتماد نہیں رکھتا۔ آزاد خان جس وقت بائیں پہلو سے ہٹ کر دشمن کے پہلو پر ضرب لگانے کے لئے بڑھا تھا تو دشمن کے لشکر کے دو حصے اس انداز میں آزاد خان پر حملہ آور ہوئے تھے جیسے انہیں آزاد خان کے اس سمت آنے کا پہلے سے انتظار تھا۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہمارے اندر کی خبریں کوئی قاچاریوں تک پہنچاتا ہے۔ میرے بھائیو! میں کسی پر شک نہیں کرتا نہ اس وقت کسی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ ہم سب کا فرض ہے کہ نگاہ رکھیں کہ کون ہماری نقل و حرکت اور ہماری جنگی منصوبہ بندیوں کی تفصیل قاچاریوں تک پہنچاتا ہے۔ اگر یہ خبریں قاچاریوں تک نہ پہنچی ہوتیں کہ آزاد خان لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ علیحدہ ہو کر قاچاریوں کے پہلو پر ضرب لگاتا تو یاد رکھنا قاچاریوں کو ہم ظہر اور عصر کے درمیان ہی بدترین شکست دے چکے ہوتے اور سورج غروب ہونے تک اُن کا ایسے انداز میں

تعاقب کرتے کہ دوبارہ کبھی انہیں خم ٹھونک کر ہمارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور اگر ہوتی تو ایسا وہ کافی عرصہ بعد اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے کر کرتے۔ اتنی دیر تک ہمیں مہلت مل جاتی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے ہم اپنی حکومت کو مستحکم کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ قاچاریوں کو شکست ضرور ہوئی ہے لیکن وہ اپنے لشکر کو بچا کر نکل گئے ہیں۔ اور اب بڑی سرگرمی سے اپنی تیاریوں کو آخری شکل دیں گے اور ہم سے اپنی اس پسپائی کا انتقام لینے کے لئے نکلیں گے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں قاچاریوں کی اس وقت عسکری طاقت ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن ہم نے ہر حال، ہر صورت میں ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی ہوئی ہے۔

میرے بھائیو! یہ جاننے کے لئے کہ کیا واقعی ہمارے اندر کی ہماری نقل و حرکت اور منصوبہ بندی کی خبریں قاچاریوں تک پہنچتی ہیں، میں ایک تدبیر کرنے لگا ہوں۔ دو دن بعد لشکر یہاں سے واپسی کا سفر کرے گا۔ ہماری اصل منزل مازندان ہو گی جس کو اب قاچاری اپنا ہدف بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے مخبر بھی اس بات کی توضیح کر چکے ہیں کہ قاچاری ہر صورت میں مازندان پر حملہ آور ہو کر مازندان کو اپنی عملداری میں شامل کر کے اپنے ارادوں کو وسعت دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

میرے ساتھیو! اس مجلس کے بعد اپنے پڑاؤ کے اندر چاروں طرف یہ خبر پھیلا دو کہ دو دن بعد یہاں سے کوچ ہو گا۔ لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک حصہ میری کمانداری میں شیراز کا رخ کرے گا اور دوسرا حصہ اصفہان کی طرف جائے گا اور وہاں پہنچ کر ہمارے عسکری انتظامات کو مزید مستحکم کرے گا۔ جبکہ پورا لشکر مازندان کا رخ کرے گا۔ ہم میں سے کوئی بھی شیراز اور اصفہان نہیں جائے گا۔ یہ خبر پھیلانے کے بعد میں دیکھوں گا کہ قاچاری کیسے اور کس طرح کے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں؟

میرے بھائیو! مازندان کی طرف جاتے ہوئے ہم نے ایک کام بھی کرنا ہے۔ مازندان کے اس مقام پر جا کر ہم پڑاؤ کریں گے جس کے پیچھے کوہستانی سلسلہ ہے۔ ہمارے لشکر کا ایک حصہ جس کی کمانداری شیخ علی خان کے ہاتھ میں ہو گی وہ اسی کوہستانی سلسلے کے اندر گھات میں رہے گا۔ یہاں سے ہم سفر کی ابتداء رات کے وقت کریں گے اور جب سورج طلوع ہو گا، کسی مناسب جگہ گھات لے لیں گے۔ پڑاؤ کر لیں گے۔ مازندان تک سارا سفر رات ہی کو ہوا کرے گا۔ دن کے وقت کسی محفوظ جگہ پڑاؤ کر لیا

جائے گا تا کہ قاچاریوں کو ہماری نقل و حرکت کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے۔ ساتھ ہی ہم وہ شاہراہ جو یہاں سے مازندان کی طرف جاتی ہے اسے چھوڑ دیں گے، گمنام راستوں سے ہوتے ہوئے مازندان کا رخ کریں گے۔ پھر دیکھتے ہیں کیسے اور کس طرح کے ردِ عمل کا ہمیں سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

کریم خان کی اس تجویز سے جب سارے سالاروں نے اتفاق کیا تب کریم خان نے وہ مجلس برخواست کر دی تھی اور دو دن بعد لشکر نے وہاں سے کوچ کیا تھا۔

رات کو سفر کرتے ہوئے اور دن کو کسی محفوظ جگہ پڑاؤ کرتے منزل پر منزل مارتے ہوئے کریم خان اپنے لشکر کے ساتھ اس جگہ پہنچا جس کا تعین اس نے ہرات کی طرف جانے والی شاہراہ کے کنارے پڑاؤ کے دوران اپنے سالاروں سے کیا تھا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ قاچاریوں کا ایک لشکر وہاں پہلے سے اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔

قاچاریوں نے وہاں پڑاؤ کر رکھا تھا اور وہاں انہوں نے کریم خان کے لشکر سے ٹکرانے کا عزم کر رکھا تھا۔ کریم خان ابھی قاچاریوں کے سامنے جا کر رکا ہی تھا کہ دوسری طرف سے شیخ عالم خان جس کے ذمہ کریم خان نے یہ کام لگایا تھا کہ وہ قریبی کوہستانی سلسلوں کے اندر لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ گھات لگا لے گا تا کہ جب جنگ شروع ہو تو وہاں سے نکل کر عالم خان قاچاریوں پر ضرب لگا سکے، عالم خان اپنے لشکر کے آگے آگے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا جب پڑاؤ میں داخل ہوا اور سیدھا اس سمت آیا جہاں کریم خان اپنے دیگر سالاروں کے ساتھ کھڑا تھا، اسے دیکھتے ہوئے کسی قدر پریشانی اور فکرمندی کا اظہار کر کے کریم خان نے اس سے پوچھ لیا۔

''میرے بھائی! کیا ہوا؟ جو کام میں نے تمہارے ذمے لگایا تھا تم نے اسے ادھورا چھوڑ دیا کیا؟''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اُس کی بات کاٹتے ہوئے علی خان بول اٹھا تھا۔

''کریم خان! میرے بھائی! یوں جانو ہمارے لشکر کی ساری خبریں کوئی قاچاریوں

تک پہنچاتا ہے۔ جس جگہ کا تعین آپ نے میرے لئے کیا تھا کہ میں وہاں گھات لگاؤں گا اور جب جنگ کی ابتداء ہو گی تو میں وہیں سے نکل کر قاچاریوں کی پشت پر یا پہلو پر ضرب لگاؤں گا، شاید کسی نے ہماری اس منصوبہ بندی کی خبریں قاچاریوں تک پہلے ہی پہنچا دی ہیں۔ اس لئے کہ جب میں اس جگہ گیا جہاں میں نے گھات لگانا تھی، وہاں پہلے سے قاچاریوں کا ایک لشکر موجود تھا۔ لہٰذا میں اس سے ٹکرایا نہیں بلکہ پہلوتہی کرتے ہوئے آپ کی طرف آ گیا ہوں۔ ساتھ ہی میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ اس سمت آتے ہوئے راستے میں مجھے اپنا ایک مخبر بھی ملا تھا۔ وہ زخمی حالت میں تھا۔ میں اسے اٹھا کر لایا ہوں۔ وہ میرے حصے کے لشکر میں شامل ہے اور کچھ لشکری اس کی مرہم پٹی کر رہے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ جب اسے اور اس کے ساتھیوں کو ہرات کی طرف جانے والی شاہراہ کے کنارے سے اس سمت دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے بھیجا گیا تھا تو دشمن کے کچھ مسلح جوان ان پر حملہ آور ہوئے۔ اس کے سارے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اسے مردہ سمجھ کر قاچاری چھوڑ گئے۔ وہ بری طرح زخمی ہے لیکن زندہ ہے۔ مجھے امید ہے وہ بچ جائے گا۔"

شیخ علی خان سے یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد کریم خان ہی نہیں، آزاد خان، عالم خان اور دیگر سالار بھی اُداس اور افسردہ ہو گئے تھے۔ اس موقع پر کریم خان اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خاموش رہا۔ اس لئے کہ اس کے سامنے قاچاریوں کے لشکر میں طبل بجنے لگے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر کریم خان نے اپنے لشکر کی ترتیب درست کرنا شروع کر دی تھی۔ صفوں کی آراستگی کرنے لگا تھا۔ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ کریم خان نے اپنے سالار شیخ علی خان کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے قلب یعنی مرکزی حصے میں رکھ لیا تھا۔ دائیں پہلو کی کمانداری حسبِ سابق عرب سالار عالم خان کی کمانداری میں تھی اور بائیں پہلو کا سرکردہ آزاد خان افغان کو بنایا گیا تھا۔ اتنی دیر تک قاچاریوں نے بھی اپنے لشکر کی ترتیب درست کر لی تھی۔ اس کے بعد لشکر کے اندر طبل بجنا بند ہو گئے تھے۔

اسی وقت ایک گھڑ سوار وحشیانہ انداز میں قاچاریوں کے لشکر سے نکلا۔ سیاہ رنگ کے گھوڑے پر وہ سوار اپنی تلوار اور ڈھال دونوں فضا میں بلند کئے ہوئے تھا۔ گھوڑے کو بھگاتا ہوا وہ دونوں لشکروں کے بیچ میں آیا، انگیختگی پر اُترے ہوئے کلیلیں کرتے

گھوڑے کی گردن تھپتھپاتے ہوئے اسے آسودہ کیا۔ اس کے بعد کریم خان کا نام لیتے ہوئے اسے انفرادی مقابلے کے لئے للکارا تھا۔

اُس کی اس پکار پر آزاد خان، شیخ عالم اور شیخ علی خان تینوں کے چہرے سرخ ہو گئے تھے۔ کریم خان بھی انفرادی مقابلے کے لئے للکارنے والے کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آزاد خان اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"یہ جو انفرادی مقابلے کے لئے اُترا ہے اسے میرے عزیز بھائی! آپ بھی جانتے ہیں، میں بھی جانتا ہوں۔ یہ قادر خان ہے۔ کسی دور میں آپ کے تحت چھوٹے سالار کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ پھر جب میرا آپ کا ٹکراؤ ہونے والا تھا تو اس سے بہت پہلے یہ میرے پاس آیا اور کچھ مراعات مانگیں۔ میں نے اسے کچھ دینے سے انکار کر دیا تو یہ علی مردان خان بختیاری کے پاس چلا گیا تھا۔ جب علی مردان بختیاری سے بھی اس اسے اس کی پسندیدہ مراعات نہ ملیں تو پھر میرے خیال میں اس نے قاچاریوں کا رخ کیا تھا اور اب اسے یہ جرأت اور ہمت ہو رہی ہے کہ میرے عزیز بھائی! آپ کا نام لے کر آپ کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارے۔ اس مقابلے پر آپ نہیں جائیں گے، میں نکلوں گا۔ میں دیکھتا ہوں یہ کیسے میرے سامنے ٹھہرتا ہے۔"

جب تک آزاد خان بولتا رہا، مسکراتے ہوئے کریم خان اس کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ کہنے لگا تھا کہ اس دوران شیخ عالم خان اور شیخ علی خان دونوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے قریب آ گئے تھے اور انفرادی مقابلے کے لئے اُترنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔

اس موقع پر کریم خان نے شفقت بھری نگاہ باری باری سب پر ڈالی، اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر لے گیا، کہنے لگا۔

"میں تم سب کی وفاداری اور جانثاری کو سلام پیش کرتا ہوں۔ مقابلے کے لئے جو اُترا ہے اسے میں بھی جانتا ہوں۔ ایک اچھا تیغ زن ہے۔ میرے عزیز بھائیو! اس نے مقابلے کے لئے چونکہ مجھے للکارا ہے، لہٰذا میں ہی اُتروں گا۔ تم تینوں لشکر کے سامنے مستعد رہو۔ پھر دیکھو میرا خدا اس مقابلے کو کس انجام تک پہنچاتا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی کریم خان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں لشکروں کے

درمیان اپنے حصے کی طرف بڑھا تھا۔

کریم خان نے اس کے قریب جا کر جب اپنے گھوڑے کو روکا تو وہ طنزیہ انداز میں کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کریم خان!..... مجھے پہچانا؟''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر کریم خان کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔

''خوب پہچانا..... تمہارا نام قادر خان ہے۔ حرص و ہوس کی تلاش میں جگہ جگہ سرگرداں رہے ہو، اب قاچاریوں سے آن ملے ہو تو کیا تم ہمارے خلاف کوئی طوفان کھڑا کر لو گے؟''

قادر خان نے ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

''کریم خان! کسی بھول، کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔''

اس کے ساتھ ہی قادر خان نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور مزید کہنے لگا۔

''جب میری تلوار تمہارے خلاف حرکت میں آئے گی تو یاد رکھنا تمہارے خلاف برق کے لشکارے کی طرح تباہی کی آندھیاں کھڑی کرے گی۔ اور تمہارے لئے موت کے بھنور کی ساری گرہیں کھولتی چلی جائے گی۔

کریم خان! میری یہ تلوار یاد رکھنا تمہاری سانسوں کے تسلسل میں دکھ کے نگر بساتی ہوئی نکل جائے گی۔ ذرا میری اس ڈھال کی طرف دیکھو! اس کی چمک پر نگاہ رکھو۔ جب یہ آشوب وحشت کی طرح تمہارے سر اور تمہارے جسم کے دوسرے حصوں پر ضرب لگائے گی تو یاد رکھنا یہ تمہارے بدن کی تہوں تک موت کا کرب اُتارتی چلی جائے گی۔ کریم خان! اب تک جو تم مراعات حاصل کر چکے ہو، انہی پر اکتفا کرو۔ قاچاریوں کا تمہارے لئے یہ پیغام ہے کہ اصفہان اور شیراز کے علاوہ باقی سارے علاقوں کو بھول جاؤ۔ فراموش کر دو۔ وہ قاچاریوں کی ملکیت ہیں۔ اگر ایسا کرو گے تو امان پا جاؤ گے اور نہیں مانو گے تو ڈرو اس وقت سے اور خوف کھاؤ اس لمحے سے جب میں تم پر حملہ آور ہو کر تمہاری روح تک کو لہولہو کرتے ہوئے اپنے سامنے زیر کر دوں گا۔ اس لمحے میرے آتشیں چہرے پر، میری سلگتی آنکھوں میں پُر شوکت فتح مندی کے آثار ہوں گے۔ اور تم میرے سامنے زمین پر مجبوریوں کے قصوں، بربادی کی کتھاؤں، افسردہ کاوشوں، بکھری مسلی عزتوں کی طرح بے بس، بے ننگ و بے ناموس پڑے ہو گے۔ لہٰذا اس انفرادی

مقابلے سے بچو۔ دو شہروں کے علاوہ باقی سارے علاقے قاچاریوں کے حوالے کر دو ورنہ اس انفرادی مقابلے کے نتیجہ میں اب اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قادر خان جب خاموش ہوا تب کریم خان کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر قادر خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''رب عظیم کے جلال کی قسم تجھ جیسا چھوٹا آدمی حقائق کی پرکھ نہیں رکھتا۔ سن آستین کے سانپ! تُو اپنی حدود سے نکل کر گفتگو کر رہا ہے۔ تجھ جیسے لفظوں کی بھول بھلیوں اور مُردہ الفاظ کی اُلجھنیں کھڑی کر کے ڈرانے والے! میں نے اپنی زندگی میں بہت دیکھ رکھے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان رکا اور پہلے کی نسبت زیادہ گرجتی، کڑکتی، وحشت برساتی آواز میں بول اٹھا۔

''قادر خان! تجھ جیسے بپھرنے والے کوچہ گرد کتے ناکامی اور نامرادی کے کفن بنانے والے ابلیس، لوحِ تقدیر اور تختِ قسمت سے کھیلنے والے شیطان میں نے زندگی میں بہت دیکھ رکھے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی کریم خان نے اپنی تلوار اپنی ڈھال پر ماری پھر طنزیہ انداز میں قادر خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''قادر خان! میری تلوار کی دستک سن۔ کیا تجھے میری تلوار کی اس دستک میں اپنی زندگی کا کھیل لہولہو ہوتا دکھائی نہیں دیتا؟ کیا تجھے میری تلوار کی اس دستک میں پارہ پارہ زخموں کے الفاظ نظر نہیں آتے؟ آ، میرے ساتھ ٹکرا۔ اگر میں اپنے خداوند قدوس کو پکارتے ہوئے تجھے روٹی کے ٹکڑے کی خاطر بھیڑ بکریاں چرانے والے چرواہے جیسا بے بس نہ کر دوں تو کہنا۔ آ میرے ساتھ مقابلے کی ابتداء کر۔ میں تجھے چیتھڑے لٹکتے بربنہ پا بھکاری جیسا نہ کر دوں تو کہنا۔ سن قادر خان! اس مقابلے کے دوران میں اگر تاریکی میں مستور ہونے والی کرنوں کی طرح اپنی تلوار تیرے تن میں پیوست نہ کر دوں تو پھر کہنا۔ میں اپنے خداوند قدوس کو مدد و حمایت کے لئے پکارتے ہوئے تیری لحد اور تیری مہد کے درمیان کی دوریاں تمام نہ کر دوں تو میرا نام بدل دینا۔ تُو حرص و ہوس کی تلاش میں جگہ جگہ بدکار شیطان کی طرح دھکے کھاتا رہا۔ کبھی میرے ماتحت رہا کبھی آزاد خان کی طرف گیا کبھی علی مردان بختیاری کے در پر دستک دی اور جب ہر جگہ تیرے

کشکول میں نامرادی اور ناکامی کے سکے ڈالے گئے تب تُو قاچاریوں کی طرف چلا گیا۔ قادر خان! تجھ سے چرواہے کا وہ اونگھتا کتا اچھا جو خستہ اور ماندہ رہنے کے باوجود اپنے مالک کے لئے مٹی کی طرح مطیع اور فرمانبردار بنا رہتا ہے۔ آ، مجھ سے ٹکرا۔ پھر دیکھ میں کریم خان تیری حالت کیسے سنگ میل راستوں پر نارسائی کے قدموں کی دھول اور زرد ماحول کی بے بسی میں بے پات شجر بنا کر رکھتا ہوں۔''

کریم خان کے ان الفاظ نے قادر خان کو سیخ پا کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے سے اُتر کھڑا ہوا۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کریم خان بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ اس کے بعد قادر خان شقاوتوں بھری نفرت، عناد و انتقام کی طرح آگے بڑھا اور موت کے کفن پہناتی انوکھی جنوں فروشی، دل پر غموں کی دھوپ، روح پر شوریدہ پیاس طاری کر دینے والے سلگتے کرب خیز لمحوں اور فنا کے نقوش پھیلاتی درد کی تپتی آگ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف جوابی کارروائی کرنے میں کریم خان نے بھی کوئی تاخیر ظاہر نہ کی۔ وہ بھی قادر خان پر کائنات کے سینہ پر کامرانیوں کی برسات، گردن کی دہلیز پر فوق مندی کی یلغار، لہو کے دشت میں بے ساعت و بے زبان کرتے وقت کے چڑھتے طوفان، ریت کے ٹھہرے سمندر میں لہو کی کہانیاں کھڑی کرتے جبر کی طرح قادر خان پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دونوں بڑے زور و شور سے اور بڑی تیزی کے ساتھ وقت کی سلگتی صداؤں میں محرومیوں کی آگ، خوابوں کے زندان میں راہوں کے آشوب، آنکھوں کو اندھا، کانوں کو بہرہ کرتی دہکتی گرم ہواؤں کی طرح ضرب لگانے لگے تھے۔

قادر خان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح کریم خان کو اپنے سامنے زیر کر لوں لیکن کریم خان اس کے کسی جتن، اس کی کسی تدبیر کو کامیاب ہی ہونے نہیں دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر کریم خان نے اپنی ڈھال قادر خان کی ڈھال سے، اس کی تلوار اپنی تلوار سے علیحدہ کی پھر ہولناک انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''قادر خان! اب جو تیغ زنی کا کھیل ہوا وہ کافی ہے۔ اب ذرا سنبھل کر میرے حملوں کو روکنا۔ میں مقابلے کو انجام تک پہنچانے لگا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی کریم خان نے نئے اور انوکھے انداز میں اپنے حملوں کی ابتداء کی

تھی۔ کچھ دیر تک تو قادر خان نے ان حملوں کو روکا، پھر جب کریم خان نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کی تو بات قادر خان کی گرفت سے نکلنے لگی۔ پہلے پیچھے ہٹنے لگا، پھر اُلٹے پاؤں اِدھر اُدھر ہونے میں اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر جب وہ لڑکھڑایا تو ایک دم کریم خان نے اپنی ڈھال اس کے چہرے کے بائیں طرف ماری۔ ڈھال کی ضرب پڑتے ہی قادر خان کو چکر سا آ گیا تھا۔ اسی چکر کے ہی دوران کریم خان کی تلوار گری اور قادر خان کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فضاؤں کے اندر ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی۔ لاش کی صورت میں قادر خان زمین پر گر گیا تھا۔

کریم خان نے اپنی خون آلود تلوار فضا میں بلند کی پھر قاچاریوں کے لشکر کی طرف منہ کر کے وہ تیز آواز میں کہنے لگا۔

''حسن خان! حسین خان! اور محمد خان قاچار! تینوں غور سے سنو۔ تم تینوں باپ بیٹوں نے ہوس کے بندے قادر خان کو میرے خلاف انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے اُتارا۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو گے کہ یہ میرا خاتمہ کر دے گا اور تمہیں من مانی کرنے کا موقع مل جائے گا۔ قاچاریو! میں نے قادر خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ میدان سے واپس نہیں گیا، ابھی تک یہیں کھڑا ہوں۔ میں حسن خان، حسین خان اور فتح محمد خان تینوں کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں اور تم تینوں میں سے جو چاہے میدان میں اُترے اور میرے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اپنی زندگی کے انجام، اپنی زیست کی انتہا کو دیکھے۔''

کریم خان کچھ دیر تک وہاں کھڑا ہو کر انتظار کرتا رہا کہ شاید ان تینوں میں سے کوئی اس کے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے اُترے۔ جب ان میں سے کوئی بھی نہ آیا تب کریم خان اپنے لشکر کی طرف لوٹ گیا تھا۔ جب وہ اپنے لشکر کے سامنے گیا تو آزاد خان، شیخ عالم خان اور شیخ علی خان پُر جوش انداز میں اسے گلے لگا کر ملے، اسے اس کامیابی اور فتح مندی پر مبارک باد دی، پھر چاروں اپنے اپنے حصے کے لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ قاچاری اب اجتماعی جنگ کی ابتداء کرنے والے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قاچاریوں نے کاسۂ وقت میں خوابوں کو ادھورا کرتے اندھی

گھٹن کے خوف کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ اس کے بعد قاچاری زبان کا کانٹا، حلق کا پھندا، موت کا لمحہ، نحوست کی ساعت اور زیست کا خرابہ بنتے ظلم و تشدد کے بحر اور جبر کی شیرازہ بندی کرتے کرب کی طرح کریم خان اور اس کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

کریم خان نے بھی دل کھول کر جوابی کارروائی کی ابتداء کی پہلے اُس نے بے کراں آسمان کی وسعتوں تلے سرودِ آتشی تکبیریں بلند کرتے کارکنانِ قضاء وقدر کی طرح خداوندِ قدوس کی کبریائی بیان کی، اس کے بعد وہ بھی ہر شے کو دھول بنا کر اُڑاتے شوقِ رزم آرائی سے آراستہ اٹل بگولوں، دکھ کے بے کنار قہر، درد بھری نفرت، دربدری کی تپ میں ڈبوتی قضا کی خوفناک دستک کی طرح قاچاریوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں مازندان میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے سینوں میں آندھیاں، آنکھوں سے چنگاریاں اُٹھنے لگی تھیں۔ اُمیدوں کی بکل لیر لیر کرتے خوف ناک جذبے اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ تلواروں، ڈھالوں کے ٹکرانے کی آوازوں نے سناٹوں کو شورِ بے پناہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ خواہشوں کو مایوسیوں کا نقاب اُڑاتے قہر بھرے جھکڑ، وقت کی اُڑتی گرد میں موت کے نگر کی اُداسی اور جرم وعصیاں کی سیاہی رقم کرنے لگے تھے۔

کچھ دیر تک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے زور آزمائی کرتے رہے، پھر قاچاریوں نے پہلے سے طے شدہ اپنا آخری حربہ استعمال کیا۔ یہ شاید ان کی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی تھی۔ اچانک پشت کی طرف سے قاچاریوں کا ایک اور لشکر نمودار ہوا اور وہ کریم خان کے لشکر کے پہلو پر تخریب کے سارے باب کھولتے خود پرستی کے آشوب، اجل و فنا کی پیاس بڑھاتی نیستی و عدم کی جھنکار، مرگ و موت کے دھوئیں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دراصل اس نئے آنے والے لشکر کی طرف کریم خان، اس کے سالاروں اور لشکریوں کا دھیان ہی نہیں تھا۔ کریم خان اور اس کے سالار تو قاچاریوں کے اس لشکر کی طرف سے محتاط تھے جسے کوہستانی سلسلے کے اندر شیخ علی خان دیکھ کر لوٹ آیا تھا۔ چونکہ اس سمت سے کوئی حملہ نہیں ہو رہا تھا لہٰذا کریم خان اور اس کے سالار بالکل مطمئن تھے۔ یہ نیا لشکر اپنے ہی لشکر کی پشت کی جانب سے نمودار ہوا تھا۔ پھر کریم خان کے لشکر

پر اس نے لہولہو کرتی خوفناک ضربیں لگانا شروع کر دی تھیں۔

یہ دوطرفہ حملہ کریم خان کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کی جنگ کے بعد کریم خان نے اندازہ لگایا کہ اس کے لشکر کے اندر پسپائی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اس نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت کرنے والے لشکریوں کو پہلے متنبہ کر دیا لہٰذا پڑاؤ فوراً اٹھا دیا گیا۔ اس لئے کہ پڑاؤ کے اندر عورتیں تھیں۔ اس کے بعد کریم خان پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ یہ ایک طرح سے شکست تھی جو کریم خان کو مازندان کے میدانوں میں ہوئی تھی۔ پیچھے ہٹتے ہوئے کریم خان اور اس کے سالار اپنے پڑاؤ کی طرف آئے۔ اس وقت تک پڑاؤ کی حفاظت پر جو لشکر مامور تھا، وہ پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ چکا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ کریم خان شیراز شہر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

قاچاریوں کے ہاتھوں یہ کریم خان کی نقصان دہ شکست تھی۔ چونکہ وہ بڑے محتاط انداز میں پسپا ہوا تھا لہٰذا قاچاریوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔ اس طرح اپنے لشکر اور اپنے پڑاؤ کی ہر چیز کو بچاتا ہوا با حفاظت کریم خان شیراز جا پہنچا تھا۔

شیراز کے نواح میں اس نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ سارے سالاروں کو اس نے یکجا کیا۔ اس موقع پر کریم خان بڑا اُداس اور افسردہ تھا۔ جب سارے سالار اس کے پاس جمع ہوئے تب کریم خان انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائیو! میں کسی پر شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتا۔ لیکن تم پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری ساری خبریں، ہماری نقل و حرکت، ہمارے محل وقوع، ہمارے آئندہ کے جنگی منصوبوں سے متعلق قاچاریوں کو بروقت اطلاع کرتا ہے یا اُس کا تعلق قاچاریوں کے خفیہ مخبروں سے ہے جن کے ذریعے ساری خبریں قاچاریوں تک پہنچ جاتی ہیں۔

اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ ہرات کی طرف جانے والی شاہراہ کے کنارے سے جس وقت ہم نے کوچ کیا تھا۔ چاروں طرف ہم نے یہ خبریں پھیلا دی تھیں کہ ہمارا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر واپسی کا سفر کرے گا۔ ایک حصہ اصفہان کی طرف دوسرا شیراز کی طرف جائے گا۔ اگر ہماری کسی نے مخبری نہ کی ہوتی تو یقیناً قاچاری اس موقع سے فائدہ اٹھاتے۔ وہ جانتے تھے کہ ہم نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے غلطی کی ہے اور ہماری عسکری قوت کمزور ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ بھی دو بڑے لشکر متعین کرتے اور

ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ جبکہ باطنی طور پر ہم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ہم مازندان کا رخ کریں گے۔

اور تم لوگوں نے دیکھا جب ہمارا لشکر مازندان پہنچا تو قاچاری ہم سے جنگ کی ابتداء کرنے کے لئے پہلے سے وہاں موجود تھے۔ گویا ان کے پاس پہلے سے کسی نے یہ خبریں پہنچا دی تھیں کہ نہ ہمارا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گا اور نہ ہی ہمارا کوئی لشکر اصفہان اور شیراز کی طرف جائے گا بلکہ ہم مازندان کی طرف جائیں گے۔ اس لئے وہ وہاں ہمارے انتظار میں پڑاؤ کر گئے تھے۔

اور پھر سب سے بڑی بات، آپ لوگوں کے سامنے میں نے علی خان کے ذمہ یہ کام لگایا تھا کہ وہ مازندان کے ان میدانوں میں جہاں ہم جا کر پڑاؤ کریں گے، اس کے قریبی کوہستانی سلسلے کے اندر لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ گھات میں چلا جائے گا تا کہ قاچاریوں کے ساتھ جب ہماری جنگ ہو تو وہ بروقت نکل کر قاچاریوں پر ضرب لگا سکے۔ لیکن حیرت کی بات جس جگہ علی خان نے گھات لگانی تھی، وہاں قاچاریوں کا ایک لشکر پہلے سے موجود تھا۔ اس بناء پر نہ صرف یہ کہ ہماری منصوبہ بندی ناکام ہو گئی بلکہ شیخ علی خان واپس اپنے لشکر میں آ گیا۔

ان سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان علاقوں کا جائزہ لینے کے لئے اور ان علاقوں میں خبریں حاصل کرنے کے لئے ہم نے جو اپنے مخبر روانہ کئے تھے ان کی بھی کسی نے مخبری کر دی۔ لہٰذا مسلح قاچاری ان پر حملہ آور ہوئے، ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمارا ایک مخبر زخمی حالت میں شیخ علی خان کو ملا جسے وہ اپنے ساتھ لے آیا۔ اس طرح ہمارے مخبری کے نظام کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے جس وقت جنگ کی بھٹی اپنے عروج پر تھی تو قاچاریوں کا ایک لشکر اپنے بڑے لشکر کی پشت کی طرف سے نمودار ہوا اور اچانک ہمارے پہلو پر اس نے ہلہ بول دیا۔ اس طرح ہمارے مخبروں کے خاتمے کی وجہ سے کوئی ہمیں قاچاریوں کے اس خفیہ لشکر کی اطلاع نہ دے سکا جس نے پشت کی طرف سے نمودار ہو کر ہمارے پہلو پر ضرب لگائی تھی۔ میرے عزیز بھائیو! اس شک و شبہ کا اظہار میں نے پہلے بھی کیا تھا لیکن اب میں تم لوگوں کے سامنے عیاں کرتا ہوں کہ اس معاملہ میں میرا شک و شبہ اب صرف ظن و گمان تک محدود نہیں رہا۔ یہ پختہ یقین کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اگر ہم نے اس کا کوئی سدِ باب نہ کیا تو یاد رکھنا، قاچاری دن بہ دن

ہم پر حاوی ہوتے رہیں گے۔ ہماری مخبری کرنے والوں کے باعث ہمارے دامن میں شکستوں کے سکے گرتے رہیں گے۔ قاچاری کامیابیاں حاصل کرتے رہیں گے۔ اس طرح قاچاریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔ ہمارے لشکریوں کے ولولے پست ہو جائیں گے جو ہمارے لئے آنے والے دور میں ایک بہت بڑا خطرہ بن کر ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ لہٰذا میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اپنے اپنے لشکر کے اندر محتاط رہیں، دھیان رکھیں اور دیکھیں وہ کون سے عوامل ہیں، وہ کون سے لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے اندر رہتے ہوئے قاچاریوں کے ساتھ خفیہ معاہدے کر رکھے ہیں اور ہماری خبریں ان تک پہنچاتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد سب سے پہلے آزاد خان، کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میرے عزیز بھائی! جو گفتگو آپ نے کی ہے اس سے دل جلتا ہے، ضمیر ملامت کرتا ہے کہ ہم میں وہ کون بدبخت ہے؟ کون نحوست کا مارا ہے جو ہماری خبریں ہمارے دشمن قاچاریوں تک پہنچاتا ہے؟ اگر حالات یہی رہے تو پھر قاچاری ہمارے مقابلے میں شیر ہو جائیں گے اور ہمارے خلاف جگہ جگہ دندناتے پھریں گے۔ اور یہ صورتِ حال یقیناً ہمارے لئے خطرناک ہو گی۔ لہٰذا ہم سب کو مل کر کوشش کرنی چاہئے اور ایسے عوامل کو تلاش کرنا چاہئے اور ان لوگوں کی نشان دہی کرنا چاہئے جو ہمارے اندر کالی بھیڑوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہر کوئی اپنے اطراف میں نگاہ رکھے گا اور جس پر بھی کچھ شک و شبہ ہو، اس کی نشاندہی ضرور کرے گا۔''

آزاد خان اور کریم خان دونوں کی اس گفتگو سے سارے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ پھر لشکر کو مستقر کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا تا کہ لشکری آرام کر سکیں۔ پڑاؤ کے اندر جو عورتیں شامل تھیں، انہیں پہلے ہی شہر کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا۔ خود کریم خان اور باقی سالار بھی کچھ دیر تک مستقر میں اپنے لشکریوں اور چھوٹے سالاروں کے ساتھ رہے اور پھر اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

کریم خان جب شیراز کے قصر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی روزبہ، بیٹا ابوالفتح اور گھر کی خادمہ سروج تینوں بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قصر کے صحن ہی میں روزبہ نے بڑی گرم جوشی سے کریم خان کا استقبال کیا تھا۔ جہاں کریم خان اُداس

تھا، وہاں روزبہ، سروج اور ابوالفتح بھی پریشان اور فکرمند تھے۔ چنانچہ سروج تو اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی، روزبہ اور ابوالفتح دونوں کریم خان کے ہاتھ پکڑ کر قصر کے دیوان خانہ میں لے گئے۔ جب تینوں بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز روزبہ نے کیا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''قاچاریوں کے ہاتھوں ہمیں جو شکست ہوئی ہے اس شکست نے کم از کم مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس شکست میں ہمارے لئے خطرات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ اگر شکست اُٹھا کر آپ تیزی سے پیچھے ہٹتے تو یقیناً قاچاری ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر پڑاؤ کے اندر نہ صرف ضرورت کے سامان کو سمیٹتے بلکہ پڑاؤ کے اندر جو عورتیں تھیں ان پر بھی قبضہ کر لیتے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ ہمارے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہوتا۔ بہر حال قاچاریوں کے ہاتھوں اس شکست نے ہم سب کو شکستگی سے دوچار کر دیا ہے۔ اب میں آپ سے یہ پوچھتی ہوں کہ آپ کا کیا لائحہ عمل ہے؟ اس سے پہلے کہ آپ کچھ کہیں میں آپ کے ایک رویے کے خلاف احتجاج بھی کرتی ہوں۔ جس وقت قاچاریوں کی طرف سے ایک شخص انفرادی مقابلے کے لئے نکلا تھا، میں آپ سے پوچھتی ہوں آپ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں کیوں اُترے؟''

وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھتے ہوئے کریم خان بول اٹھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ کیا میں اپنی جگہ کسی اور کو بھیجتا کہ میری جگہ کٹ مرے؟ روزبہ! میں اب لشکریوں کا صرف سالار ہی نہیں، جنوبی ایران کا حکمران بھی ہوں۔ کیا ایک سپہ سالار اور ایک حکمران کو یہ زیب دیتا ہے کہ اپنی جان بچاتا پھرے؟ اور اپنے لشکریوں کو دشمن کے حوالے کر کے انہیں موت کی گہری نیند سلاتا پھرے؟ کم از کم میرا ضمیر ایسا کرنے پر کبھی اور قطعی طور پر تیار نہیں ہوگا۔

روزبہ! اس کے علاوہ تمہیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جو شخص قاچاریوں کی طرف سے انفرادی مقابلے کے لئے نکلا تھا، اس نے میرا نام لے کر مجھے انفرادی مقابلے کی دعوت دی تھی۔ لہٰذا میں اپنی جگہ اگر کسی اور کو بھیجتا تو یہ عمل میرے لئے انتہا درجہ کا ذلت آمیز اور باعثِ شرم ہوتا۔ جو شخص انفرادی مقابلے کے لئے نکلا تھا، میں اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ نام اُس کا قادر خان تھا۔ پہلے وہ میرے ماتحت بھی کام کرتا

رہا ہے۔ نادر شاہ کے لشکر میں کئی مہموں میں اُس نے میرے حصے کے لشکر میں کام کیا۔ پھر اس نے مراعات حاصل کرنے کے لئے علی مردان خان بختیاری کا رخ کیا۔ وہاں سے مایوسی ہوئی تو آزاد خان افغان کے در پر دستک دی۔ آزاد خان سے بھی مایوسی ہوئی تو پھر قاچاریوں سے جا ملا۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ میں انفرادی مقابلے کے لئے نکلا اور جس شخص نے میرا نام لے کر مجھے انفرادی مقابلے کے لئے للکارا تھا اسے میں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

اتنا کہنے کے بعد کریم خان رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''روزبہ! اس میں کوئی شک نہیں، قاچاریوں کے مقابلے میں مجھے شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے لیکن میں مایوس نہیں ہوں گا۔ اس سے پہلے قاچاریوں کو بھی تو میرے ہاتھوں شکستِ فاش اٹھانا پڑی تھی۔ میں نئے سرے سے اپنی تیاریوں کو عروج پر لاؤں گا اور قاچاریوں کا مقابلہ کروں گا۔ ساتھ ہی یہ جاننے کی بھی کوشش کروں گا کہ ہمارے اندر وہ کون ہے جو ہمارے خلاف قاچاریوں کا ساتھ دے کر ہماری ساری خبریں ان تک پہنچاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے ہمیں قاچاریوں سے شکست اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال قاچاریوں کو میں یونہی ان کے حال پر نہیں چھوڑوں گا اور نہ ہی میں ان کے مطالبات تسلیم کروں گا۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ میں صرف اصفہان اور شیراز شہر پر اکتفا کر کے باقی ایرانی مملکت کے سارے علاقے ان کے حوالے کر دوں لیکن میں ان کے ان ارادوں کو مکمل نہیں ہونے دوں گا۔ عنقریب ایک تربیت یافتہ لشکر چند ہفتوں میں تیار کر کے خم ٹھونک کر دوبارہ قاچاریوں کے مقابل آؤں گا اور مجھے امید ہے کہ فتح میرا ساتھ دے گی۔''

کریم خان کے ان الفاظ پر اس کا بیٹا ابوالفتح اور بیوی روزبہ دونوں خوش ہو گئے تھے۔ پھر روزبہ اُٹھی، کریم خان کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا، پھر کہنے لگی۔

''آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کا یہ جنگی لباس تبدیل کرواتی ہوں۔''

اس پر کریم خان چپ چاپ اُٹھ کر روزبہ کے ساتھ ہولیا تھا۔

⁂

مازندران کے میدانوں میں شکست کھانے کے بعد کریم خان، آزاد خان، شیخ عالم خان اور شیخ علی خان نے ہمت نہیں ہاری۔ یہ تینوں بڑے سالار اپنے حکمران کریم خان کے ساتھ مل کر دن رات اپنی عسکری اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مزید لشکری بھرتی کرتے ہوئے جنگ کے دوران ہونے والی کمی کو پورا کیا گیا۔ بہتر انداز میں لشکریوں کی تربیت کا کام سرانجام دیا گیا۔ اس کے بعد بقول مؤرخین کریم خان پھر قاچاریوں سے دو ہاتھ کرنے کے لئے مازندان کی طرف بڑھا تھا۔

اس بار بھی آزاد خان، شیخ عالم خان اور شیخ علی خان تینوں بڑے سالار اس کے ساتھ تھے۔ دوسری طرف قاچاریوں کا مخبری کا نظام بڑی تیزی اور سختی کے ساتھ متحرک تھا۔ کسی کو ابھی تک یہ خبر نہ ہو سکی تھی کہ وہ کون لوگ ہیں جو کریم خان کے ایک ایک پل کی خبر قاچاریوں تک پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ جب نیا لشکر لے کر کریم خان نے مازندان کا رخ کیا تو اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا استقبال کرنے اور اس سے ٹکرانے کے لئے حسن خان، حسین خان اور محمد خان قاچار اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔

کریم خان ایک طرح سے پریشان اور فکرمند تھا کہ باوجود کوشش کرنے کے ابھی تک اسے یہ خبر نہ ہونے پائی تھی کہ اس کے ہر منصوبہ کی خبر قاچاریوں تک کیسے پہنچ جاتی ہے۔ بہرحال مازندان کے مقام پر ایک بار پھر کریم خان، آزاد خان، عالم خان اور علی خان قاچاریوں سے ٹکرائے۔ اس بار بھی کریم خان کے مقابلے میں قاچاریوں کا لشکر بڑا تھا۔ قاچاری اس بار نئے انداز میں حرکت میں آئے تھے۔ جس وقت جنگ کی ابتداء

کرنے کے لئے کریم خان اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ ان کے سامنے گیا اس وقت قاچاریوں کا ایک لشکر اس کے بالکل سامنے پڑاؤ کئے ہوئے تھا اور اس لشکر کی کمانداری حسن خان خود کر رہا تھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد دو اور لشکر نمودار ہوئے جو کریم خان کے لشکر کے دائیں بائیں آ کر اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک لشکر حسین قاچار اور دوسرا محمد خان قاچار کی کمانداری میں تھا۔ کچھ دیر بعد دونوں لشکروں کے درمیان ہولناک جنگ کی ابتداء ہوئی۔

کریم خان اور اس کے ساتھی سالاروں کی بدقسمتی کہ اس ٹکراؤ میں بھی قاچاریوں کے ہاتھوں کریم خان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مؤرخین اس جنگ کی تفصیل تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مازندان میں قاچاریوں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد کریم خان اپنے ساتھی سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ شیراز کی طرف بھاگا تھا۔ پہلی بار جب مازندان کے میدانوں میں قاچاریوں نے کریم خان کو شکست دی تھی تو خوف اور ڈر کی وجہ سے قاچاریوں نے کریم خان کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ کسی بھی مناسب موقع پر اگر کریم خان اور اس کے ساتھی سالاروں نے پلٹ کر قاچاریوں پر حملہ کر دیا تو پھر قاچاریوں کی فتح شکست میں بھی تبدیل ہو سکتی تھی۔ لیکن اس بار انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ شاید اس بار قاچاری بھی یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے ہاتھوں دو بار شکست اٹھانے کے بعد کریم خان کی طاقت کمزور ہو چکی ہے۔ لہٰذا انہوں نے کریم خان کے پیچھے پیچھے شیراز کا رخ کیا تھا۔ اُسے تعاقب نہیں کہا جا سکتا تھا اس لئے کہ قاچاریوں نے اپنے اور کریم خان کے درمیان خاصا فاصلہ رکھا تھا۔ اس بار بھی قاچاری کسی قدر خوف زدہ تھے کہ راستے میں کریم خان کوئی ایسی کارروائی نہ کر بیٹھے کہ انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے۔ بہرحال کریم خان اپنے لشکر کو بچا کر با حفاظت شیراز شہر میں داخل ہو گیا اور دوسرے دن قاچاری بھی اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچے اور شہر کے ایک طرف انہوں نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا۔

شاید قاچاری یہ فیصلہ کئے ہوئے تھے کہ کچھ روز تک شیراز شہر کے باہر پڑاؤ کئے رکھیں گے اور پھر جب ان کے لشکری اچھی طرح ستا لیں گے، اس کے بعد شہر کا محاصرہ کر کے شہر پر حملوں کی ابتداء کر دی جائے گی۔

دوسری طرف کریم خان بھی اپنے ساتھی سالاروں آزاد خان، عالم خان اور علی خان کے علاوہ دیگر کمانداروں کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد تھا۔ شہر کی فصیل کا اس نے خوب دفاع کر رکھا تھا۔ ہمہ وقت فصیل کے اوپر لشکری چوکس رہنے لگے تھے۔ شہر کے اندر بھی حفاظت کی خاطر جگہ جگہ جنگجوؤں کے دستے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ اس طرح کریم خان نے شہر کے اندر محصور رہ کر قاچاریوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

ایک روز جب کریم خان شہر کے اندر جو مستقر تھا اپنے سالاروں کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا۔ اس کا بیٹا ابوالفتح بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس موقع پر حسین و خوبصورت روزبہ دیوان خانہ میں بیٹھی تھی اور جب سے قاچاریوں نے شیراز شہر کے نواح میں آ کر اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا تب سے وہ بڑی پریشان اور فکرمند رہنے لگی تھی۔ اس روز بھی وہ اداسیوں میں ڈوبی بیٹھی تھی کہ کمرے میں اس کی خادمہ سروج داخل ہوئی۔ اُسے دیکھتے ہی روزبہ نے اپنے قریب خالی نشست پر ہاتھ مارا تاکہ سروج وہاں آ کر بیٹھ جائے۔ اس پر سروج آگے بڑھی، اس نشست پر بیٹھ گئی، پھر گفتگو کا آغاز سروج نے کیا اور روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''مالکن! میں دیکھتی ہوں کچھ دن سے آپ بڑی فکرمند، پریشان اور بکھری بکھری سی رہنے لگی ہیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے سروج کو رک جانا پڑا اس لئے کہ روزبہ نے پہلے لمحہ بھر کے لئے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر اس کی بکھرتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''سروج! تمہارا اندازہ درست ہے۔ تم جانتی ہو میں اپنے شوہر سے کس قدر محبت کرتی ہوں اور میرے سامنے ان کا ماضی بھی ہے۔ ماضی میں انہوں نے اپنے ہر دشمن کو شکست دی اور ہر بار، ہر موقع پر فتح مندی نے ان کے قدم چومے۔ لیکن اب قاچاریوں کے ہاتھوں انہیں دو بار شکست کا سامنا ہو چکا ہے۔ ان دو شکستوں سے تو میں اتنی شکستہ حال نہیں ہوئی تھی۔ میں نے یہی ٹھان رکھی تھی کہ اگر قاچاریوں کے ہاتھوں ہمیں دو شکستوں کا سامنا کرنا پڑا ہے تو کل کو قاچاریوں کو ہمارے ہاتھوں چار شکستوں کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ اب جن حالات نے مجھے پریشان و فکرمند اور اب افسردہ کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ میرے شوہر اپنے لشکر کے ساتھ شیراز شہر میں محصور ہیں اور قاچاری لشکر نے شہر کے نواح میں آ کر پڑاؤ کر لیا ہے۔

اگر قاچاری اس طرف آئے ہیں تو وہ یونہی نہیں آئے۔ بے کار میں شیراز شہر کے نواح میں پڑاؤ نہیں کئے رہیں گے۔ ایسا کرنا ان کے لئے بالکل بے کار اور فضول ہے۔ جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے یا جہاں تک میرے شوہر کریم خان نے مجھے بتایا ہے قاچاری شاید دو چار روز تک اپنے لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کریں گے، اس کے بعد شیراز شہر کا محاصرہ کر کے وہ تابڑ توڑ اور تیز حملے شروع کر دیں گے۔ کوشش کریں گے کہ شہر کا محاصرہ کر کے اس میں شدت اور سختی پیدا کی جائے اور دن بدن حالات کو ابتر بناتے ہوئے ہمارے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ ہم ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ سروج! جس روز ایسا ہوا یہ سمجھنا وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ اس لئے کہ اگر قاچاریوں کے سامنے ہم نے ہتھیار ڈال دیئے یا انہوں نے شہر کو فتح کر لیا تو وہ میرے شوہر کو معاف نہیں کریں گے۔ اور اگر میرے شوہر کو نقصان ہوا تو پھر میں تو زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ بس یہی وہ حالات ہیں جنہوں نے مجھے پریشان اور فکرمند کر دیا ہے۔ نہ کام میں دلچسپی لینے کو دل کرتا ہے اور نہ ہی مجھے ان دنوں ذہنی اور قلبی سکون ہے۔ وہ تو کریم خان ہمہ وقت مجھے ڈھارس دیتے رہتے ہیں کہ قاچاری ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن ان کی یہ تسلی اور تشفی میرے لئے اطمینان کا باعث نہیں بنتی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ جب خاموش ہوئی تب سروج کی آنکھوں میں ایک انوکھی اور غیر معمولی سی چمک پیدا ہوئی۔ کچھ دیر تک اس نے بڑے غور سے روزبہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

''اگر آپ میرا کہنا مانیں یا میری تجویز پر عمل کریں تو پھر ان حالات کو ٹالا بھی جا سکتا ہے اور حسن خان اور اس کے دونوں بیٹے حسین خان اور محمد خان قاچار اپنے لشکر کو لے کر یہاں سے واپس بھی جا سکتے ہیں۔''

سروج کے ان الفاظ کے جواب میں روزبہ کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اگر تمہارے پاس کوئی ایسی تجویز ہے جس سے قاچاری محاصرہ اٹھا لیں تو پھر تم کہو۔''

اس موقع پر سروج نے ایک لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگی۔

''تجویز تو میرے پاس بہت اچھی ہے۔ اس پر عمل کر کے ہم قاچاریوں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ شہر کا محاصرہ اٹھا لیں۔ اب مجھے جس بات کا ڈر اور خدشہ ہے وہ یہ کہ آپ نہ جانے میری اس تجویز کو پسند بھی کرتی ہیں یا نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں اسے سن کر آپ خفگی کا اظہار کر دیں۔''

جواب میں ہلکا سا تبسم روزبہ کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگی۔

''تم شاید نہیں جانتی کہ میں اپنے شوہر سے کس قدر محبت کرتی ہوں۔ ان کے اطمینان، ان کے قلبی سکون، ان کی کامیابی کے لئے میں ہر قدم اٹھا سکتی ہوں۔ تم بولو تو سہی۔''

جواب میں ہلکا سا عجیب و غریب سا تبسم سروج کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ کچھ سوچا، پھر وہ دھیمے اور رازدارانہ لہجے میں کہنے لگی۔

''مالکن! آپ کوئی معمولی خاتون نہیں ہیں۔ آپ ایران کے سابق بادشاہ کی بیٹی ہیں۔ اس لحاظ سے آپ کا بڑا مرتبہ، آپ کا بڑا وقار، آپ کی بڑی عزت اور آپ کا بڑا احترام ہے۔ ایران کے لوگ اب بھی آپ کے خاندان کو اپنا مالک اور اصل حکمران خیال کرتے ہیں۔ جو تجویز اس وقت میرے ذہن میں ہے وہ یہ کہ اگر آپ اس وقت شیراز شہر سے نکل کر قاچاریوں کے لشکر میں جائیں، حسن خان قاچار سے بات کریں اور اس سے یہ کہیں کہ قاچاریوں کو کریم خان سے ٹکرانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بہتر یہی ہے کہ قاچاری اپنے لشکر کو لے کر واپس چلے جائیں اور جو علاقے قاچاریوں کے تسلط میں ہیں ان پر قاچاری حکومت کرتے رہیں اور جن علاقوں پر کریم خان کا قبضہ ہے ان پر کریم خان کو حکومت کرنے دیں۔ اگر آپ حسن قاچار سے یہ بات کہیں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں بلکہ ضمانت دیتی ہوں کہ حسن خان آپ کی بات مان جائے گا اور اپنے لشکر کا پڑاؤ ختم کر کے واپس استر آباد کی طرف چلا جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج جب رکی تب روزبہ کہنے لگی۔

''تم اس قدر اعتماد کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو کہ اگر میں شہر سے نکل کر قاچاریوں کے لشکر میں جاؤں اور حسن خان قاچار سے استدعا کروں کہ وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جائے تو میرا کہا مانتے ہوئے قاچاری واپس چلے جائیں گے؟''

جواب میں سروج پھر مسکرائی اور کہنے لگی۔

''دیکھو مالکن! میرا خاندان برسوں سے حسن قاچار اور اس کے باپ دادا کے ہاں خدمات سرانجام دیتا رہا ہے۔ میں پہلی خاتون ہوں جو ان کے قبیلے سے نکل کر شیراز آئی اور آپ کی خدمت کو اپنا فرض بنا لیا۔ میں قاچاریوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ ایران کے سابق بادشاہوں کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان کا نام سنتے ہی ان کی گردن عزت اور تعظیم سے جھک جاتی ہے۔ اس بناء پر میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ یہ کام کر گزریں تو ایران کے اندر آپ کا جو مرتبہ، آپ کا جو وقار ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے حسن قاچار اپنا لشکر لے کر یہاں سے واپس چلا جائے گا۔ اس کے واپس جانے کے بعد کریم خان اور اس کے ساتھی سالاروں کو نئے انداز میں اپنے لشکر کو استوار کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اور پھر ہو سکتا ہے اگلے ٹکراؤ میں کریم خان قاچاریوں کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے۔ اور اگر ایسا ہو گیا تو پھر آنے والے دور میں کہیں بھی قاچاری، کریم خان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گے۔

مالکن! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ آگے آپ کی مرضی۔ جو فیصلہ کریں گی وہ میرے لئے آخری ہوگا۔ اگر آپ میرے ساتھ قاچاریوں کا رخ کریں گی تو اس میں آپ کی اور آپ کے شوہر اور آپ کے بیٹے کی خوش قسمتی اور بھلائی ہے۔ اور اگر آپ میرے ساتھ قاچاریوں کے لشکر کا رخ نہیں کرتیں تو اس میں میرا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہے۔ تاہم محاصرہ کی وجہ سے جہاں آپ پریشان اور فکرمند ہیں، وہاں چونکہ میں آپ کی خادمہ ہوں لہٰذا آپ کی حالت دیکھتے ہوئے میرا پریشان ہونا بھی ایک قدرتی امر ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج جب خاموش ہوئی تب روزبہ بڑی پریشانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''پر میں حسن قاچار سے اس موضوع پر گفتگو کیسے شروع کروں گی؟''

سروج نے جواب میں کندھے اُچکائے، کہنے لگی۔

''یہ بھی کوئی بڑی بات ہے؟ جب بھی کسی سے کوئی اپنا مطلب نکالنا ہو، کسی سے اپنا رکا ہوا کام نکالنا ہو تو پہلے اس کی تعریف کی جاتی ہے، اس کے قبیلے و حسب و نسب کو بلندی پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے سامنے مطلب بیان کر دیا جاتا ہے اور کام ہو جاتا ہے۔''

روزبہ نے اس موقع پر بڑی بے بسی سے سروج کی طرف دیکھا، کہنے لگی۔

''میں تو ان قاچاریوں سے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ نہ مجھے ان کے حسب ونسب سے متعلق کچھ علم ہے۔''

اس پر سروج مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

''اس سلسلے میں آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ کی خادمہ کس لئے ہوں؟ میں یہاں ابھی بیٹھے بیٹھے قاچاریوں سے متعلق سب تفصیل آپ سے کہہ دیتی ہوں۔ اس کے بعد اٹھتی ہیں، شہر سے نکل کر بالکل سیدھی حسن قاچار کی خدمت میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر آپ اس کے لشکر میں جائیں تو حسن قاچار آپ کے کہنے پر آج ہی اپنا پڑاؤ اُٹھا کر شمال کی طرف چلتا بنے گا۔''

اس موقع پر روزبہ نے ایک ممنونیت بھری نگاہ سروج پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

''اگر تم میرا یہ کام کر گزرو تو پھر میں تمہاری زندگی بھر مشکور رہوں گی۔ اس طرح میرا شوہر بھی ذہنی دباؤ سے بچ جائے گا۔ اسے عزت اور وقار کے ساتھ اپنے علاقوں پر حکومت کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اب سب سے پہلے تو مجھے قاچاریوں سے متعلق تھوڑی بہت تفصیل کہو۔''

جواب میں کچھ دیر تک خاموش رہ کر سروج سوچتی رہی، پھر کہنے لگی۔

''جہاں تک قاچاریوں کا تعلق ہے تو یہ قبیلہ ترکوں کی ایک شاخ ہے جو چوتھی صدی ہجری میں دریائے جیہون کے آس پاس کے علاقوں میں آباد تھا۔ ترک رفتہ رفتہ جنوب کی طرف بڑھے اور خوارزم کے علاوہ گورگان کے قدیمی باشندوں کو نکال کر وہاں آباد ہو گئے۔ اہلِ ایران ان کو ترکمان کہتے تھے۔ انہی ترکوں کا ایک قبیلہ سلجوق تھا جس نے ایران اور آس پاس کے وسیع علاقوں پر سلجوقی حکومتیں قائم کی تھیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج رُکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

''ترک بحیرۂ خزر کے کناروں پر آباد ہو کر دو حصوں میں بٹ گئے۔ مشرق کے علاقوں میں جو آباد ہوئے وہ مشرقی ترک کہلائے اور جو مغرب میں آباد ہوئے وہ مغربی ترکوں کے نام سے منسوب ہوئے۔ مشرقی ترکوں کا ایک قبیلہ ازبک خاص طور سے بہت مشہور ہوا۔ یہ قبیلہ ماورائے نہر میں آباد تھا۔

مشرقی ترک ماورائے نہر ہی میں رُکے رہے۔ البتہ مغربی ترک قفقار کے درّوں سے گزرتے ہوئے ایران اور مغربی ایشیاء میں پھیلتے رہے۔ قبیلہ قاچار جس سے متعلق میں آپ کو تفصیل بتا رہی ہوں اس کا تعلق بھی مغربی ترکوں سے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج رکی، اس کے بعد دوبارہ وہ روزبہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بعض لوگ قاچاریوں کا حسب ونسب مغلوں کی نسل سے بھی ملاتے ہیں اور ان کا سلسلہ نسب قاچار نویان سے ملاتے ہیں جو صداق نویان کی نسل سے تھا۔ لیکن اس کے متعلق کوئی سند پیش نہیں کی جاتی۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین نے محض قاچاری قبائل کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کا شجرۂ نسب مغلوں سے ملایا ہو گا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ترکوں کے بعض قبائل نے اپنے آپ کو چنگیز اور اس کے لواحقین کی نسل سے ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ قباچک قاچاری عمائدین نے بھی اپنے آپ مغل ظاہر کیا ہے۔ پہلے اپنا حسب ونسب تیموریوں سے ملایا، پھر ان کے توسط سے اپنا سلسلۂ نسب ہلاکو خان سے جا ملاتے ہیں اور چنگیز خان اور ہلاکو خان کی فتوحات کو اپنی فتوحات بتاتے ہیں۔

قاچاریوں کے اس دعوے کو ان کے ہم عصر لوگوں نے بھی ہوا دی جن کا بیان ہے کہ قبیلہ قاچار ہلاکو خاں کے ہمراہ 656 ہجری بمطابق 1258 عیسوی میں ایران آیا اور دریائے جیہون کے کنارے کے ساتھ ساتھ دشتِ بلقان تک یہ لوگ آباد ہو کر پھیل گئے۔

پھر 736 ہجری بمطابق 1335 عیسوی میں جب ہلاکو خان اور اس کے جانشینوں کی حکومت ختم ہوئی تو اس قبیلے کے لوگ اپنے آپ کو محفوظ نہ پاتے ہوئے ایران کو خیرباد کہہ کر شام چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔

چنانچہ تیمور لنگ جب 803 ہجری بمطابق 1429 عیسوی میں شام پہنچا تو قاچاریوں کو اپنے لشکر میں شامل کر کے اپنے ہمراہ ایران لے آیا۔

ممکن ہے قاچاری قبیلے کے لوگ ہلاکو خان کی حکومت کے خاتمہ پر ایران چھوڑ کر شام چلے گئے ہوں اور پھر تیمور لنگ انہیں اپنے ساتھ ایران لے آیا ہو جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ قاچاری مغل نسل سے تعلق بھی

رکھتے تھے۔ ان کی نسل وہی ہے جو مغربی ترکوں کی ہے۔ مغربی ترک بحیرۂ خزر کے مغربی سلسلے پر آباد ہو گئے ہیں لیکن شمال کی طرف سے جب سلاوی باشندے مغرب کی طرف بڑھے تو انہوں نے مغربی ترکوں کی زندگی اجیرن کر دی۔ اس لئے کہ ترکوں کی طرح یہ سلاوی بھی بڑے جنگجو اور لڑاکا تھے۔ آخر ترک تنگ آ کر اپنے ٹھکانوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور شام کے علاقوں میں جا کر مقیم ہو گئے۔ بعد میں نویں صدی کے شروع میں تیمور لنگ انہیں اپنے ہمراہ ایران لے کر آیا۔

کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ قاچاری نہ تو مغلوں کی نسل سے تھے نہ مشرقی ترکوں کی نسل سے بلکہ ان کا حسب ونسب ماہ نور قبیلے سے ملتا ہے جن کا تعلق یقیناً ترکانِ قفقاز ہی سے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج رکی، پھر دوبارہ کہتی چلی گئی۔

''جہاں تک مجھے ان قاچاریوں سے متعلق تفصیل کا علم ہے اس کے مطابق قاچاریوں کا ذکر صفوی عہد میں کچھ اس طرح آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس دور میں کافی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ ایران کے شہنشاہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے قاچاری ترکوں میں سے ان افراد کو ساتھ ملا لیا تھا جو اس کے باپ کے مرید تھے۔ انہی کی مدد سے وہ اپنی آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس قبیلے کی تین شاخیں تھیں۔ قاچاری، افشاری اور بہاتی۔ صفوی دور کے مشہور شاہ سُون بھی انہی میں سے چلے جاتے تھے۔ (ایران کے بادشاہ شاہ عباس اعظم نے مختلف قبائل کے چیدہ چیدہ نوجوانوں پر مشتمل ایک الگ لشکر منظم کیا تھا جو شاہ سُون یعنی دوستانِ شاہ کہلاتا تھا)

اس کے بعد اس قبیلے کے سردار کا ذکر شاہ حسین صفوی کے بیٹے طہماسپ دوئم کے سلسلے میں آتا ہے جبکہ صفوی حکومت خاتمہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ یہ فتح محمد قاچار تھا۔ اس نے ایران کے حکمران طہماسپ دوئم کی حمایت حاصل کر لی تھی اور طہماسپ دوئم نے اسے اپنا نائب اور سرپرست بنا لیا تھا۔ پر قاچاریوں کی بدقسمتی تھی کہ اس اثناء میں نادر شاہ افشار اُفقِ حکمرانی پر نمودار ہوا۔ وہ طہماسپ کو آلہ کار بنانے کے لئے اس سے آ ملا۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ طہماسپ فتح علی قاچار کے زیر اثر ہے، فتح علی قاچار کو قتل کر کے اپنا راستہ ہموار کر لیا۔ اس طرح نادر شاہ ایران کا حکمران بنا اور نادر شاہ کے بعد اب آپ کا شوہر جنوبی ایران کا حکمران ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتی ہوئی وہ کہہ رہی تھی۔

''جہاں تک موجودہ حسین قاچار کا تعلق ہے، حسن قاچار کے باپ کا نام فتح علی قاچار تھا جسے نادر شاہ نے کریم خان کے کہنے پر قتل کر دیا تھا۔ اسی فتح علی خان کے دو بیٹے محمد حسین خان اور محمد حسن خان ہیں۔ محمد حسن خان نے نادر شاہ کے خوف سے مشرقی ترکوں کے ہاں پناہ لے لی تھی اور اب نادر شاہ کے خاتمہ کے بعد جبکہ آپ کا شوہر جنوبی ایران کا حکمران ہوا ہے تو وہی حسن خان اب ایک طاقت اور قوت حاصل کر چکا ہے اور اب وہی اپنے دونوں بیٹوں محمد خان اور حسین خان قاچار کے ساتھ شیراز سے باہر ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد سروج جب خاموش ہوئی تب توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

''میں تمہاری بے حد ممنون اور شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے قاچاریوں سے متعلق تفصیل بتائی۔ لیکن کیا یہ تم نہیں سمجھتی ہو کہ میرا اور تمہارا یوں اکیلے قاچاریوں کے لشکر میں جانا جہاں خطرناک ہے وہاں ہم دونوں کو اپنی جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں۔''

اس پر سروج اپنی جگہ سے اُٹھی اور کہنے لگی۔

''آپ تھوڑی دیر بیٹھیں، میں اس کا بھی اہتمام کرتی ہوں۔ جو بات میں نے آپ سے اب کی ہے، یہ میں نے آپ کے شوہر کریم خان کے ایک چھوٹے سالار جعفر سے بھی کی تھی۔ جعفر پر میں نے اپنا یہ عندیہ بھی ظاہر کیا تھا چنانچہ اس نے اس بات پر حامی بھری تھی کہ اگر میں اور آپ دونوں قاچاریوں کے لشکر کا رخ کریں گی تو وہ ہمارے ساتھ ہم دونوں کو قاچاریوں کے لشکر میں لے جائے گا اور وہاں حسن خان قاچار سے آپ کی ملاقات بھی کرا دے گا۔''

اس پر روزبہ نے خوشی کا اظہار کیا، پھر کہنے لگی۔

''جعفر کو مستعد کر آؤ کہ وہ شرقی دروازے سے باہر ہمارا انتظار کرے۔ اس کے بعد واپس آؤ۔ پھر دونوں اکٹھی یہاں سے نکلتی ہیں۔''

روزبہ کا یہ جواب سن کر سروج کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ لوٹی اور روزبہ کو کہنے لگی۔

''اب ہمارے سارے ہی راستے صاف ہیں۔ میرے خیال میں اُنھیں، جو کام ہم نے کرنا ہے وہ کر گزریں۔''

چنانچہ روزبہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے جسم پر اس نے بھاری لباس پہنا، چہرہ ڈھانپا اور سروج کے ساتھ ہو لی تھی۔ جب وہ دونوں شیراز کے مشرقی دروازے سے باہر نکلیں تو وہاں ایک نوجوان کھڑا تھا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سروج کہنے لگی۔

''یہ ہمارے لشکر کا چھوٹا سالار جعفر ہے۔ یہ وہاں تک ہمارے ساتھ جائے گا۔''

روزبہ نے جب جعفر کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے سر کو خم کرتے ہوئے روزبہ کو تعظیم دی۔ اس کے بعد روزبہ اور سروج کو لے کر جعفر خان، قاچاریوں کے لشکر کی طرف ہو لیا تھا۔

حسن قاچار، اس کے دونوں بیٹے حسین اور محمد خان قاچار تینوں اپنے کچھ چھوٹے سالاروں کے علاوہ اپنے بزرگ مشیروں کے ساتھ ایک جگہ کھڑے تھے کہ جعفر اور سروج کے ساتھ روزبہ پڑاؤ میں داخل ہوئی۔ یہ صورتِ حال حسن قاچار کے لئے بڑی خوش کن تھی۔ دونوں بیٹوں کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

''جو کام ہم نے سروج اور جعفر کے ذمہ لگایا تھا، لگتا ہے اس میں آج ہمیں کامیابی نصیب ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ جعفر اور سروج کے ساتھ جو لڑکی آ رہی ہے وہ یقیناً ایران کے سابق بادشاہ حسین کی بیٹی اور کریم خان زند کی بیوی روزبہ ہے۔ دیکھو! میں اپنے خیمے میں جاتا ہوں، اس سے گفتگو کرنے کے بعد میں پھر باہر آؤں گا۔ جو کچھ وہ کہتی ہے اس سلسلے میں اپنے بیٹوں سے مشورہ کروں گا، پھر اسے آخری جواب دوں گا۔ ساتھ ہی یہ پیغام کریم خان کی طرف بھجوا دیں گے۔''

چنانچہ حسین قاچار اور محمد خان قاچار اپنے مشیروں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے جبکہ ان کا باپ حسن قاچار اپنے خیمے کی طرف چلا گیا تھا۔ اس موقع پر حسین قاچار اور محمد خان قاچار دونوں بھائیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آخر حسین قاچار اپنے ایک بوڑھے مشیر کو مخاطب کرتے ہوئے انتہائی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''اس موقع پر ہمارے پڑاؤ کے اندر کسی اچھے شاعر، کسی اچھے مغنی کو ہونا چاہئے تھا جو ہماری اس کامیابی پر قصیدہ کہتا۔ جس سے ہماری خوشی میں اضافہ ہوتا۔''

اس پر حسین قاچار کے ان الفاظ کے جواب میں مشیروں میں سے ایک جو زیادہ بوڑھا تھا، اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''اب ایران کی قسمت میں قصیدہ اور مثنوی

کہاں؟ یہاں تو شاعر ہی ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔''

اس مشیر کے ان الفاظ پر محمد خان نے اچنبھے پن کا اظہار کیا۔ کہنے لگا۔

''کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے کہ اس دور میں قصیدہ اور مثنوی کہنے کے لئے ہمارے ہاں کوئی شاعر، کوئی مغنی نہیں رہا؟''

اس پر وہ بوڑھا مشیر چند لمحے سوچنے کے بعد کہنے لگا۔

''ہاں! اس کی خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ ایران میں سابق حکمرانوں یعنی صفویوں کے دور میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ صفوی دور کی مدت لگ بھگ دو سو سال بنتی ہے۔ اس طویل عرصہ پر نظر ڈالنے سے ہمیں نقصان ہی نقصان اور فائدہ کم دکھائی دیتا ہے۔ فائدہ صرف یہ ہے کہ ہمیں نقاشی اور خوش نویسی کا فن عروج پر نظر آتا ہے۔ اس بناء پر ان کے دور میں فنِ تعمیر کی جو یادگاریں وجود میں آئیں وہ آج بھی زائرین سے خراجِ تحسین وصول کرتی ہیں۔ لیکن صفویوں کے لئے اُن کی بادشاہت کے تابناک دور میں نامور شعراء اور ادباء نظر نہ آئے۔ ان کے دور کے شاعر جامی کو اگر نکال دیا جائے تو کوئی نام ایسا باقی نہیں رہتا جو قابل ذکر ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مشیر رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''اس دور میں جو شعر و سخن کی کم مائیگی کی بڑی وجہ بتائی جاتی ہے وہ یہ کہ صفوی بادشاہوں کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ پوری قوم کو وحدتِ ملّی بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے شیعہ مذہب کو رواج دیا اور اسے ایران کا رسمی مذہب بنا دیا۔ اس طرح تمام علاقوں کی حکومتیں ایک مضبوط مرکز کے تحت آ گئیں۔ صفوی حکمرانوں نے شیعہ علماء اور شعراء کی سرپرستی کی اور انہیں مخصوص دینی مسائل اور مرثیہ گوئی کی طرف راغب کیا تاکہ رسمی مذہب سے لوگوں کی عقیدت استوار ہو جائے۔ اس اقدام سے وحدتِ ملّی کو استحکام ملا اور شیعہ مذہب کو فروغ بھی حاصل ہوا تھا۔ لیکن علم و ادب کا میدان بہت محدود ہو گیا۔''

(مشہور ایرانی ادیب علامہ محمد قزوینی نے بھی کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈی۔ جی۔ براؤن بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ صفوی عہد میں علم و ادب کی پستی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ صفویوں کو ترکوں سے دشمنی تھی۔ ترک بادشاہوں کی دشمنی کے باعث صفوی تاجداروں کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اہلِ ایران میں مذہبی اور فکری یک رنگی پیدا کی جائے۔ اس لئے وہ شیعہ علماء کی حوصلہ افزائی کرتے

تھے جن کے پیش نظر صرف یہ مقصد تھا کہ ایران کے طول و عرض کو ایک ہی مذہبی رشتے میں منسلک کر دیا جائے اور اس کے ذریعے سیاسی یکجہتی قائم کی جائے۔ آج سارے ایران میں مختلف بولیوں کی بجائے ایک ہی زبان بولی جاتی ہے اور اہل ایران کم و بیش ایک ہی مذہبی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ صفوی دور ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے)

دم لینے کے لئے وہ بوڑھا مشیر رکا، پھر بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

''صفوی بادشاہ اگرچہ ایک مشہور صوفی بزرگ کی اولاد تھے لیکن وہ صوفیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صوفی زیادہ تر اہل تسنن تھے۔ صوفیوں کا اثر مریدوں اور عوام پر تھا۔ اس بناء پر ان سے صفویوں کو یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں وہ رسمی مذہب کے خلاف کوئی اور مذہبی تحریک نہ چلائیں۔ اس لئے انہوں نے مسلکِ تصوف سے بھی لوگوں کی توجہ ہٹائی۔ یہی وجہ ہے کہ صفویوں کے دور میں صوفی شاعروں اور نثر نگاروں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ تصوف جو فکر و سخن کا بہت بڑا ذریعہ تھا پس پشت چلا گیا۔ غزل، مثنوی اور رباعی جو صوفیانہ موضوعات بیان کرنے کا ذریعہ تھے، قصہ پارینہ بن کر رہ گئے ہیں۔ قصہ سننا حکمران گوارا نہ کرتا تھا۔''

(ڈاکٹر رضا زادہ شفق کے مطابق صفوی بادشاہ بالخصوص طہماسپ عباس اعظم کا حکم تھا کہ قصید صرف آئمہ کے کہے جائیں۔ اُمراء اور رؤساء کی مدح خوانی نہ کی جائے۔ حکومت کی طرف سے صرف مرثیہ گو شعراء کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی اس لئے شعر و سخن کا دامن سمٹ کر رہ گیا)

چند لمحے رک کر اس بوڑھے مشیر نے پھر کہنا شروع کیا۔

''صفویوں کے اس عمل کی وجہ سے شاعروں کے دنیاوی انعام و اکرام کے وسیلے ختم ہو گئے اور اکثر شعراء ایران سے ہندوستان کا رخ کرنے لگے۔ کیونکہ ہندوستان میں مغل بادشاہوں اور امراء کے درباروں میں شعر و سخن کے چرچے تھے اور شاعروں کے منہ جواہرات سے بھرے جاتے تھے۔ اس لئے اکثر نامور علماء اور شعراء نے سرزمینِ ایران کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ گویا ایران کے سرود و نغمہ نے وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ بوڑھا مشیر خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر حسین قاچار کہنے لگا۔ ''میرے خیال میں اب ہم سب کو ایک خیمے میں جا کر بیٹھنا

چاہئے تا کہ اسی خیمے میں ہمارا باپ آئے اور کریم خان کی بیوی کے ساتھ جو گفتگو ہوئی ہے اس کی اطلاع ہمیں کرے گا۔"

سب نے حسین قاچار کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ ۰۰ سب ایک طرف ہو لئے تھے۔

دوسری طرف جعفر اور سروج روزبہ کو لے کر ایک خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ خیمہ حسین قاچار کا تھا۔ حسین قاچار نے چونکہ پہلے ہی انہیں اپنے پڑاؤ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا لہٰذا خیمے سے باہر نکل کر اس نے ان کا استقبال کیا اور انہیں اپنے ساتھ خیمے کے اندر لے گیا۔ تینوں جب اندر بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز سروج نے کیا اور بڑی اپنائیت سے وہ حسن قاچار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"مالک! یہ کریم خان کی بیوی روزبہ اور ایران کے سابق شہنشاہ حسین کی بیٹی ہیں۔ اس موقع پر میں کچھ نہیں کہوں گی۔ جو کچھ کہنا ہے یہ خود ہی آپ سے کہے گی۔"

روزبہ کو چونکہ ابھی تک اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سروج اور جعفر ہی تھے جو اندر ہی اندر قاچاریوں کے حق میں اور کریم خان کے لشکر میں رہتے ہوئے کریم خان کے خلاف ہی کام کر رہے تھے۔ چنانچہ جب سروج خاموش ہوئی تب حسن قاچار کی طرف دیکھتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

"سروج کے کہنے پر میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں کہ یہ باہمی تنازعات ترک کر کے آپس میں اتفاق رائے پیدا کرنا چاہئے۔ صفوی خاندان کے دورِ حکومت میں ایران کے اندر جس طرح یکجہتی تھی، میں چاہتی ہوں اب بھی ویسی ہی یکجہتی ایران کے اندر رہے۔ میں آپ کے پاس یہ پیغام لے کر آئی ہوں کہ آپ شیراز سے اپنا پڑاؤ اٹھا کر شمال کی طرف چلے جائیں۔ شمال کے علاقوں پر آپ حکومت کرتے رہیں اور جنوب کے علاقوں پر میرے شوہر کی حکومت رہنے دیں۔ اگر آپ ایسا کرنے پر رضامند ہو جائیں تو میں آہستہ آہستہ اپنے شوہر کو اس بات پر رضامند کر لوں گی کہ وہ آنے والے دور میں آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ اس طرح ایران کے اندر امن اور سکون ہو جائے گا اور امن اور سکون ہی میں ایران ترقی کر پائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر خاموش رہ کر حسن قاچار سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔ "ایران کے سابق شہنشاہ حسین کی بیٹی کی حیثیت سے ہم

آپ کی عزت، آپ کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن جو موضوع آپ لے کر آئی ہیں اس پر میں اکیلا فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ آپ تینوں یہاں بیٹھیں، میں اپنے بیٹوں سے بات کرتا ہوں، اس کے بعد آخری فیصلے سے آگاہ کرتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی حسن قاچار اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ حسن قاچار کے جانے کے بعد جعفر بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور سروج کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ دونوں بیٹھیں، میں ذرا دیکھتا ہوں کہ محترم حسن قاچار اپنے بیٹوں کے ساتھ کیا فیصلہ کرتے ہیں تا کہ مجھے بھی اس سے آگاہی رہے۔"

اس کے ساتھ ہی سروج یا روزبہ کے ردِعمل کا انتظار کئے بغیر جعفر بھی خیمے سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ حسن قاچار اور جعفر بیگ دونوں آگے پیچھے اس خیمے میں داخل ہوئے جس میں حسین قاچار، محمد خان قاچار اور دیگر مشیر اور سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن قاچار کے داخل ہونے پر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ حسن قاچار نے جب انہیں بیٹھنے کے لئے کہا تب وہ بیٹھ گئے۔ اس کے پیچھے پیچھے جعفر بھی ایک نشست پر ہو بیٹھا۔ پھر گفتگو کا آغاز حسن قاچار نے کیا اور کہنے لگا۔

"سروج اور جعفر کے ذریعے کریم خان کے خلاف جو جال ہم بُننا چاہتے تھے اس کی ہم نے تکمیل کی ہے اور اس سارے کام کا سہرا اس جعفر اور سروج کو جاتا ہے۔ انہیں میں ایسے انعام و اکرام سے نوازوں گا کہ یہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔ میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ مازندان میں جو ہمیں کریم خان کے خلاف فتوحات حاصل ہوئیں وہ بھی جعفر اور سروج ہی کی وجہ سے تھیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں کریم خان کے لشکر میں رہتے ہوئے اس کے نہ صرف لشکر کی نقل و حرکت بلکہ جنگی منصوبہ بندی کی بھی ہمیں بروقت اطلاع کرتے جس کی بناء پر ہم مناسب وقت پر کریم خان کے خلاف حرکت میں آئے اور اپنی کامیابی اور فتح مندی کو یقینی بنایا۔ ہرات کی طرف جانے والی شاہراہ پر جو کریم خان کو نقصان ہوا تھا وہ بھی ان دونوں ہی کی وجہ سے تھا۔ بہرحال اس وقت کریم خان کی بیوی یا اسے ہم لوگ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کریم خان کی عزت، اس کا وقار، اس کی آبرو، ساری عصمت ہمارے خیمے میں ہے۔ پہلے یہ کام کرو کہ کسی کو قاصد بنا کر کریم خان کی طرف شیراز شہر میں روانہ کرو اور کریم خان کو میری طرف سے یہ پیغام دو کہ اس کی بیوی روزبہ اس وقت میرے خیمے میں موجود ہے،

اسے آ کر لے جائے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار نے ایک بلند اور مکروہ قہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

''جب یہ پیغام شیراز میں کریم خان کو ملے گا تو جانتے ہو کیا ہو گا۔ وہ غصہ اور غضب ناکی میں دھاڑے گا۔ جنونیوں کی طرح اپنا سر پیٹے گا، پاگل پن کا مظاہرہ کرے گا، واویلا کرے گا، اندوہ کرے گا اپنی بدقسمتی پر۔ شیراز شہر کے قصر میں شور وغل مچائے گا کہ اس کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی ہو گئی کہ اس کی بیوی ہمارے خیمے میں پہنچ گئی۔ اس پیغام کے ملنے سے کریم خان کچلا مسلا جائے گا اور آنے والے دور میں ہمارا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ پاگل اور جنونی ہو جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن قاچار طاقت کے نشے میں جب قہقہہ لگا کر خاموش ہوا تب وہی بوڑھا مشیر جس نے تھوڑی دیر پہلے حسین قاچار اور محمد خان قاچار کو ایران کی سرزمین میں شاعروں اور مغنیوں کے نہ ہونے کی وجہ بیان کی تھی، وہ کچھ دیر تک حسن خان قاچار کی طرف دیکھتا رہا، پھر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ حسن خان قاچار جس کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں، تفکرات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں دیکھتا ہوں تم غیر معمولی سنجیدہ دکھائی دے رہے ہو۔ اور میں اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ماضی میں جو مشورے تم نے دیئے وہ بہت عمدہ اور اچھے تھے۔ ہمارے لئے سودمند ثابت ہوئے تھے۔ تمہارا اس حالت میں سنجیدہ رہنا اور اس انداز میں میری طرف غور اور سنجیدگی سے دیکھنا کسی علت کے بغیر نہیں ہے۔ کہو کیا بات ہے؟''

یہاں تک کہنے کے بعد حسن خان قاچار جب خاموش ہوا تب وہ بوڑھا مشیر اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''جو کچھ آپ نے کیا ہے کاش ایسا کرنے سے پہلے آپ تینوں باپ بیٹے نے ہم سے بھی مشورہ کیا ہوتا۔ یہ ایک بہت بڑا قدم ہے جو ایک خونی انقلاب بھی برپا کر سکتا ہے۔''

اس مشیر کے ان الفاظ پر حسن قاچار چونکا تھا، جستجو بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''کیسا خونی انقلاب؟''

اپنے خشک ہونٹوں پر اس لمحہ اس مشیر نے زبان پھیری پھر دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔ ''میں نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ حکمرانوں کے ساتھ یا قبائلی سربراہوں کے ساتھ ہی گزارا ہے۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے کریم خان کی بیوی کو یہاں بلا کر اس

کے خلاف کامیابی حاصل کر لی ہے۔ یہ اطلاع اور یہ خبر سن کر وہ پاگل، جنونی ہو جائے گا اور آنے والے دور میں آپ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ اگر میں آپ تینوں باپ بیٹوں سے جان کی امان پاؤں تو اپنے خیالات کا اظہار کروں؟''

اس موقع پر حسین اور محمد خان قاچار دونوں عجیب سے انداز میں اپنے باپ حسن قاچار کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ حسن قاچار بھی فکرمند ہو گیا تھا لہٰذا مشیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''کہو..... تم بخوشی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔''

اس بوڑھے مشیر نے پھر اپنا گلا صاف کیا، کہنے لگا۔

''محترم حسن قاچار! میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا کہ کریم خان پاگل اور جنونی ہو جائے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ جب اسے یہ خبر ہو گی کہ اس کی بیوی آپ کے خیمے میں ہے تو وہ پہلے مرحلے میں دو کام کرے گا۔ یا تو فی الفور اپنی بیوی روزبہ کو طلاق دے دے گا یا اس سے قطع تعلق کر لے گا اور آنے والے دور میں کبھی بھی اسے منہ نہیں لگائے گا۔ یہ خبر سننے کے بعد میرے اندازے کے مطابق وہ دوسرا قدم جو اٹھائے گا وہ ہمارے لئے بڑا خطرناک اور ہولناک ہو گا۔''

''وہ کیسے؟'' حسن قاچار نے کسی قدر خوف بھرے لہجے میں پوچھ لیا تھا۔

اس بوڑھے مشیر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر پہلے کی نسبت زیادہ سنجیدہ انداز میں وہ کہہ رہا تھا۔ ''سنو عظیم لوگو! تمہارے مقابلے میں، میں کمتر اور ہیچ صحیح لیکن میرا تجربہ تم سے بالا ہے۔ اس بشر گاہِ زیست میں جب بھی کسی بے بس فرد کو قہرمانی کی گونجوں میں ظلِ اماں سایۂ دوست، زندگی کی تازگی، ذات کی آسودگی کی نغمگی سے محروم کر دیا جاتا ہے تو وہ پھر آئینے اور ان کا روپ توڑنے لگتا ہے۔ اعصابی درد طاری کرنے والے دکھ اوڑھ لیتا ہے۔ اور یہاں تو کریم خان ہے جو ایران کے جنوبی علاقوں کا حکمران ہے۔ رزم گاہِ جنگ کا بہترین تجربہ بھی رکھتا ہے۔ یاد رکھنا جب یہ خبر اس تک پہنچے گی تو وہ جنونی بن کر دھاڑیں نہیں مارے گا، پاگل نہیں ہو جائے گا، یہ خبر سن کر یاد رکھئے گا اس کے ان تمام انتقام کی لہریں اپنے عروج پر آ جائیں گی۔ فتح مندی کا نشہ پوری طرح اس پر طاری ہو جائے گا اور جنگ کے سارے ہی تجربات اور رزم گاہ کی ساری ہی ہنرمندی اس کے وجود میں اپنے عروج پر آ جائے گی۔ اور جب ایسا ہو گا تو

حسن قاچار اور اس کے دونوں بیٹو! میں تم سے کہتا ہوں یہی کریم خان تمہارے مقابلے میں روشنی کے دشت کی بجائے تیرگی کے سائے کھڑے کرے گا۔ دن کے اجالوں کو رات کے آنچل میں بدل دے گا۔ آسمان کی نیلاہٹوں تلے صبح کے دامن کو طے کر دے گا، زمین کے بدن کے سارے بخیے اُدھیڑ کر ہر شے کی ذات کے خواب میں سیاہ رنگ کی تقدیروں کی لہریں بھر دے گا۔''

اس مشیر کے یہ الفاظ سن کر حسن قاچار اور اس کے دونوں بیٹے اور دوسرے لوگ دنگ رہ گئے تھے۔ چند لمحے ٹھہر کر دم لینے کے بعد وہ بوڑھا مشیر پھر بولتا چلا گیا تھا۔

''آپ لوگ اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں اور کرتے ہیں کہ کریم خان زند ٹھہرے خوابوں میں خوشنما مناظر جیسا دل پسند یدہ سالار ہے۔ فتح مندی کا طواف کرتے سنگلاخ حالات جیسا کماندار ہے۔ جب آپ لوگوں کا یہ پیغام اسے ملے گا کہ اس کی بیوی آپ کے خیمے میں ہے اور اس کی بیوی کو کس طرح، کس حیلے، کس جتن، کس حربے سے وہاں پہنچایا گیا ہے تو یاد رکھئے گا وہ اپنی معجز نما زیست کا در کھولے گا۔ آپ لوگوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے بربریت کھڑی کرتے آشوب کا لباس پہنے گا، تڑپتے، سسکتے جذبوں کو اپنے سر پر خود کی طرح رکھے گا۔ اُبھرتے سوالات کی خواہشوں سی عبا پہنے گا۔ پھٹ پڑنے والے آتش فشاں کی صورت اختیار کرے گا اور ہر شے کو ناپید کرتے انگاروں کی ضرب لگانے کے لئے وہ موت کی بے کراں وادیوں میں ہم سب کے لئے ایک نئی رزم گاہ کھڑی کرے گا۔ ایک ایسی رزم گاہ جس کے اندر وہ حدیثِ رزم گاہ میں وجود کو عدم میں تبدیل کر کے روحوں کو زندگی کی حرارت سے محروم کرے گا۔ یاد رکھنا! جو فعل ہم نے کیا ہے یہ نہ صرف مذہب و ملت کی نگاہوں میں پست تر ہے بلکہ اس کی خبر جس وقت کریم خان کو ہو گی تو میں تم لوگوں سے پہلے ہی کہے دیتا ہوں کہ وہ آگ و آہن کا طوفان بن کر حرکت میں آئے گا۔ پُر بستہ طیور کے قفس توڑ دے گا، بے کراں اندھیرے، تیرگی کا کھولتا فسوں بن کر ہمارے خلاف اُٹھے گا اور ہمارے سامنے، ہمارے پیچھے، دائیں اور بائیں چاروں طرف خون کے بھڑکتے شعلے کھڑے کر کے رکھ دے گا۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس کی آتشیں تلوار ہمارے لئے چار سُو فنا کے غیر مانوس نقش کھڑے کرتی چلی جائے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مشیر جب خاموش ہوا تب حسن قاچار بے پناہ غصہ کا

اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ ''تم بکواس کرتے ہو۔ ہمارے مقابلے میں تم کریم خان کو ایک بھیانک صورت میں پیش کر رہے ہو۔ کیا ہم پر خوف اور لرزہ طاری کرنا چاہتے ہو؟ جو الفاظ تم نے ادا کئے ہیں اگر میں تمہیں امان نہ دے چکا ہوتا تو ابھی اسی وقت تمہاری گردن کاٹ دینے کا حکم دے دیتا۔''

یہاں تک کہتے کہتے حسن قاچار کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ وہی بوڑھا مشیر کہنے لگا۔ ''میں نے آپ کا زندگی بھر نمک کھایا ہے۔ کبھی کسی موقع پر نمک حرامی نہیں کی۔ اپنے تجربہ کے آئینہ میں جو حالات میں دیکھتا ہوں ان کی عکاسی آپ کے سامنے کی ہے۔ برا نہ مانئے گا، پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میری گردن نہیں کاٹ رہے، مجھے امان دے چکے ہیں۔ لیکن میں اب بھی خوف زدہ ہوں کہ جو پیغام آپ نے کریم خان کی طرف بھجوایا ہے اس پیغام کے جواب میں ایک کھولتا ہوا سرخ لاوا اور سائیں سائیں کرتی ہوئی فنا کی آواز بناتی آگ ضرور ہماری طرف بڑھے گی۔ لازم ہے ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ کریم خان کے سامنے اپنے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے ابھی سے تیاریاں شروع کر دیں۔''

اس مشیر کے ان الفاظ پر حسن خان، حسین خان اور محمد خان تینوں باپ بیٹا یوں لگتے تھے کہ ان سے ان کی زبان کا نطق چھین لیا ہو۔

جعفر خان جو اصل میں حسین خان قاچار ہی کا ایک سالار تھا اور دھوکا دہی و فریب کا لبادہ اوڑھ کر کریم خان کے لشکر میں شامل ہو چکا تھا اور کریم خان کے لشکر کی ساری خبریں قاچاریوں تک پہنچاتا تھا، وہ بھڑک اٹھا۔ کہنے لگا۔

''اس کریم خان کی ایسی تیسی۔ اس وقت وہ ہمارے سامنے شیراز شہر کے اندر محصور ہے۔ اپنی جان بچانے کی کوشش میں ہے اور تم کہتے ہو کہ وہ ہم پر حاوی ہو کر ہم پر خوف طاری کر دے گا۔''

جعفر خان جب رکا تب حسن خان قاچار اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔ چلو پہلے روزبہ کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ جو پیغام وہ لے کر آئی ہے اسے ہم رد کرتے ہیں۔ وہ واپس اپنے شوہر کے پاس چلی جائے۔ جس کام کے لئے وہ آئی ہے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرنے سے انکار کرتے ہیں۔''

اس پر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس خیمے سے نکل کر حسن خان قاچار کے خیمے کی

طرف گئے۔ انہوں نے دیکھا اس وقت خیمے سے باہر سروج اکیلی کھڑی تھی۔ حسن خان قاچار نے پہلے آگے بڑھ کر خیمے کے اندر جھانکا، خیمہ خالی پڑا تھا۔ سروج کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ ''کریم خان کی بیوی روزبہ کدھر چلی گئی؟''

جواب میں سروج کہنے لگی۔ ''ہمارے اور آپ کے درمیان جو طے ہوا تھا وہ یہی تھا کہ روزبہ کو صرف یہاں بلایا جائے گا۔ اسے یہاں لانا صرف کریم خان کو اپنے سامنے زیر و ذلیل کرنا مقصود تھا۔ ایسا ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر سب کچھ واضح کر دیا کہ میں اور جعفر خان حقیقت میں قاچاریوں کے خیر خواہ ہیں اور قاچاریوں کے سامنے کریم خان کو زیر کرنے کے لئے اسے اپنے ساتھ یہاں لے کر آئے ہیں۔ میرے اس انکشاف پر وہ بھڑک اُٹھی۔ لہٰذا واپس شہر کی طرف جا چکی ہے۔''

اس پر حسن خان قاچار نے تالی بجائی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''چلو اچھا ہوا، جو کام ہم کرنے آئے تھے کہ روزبہ کو واپس شیراز شہر کی طرف بھجوا دیں، وہ ہماری آمد سے پہلے تم نے خود ہی کر دیا ہے۔''

پھر حسن خان قاچار نے اپنے بوڑھے مشیر کی طرف دیکھا، کہنے لگا۔ ''کیا اب بھی تم کہتے ہو کہ کریم خان ہمارے خلاف کوئی آتشیں طوفان کھڑا کرے گا؟''

اس پر بوڑھا مشیر کہنے لگا۔ ''اس وقت میں کچھ نہیں کہتا۔ جو کچھ کہنا تھا وہ اپنے تجربے کی بناء پر کہہ چکا۔ اب کہوں گا تو میری گردن کاٹ دی جائے گی۔ اس لئے کہ جو کچھ پہلے کہا تھا آپ سے امان لے کر کہا تھا۔ اب میں خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ یوں جانئے اس موضوع پر میں نے اپنے لبوں کو سی لیا ہے۔''

حسن خان قاچار نے ایک قہقہہ لگایا، کہنے لگا۔

''بہت خوب۔ تم جیسے دانش مند سے مجھے ایسی ہی امید تھی۔ لیکن میں تمہارے خدشات کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ کسی بھی لمحہ کریم خان کے حملے سے بچنے کے لئے ابھی سے اپنے لشکر کو تیار کرتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو مخصوص اشارہ کیا اور وہ لشکر کو تیار رکھنے کے لئے اپنے بیٹوں اور اپنے سالاروں کے ساتھ ایک طرف ہو لیا تھا۔

کریم خان، شیخ عالم خان، شیخ علی خان، آزاد خان اور کچھ دیگر سالار شیراز کے مستقر میں لشکر کے لئے جو تربیت گاہ بنی ہوئی تھی وہاں کھڑے نئے تیار ہونے والے لشکریوں کا کام دیکھ رہے تھے کہ قاچاریوں کے قاصد کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس موقع پر سب بڑے غور سے اس قاچاری قاصد کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کریم خان نے بھی پہلے اس کے سراپا کا جائزہ لیا پھر اسے مخاطب کر کے اس نے پوچھ لیا۔

''تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ اور کس غرض کے لئے آئے ہو؟''

اس پر وہ قاچاری اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

''مجھے آپ کی طرف قاچاری قبیلے کے موجودہ سالار حسن قاچار نے بھیجا ہے اور آپ کے نام اس نے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ کی بیوی روزبہ اس وقت حسن قاچار کے خیمے میں ہے اور حسن قاچار نے آپ سے کہا ہے کہ آپ اپنی بیوی کو آ کر لے جائیں۔''

یہ الفاظ سن کر بیک وقت شیخ عالم خان اور شیخ علی خان کے علاوہ کچھ دیگر چھوٹے سالاروں کے ہاتھ بھی اپنی تلواروں کے دستوں کی طرف چلے گئے تھے۔ آزاد خان جو قریب ہی کھڑا تھا، غصے کے مارے اس کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ہاتھ کے اشارے سے کریم خان نے انہیں دھیما کیا جس کے جواب میں سب نے اپنی تلوار کے دستوں سے اپنے ہاتھ ہٹا لئے۔ آزاد خان جو قاصد پر ہاتھ اٹھانے کے لئے آگے بڑھنے لگا تھا، وہ بھی رک گیا تھا۔ پھر قاصد کو مخاطب کرتے ہوئے کریم خان نے پوچھ لیا۔

''میری بیوی روزبہ حسن قاچار کے خیمے میں کیسے پہنچ گئی؟''

اس پر قاصد کہنے لگا۔

''آپ کی بیوی کو آپ کا سالار جعفر خان اور آپ کی خادمہ سروج لے کر گئے تھے۔ جعفر اور سروج دونوں ہی حسن قاچار کے پرانے نمک خوار تھے۔ آپ کے لشکر میں اسی غرض سے شامل ہوئے تھے کہ کسی موقع پر حسن قاچار کے مقابلے میں آپ کو زک پہنچائیں۔ اور ایسا کرنے میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ مازندان کے میدانوں میں جو دو بار آپ کو شکستوں کا سامنا ہوا وہ اسی سروج اور جعفر کی جاسوسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دونوں آپ کے لشکر کی پل پل کی خبریں ہی نہیں، آپ کی جنگی منصوبہ بندی بھی قاچاریوں تک پہنچاتے رہے تھے۔''

قاصد جب خاموش ہوا تب کاٹ کھانے والے انداز میں کریم خان بول اٹھا۔

''تو یہ ہے قاچاریوں کی جوانمردی، ان کی حمیت و غیرت کہ انہوں نے اپنی ایک عورت کو میرے ہاں رکھا جو میرے ہاں ملازمہ کی حیثیت سے کام کرتی رہی۔ اور یہ ہے ان کے ہاں کسی عورت کا مقام کہ وہ میری بیوی کو بہلا پھسلا کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ کیا تم اس کی وجہ بتاؤ گے کہ میری بیوی کیسے ان کے ہاں گئی؟''

اس پر وہ قاصد نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

''مجھے جو پیغام ملا تھا وہ میں آپ سے کہہ چکا ہوں اور میں اسی قدر آپ سے کہنے کا مجاز تھا۔ مجھے اجازت دیں، میں اب جاتا ہوں۔''

اسی لمحہ کریم خان کا ایک مخبر وہاں آیا اور کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''امیر! یہ کیا بتائے گا؟ میں ابھی اُدھر ہی سے آ رہا ہوں۔ خبر یہ ہے کہ جعفر خان اور سروج دونوں روزبہ کو بہلا پھسلا کر قاچاریوں کے خیمے میں لے گئے۔ روزبہ کو انہوں نے یہ سبق دیا کہ قاچاریوں اور کریم خان کے درمیان جنگیں طویل ہو جائیں گی۔ جن میں کریم خان کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ روزبہ چونکہ آپ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتی ہے لہٰذا وہ نہیں چاہتی کہ قاچاریوں کے مقابلے میں اس کا شوہر اذیت کا شکار ہو یا اسے مزید شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ چنانچہ سروج نے اسے کہا وہ اس کے اور جعفر کے ساتھ قاچاریوں کے سردار حسن کے پاس جائے اور اس سے یہ گزارش کرے کہ جنگوں کا سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ شمال میں قاچاری حکومت کرتے رہیں، جنوب میں اس کے شوہر کریم خان کی حکومت رہنے دیں۔ سروج اور جعفر دونوں نے روزبہ کو یہ یقین دلایا تھا

کہ وہ چونکہ ایران کے آخری بادشاہ حسین کی بیٹی ہے لہٰذا قاچاریوں کا سردار حسن ان کا کہا نہیں ٹالے گا اور اگر وہ ایسا کرے تو قاچاریوں اور کریم خان کے درمیان جنگ بند ہو جائے گی۔ ملک میں امن ہو جائے۔ بس آپ ہی کی بہتری اور بھلائی کے لئے وہ سروج اور.....''

یہاں تک کہتے کہتے اس مخبر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اسی وقت ایک طرف سے بھاگتی ہوئی روزبہ بھی وہاں آئی تھی۔ جب وہ کریم خان کے پاس آئی تو کریم خان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے دور ہی رکنے کے لئے کہا۔ ساتھ ہی گرجتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

''میرے نزدیک آنے کی کوشش نہ کرنا، نہ ہی مجھ سے گفتگو کرنا۔ تمہاری بھلائی، تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جس طرح تم قاچاریوں کے ہاں گئی تھیں اسی طرح لوٹ جاؤ۔ انہی کے اندر جا کر رہو۔ میرا تم سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں رہا۔''

روزبہ منت کرنے کے انداز میں کہنے لگی۔

''پہلے میری بات تو سن لیں۔ میں آپ پر وہ انکشاف کرنا چاہتی ہوں جو اس سے پہلے.....''

کریم خان نے روزبہ کی بات کاٹ دی۔ کہنے لگا۔

''مجھے کسی انکشاف کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہی کہنا چاہو گی کہ سروج اور جعفر خان دونوں بہلا پھسلا کر قاچاریوں کے ہاں لے گئے تاکہ تم ان کی منت و سماجت کر کے جنگ کو ٹال سکو اور وہ واپس چلے جائیں۔ کیا ایسا کرنے کے لئے تمہیں مجھ سے اجازت نہ لینی چاہئے تھی؟ تمہاری وجہ سے آج حسن قاچار اپنے قاصد کے ذریعہ مجھے یہ پیغام بھیج چکا ہے کہ کریم خان! تمہاری بیوی اس وقت میرے خیمے میں ہے، آ کر اسے لے جاؤ۔''

اس پر روزبہ مزید آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہتی تھی کہ کریم خان بری طرح دھاڑا۔

''اگر تم نے اب ایک قدم بھی میری طرف بڑھایا یا ایک جملہ بھی مجھے مخاطب کر کے کہا تو میں یہیں کھڑے کھڑے تمہیں طلاق دے دوں گا۔ واپس شیراز کے قصر میں چلی جاؤ، وہیں تمہاری رہائش ہو گی۔ میں آج کے بعد اس قصر میں نہیں رہوں گا۔ اپنے لئے علیحدہ رہائش کا بندوبست کر لوں گا۔ تمہیں اجازت ہے، تم اپنے بیٹے ابوالفتح سے مل

سکتی ہو۔ میں اپنے بیٹے سے صاف کہہ دوں گا کہ وہ جب اور جس وقت چاہے تم سے مل سکتا ہے۔ ساتھ ہی سارے سالاروں کے سامنے میں تم سے کہتا ہوں کہ آئندہ اگر تم نے دانستہ طور پر میرے سامنے آنے کی کوشش کی یا مجھے مخاطب کرنا چاہا یا میری منت و سماجت کر کے مجھے راضی کرنے کی کوشش کی تو میں وہیں کھڑے کھڑے تمہیں طلاق دے دوں گا۔ اب تم جا سکتی ہو۔''

کریم خان کے یہ الفاظ سن کر روزبہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ پھر دھاڑیں مارتی ہوئی تقریباً بھاگتی ہوئی شیراز شہر کے قصر کی طرف چلی گئی تھی۔

روزبہ کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک کاٹ کھانے والی خاموشی طاری رہی تھی۔ سارے سالاروں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ پریشان اور فکرمند تھے۔ کریم خان کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ سارے سالار کبھی کبھی کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ بھی لیتے تھے۔ پھر ایک لمبا سانس کریم خان نے لیا پھر اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تخت یا تختہ۔''

یہ الفاظ سن کر سارے سالار چونکے تھے۔ اس موقع پر شیخ عالم اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کریم خان کو کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ کریم خان کی کھولتی، کپکپاتی آواز سنائی دی۔ اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

''یہ قاچاری مجھے بے چہرگی کے موسموں میں طائر شکستہ پر ہجر کے اُداس لمحوں میں شجر سے کٹا ہوا سایہ، سنگ برساتے لمحوں میں پیاس کا نوکیلا کانٹا، سمندر کے فسوں میں چیختی بھاگتی بے بس لہر اور زمستانی راتوں میں اجنبیت کی برف باری خیال کرنے لگے ہیں۔ لیکن میں نے ان پر ثابت کرنا ہے کہ ابھی کدورت اور نفرت کا اظہار کرتی میری تلوار ان کی رگیں کھنگال سکتی ہے۔ فاصلوں کے دشت میں دلوں کا درد طاری کرتے جذبوں سے لیس ہو کر میں انہیں اپنے سامنے سرنگوں کر سکتا ہوں۔ ساعتوں کی بے کلی میں تند و تیز طوفانی جھکڑوں سے لیس میں ان کے خلاف سینہ سپر ہو سکتا ہوں۔ خداوند قدوس نے چاہا تو میں آج ان کی زندگی کے محور کو زوال و انحطاط کی لہروں اور ان کے کھلے سر اور ننگے پاؤں سے بے وارثی کی شام کی کمند باندھ کر رکھ دوں گا۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں بے پناہ غصہ

اور غضب ناکی کا اظہار کرتے ہوئے شیخ عالم خان بول اٹھا تھا۔

''ان قاچاریوں نے ہماری بہن کو دھوکے اور فریب کے ساتھ اپنے پڑاؤ میں لے جا کر ہمارے سینوں میں خنجر گھونپے ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں ہم ان کے سامنے دب گئے ہیں، ان کے دبیل ہو گئے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کے خیالوں، ان کے جذبوں میں اندھیروں کے بھنور بھر کر رکھ دیں۔ ان کی آرزو مند آنکھوں کو خون سے سینچیں اور ان کے بشارت طلب دل میں منزلوں کے آخری نوحے رقم کر کے رکھ دیں۔''

شیخ عالم خان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی طرح کی غضب ناکی اور غصہ کا اظہار کرتے ہوئے شیخ علی خان بول اٹھا تھا۔

''ان قاچاریوں نے ہمیں ہمارے ہی چراغوں کی روشنی سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دھوکے اور فریب سے کام لیتے ہوئے مازندان میں ہمیں دو بار پسپا کر کے وہ ہم پر حاوی ہو گئے ہیں اور ہم نے ان پر ثابت کرنا ہے کہ ہم اب بھی ان کی سانسوں میں بھاپ اور تیرگی کے جلتے ہوئے غبار بھر سکتے ہیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے شیخ علی خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دھاڑتی ہوئی آواز میں آزاد خان بول اٹھا تھا۔

''ان قاچاریوں نے عورت کے مقام اور مرتبہ کو فراموش کرتے ہوئے ہمارے سکون، آگہی، لمحوں میں اندھی خونی شورش برپا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے جواب میں ہم ان کی زبانوں پر انگارے رکھیں گے، ان کے کفِ دست میں صحرائے گریہ کے قصے بھریں گے اور ان کی خون کی رگیں باندھ کر انہیں زندگی کی وہ مار ماریں گے کہ ان کے لئے عبرت کا سامان بن جائے گی۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آزاد خان جب خاموش ہوا تب ہاتھ کے اشارے سے کریم خان نے عالم خان، علی خان اور آزاد خان تینوں کو اپنے قریب بلایا۔ وہ تینوں آگے بڑھے۔ کریم خان کچھ دیر تک بڑے رازدارانہ انداز میں ان سے گفتگو کرتا رہا۔ اس کے بعد چاروں پیچھے ہٹے۔ کریم خان اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک طرف ہو لیا جبکہ آزاد خان، شیخ عالم خان اور شیخ علی خان دوسری سمت ہو لئے تھے۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آزاد خان، شیخ عالم خان اور شیخ علی خان تینوں اپنے لشکر کو

لے کر شیراز شہر سے نکلے اور عین قاچاریوں کے لشکر کے سامنے انہوں نے پڑاؤ قائم کیا تھا اور ساتھ ہی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔

یہ صورتِ حال قاچاریوں کے لئے یقیناً غیر متوقع تھی۔ اس اچانک تبدیلی پر وہ حیران اور پریشان بھی ہوئے تھے۔ وہ صرف اپنے لشکر کی تیاری تک محدود رہے تھے لیکن اب ایک دم حرکت میں آئے اور اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر رہے تھے۔ کریم خان اپنے لشکر کے سامنے نہیں تھا۔ لشکر کے سامنے شیخ عالم خان، شیخ علی خان اور آزاد خان تینوں اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے لشکر کی صفوں کو استوار کر رہے تھے۔ اس موقع پر وہ بوڑھا مشیر جس نے روزبہ کو قاچاریوں کے پڑاؤ میں لائے جانے کو ناپسند کیا تھا اور اس کے خوفناک انجام کی پیش گوئی کی تھی، وہ اس وقت قاچاریوں کے چند چھوٹے سالاروں کے ساتھ کھڑا تھا اور اس کے ساتھ حسن خان قاچار کے کچھ دوسرے مشیر بھی تھے۔ اس موقع پر اس بوڑھے مشیر نے ایک غائر نگاہ کریم خان کے لشکر پر ڈالی، پھر اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اُفق تا اُفق پھیلی زمین پر دیکھتا ہوں کہ ٹوٹی قبروں کے بوسیدہ کتبے اور قضا کے حرف وصوت نمایاں ہونے لگے ہیں۔ کئی کارنامے نامکمل ہوں گے، جدائی کے قصے، کرب خیز صدائیں چارسُو رقص کرنے والی ہیں۔''

یہاں تک کہتے کہتے وہ مشیر رک گیا۔ اس لئے کہ ایک تبدیلی اور انقلاب رونما ہوا تھا۔ اس سے پہلے کریم خان کے لشکر کے سامنے صرف عالم خان، علی خان اور آزاد خان تھے۔ کریم خان خود موجود نہیں تھا۔ لشکری بے چینی اور بڑی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اچانک ایک سمت سے کوئی اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ وہ خود کریم خان تھا جو سفید رنگ کا کفن پہنے اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ جب وہ اپنے لشکر کے سامنے آیا تو اسے اپنے لشکر میں رہ کر دیکھتے ہوئے حسن خان کا بوڑھا مشیر پھر اپنے اردگرد جمع ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''عزیز ساتھیو! میں بہتے وقت کے گرداب میں جبر کی ٹھٹھری نظامت، لہو کی صلیبیں کھڑی ہوتی دیکھ رہا ہوں۔ نیتوں کے فساد، ذہنی سراب چارسُو رقص کریں گے۔ شعلوں

کی لہریں موت کی اُڑتی گرد، قضا کے بکھرے خواب، ادھورے لمحے، ٹوٹی سانسیں اِدھر اُدھر بکھرتی دکھائی دیں گی۔''

یہاں تک کہتے کہتے اُس مشیر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اپنے لشکر کے سامنے آ کر کریم خان نے اپنی تلوار بلند کی۔ اسے کفن میں دیکھ کر کچھ لشکری رونے لگے تھے۔ دھاڑیں مارنے لگے تھے اور کچھ بے پناہ غصہ اور عجیب سے جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے تکبیریں بلند کرنے لگے تھے۔ اپنی تلوار فضا میں بلند کرنے کے بعد کریم خان اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے بھائیو! یہ ہمارے سامنے اپنے لشکر کو استوار کئے قاچاری اپنی خواہشوں کے منہ زور سمندر میں ہمارے لئے تشنگی میں سمٹی نا اُمیدیاں جمع کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے خشک ہونٹوں پر پیاس کے پہرے، زرد چہروں پر بیکراں کربناکی کی لک ملنا چاہتے ہیں۔ آؤ ان پر ثابت کریں کہ ہم ان کے ہاتھوں اپنے معصوم بچوں کو دل گرفتہ نہیں ہونے دیں گے۔ ان کی وجہ سے ہماری عورتیں حرماں نصیب نہیں ہوں گی اور ان کے باعث ہمارے بوڑھے افسردہ نہیں ہوں گے۔ آج اس میدان میں ان کے مقدر، ان کے دامن، ان کی جھولی، ان کے کشکول میں بدترین اور ذلت آمیز شکست ڈال کر ان پر ثابت کرنا ہے کہ ہم اپنے کھیت کھلیانوں، اپنے باغ، تاکستانوں کی حفاظت خوب کر سکتے ہیں۔ آج ان پر ثابت کرنا ہے کہ ہم ان کے سامنے آ کر ان پر ضرب لگاتے ہوئے انہیں صحرا کی کوکھ سا اندھا اور بے مفہوم تحریروں سا بانجھ بنا سکتے ہیں۔

میرے ساتھیو! آؤ اور میرے ساتھ عہد کرو کہ ان قاچاریوں کو اپنی راہ کا پتھر جان کر انہیں اپنے پاؤں کی ٹھوکروں پر ایسا رکھیں کہ ان کی زیست کے ریگِ رواں میں ہر سمت، ہر سُو خوفناک کھنڈروں کا سماں برپا کر کے رکھ دیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد کریم خان خاموش ہو گیا تھا۔ اپنے لشکر کا بغور جائزہ لینے لگا تھا۔ دوسری طرف قاچاریوں کے لشکر میں بوڑھا مشیر اپنے ساتھیوں سے پھر کہہ رہا تھا۔

''کاش! یہ سماں برپا نہ ہوا ہوتا..... کاش! قاچاری کریم خان کی بیوی کو دھوکا دہی سے کام لے کر اپنے پڑاؤ میں نہ لاتے..... کاش! ہم کسی کی حمیت، کسی کی غیرت کو یوں سرِ عام نیلام کرنے کی کوشش نہ کرتے..... کاش! ہم نے عورتوں کے احترام کو پسِ پشت نہ ڈالا ہوتا..... اور اب میں دیکھتا ہوں کہ جبکہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے

سامنے ہیں تو درد کی صوتی لکیریں ریت کے تودوں، چٹانوں کے جگر تک کو چیرنے کے درپے ہیں۔ میرے تجربہ کی آنکھ دیکھتی ہے کہ چند ہی لمحوں بعد مرگ کے طوفانی جھکڑ چاروں طرف پھیل بکھر جائیں گے۔''

دونوں لشکر کچھ دیر تک صفیں درست کرتے رہے۔ اس کے بعد جنگ کی ابتداء کریم خان اور اس کے سالاروں نے کی تھی۔ وہ حرکت میں آئے۔ پھر وہ قاچاریوں کے لشکر پر بے کراں صحرا کی ویرانیوں میں موت کی راکھ کے انبار لگاتے سرد آہوں کے ہجوم، سکھ کے سارے رنگوں کو بارود کی طرح بھک سے اُڑا دینے والے بھورے لاوے کی ندیوں کے تلاطم اور قہر کے کاندھوں پر سوار طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف انہی کے انداز میں قاچاری بھی حرکت میں آئے تھے اور وہ بھی ظلم کی گھٹاؤں سے نکلتی عداوت بھری برسات، دُکھ کی اندھی بکل سے نمودار ہوتے نفس پرستی کے طوفانوں اور موت کی بے کرانیوں سے اُٹھتے شیطانوں کے برتاؤ کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

شیراز کے نواح میں دونوں لشکریوں کے اس طرح ٹکرانے سے عجیب سا سماں برپا ہو گیا تھا۔ جس طرح بینائی کے محدب عدسوں سے روشنی کی قوسیں گزرتی ہیں ایسے ہی موت کی لہریں جسموں کے منشور سے گزرنے لگی تھیں۔ چاروں طرف قضا نے جبر مسلسل کے حصار، اندھے کرب کی سرسراہٹیں، تذلیل و بے چارگی کی وارثت، محرومیوں کی زنجیریں، درد کی تفسیریں بکھیر کر رکھ دی تھیں۔

قاچاری اسی دھوکے، گھمنڈ اور فریب میں تھے کہ ماضی میں چونکہ وہ مازندان کے میدانوں میں دو بار کریم خان اور اس کے لشکریوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر چکے ہیں لہٰذا وہاں بھی فتح انہیں ہی نصیب ہو گی۔ لہٰذا انہیں ایک اور زعم اور گھمنڈ بھی تھا اور وہ کچھ اس طرح کہ کریم خان کے لشکر کے مقابلے میں ان کے لشکر کی تعداد زیادہ تھی لیکن اس بار کریم خان کفن پہن کر آیا تھا اور اس نے ایسے حملے کئے تھے کہ قاچاریوں کے اندر اس نے موت کے طوفان کھڑے کر دیئے تھے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے سالار اور سارے لشکری بھی بڑی تیزی سے قاچاریوں کے لشکر کی تعداد کم کرتے چلے گئے تھے۔

قاچاری لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ حسن خان قاچار اور

اس کے دونوں بیٹوں حسین قاچار اور محمد خان قاچار نے جب دیکھا کہ کریم خان اور اس کے لشکری اور سالار تو بڑی تیزی سے ان پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں، ان کے لشکر کی کثیر تعداد کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور قاچار لشکری اب ان کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں، ان کے لشکر کی اگلی صفوں کا صفایا کر دیا گیا ہے اور اب کریم خان اور اس کے سالار اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے قاچاریوں کے لشکر کے وسطی حصے کے قریب پہنچ چکے ہیں تب تینوں باپ بیٹوں نے اپنے لشکر کی حالت دیکھتے ہوئے اپنی شکست کو قبول کیا اور بھاگنا ہی چاہتے تھے پر ایسا ہو نہ سکا۔ اس لئے کہ ان کے ارادوں کو کریم خان اور اس کے سالاروں نے بھی بھانپ لیا تھا۔ ان کے گرد حلقہ تنگ کر دیا گیا تھا اور اس جنگ کے دوران بڑے عجیب و غریب اور غیر متوقع نتائج سامنے آئے۔

وہ اس طرح کہ قاچاریوں کے حکمران اور سردار حسن خان قاچار کو شیخ عالم خان نے گرفتار کر لیا تھا۔ حسن خان قاچار کے بیٹے حسین قاچار کو جنگ کے دوران کمندیں پھینک کر کریم خان نے پکڑ لیا تھا۔ دوسرے عرب سالار شیخ علی خان نے حسین قاچار کے چھوٹے بھائی محمد خان قاچار کو گرفتار کر لیا تھا جبکہ آزاد خان نے قاچاریوں کے سارے مشیروں کو اپنا اسیر بنا لیا تھا۔

جوں جوں شیراز کے نواح میں یہ جنگ اپنے انجام کو پہنچی سب سے پہلا زبردست قدم شیخ عالم خان نے اٹھایا۔ جب اس نے حسن قاچار کو گرفتار کیا تو حسن قاچار لرزنے، کانپنے لگا تھا۔ اس کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا تھا۔ تلوار اور ڈھال اس کے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ شیخ عالم کچھ دیر تک اس کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا، پھر ہولناک آواز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''کیا تُو وہ بدبخت انسان ہے جس نے ہماری بہن روزبہ کو دھوکا دہی سے اپنے پڑاؤ میں بلایا اور پھر ہمارے حکمران کریم خان کو یہ پیغام بھجوایا کہ اس کی بیوی تمہارے خیمے میں ہے، وہ اسے آ کر لے جائے۔ کیا عورت کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی؟ کیا اپنی کامیابی کو استحکام بخشنے کے لئے اس قدر پستی میں جاتے ہوئے تجھے حیا نہ آئی؟''

اس کے ساتھ ہی شیخ عالم خان کا غصہ اور اس کی غضب ناکی اپنے عروج پر پہنچ گئی

تھی۔ اپنی تلوار بلند کر کے اس نے گرائی اور حسن خان قاچار کا اس نے سر کاٹ دیا تھا۔

کچھ دیر توقف کے بعد اس نے اس سر کو صاف کیا اور جس بڑے توبڑے میں وہ اپنے گھوڑے کے لئے خوراک رکھتا تھا اس میں حسن قاچار کا کٹا ہوا سر ڈال کر اس کا منہ بند کر لیا۔

شیخ علی خان جس نے محمد خان قاچار کو گرفتار کیا تھا، محمد خان قاچار کو پکڑ کر کریم خان کے پاس لایا۔ اس وقت تک حسین خان قاچار بھی گرفتار ہو کر کریم خان کے سامنے کھڑا تھا۔ اتنی دیر تک آزاد خان گرفتار ہونے والے مشیروں کو بھی لے آیا۔ کریم خان نے سب سے پہلے محمد خان قاچار اور حسین قاچار کا جائزہ لیا۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم نے جنگ کا انجام دیکھا۔ میں یہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ قاچاری اس قدر ذلت اور اس قدر بے حمیتی کے گڑھے اور پستی میں اُتر جائیں گے۔ کسی کی عصمت مآب عورت کو دھوکا دہی سے اپنے لشکر میں بلا کر اس کی بے عزتی کا سامان کریں گے۔ اس وقت میں چاہوں اور تم دونوں کی گردنیں کاٹنے کا ارادہ کروں تو میرے دم کے سوا کوئی قوت مجھے اپنے ان ارادوں سے باز نہیں رکھ سکتی لیکن میں تم دونوں کو معاف کرتا ہوں۔''

یہاں تک کہتے کہتے کریم خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ آزاد خان، حسن قاچار کے مشیروں کو گفتار کر کے وہاں لے آیا تھا۔ کریم خان جب ان کا جائزہ لینے لگا تب وہ بوڑھا مشیر جس نے روز بہ کو اپنے پڑاؤ میں لائے جانے کی مخالفت کی تھی، جنگ سے پہلے اس نے ہولناکی کی پیش گوئی بھی کی تھی، وہ انتہائی دکھ بھرے انداز میں کریم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں اس محمد خان اور حسین قاچار کے باپ حسن قاچار کا مشیر ہوں۔ ان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ آج تک یہ میرے مشوروں پر عمل کرتے رہے لیکن آج بدبختی نے میرے اور ان کے خیالات کے درمیان تضاد اور نفرت کا لاوا کھڑا کر دیا۔ میں نے ان کی مخالفت کی کہ کریم خان کی بیوی کو دھوکا دہی سے اپنے پڑاؤ میں کیوں لائے۔ یہ جو پستی اور ذلت کی حرکت انہوں نے کی تھی، اس سے میں نے انہیں برے حالات کی تنبیہ بھی کی تھی۔ پر افسوس انہوں نے میرا کہا نہ مانا۔ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے

بھی میں نے کچھ اس طرح کے خیالات کا اظہار کیا تھا پر ہائے میری بدقسمتی، میری بد نصیبی کہ کسی نے بھی میرے کہے ہوئے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی۔''

اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ اس مشیر نے اپنی پیٹی سے خنجر نکالا اور اپنی چھاتی میں پیوست کر دیا اور ساتھ ہی دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

''اب مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ زمین پر گرا اور اس کی روح اس کے جسم کو چھوڑتی ہوئی پرواز کر گئی تھی۔

ان واقعات کے رونما ہونے کے بعد شیخ عالم خان اپنے گھوڑے کا توبڑا اٹھائے کریم خان کے پاس آیا۔ اس وقت کریم خان کے بیٹھنے کے لئے ایک نشست بنا دی گئی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیخ عالم خان جب کریم خان کے سامنے آیا اور توبڑا اس کے سامنے کیا تو کریم خان نے پوچھا۔

''یہ کیا لائے ہو؟''

اور بقول مؤرخین ہی کریم خان کے اس استفسار پر شیخ عالم بولا، کہنے لگا۔

''حسن قاچار کا سر حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں۔''

یہ الفاظ سن کر کریم خان اپنی مسند اور نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔ توبڑا اس نے شیخ عالم خان سے لے لیا۔ حسن خان کے کٹے ہوئے سر کو اس نے توبڑے سے نکالا، پھر پانی لانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ حسن خان قاچار کا دھڑ بھی یہاں لایا جائے۔ چنانچہ جب اس کے حکم کی تعمیل ہو گئی تب مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ پانی منگوا کر کریم خان نے حسن خان قاچار کے کٹے ہوئے سر کو دھویا، اس کے بالوں کو سنوارا، ان پر عرقِ گلاب چھڑکا، پھر حکم دیا کہ سر کو دھڑ کے ساتھ سی کر دفن کر دیا جائے۔ کریم خان کے حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی تھی۔

قاچاریوں کو بدترین شکست دینے کے بعد اب پورے ایران میں کوئی ایسی قوت نہ تھی جو کریم خان کا مقابلہ کرتی۔ لہٰذا کریم خان سارے ایرانی علاقوں کا بلا شرکت غیرے حکمران بن گیا تھا۔

کریم خان سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ کریم خان کی ایران پر حکومت کا زمانہ بہت اچھا دور تھا۔ وہ بیس سال تک ایران کا مختارِ کل حکمران رہا لیکن بادشاہ کا لقب اس

نے اختیار نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ بڑی عاجزی سے زندگی بسر کرنے والا تھا۔ اس نے بادشاہ کی بجائے اپنا منصب وکیلِ رعایا رکھا اور اسی لقب سے اس نے اپنے آپ کو پکارنے کا حکم جاری کیا۔ شیراز کو اس نے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ یہاں اس نے متعدد عالی شان عمارتیں بنائیں جنہیں دیکھنے کے لئے اب بھی لوگ کھنچے چلے جاتے ہیں۔

قاچاری اس کے سب سے بڑے دشمن تھے لیکن ان کی تالیف قلوب کی، انہیں بدترین شکست دینے کے بعد اس نے ان کے خلاف کوئی تادیبی یا انتقامی کارروائی نہیں کی۔ چھوٹے بھائی محمد خان قاچار کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا۔ جبکہ بڑے بھائی حسین قلی قاچار کو اس نے دامغان کا حاکم اپنی طرف سے مقرر کر دیا۔

اس موقع پر کچھ لوگوں نے حسین قلی خان قاچار کو یہ بھی حکم دیا کہ کریم خان نے چونکہ ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا ہے، انہیں قتل نہیں کیا، ان کے تالیفِ قلوب کا بھی سامان کیا ہے لہٰذا وہ اس کے ساتھ اپنے رشتہ کو استوار کریں اور اپنی بہن کو کریم خان کی زوجیت میں دے دیں تاکہ دونوں قبائل کے درمیان اُلفت و محبت کا رشتہ استوار ہو۔

لیکن حسین قلی قاچار نے احسان فراموشی کرتے ہوئے دامغان پہنچ کر کریم خان کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر دیا۔ اس سے کریم خان کو سخت دکھ اور صدمہ ہوا۔ کریم خان نے اس سے نمٹنے کے لئے اپنے بھائی ذکی خان کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ چنانچہ ذکی خان حسین قلی خان قاچار پر حملہ آور ہوا۔ حسین قاچار کو بدترین شکست ہوئی۔ شکست اٹھا کر بھاگا لیکن کچھ دشمن ترکمانوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر مارا گیا۔

کریم خان کے دورِ حکومت کے زمانے میں جب وہ ایران کا بلا شرکتِ غیرے حکمران تھا، بصرہ میں ایک بغاوت اُٹھی تھی۔ بصرہ کا حاکم ان دنوں ایک شخص سلیمان آغا تھا۔ اس نے قسمت آزمائی کی کوشش کی۔ بغاوت کھڑی کی۔ چاہتا تھا کہ کریم خان سے عنانِ حکومت چھین لے۔ چنانچہ جب اس نے بغاوت کھڑی کی تو اس کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کریم خان نے اپنے بھائی صادق خان کو تیس ہزار کا ایک لشکر دے کر بصرہ کی طرف روانہ کیا۔

صادق خان نے بصرہ کا محاصرہ کر لیا جو تین ماہ تک جاری رہا۔ آخر بصرہ کے والی سلیمان آغا نے مجبور ہو کر اپنی ہار اور شکست مان لی اور شہر صادق خان کے حوالے کر دیا۔ اس طرح کریم خان کی حکومت ایران میں مضبوط اور مستحکم ہوتی چلی گئی۔

محققین ایک حکمران کی حیثیت سے کریم خان کے متعلق لکھتے ہیں کہ کریم خان نے نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ رعایا کی ہر طرح سے دلجوئی کرتا رہا۔ من و آسائش کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کی۔ کریم خان جاہ و جلال کا فریفتہ نہ تھا۔ محض ظاہری شان و شوکت کی خاطر اس نے کوئی ایسا اقدام نہ کیا جس سے اس کی جوانمردی اور شرافتِ نفس پر حرف آتا۔ اس نے لوگوں کی بہبود کا ہمیشہ خیال رکھا۔ یہاں تک کہ ایران کے ارمنی اور عیسائی بھی اس کے مداح ہو گئے تھے۔

وہ بڑا راست گو اور راست باز شخص تھا۔ راستی کو کبھی اس نے ملوکانہ سیاست پر قربان نہیں ہونے دیا تھا۔ یہاں تک کہ دشمن بھی اس کے قول و فعل اور اقرار پر اعتماد رکھتے اور اس کی پناہ میں امن و عافیت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

حد یہ کہ اس کے ایک بدترین دشمن آزاد خان نے ہر طرف سے مایوس ہو کر جب کریم خان کے پاس پناہ لینا چاہی تو باکمال شفقت کریم خان نے اسے پناہ دی۔ اسی مروت کا نتیجہ تھا کہ آزاد خان آخری دم تک اس کا وفادار رہا۔ خونریزی سے کریم خان کو نفرت تھی۔ اس نے ہمیشہ اپنے مغلوب دشمن سے شفقت کا سلوک کیا۔ اس کا نصب العین رعایا کو مطمئن اور خوشحال بنانا تھا۔ اس کی پسندیدہ صفات ہی اس کی کامیابی کا اصل راز تھیں۔

محققین یہ بھی لکھتے ہیں کہ کریم خان نے اپنے دور میں ایران کے اندر تجارت کو فروغ دیا۔ مختلف مصنوعات کے کارخانے لگائے۔ کریم خان نے برطانیہ سے تجارتی تعلقات قائم رکھنے کو بھی پسند کیا۔ چنانچہ تجارت کے لئے اس نے فرمان جاری کیا۔ وہ انگریزوں کے لئے بہت موافق تھا۔ تجارت شروع شروع میں بہت محدود پیمانے پر ہوئی۔ چونکہ بمبئی سے سال بھر میں صرف ایک جہاز آتا جاتا تھا۔ شروع میں یہ تجارت گوخسارے کی تھی لیکن بعد میں اس سے کریم خان کے لئے منافع کا پہلو بھی نکل آیا تھا۔

افسوس کریم خان کے لواحقین اس کے بعد سلطنت کو سنبھال نہ سکے۔ محمد خان قاچار چونکہ کریم خان کے پاس بطور یرغمال شیراز میں ٹھہرا ہوا تھا، چنانچہ محمد خان قاچار، کریم خان کی وفات کا منتظر رہتا تھا۔ آخر اس کی وفات کی خبر ملی تو چوری چوری ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اصفہان کا رخ کیا۔ وہاں سے اپنے پسندیدہ علاقوں کی طرف بھاگا۔ آخر

مازندران پہنچ کر محض اِدھر اُدھر بھاگے ہوئے اور چھپے ہوئے قاچاری اُمراء کو اپنے ساتھ ملایا اور کریم خان کے وارثوں کے خلاف علمِ بغاوت کھڑا کر دیا۔

افسوس کریم خان بیس سال تک ایران پر حکمرانی کرنے کے بعد جب اس دنیا سے رحلت کر گیا تب اس کے خاندان میں رقابتیں شروع ہو گئیں جن کی وجہ سے زندی خاندان کی جمعیت قائم نہ رہ سکی۔

اُدھر قاچاریوں نے اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی جس کے لئے کریم خان کے وارثوں اور قاچاریوں کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

کریم خان کی وفات کے وقت اُس کا بیٹا ابوالفتح ابھی جوان ہی تھا۔ کوئی خاص تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ بہرحال اپنے باپ کے بعد وہ وارثِ تاج و تخت ہوا۔ دوسرے دعوے دار قاچاری تھے۔ تیسرا دعوے دار کریم خان کا بھائی ذکی خان اور چوتھا دعوے دار کریم خان کا دوسرا بھائی صادق خان بھی تھا۔

کریم خان کی وفات پر حکومتِ ایران ذکی خان نے سنبھال لی جو ماں کی طرف سے کریم خان کا بھائی تھا۔ ذکی خان جنگجو اور سفاک شخص تھا۔ کریم خان کی زندگی ہی میں اس نے علمِ بغاوت بلند کیا تھا لیکن اس پر بہت جلد قابو پا لیا گیا۔ کریم خان نے اس کی خطا سے درگزر کر کے اسے معاف کر دیا تھا اور پھر جب حسین خان قاچار نے دامغان میں علمِ بغاوت بلند کیا تھا تو اس کی سرکوبی کے لئے ذکی خان کو بھیجا گیا تھا۔ اس نے بغاوت کو فرو کرنے میں نہایت سختی کی۔ جو لوگ اس مہم میں قید ہوئے انہیں ذکی خان نے سروں کے بل زمین میں زندہ دبوا دیا تھا۔ اس طرح کا سلوک اس نے بعض اور مقامات پر بھی کیا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے خوف زدہ تھے اور اس سے انتہائی نفرت بھی کرتے تھے۔

ذکی خان نے حکومت تو سنبھال لی لیکن بعض زند سرداروں نے شیراز پر قبضہ کر کے کریم خان کے بیٹے ابوالفتح کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ناچار ذکی خان نے بھی مصلحتاً اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔

کریم خان کا دوسرا بھائی صادق خان جو بصرہ کا حکمران تھا اس نے کریم خان کی وفات کی خبر سنی تو تخت و تاج حاصل کرنے کے خیال میں اپنا لشکر لئے شیراز آیا۔ ذکی

خان کو یقین تھا کہ وہ جنگ کے ارادے سے آیا ہے۔ اس نے سعادت خان کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے تمام لواحقین کو جو شیراز میں مقیم ہیں، قتل کر دیا جائے گا۔ اس کے باوجود شاید صادق خان کچھ کر گزرتا لیکن اس کے لشکر کا بیشتر حصہ کریم خان کے بیٹے ابوالفتح کے خلاف تلوار اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ صادق خان نے حملے کا ارادہ ترک کر کے کرمان کا رخ کیا اور قلعہ بام میں جا کر مقیم ہو گیا۔

سعادت خان سے بےفکر ہو کر ذکی خان نے، جو زمامِ حکومت سنبھالے ہوئے تھا اور ایک طرح سے ابوالفتح کا نگران بنا ہوا تھا، محمد خان قاچار کی طرف رجوع کیا جو شیراز سے بھاگ کر ایک بہت بڑی قوت جمع کر چکا تھا اور مازندران میں اپنی جنگی تیاریوں کو عروج پر پہنچا چکا تھا۔ ذکی خان نے مازندران پر حملہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے ایک بھتیجے علی مراد کو بھیجا جو سعادت خان کا بیٹا تھا لیکن وہ ذکی خان سے عناد رکھتا تھا اس لئے وہ خود علمِ بغاوت بلند کر کے اصفہان پر قابض ہو گیا اور ابوالفتح کے نام پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

ذکی خان نے فوراً ہی ایک لشکر جمع کر کے اصفہان کا رخ کیا لیکن راستے میں ایک جگہ اس نے پڑاؤ کیا۔ وہ سو رہا تھا کہ جو لشکری کریم خان کے وفادار تھے، ذکی خان کے خلاف تھے، اس پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔

صادق خان کو ذکی خان کے قتل ہونے کی خبر ملی تو قلعہ بام سے نکل کر ایران کا رخ کیا اور شیراز پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

حالات کی ستم ظریفی، صادق خان کی غداری کہ شیراز پر قبضہ کرنے کے بعد وہ کریم خان کے بیٹے ابوالفتح کے خلاف حرکت میں آیا۔ پہلے اسے اپنا اسیر اور قیدی بنایا اور پھر اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر کر اندھا کر دیا۔

اس کے بعد صادق خان نے چاروں طرف اپنی حکومت قائم کرنا چاہی۔ اصفہان پر بھی قبضہ کر لیا اور فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر اصفہان کے محلاتِ شاہی میں عیش و عشرت کرنے لگا لیکن اس کے مخالف اپنی جنگی تیاری میں مصروف رہے۔ آخر ہمدان کے مقام پر علی قلی کو بدترین شکست دے کر اس کی فتح کا اس سے انتقام لے لیا۔ اب ان باغیوں کے سرکردہ علی مراد نے شیراز کی طرف پیش قدمی کی، شہر کا محاصرہ کر لیا۔ آٹھ ماہ کے محاصرے کے بعد اس نے شیراز کو بھی فتح کر لیا۔ اس نے سب سے پہلے

صادق خان کو گرفتار کیا۔ صادق خان کے سامنے اس کے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعد میں صادق خان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس طرح کریم خان کے بعد باہمی رقابت حرص و ہوس نے اپنا رنگ دکھایا اور اس کے بھائی آپس میں ٹکرائے۔ اگر کریم خان کے بعد وہ تحمل و برداشت اور نظم و ضبط سے کام لیتے اور کریم خان کے بعد اس کے بیٹے ابوالفتح کو ایران کا حکمران بنا کر اُس کے مددگار و معاون بنتے تب کریم خان کے بعد اس کے خاندان میں کریم خان کی شرافت کی وجہ سے صدیوں تک حکومت چلتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ کریم خان کے بعد غیر ذمہ دار لوگوں نے اس کے بیٹے کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔

بہرحال جس وقت شیراز شہر کے باہر کریم خان نے اپنے سالاروں اور لشکریوں کے ساتھ قاچاریوں کو بدترین شکست دی تھی، حسن خان قاچار کا کٹا ہوا سر اس کے جسم کے دوسرے حصے کے ساتھ سی کر دفن کر دیا گیا تھا اور حسین خان قاچار اور محمد خان قاچار کو اپنا اسیر بنانے کے بعد کریم خان واپس شیراز شہر کی طرف آ رہا تھا، اس کے لشکری فتح کے نغمے الاپ رہے تھے، اس وقت شیراز کے قصر میں روزبہ بے سدھ حالت میں ایک مسہری پر پڑی ہوئی تھی اور اس کا بیٹا ابوالفتح اس کے قریب اُداس اور افسردہ بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اپنے بیٹے ابوالفتح کو مخاطب کرتے ہوئے روزبہ کہنے لگی۔

''میرے بچے! حالات کی ستم ظریفی نے میرے مقدر کی راہوں میں آگ و آہن کا کھیل بھر دیا ہے۔ میرے شعور اور آگہی کے کندن میں وقت نے خون آشام جستجو ڈال دی ہے۔ میری بدقسمتی میری قسمت کے بند دروازوں کی درزوں سے سازشوں کی آتشیں کرنیں در آئیں، میرے شبستان کو مسمار کر گئیں اور دیارِ وقت میں فنا کے ہاتھوں نے میری زیست کے اَن کہے رازوں کو لہولہو کر دیا۔ میری محبتوں کے رشتے کٹ گئے، تاروں بھرا میرا آنگن خزاں رسیدہ ہو گیا۔ شادمانیوں کے لمحے فنا کے روگ بن گئے۔ ممتا کی کرنیں نا اُمیدیوں کا محور ثابت ہوئیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد روزبہ خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب بہہ نکلا تھا۔ پاس بیٹھا اس کا بیٹا ابوالفتح بھی رو رہا تھا۔

''حالات نے اور ان قاچاریوں کی سازشوں نے مجھے وقت کی بے رحم چٹان پر لا

کھڑا کیا ہے۔ جہاں میں اپنے شوہر پر نہ اپنی صفائی پیش کر سکتی ہوں نہ اُس سے بات کر سکتی ہوں۔ ان قاچاریوں نے میرے ساتھ دھوکا اور فریب کیا۔ میری نشاط کی خواہشوں، میرے ستاروں سے جگمگاتے مستقبل کو تاریک کر دیا۔ میرے روز و شب کی خوشیاں تباہی کے خونی حادثوں میں تبدیل کر دیں۔ کاش! کوئی کیمیا گر، کاش کوئی پارکھ، کاش! کوئی نقیب، کوئی رازدان.....''

اس سے آگے روزبہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس لئے کہ قصر کے باہر شور شرابہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ لوگ شور کر رہے تھے کہ کریم خان نے قاچاریوں کو بدترین شکست دی ہے۔ حسن قاچار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس کے دونوں بیٹوں کو اسیر بنا لیا گیا ہے۔ کریم خان ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے لشکر کے ساتھ شیراز شہر میں داخل ہو رہا ہے۔

یہ خبر سن کر روزبہ تڑپ کر اُٹھی تھی۔ قصر سے باہر بھاگی تھی۔ اس کا بیٹا ابوالفتح اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ ننگے پاؤں روزبہ آندھی اور طوفان کی طرح شیراز کے شرقی دروازے کی طرف بھاگی تھی۔ ابوالفتح اپنی آنکھیں خشک کرتا ہوا اس کے پیچھے تھا۔ ایک جگہ آ کر روزبہ رک گئی۔ اس کے چہرے پر اس لمحہ مسکراہٹ تھی اس لئے کہ اس نے دیکھا لشکر شہر میں داخل ہونے کے بعد شہر کے اندر ایک کھلے میدان کی طرف آیا تھا۔ لشکر کے آگے آگے کریم خان اپنے گھوڑے پر سوار اس میدان میں داخل ہوا تھا۔

روزبہ اس موقع پر بھاگ کر آگے بڑھی، عجیب سی خوشی اور سرشاری میں اس نے کریم خان کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور ساتھ ہی دُکھ برساتی آواز میں کہنے لگی۔

''قاچاریوں کے خلاف آپ کی اس شاندار فتح پر میں آپ کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔''

روزبہ کے ان الفاظ پر کریم خان کا چہرہ غصے اور غضب ناکی میں سرخ ہو گیا تھا۔ بری طرح پھٹ پڑا۔ کہنے لگا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ جس روز تم نے دانستہ طور پر میرے سامنے آنے کی کوشش کی یا مجھ سے گفتگو کرنا چاہی میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔ سو میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔''

کریم خان نے ابھی ایک بار ہی یہ جملہ کہا تھا اور طلاق دینے کا یہ جملہ مزید دو بار دوہرانا چاہتا تھا کہ روزبہ نے ایک دم اپنا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

''خدا کے لئے اس سے آگے کچھ نہ کہئے گا۔''

اس کے ساتھ ہی اس کا ایک ہاتھ جو فضا میں اٹھا تھا وہ اٹھا ہی رہ گیا۔ بائیں ہاتھ سے جو اس نے کریم خان کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی، وہ باگ بھی اس سے چھوٹ گئی۔ بے سدھ حالت میں وہ زمین پر گر گئی تھی۔ قریب کھڑی کچھ عورتیں بھاگ کر اس کی طرف بڑھی تھیں۔ اتنی دیر تک روزبہ کا بیٹا ابوالفتح بھی وہاں آن پہنچا تھا۔ یہ صورتِ حال بڑی پریشان کن تھی۔ سارے سالار نیچے اُتر گئے تھے۔ کریم خان بھی اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت کی زخمی، روتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''روزبہ مر چکی ہے۔''

سارے سالاروں کی گردنیں یہ خبر سن کر جھک گئی تھیں۔ اپنی ماں کی لاش سے لپٹ کر ابوالفتح دھاڑیں مار کر رونے لگا تھا۔ کریم خان نے اپنے دونوں بازو اپنے گھوڑے کی گردن پر ڈال دیئے تھے۔ اپنا سر اپنے دونوں بازوؤں پر رکھ دیا تھا۔ اس موقع پر اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے اور اس کے حلقوم میں ہچکیاں اور سسکیاں اٹک کر رہ گئی تھیں۔

اُسی روز روزبہ کو شیراز شہر کے نواح میں دفن کر دیا گیا اور اسی روز کریم خان کے ایران پر حکمران ہونے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔

(تمت بالخیر)